پیرِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

عمیرہ احمد

پیرِ کامل

عمیرہ احمد

پیرِ کامل

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش؟" بال پوائنٹ ہونٹوں میں دبائے وہ سوچ میں پڑ گئی پھر ایک لمبا سانس لیتے ہوئے قدرے بے بسی سے مسکرائی

"بہت مشکل ہے اس سوال کا جواب دینا۔"

"کیوں مشکل ہے؟" جویریہ نے اس سے پوچھا۔

"کیونکہ میری بہت ساری خواہشات ہیں، اور ہر خواہش ہی میرے لئے بہت اہم ہے۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں دیوار کے ساتھ زمین پر ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔

ایف ایس سی کلاسز میں آج ان کا آٹھواں دن تھا اور اس وقت وہ دونوں فری پیریڈ میں آڈیٹوریم کے عقبی حصے میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ نمکین مونگ پھلی کے دانوں کو ایک ایک کر کے کھاتے ہوئے جویریہ نے اس سے پوچھا۔

"تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے امامہ؟"

امامہ نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا اور سوچ میں پڑ گئی۔

"پہلے تم بتاؤ، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" امامہ نے جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کر دیا۔

"پہلے میں نے پوچھا ہے، تمہیں پہلے جواب دینا چاہیے۔" جویریہ نے گردن ہلائی۔

"اچھا۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ مجھے اور سوچنے دو۔" امامہ نے فوراً ہار مانتے ہوئے کہا۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش؟" وہ بڑبڑائی۔ "ایک خواہش تو یہ ہے کہ میری زندگی بہت لمبی ہو۔" اس نے کہا۔

"کیوں۔۔۔۔؟" جویریہ ہنسی۔

"بس پچاس، ساٹھ سال کی زندگی مجھے بڑی چھوٹی لگتی ہے۔۔۔۔ کم سے کم سو سال تو ملنے چاہئیں انسان کو دنیا میں۔۔۔۔ اور پھر میں اتنا سب کچھ کرنا چاہتی ہوں۔۔۔۔ اگر جلدی

مر جاؤں گی تو پھر میری زندگی کی ساری خواہشات ادھوری رہ جائیں گی۔" اس نے مونگ پھلی کا ایک دانہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا اور۔۔۔۔؟" جویریہ نے کہا۔

"اور یہ کہ میں ملک کی سب سے بڑی ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں۔۔۔۔ سب سے اچھی آئی سپیشلسٹ۔ میں چاہتی ہوں جب پاکستان میں آئی سرجری کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں میرا نام ٹاپ آف دا لسٹ ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے آسمان کو دیکھا۔

"اچھا اور اگر کبھی تم ڈاکٹر نہ بن سکیں تو۔۔۔۔" جویریہ نے کہا۔ "آخر یہ میرٹ اور قسمت کی بات ہے۔"

"ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ میں اتنی محنت کر رہی ہوں کہ میرٹ پر ہر صورت آؤں گی۔ پھر میرے والدین کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ میں اگر یہاں کسی میڈیکل کالج میں نہ جا سکی تو وہ مجھے بیرون ملک بھجوا دیں گے۔"

"پھر بھی اگر کبھی ایسا ہو کہ تم ڈاکٹر نہ بن سکو تو۔۔۔۔؟"

"ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے میں اس پروفیشن کے لئے سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔ یہ میرا خواب ہے اور خوابوں کو بھلا کیسے چھوڑا یا بھلایا جا سکتا ہے۔ امپاسبل۔۔۔۔۔"

امامہ نے قطعی انداز میں سر ہلاتے ہوئے ہتھیلی پر رکھے ہوئے دانوں میں سے ایک اور دانہ منہ میں ڈالا۔

"زندگی میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے، فرض کرو کہ تم ڈاکٹر نہیں بن پاتیں تو؟ پھر تم کیا کرو گی؟ کیسے ری ایکٹ کرو گی؟" امامہ اب سوچ میں پڑ گئی۔

"پہلے تو میں بہت روؤں گی۔ بہت ہی زیادہ۔۔۔۔۔ کئی دن۔۔۔۔۔ اور پھر میں مر جاؤں گی۔"

جویریہ بے اختیار ہنسی۔ "اور ابھی کچھ دیر پہلے تو تم کہہ رہی تھیں کہ تم لمبی زندگی چاہتی ہو۔۔۔۔۔ اور ابھی تم کہہ رہی ہو کہ تم مر جاؤ گی۔"

"ہاں تو پھر زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ سارے پلانز ہی میرے میڈیکل کے حوالے سے ہیں۔۔۔۔۔ اور یہ چیز زندگی سے نکل گئی تو پھر باقی رہے گا کیا؟"

"یعنی تمہاری ایک بڑی خواہش دوسری بڑی خواہش کو ختم کر دے گی؟"

"تم یہی سمجھ لو۔۔۔۔۔"

"تو پھر اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ تمہاری سب سے بڑی خواہش ڈاکٹر بننا ہے، لمبی زندگی پانا نہیں۔"

"تم کہہ سکتی ہو۔۔۔۔۔"

"اچھا۔۔۔۔ اگر تم ڈاکٹر نہ بن سکیں تو پھر مرو گی کیسے۔۔۔۔۔ خودکشی کرو گی یا طبعی موت؟" جویریہ نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"طبعی موت ہی مروں گی۔۔۔۔۔ خودکشی تو کر ہی نہیں سکتی۔" امامہ نے لاپروائی سے کہا۔

"اور اگر تمہیں طبعی موت آنہ سکی تو۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے جلد نہ آئی تو پھر تو تم ڈاکٹر نہ بننے کے باوجود بھی لمبی زندگی گزارو گی۔"

"نہیں، مجھے پتہ ہے کہ اگر میں ڈاکٹر نہ بنی تو پھر بہت جلد مر جاؤں گی۔ مجھے اتنا دکھ ہو گا کہ میں تو زندہ رہ ہی نہیں سکوں گی۔" وہ یقین کے ساتھ بولی۔

"تم جس قدر خوش مزاج ہو، میں کبھی یقین نہیں کر سکتی کہ تم کبھی اتنی دکھی ہو سکتی ہو کہ رو رو کر مر جاؤ اور وہ بھی صرف اس لئے کہ تم ڈاکٹر نہیں بن سکیں۔ لک فنی۔" جویریہ نے اس بار اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"تم اب میری بات چھوڑو، اپنی بات کرو، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" امامہ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"رہنے دو۔۔۔۔۔"

"کیوں رہنے دوں۔۔۔۔؟ بتاؤنا؟"

"تمہیں برا لگے گا؟" جویریہ نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

امامہ نے گردن موڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ "مجھے کیوں برا لگے گا؟"

جویریہ خاموش رہی۔

"ایسی کیا بات ہے جو مجھے بری لگے گی؟" امامہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"بری لگے گی۔" جویریہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"آخر تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کا میری زندگی سے کیا تعلق ہے کہ میں اس پر برا مانوں گی۔" امامہ نے اس بار قدرے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "کہیں تمہاری یہ خواہش تو نہیں ہے کہ میں ڈاکٹر نہ بنوں؟" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

جویریہ ہنس دی۔ "نہیں۔۔۔۔۔زندگی صرف ایک ڈاکٹر بن جانے سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔" اس نے کچھ فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"پہیلیاں بجھوانا چھوڑ دو اور مجھے بتاؤ۔" امامہ نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں، میں برا نہیں مانوں گی۔" امامہ نے اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"وعدے کرنے کے باوجود میری بات سننے پر تم بری طرح ناراض ہو گی۔ بہتر ہے ہم کچھ اور بات کریں۔" جویریہ نے کہا۔

"اچھا میں اندازہ لگاتی ہوں، تمہاری اس خواہش کا تعلق میرے لئے کسی بہت اہم چیز سے ہے۔۔۔۔۔رائٹ؟" امامہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا جویریہ نے سر ہلایا۔

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے لئے کونسی چیز اتنی اہم ہو سکتی ہے کہ میں۔" وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔

"مگر جب تک میں تمہاری خواہش کی نوعیت نہیں جان لیتی میں کچھ بھی اندازہ نہیں کر سکتی۔ بتادو جویریہ۔۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔اب تو مجھے بہت ہی زیادہ تجسس ہو رہا ہے۔" اس نے منت کی۔

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔امامہ غور سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جویریہ نے سر اٹھا کر امامہ کو دیکھا۔

"میرے پروفیشن کے علاوہ میری زندگی میں فی الحال جن چیزوں کی اہمیت ہے وہ صرف ایک ہی ہے اور اگر تم اس کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتی ہو تو کہو میں برا نہیں مانوں گی۔" امامہ نے سنجیدگی سے کہا۔

جویریہ نے قدرے چونک کر اسے دیکھا، وہ اپنے ہاتھ میں موجود ایک انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔جویریہ مسکرائی۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تم۔۔۔۔۔" جویریہ نے اسے اپنی خواہش بتائی۔امامہ کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔وہ شاکڈ تھی یا حیرت زدہ۔۔۔۔۔جویریہ اندازہ نہیں کر سکی۔ مگر اسکے چہرے کے تاثرات یہ ضرور بتا رہے تھے کہ جویریہ کے منہ سے نکلنے والے جملے اس کے ہر اندازے کے برعکس تھے۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا تم برا مانو گی۔" جویریہ نے جیسے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر امامہ کچھ کہے بغیر اسے دیکھتی رہی۔



معیز حلق کے بل چلاتا ہوا درد سے دوہرا ہو گیا، اس کے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر تھے۔اس کے سامنے کھڑے بارہ سالہ لڑکے نے اپنی پھٹی ہوئی ٹی شرٹ کی آستین سے اپنی ناک سے بہتا ہوا خون صاف کیا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹینس ریکٹ کو ایک بار پھر پوری قوت سے معیز کی ٹانگ پر دے مارا۔معیز کے حلق سے ایک بار پھر چیخ نکلی اور وہ اس بار سیدھا ہو گیا۔ کچھ بے یقینی کے عالم میں اس نے خود سے دو سال چھوٹے بھائی کو دیکھا جو اب بغیر کسی لحاظ اور مروت کے اسے اس ریکٹ سے پیٹ رہا تھا جو معیز کچھ دیر پہلے اسے پیٹنے کے لئے لے کر آیا تھا۔

اس ہفتے میں ان دونوں کے درمیان ہونے والا یہ تیسرا جھگڑا تھا اور تینوں بار جھگڑا شروع کرنے والا اس کا چھوٹا بھائی تھا۔معیز اور اس کے تعلقات ہمیشہ ہی ناخوشگوار رہے تھے۔

ان کا جھگڑا بچپن سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک صرف زبانی کلامی باتوں اور دھمکیوں تک ہی محدود رہتا تھا، مگر اب کچھ عرصے سے وہ دونوں ہاتھا پائی پر بھی اتر آئے تھے۔

آج بھی یہی ہوا تھا وہ دونوں اسکول سے اکٹھے واپس آئے تھے اور گاڑی سے اترتے ہوئے اس کے چھوٹے بھائی نے بڑی درشتی کے ساتھ پیچھے ڈگی سے اس وقت اپنا بیگ کھینچ کر نکالا جب معیز اپنا بیگ نکال رہا تھا۔بیگ کھینچتے ہوئے معیز کے ہاتھ کو بری طرح رگڑ آئی۔معیز بری طرح تلملایا۔

"تم اندھے ہو چکے ہو؟"

وہ اطمینان سے اپنا بیگ اٹھائے بے نیازی سے اندر جا رہا تھا، معیز کے چلانے پر اس نے پلٹ کر اس کو دیکھا اور لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔معیز کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی، وہ تیز قدموں سے اس کے پیچھے اندر چلا آیا۔

"اگر دوبارہ تم نے ایسی حرکت کی تو میں تمہارا ہاتھ توڑ دوں گا۔"اس کے قریب پہنچتے ہوئے معیز ایک بار پھر دھاڑا۔اس نے بیگ کندھے سے اتار کر نیچے رکھ دیا اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔"نکالوں گا۔۔۔تم کیا کرو گے؟ ہاتھ توڑو گے؟ اتنی ہمت ہے؟"

"یہ میں تمہیں اس وقت بتاؤں گا جب تم دوبارہ یہ حرکت کرو گے۔"معیز اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

مگر اس کے بھائی نے پوری قوت سے اس کا بیگ کھینچتے ہوئے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

"نہیں تم مجھے ابھی بتاؤ۔"اس نے معیز کا بیگ اٹھا کر دور پھینک دیا۔معیز کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے زمین پر پڑا ہوا اپنے بھائی کا بیگ اٹھا کر دور اچھال دیا۔ایک لمحے کے انتظار کئے بغیر اس کے بھائی نے پوری قوت سے معیز کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری۔جواباً اس نے پوری قوت سے چھوٹے بھائی کے منہ پر مکا مارا جو اس کی ناک پر لگا۔اگلے ہی لمحے اس کی ناک سے خون ٹپکنے لگا۔اتنے شدید حملے کے باوجود اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔اس نے معیز کی ٹائی کھینچتے ہوئے اس کا گلا دبانے کی کوشش کی۔معیز نے جواباً اس کی شرٹ کو کالرز سے کھینچا اسے شرٹ کے پھٹنے کی آواز آئی۔اس نے پوری قوت سے اپنے چھوٹے بھائی کے پیٹ میں مکا مارا اس کے بھائی کے ہاتھ سے اس کی ٹائی نکل گئی۔

"ٹھہرو میں تمہیں اب تمہارا ہاتھ توڑ کر دکھاتا ہوں۔"معیز نے اسے گالیاں دیتے ہوئے لاؤنج کے ایک کونے میں پڑے ہوئے ایک ریکٹ کو اٹھا لیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو مارنے کی کوشش کی مگر اگلے ہی لمحے ریکٹ اس کے بھائی کے ہاتھ میں تھا۔اس نے پوری قوت سے

گھما کر اتنی برق رفتاری کے ساتھ اس ریکٹ کو معیز کے پیٹ میں مارا کہ وہ سنبھل یا خود کو بچا بھی نہیں سکا۔ اس نے یکے بعد دیگرے اس کی کمر اور ٹانگ پر ریکٹ برسا دیے۔

اندر سے ان دونوں کا بڑا بھائی اشتعال کے عالم میں باہر لاؤنج میں آگیا۔

"کیا تکلیف ہے تم دونوں کو۔۔۔۔ گھر میں آتے ہی ہنگامہ شروع کر دیتے ہو۔" اس کو دیکھتے ہی چھوٹے بھائی نے اٹھا ہوا ریکٹ نیچے کر لیا تھا۔

"اور تم۔۔۔۔ تمہیں شرم نہیں آتی اپنے سے بڑے بھائی کو مارتے ہو۔" اس کی نظر اب اس کے ہاتھ میں پکڑے ریکٹ پر گئی۔

"نہیں آتی۔" اس نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہوئے ریکٹ ایک طرف اچھال دیا اور بڑی بے خوفی سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا اپنا بیگ اٹھا کر اندر جانے لگا۔ معیز نے بلند آواز میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا۔

"تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" وہ ابھی تک اپنی ٹانگ سہلا رہا تھا۔

"sure why not" (ہاں کیوں نہیں)۔

ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ سیڑھیوں کے آخری سرے پر رک کر اس نے معیز سے کہا۔ "اگلی بار تم بیٹ لے کر آنا۔۔۔۔ ٹینس ریکٹ سے کچھ مزہ نہیں آیا۔۔۔۔ تمہاری کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی۔" معیز کو اشتعال آگیا۔

"تم اپنی ناک سنبھالو وہ یقیناً ٹوٹ گئی ہو گی۔"

معیز غصے کے عالم میں سیڑھیوں کو دیکھتا رہا، جہاں کچھ دیر پہلے وہ کھڑا تھا۔



مسز سمانتھا رچرڈز نے دوسری رو میں کھڑکی کے ساتھ پہلی کرسی پر بیٹھے ہوئے اس لڑکے کو چوتھی بار گھورا۔ وہ اس وقت بھی بڑی بے نیازی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ باہر سے نظریں ہٹاتا۔۔۔۔ ایک نظر مسز سمانتھا کو دیکھتا۔ اس کے بعد پھر اسی طرح باہر جھانکنے لگتا۔

اسلام آباد کے ایک غیر ملکی اسکول میں وہ آج پہلے دن اس کلاس کی بیالوجی پڑھانے کے لئے آئی تھیں۔ وہ ایک ڈپلومیٹ کی بیوی تھیں اور کچھ دن پہلے ہی اسلام آباد اپنے شوہر کے ساتھ

آئی تھیں۔ ٹیچنگ ان کا پروفیشن تھا اور جس جس ملک میں ان کے شوہر کی پوسٹنگ ہوئی وہ وہاں سفارت خانہ سے منسلک اسکولز میں پڑھاتی رہیں۔

اپنے سے پہلے بیالوجی پڑھانے والی ٹیچر مسز میرین کی سکیم آف ورک کو ہی جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کلاس کے ساتھ کچھ ابتدائی تعارف اور گفتگو کے بعد دل اور نظام دوران خون کی ڈایا گرام رائٹنگ بورڈ پر بناتے ہوئے اسے سمجھانا شروع کیا۔

ڈایا گرام کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے اس لڑکے کو کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پرانی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے اپنی نظریں اس لڑکے پر مرکوز رکھتے ہوئے انہوں نے اچانک بولنا بند کر دیا۔ کلاس میں یکدم خاموشی چھا گئی۔ اس لڑکے نے سر گھما کر اندر دیکھا۔ مسز سانتھا رچرڈز سے اس کی نظریں ملیں۔ مسز سانتھا مسکرائیں اور ایک بار پھر انہوں نے اپنا لیکچر شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک انہوں نے اسی طرح بولتے ہوئے اپنی نظریں اس لڑکے پر رکھیں، جو اب اپنے سامنے پڑی نوٹ بک پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا اس کے بعد مسز سانتھا نے اپنی توجہ کلاس میں موجود دوسرے اسٹوڈنٹس پر مرکوز کر لی۔ ان کا خیال تھا وہ خاصا شرمندہ ہو چکا ہے دوبارہ باہر نہیں دیکھے گا مگر صرف دو منٹ کے بعد انہوں نے اسے ایک بار پھر کھڑکی سے باہر متوجہ دیکھا۔ وہ ایک بار پھر بولتے بولتے خاموش ہو گئیں۔ بلاتوقف اس لڑکے نے گردن موڑ کر پھر ان کی طرف دیکھا، اس بار مسز سانتھا مسکرائیں

نہیں، بلکہ قدرے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر لیکچر دینا شروع کر دیا۔ چند لمحے گزرنے کے بعد انہوں نے رائٹنگ بورڈ کو دیکھنے کے بعد دوبارہ اس لڑکے کو دیکھا تو وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر کچھ دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس بار غیر محسوس طور پر ان کے چہرے پر کچھ ناراضی نمودار ہوئی اور وہ کچھ جھنجھلاتے ہوئے خاموش ہوئیں اور ان کے خاموش ہوتے ہی اس لڑکے نے کھڑکی کے باہر سے اپنی نظریں ہٹا کر ان کی طرف دیکھا، اس بار اس لڑکے کے ماتھے پر بھی کچھ شکنیں تھیں۔ ایک نظر مسز سانتھا کو ناگواری سے دیکھ کر وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اس کا انداز اس قدر توہین آمیز تھا کہ مسز سانتھا رچرڈز کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"سالار! تم کیا دیکھ رہے ہو؟" انہوں نے سختی سے پوچھا۔

"nothing....." یک لفظی جواب آیا۔ وہ اب چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے، میں کیا پڑھا رہی ہوں؟"

"hope so......" اس نے اتنے روڈ انداز میں کہا کہ سانتھا رچرڈز نے یکدم ہاتھ میں پکڑا ہوا مارکر کیپ سے بند کر کے ٹیبل پر پھینک دیا۔

"یہ بات ہے تو پھر یہاں آؤ اور یہ ڈایا گرام بنا کر اس کو لیبل کرو۔" انہوں نے اسفنج کے ساتھ رائٹنگ بورڈ کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ یکے بعد دیگرے لڑکے کے چہرے پر کئی رنگ آئے۔ انہوں نے کلاس میں بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس کو آپس میں نظروں کا تبادلہ کرتے دیکھا۔ وہ لڑکا اب سرد نظروں کے ساتھ سانتھا رچرڈز کو دیکھ رہا تھا، جیسے ہی انہوں نے رائٹنگ بورڈ سے آخری نشان صاف کیا وہ اپنی کرسی سے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا۔ تیز قدموں کے ساتھ اس نے ٹیبل پر پڑا ہوا مارکر اٹھایا اور برق رفتاری کے ساتھ رائٹنگ بورڈ پر ڈایا گرام بنانے لگا پورے دو منٹ ستاون سیکنڈز کے بعد اس نے مارکر پر کیپ لگا کر اسے میز پر اسی انداز میں اچھالا، جس انداز میں سانتھا رچرڈز نے اچھالا تھا اور سانتھا کی طرف دیکھے بغیر اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ مسز رچرڈز نے اسے مارکر اچھالتے یا اپنی کرسی کی طرف جاتے نہیں دیکھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں رائٹنگ بورڈ پر تین منٹ سے بھی کم عرصہ میں بنائے جانے والی اس labelled ڈایا گرام کو دیکھ رہی تھیں جسے بنانے میں انہوں نے دس منٹ لئے تھے اور وہ ان کی ڈایا گرام سے زیادہ اچھی تھی۔ وہ کہیں بھی معمولی سی غلطی بھی نہیں ڈھونڈ سکیں۔ کچھ خفیف سی ہوتے ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر ایک بار پھر اس لڑکے کو دیکھا وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔



وسیم نے تیسری بار دروازے پر دستک دی، اس بار اندر سے امامہ کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

"امامہ! میں ہوں۔۔۔۔۔ دروازہ کھولو۔" وسیم نے دروازے سے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ اندر خاموشی چھا گئی۔

کچھ دیر بعد دروازے کا لاک کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وسیم نے دروازے کے ہینڈل کو گھما کر دروازہ کھول دیا۔ امامہ اس کی جانب پشت کئے اپنے بیڈ کی طرف بڑھی۔

"تمہیں اس وقت کیا کام آن پڑا ہے مجھ سے؟"

"آخر تم نے اتنی جلدی دروازہ کیوں بند کر لیا تھا۔ ابھی تو دس بجے ہیں۔۔۔۔۔" وسیم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"بس نیند آرہی تھی مجھے۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وسیم اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔

"تم رو رہی تھیں؟" بے اختیار اسکے منہ سے نکلا۔ امامہ کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں اور وہ اس سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں رو نہیں رہی تھی، بس سر میں کچھ درد ہو رہا تھا۔" امامہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

وسیم نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹمپریچر چیک کرنے کی کوشش کی۔

"کہیں بخار تو نہیں ہے۔" اس نے کچھ تشویش بھرے انداز میں کہا اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔ "بخار تو نہیں ہے۔۔۔۔ پھر تم کوئی ٹیبلٹ لے لیتیں۔"

"میں لے چکی ہوں۔"

"اچھا تم سو جاؤ۔۔۔۔ میں باتیں کرنے آیا تھا مگر اب اس حالت میں کیا باتیں کروں گا تم سے۔" وسیم نے قدم باہر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ امامہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود بھی اٹھ کر اس کے پیچھے گئی اور وسیم کے باہر نکلتے ہی اس نے دروازے کو پھر لاک کر لیا۔ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹ کر اس نے تکیے میں منہ چھپا لیا۔ وہ ایک بار پھر ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔



تیرہ سال کا وہ لڑکا اس وقت ٹی وی پر میوزک شو دیکھنے میں مصروف تھا، جب طیبہ نے اندر جھانکا۔ بے یقینی سے انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر کچھ ناراضی کے عالم میں اندر چلی آئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے اندر آتے ہی کہا۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔" اس نے ٹی وی سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔ فار گاڈ سیک۔ تمہیں احساس ہے کہ تمہارے پیپرز ہو رہے ہیں؟" طیبہ نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"سو واٹ۔۔۔۔" اس لڑنے اس بار کچھ خفگی سے کہا۔

"سو واٹ؟ تمہیں اس وقت اپنے کمرے میں کتابوں کے درمیان ہونا چاہیے نہ کہ یہاں اس بے ہودہ شو کے سامنے۔" طیبہ نے ڈانٹا۔

"مجھے جتنا پڑھنا تھا میں پڑھ چکا ہوں آپ سامنے سے ہٹ جائیں۔۔۔۔" اس کے لہجے میں ناگواری آگئی۔

"پھر بھی اٹھو اور اندر جا کر پڑھو۔" طیبہ نے اس طرح کھڑے کھڑے اس سے کہا۔

"نہ میں یہاں سے اٹھوں گا نہ اندر جا کر پڑھوں گا۔ میری اسٹڈیز اور پیپرز میرا مسئلہ ہیں۔ آپ کا نہیں۔"

"اگر تمہیں اتنی پرواہ ہوتی اسٹڈیز کی تو اس وقت تم یہاں بیٹھے ہوتے؟"

"step aside" اس نے طیبہ کے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی کے ساتھ ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"آج تمہارے پاپا آجائیں تو میں ان سے بات کرتی ہوں۔" طیبہ نے اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

"ابھی بات کر لیں۔۔۔۔ کیا ہوگا؟ پاپا کیا کر لیں گے۔ جب میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ مجھے جتنی تیاری کرنی ہے میں نے کر لی ہے تو پھر آپ کو کیا مسئلہ ہے؟"

"یہ تمہارے سالانہ امتحان ہیں۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے اس بات کا۔" طیبہ نے یک دم اپنے لہجے کو نرم کرتے ہوئے کہا۔

"میں کوئی دو چار سال کا بچہ نہیں ہوں کہ میرے آگے پیچھے پھرنا پڑے آپ کو۔۔۔۔ میں اپنے معاملات میں آپ سے زیادہ سمجھدار ہوں، اس لئے یہ تھرڈ کلاس قسم کے جملے مجھ سے

مت بولا کریں۔ ایگزامز ہو رہے ہیں۔ اسٹڈیز پر دھیان دو، اس وقت تمہیں اپنے کمرے میں ہونا چاہیے۔"

"میں تمہارے فادر سے بات کروں گی۔"

"what a rubbish۔"

وہ بات کرتے کرتے غصے میں صوفہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہاتھ میں پکڑا ہوا ریموٹ اس نے پوری قوت سے سامنے والی دیوار پر دے مارا اور پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ طیبہ کچھ بے بسی اور خفت کے عالم میں اسے کمرے سے باہر نکلتا ہوا دیکھتی رہیں۔



فلومینا فرانسس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ میز پر رکھتے ہوئے ایک نظر ہال میں دوڑائی، پیپر شروع ہونے میں ابھی دس منٹ باقی تھے اور ہال میں موجود اسٹوڈنٹس کتابیں، نوٹس اور نوٹ بکس پکڑے تیزی سے صفحے آگے پیچھے کرتے ان پر آخری نظریں ڈال رہے تھے۔ ان کی جسمانی حرکات سے ان کی پریشانی اور اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا۔ فلومینا فرانسس کے لئے یہ ایک بہت مانوس سین تھا پھر ان کی نظریں ہال کے تقریباً درمیان میں بیٹھے ہوئے

سالار پر جا ٹھہریں۔ پچیس اسٹوڈنٹس میں اس وقت وہ واحد اسٹوڈنٹ تھا جو اطمینان سے اپنی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ میں اسکیل پکڑے آہستہ آہستہ اسے اپنے جوتے پر مارتے ہوئے وہ اطمینان سے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا، فلوینا کے لئے یہ سین بھی نیا نہیں تھا۔ اپنے سات سالہ کیریئر میں انہوں نے پیپرز کے دوران سالار کو اسی بے فکری اور لاپروائی کا مظاہرہ کرتے پایا تھا۔

نو بج کر دو منٹ پر انہوں نے سالار کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے Mcq's پر مبنی objective paper تھمایا، تیس منٹ کے بعد اسے وہ پیپر ان سے لینا تھا۔ نو بج کر دس منٹ پر انہوں نے سالار کو اپنی کرسی سے کھڑا ہوتے دیکھا۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی ہال میں اس سے پیچھے موجود تمام اسٹوڈنٹس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ پیپر ہاتھ میں لئے فلوینا فرانسس کی طرف جا رہا تھا۔ فلوینا فرانسس کے لئے یہ بھی نیا سین نہیں تھا۔ وہ پہلے بھی یہی کچھ دیکھتی آئی تھیں۔ تیس منٹ میں حل کیا جانے والا پیپر وہ آٹھ منٹ میں حل کر کے ان کے سر پر کھڑا تھا۔

"پیپر کو دوبارہ دیکھ لو۔" انہوں نے یہ جملہ اس سے نہیں کہا۔ وہ جانتی تھیں اس کا جواب کیا ہو گا۔ "میں دیکھ چکا ہوں۔" وہ اگر اسے ایک بار پھر پیپر دیکھنے پر مجبور کرتیں تو وہ ہمیشہ کی طرح پیپرز لے کر جا کر اپنی کرسی کے ہتھے پر رکھ کر بازو سینے پر لپیٹ کر بیٹھ جاتا۔ انہیں یاد

نہیں تھا کبھی اس نے ان کے کہنے پر پیپر کو دوبارہ چیک کیا ہو اور وہ یہ تسلیم کرتی تھیں کہ اسے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اسکے پیپر میں کسی ایک بھی غلطی کو ڈھونڈنا بہت مشکل کام تھا۔

انہوں نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ہاتھ سے پیپر پکڑ لیا۔

"تم جانتے ہو سالار! میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟" انہوں نے پیپر پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "کہ میں تمہیں تیس منٹ کا پیپر تیس منٹ کے بعد submit کرواتے ہوئے دیکھوں۔" وہ ان کی بات پر خفیف سے انداز میں مسکرایا۔ "آپ کی یہ خواہش اس صورت پوری ہو سکتی ہے میم اگر میں یہ پیپر 150 سال کی عمر میں حل کرنے بیٹھوں۔"

"نہیں میرا خیال ہے 150 سال کی عمر میں تم یہ پیپر دس منٹ میں کرو گے۔"

اس بار وہ ہنسا اور واپس مڑ گیا۔ فلوینا فرانسس نے ایک نظر اس کے پیپر کے صفحات کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ایک سرسری سی نظر بھی انہیں یہ بتانے کے لئے کافی تھی کہ وہ اس پیپر میں کتنے نمبر گنوائے گا۔۔۔۔ "زیرو۔"



سلمیٰ نے اپنی بیٹی کے ہاتھوں میں گفٹ پیپر میں لپٹے ہوئے پیکٹ کو حیرانی سے دیکھا۔

"یہ کیا ہے امامہ؟ تم تو مارکیٹ گئی تھیں۔ شاید کچھ کتابیں لینی تھیں تمہیں؟"

"ہاں امی! مجھے کتابیں ہی لینی تھیں، مگر کسی کو تحفے میں دینے کے لئے۔"

"کس کو تحفہ دینا ہے؟"

"وہ لاہور میں ایک دوست ہے میری، اس کی سالگرہ ہے۔ اسی کے لئے خریدا ہے کوریئر سروس کے ذریعے بھجوادوں گی کیونکہ مجھے تو ابھی یہاں رہنا ہے۔"

"لاؤ پھر مجھے دے دو یہ پیکٹ، میں وسیم کو دوں گی، وہ بھجوا دے گا۔"

"نہیں امی! میں ابھی نہیں بھجواؤں گی۔۔۔۔ ابھی اس کی سالگرہ کی تاریخ نہیں آئی۔" سلمیٰ کو لگا جیسے وہ یکدم گھبرا گئی ہو۔ انہیں حیرانی ہوئی۔ کیا یہ گھبرانے والی بات تھی؟

تین سال پہلے امامہ کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انہیں اور ان کے شوہر ہاشم کو۔ وہ تب اپنی بیٹی کے بارے میں بہت فکر مند تھیں اور ہاشم ان سے زیادہ مگر پچھلے تین سال میں سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اب اس کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن تھے۔ خاص طور پر اسجد سے اس کی نسبت طے کر کے۔ وہ جانتی تھیں امامہ اسجد کو پسند کرتی ہے اور صرف وہی نہیں اسجد کو کوئی بھی پسند کر سکتا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک اچھا

لڑکا تھا۔۔۔۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ اسجد سے نسبت طے ہونے پر بہت خوش ہوئی تھی۔ اسجد اور اس کے درمیان پہلے بھی خاصی دوستی اور بے تکلفی تھی مگر بعض دفعہ انہیں لگتا جیسے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت چپ ہوتی جارہی ہے۔ وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔

"مگر اب وہ اسکول جانے والی بچی بھی تو نہیں رہی۔ میڈیکل کالج کی اسٹوڈنٹ ہے۔۔۔ پھر وقت بھی کہاں ہوتا ہے اس کے پاس۔" سلمیٰ ہمیشہ خود کو تسلی دے لیتیں۔

وہ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ بڑی دونوں بیٹیوں کی وہ شادی کر چکی تھیں۔ ایک بیٹے کی بھی شادی کر چکی تھیں جب کہ دو بیٹے اور امامہ غیر شادی شدہ تھے۔

"اچھا ہی ہے کہ یہ سنجیدہ ہوتی جارہی ہے۔ لڑکیوں کے لئے سنجیدگی اچھی ہوتی ہے۔ انہیں جتنی جلدی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔" سلمیٰ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے امامہ سے نظریں ہٹا لیں۔ وہ چھٹیوں میں گھر آئی ہوئی تھی اور جتنے دن وہ یہاں رہتیں ان کی نظریں اسی پر مرکوز رہتیں۔

"پتہ نہیں یہ ساجد کہاں رہ گیا جو بھی کام اس کے ذمے لگاؤ بس بھول ہی جاؤ۔" انہیں اچانک اپنے ملازم کا خیال آیا۔ جس کے پیچھے وہ لاؤنج میں آئی تھیں۔ بڑبڑاتے ہوئے وہ لاؤنج سے نکل گئیں۔



یہ نیو ائیر نائٹ تھی۔ نیا سال شروع ہونے میں تیس منٹ باقی تھے۔ دس لڑکوں پر مشتمل چودہ پندرہ سال کے لڑکوں کا وہ گروپ پچھلے دو گھنٹے سے اپنے اپنے موٹر سائیکلز پر شہر کی مختلف سڑکوں پر اپنے کرتب دکھانے میں مصروف تھا، ان میں سے چند نے اپنے ماتھے پر چمکدار بینڈز باندھے ہوئے تھے جن پر نئے سال کے حوالے سے مختلف پیغامات درج تھے۔ وہ لوگ ایک گھنٹہ پہلے پوش علاقے کی ایک بڑی سپر مارکیٹ میں موجود تھے اور وہاں وہ مختلف لڑکوں پر آوازیں کستے رہے تھے۔

اپنی بائیکس پر سوار اب مختلف پر چکر لگا رہے تھے، ان کے پاس فائر کریکرز موجود تھے جنہیں وہ وقتاً فوقتاً چلا رہے تھے۔ پونے بارہ پر وہ جم خانہ کے باہر موجود تھے جہاں پارکنگ لاٹ گاڑیوں سے بھر چکا تھا۔ یہ گاڑیاں ان لوگوں کی تھیں جو جم خانے میں نئے سال کے سلسلے

میں ہونے والی ایک پارٹی میں آئے تھے۔ ان لڑکوں کے پاس بھی اس پارٹی کے دعوتی کارڈ موجود تھے، کیونکہ ان میں سے تقریباً تمام کے والدین جم خانہ کے ممبر تھے۔

وہ لڑکے اندر پہنچے تو گیارہ بج کر پچپن منٹ ہو رہے تھے چند منٹوں بعد ڈانس فلور سمیت تمام جگہوں کی لائٹس آف ہو جاتی تھیں اور اس کے بعد باہر لان میں آتش بازی کے ایک مظاہرہ کے ساتھ نیا سال شروع ہونے پر لائٹس آن ہونا تھیں اور اس کے بعد تقریباً تمام رات وہاں رقص کے ساتھ ساتھ شراب پی جاتی، جس کا اہتمام نئے سال کی اس تقریب کے لئے جم خانہ کی انتظامیہ خاص طور پر کرتی تھی۔ لائٹس آف ہوتے ہی وہاں ایک طوفان بدتمیزی کا آغاز ہو جاتا تھا اور وہاں موجود لوگ اسی "طوفان بدتمیزی" کے لئے وہاں آئے تھے۔

پندرہ سالہ وہ لڑکا بھی دس لڑکوں کے اس گروپ کے ساتھ آنے کے بعد اس وقت ڈانس فلور پر راک بیٹ پر ڈانس کر رہا تھا، ڈانس میں اس کی مہارت قابل دید تھی۔

بارہ بجنے میں دس سیکنڈ رہ جانے پر لائٹس آف ہو گئیں اور ٹھیک بارہ بجے لائٹس یکدم دوبارہ آن کر دی گئیں۔

اندھیرے کے بعد سیکنڈز گننے والوں کی آوازیں اب شور اور خوشی کے قہقہوں اور چیخوں میں بدل گئی تھیں چند سیکنڈز پہلے تھم جانے والا میوزک ایک بار پھر بجایا جانے لگا۔ وہ لڑکا اب

اپنے دوستوں کے ساتھ باہر پارکنگ میں آگیا جہاں بہت سے لڑکے اپنی اپنی گاڑیوں کے ہارن بجارہے تھے۔ان ہی لڑکوں کے ساتھ بئیر کے کین پکڑے وہ وہاں موجود ایک گاڑی کی چھت پر چڑھ گیا۔اس لڑکے نے گاڑی کی چھت پر کھڑے کھڑے اپنی جیکٹ کی جیب سے بئیر کا ایک بھرا ہوا کین نکالا اور پوری قوت سے کچھ فاصلے پر کھڑی ایک گاڑی کی ونڈ اسکرین پر دے مارا۔ایک دھماکے کے ساتھ گاڑی کی ونڈ اسکرین چور چور ہو گئی وہ لڑکا اطمینان کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا کین پیتا رہا۔



وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کامران کو وڈیو گیم کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔اسکرین پر موجود اسکور میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہو رہا تھا،شاید اس کی وجہ وہ مشکل ٹریک تھا جس پر کامران کو گاڑی ڈرائیو کرنی تھی۔سالار لاؤنج کے صوفوں میں سے ایک صوفے پر بیٹھا اپنی نوٹ بک پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا،مگر وقتاً فوقتاً نظر اٹھا کر ٹی وی اسکرین کو بھی دیکھ رہا تھا جہاں کامران اپنی جدوجہد میں مصروف تھا۔

ٹھیک آدھ گھنٹہ بعد اس نے نوٹ بک بند کر کے سامنے پڑی میز پر رکھ دی۔پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر جماہی روکی۔دونوں ٹانگیں سامنے پڑی میز پر رکھ کر اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں سر کے پیچھے باندھے وہ کچھ دیر اسکرین کو دیکھتا رہا،جہاں کامران اپنے تمام چانسز ضائع کرنے کے بعد ایک بار پھر نیا گیم کھیلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"کیا پرابلم ہے کامران؟"سالار نے کامران کو مخاطب کیا۔

"ایسے ہی۔۔۔۔نیا گیم لے کر آیا ہوں مگر اسکور کرنے میں بڑی مشکل ہو رہی ہے۔" کامران نے بے زاری سے کہا۔

"اچھا مجھے دکھاؤ۔"اس نے صوفے سے اٹھ کر ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

کامران نے دیکھا۔پہلے بیس سیکنڈ میں ہی سالار اسے جس اسپیڈ پر دوڑا رہا تھا اس اسپیڈ پر کامران اب تک نہیں دوڑا پایا تھا۔جو ٹریک اسے بہت مشکل لگ رہا تھا وہ سالار کے سامنے ایک بچگانہ چیز محسوس ہو رہا تھا۔ایک منٹ بعد وہ جس اسپیڈ پر گاڑی دوڑا رہا تھا اس اسپیڈ پر کامران کے لئے اس پر نظریں جمانا مشکل ہو گیا جب کہ سالار اس اسپیڈ پر بھی گاڑی کو مکمل طور پر کنٹرول کئے ہوئے تھا۔

تین منٹ کے بعد کامران نے پہلی بار گاڑی کو ڈگمگاتے اور پھر ٹریک سے اتر کر دھماکے کے ساتھ تباہ کرتے دیکھا۔ کامران نے کچھ مسکراتے ہوئے مڑ کر سالار کو دیکھا۔ گاڑی کیوں تباہ ہوئی تھی، وہ جان گیا تھا ریموٹ اب سالار کے ہاتھ کے بجائے میز پر پڑا تھا اور وہ اپنی نوٹ بک اٹھائے کھڑا ہو رہا تھا۔ کامران نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "بہت بورنگ گیم ہے۔" سالار نے تبصرہ کیا اور کامران کی ٹانگوں کو پھلانگتے ہوئے لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ کامران ہونٹ بھینچے سات ہندسوں پر مبنی اس اسکور کو دیکھ رہا تھا جو اسکرین کے ایک کونے میں جگمگا رہا تھا۔ کچھ نہ سمجھ میں آنے والے انداز میں اس نے بیرونی دروازے کو دیکھا جس سے وہ غائب ہوا تھا۔



وہ دونوں ایک بار پھر خاموش تھے، اسجد کو الجھن ہونے لگی۔ امامہ اتنی کم گو نہیں تھی جتنی وہ اس کے سامنے ہو جاتی تھی۔ پچھلے آدھے گھنٹے میں اس نے گنتی کے لفظ بولے تھے۔

وہ اسے بچپن سے جانتا تھا۔ وہ بہت خوش مزاج تھی۔ ان دونوں کی نسبت ٹھہرائے جانے کے بعد بھی ابتدائی سال میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اسجد کو اس سے بات کر کے

خوشی محسوس ہوتی تھی۔ وہ بلا کی حاضر جواب تھی، مگر پچھلے کچھ سالوں میں وہ یک دم بدل گئی تھی اور میڈیکل کالج میں جا کر تو یہ تبدیلی اور بھی زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ اسجد کو بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا جیسے اس سے بات کرتے ہوئے وہ حد درجہ محتاط رہتی ہے۔ کبھی وہ الجھی ہوئی سی محسوس ہوتی اور کبھی اسے اس کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری محسوس ہوتی۔ اسے لگتا وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا پا کر اس کے پاس سے اٹھ کر چلی جانا چاہتی ہے۔

اس وقت بھی وہ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔

"میں کئی بار سوچتا ہوں کہ میں خوامخواہ ہی تمہارے لئے یہاں آنے کا تردد کرتا ہوں۔۔۔۔ تمہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہوگا کہ میں آؤں یا نہ آؤں۔" اسجد نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ وہ اس کے بالمقابل لان چیئر پر بیٹھی دور باؤنڈری وال پر چڑھی ہوئی بیل کو گھور رہی تھی۔ اسجد کی شکایت پر اس نے گردن ہلائے بغیر اپنی نظریں بیل سے ہٹا کر اسجد پر مرکوز کر دیں۔ اسجد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ خاموش رہی تو اس نے لفظوں میں کچھ ردوبدل کے ساتھ اپنا سوال دہرایا۔

"تمہیں میرے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا امامہ۔۔۔۔ کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں؟"

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں اس پر؟"

"تم کم از کم انکار تو کر سکتی ہو۔ میری بات کو جھٹلا سکتی ہو کہ ایسی بات نہیں ہے میں غلط سوچ رہا ہوں اور۔۔۔۔۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں۔" امامہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی ٹھنڈا اور چہرہ اتنا ہی بے تاثر تھا جتنا پہلے تھا، اسجد ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"ہاں، میری دعا اور خواہش تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو اور میں واقعی غلط سوچ رہا ہوں مگر تم سے بات کرتے ہوئے میں ہر بار ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔"

"کس بات سے آپ ایسا محسوس کرتے ہیں؟" اس بار پہلی بار اسجد کو اس کی آواز میں کچھ ناراضی جھلکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"بہت سی باتوں سے۔ تم میری کسی بات کا ڈھنگ سے جواب ہی نہیں دیتیں۔"

"حالانکہ میں آپ کی ہر بات کا ڈھنگ سے جواب دینے کی بھرپور کوشش کرتی ہوں۔۔۔۔۔ لیکن اب اگر آپ کو میرے جواب پسند نہ آئیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔"

اسجد کو اس بار بات کرتے ہوئے وہ کچھ مزید خفا محسوس ہوئی۔

"میں نے یہ کب کہا کہ مجھے تمہارے جواب پسند نہیں آئے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ میری ہر بات کے جواب میں تمہارے پاس۔۔۔۔۔ ہاں اور نہیں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ تو مجھے لگتا ہے میں اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔"

"اگر آپ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ تم ٹھیک ہو؟" تو میں اس کا جواب ہاں یا نہیں میں ہی دوں گی۔ ہاں اور نہیں کے علاوہ اس سوال کا جواب کسی تقریر سے دیا جا سکتا ہے تو آپ مجھے وہ دے دیں۔ میں کر دوں گی۔" وہ بالکل سنجیدہ تھی۔

"ہاں اور نہیں کے ساتھ بھی تو کچھ کہا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔ اور کچھ نہیں تم جواباً میرا حال ہی پوچھ سکتی ہو۔"

"میں آپ کا کیا حال پوچھوں، ظاہر ہے اگر آپ میرے گھر آئے ہیں، میرے سامنے بیٹھے مجھ سے باتیں کر رہے ہیں تو اس کا واضح مطلب تو یہی ہے کہ آپ ٹھیک ہیں ورنہ آپ اس وقت اپنے گھر بستر پر پڑے ہوتے۔"

"یہ فارمیلٹی ہوتی ہے امامہ۔۔۔۔۔"

"ارے اپ جانتے نہیں، میں فارمیلٹیز پر یقین نہیں رکھتی۔ آپ بھی مجھ سے میرا حال نہ پوچھا کریں۔ میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گی۔" اسجد جیسے لاجواب ہو گیا۔

"ٹھیک ہے فار میلیٹیز کو چھوڑو، بندہ کوئی اور بات کر لیتا ہے۔ کچھ ڈسکس کر لیتا ہے۔ اپنی مصروفیات کے بارے میں ہی کچھ بتا دیتا ہے۔"

"اسجد! میں آپ سے کیا ڈسکس کروں۔۔۔۔۔ آپ بزنس کرتے ہیں۔ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں۔۔۔۔۔ آپ سے میں کیا پوچھوں، اسٹاک مارکیٹ کی پوزیشن؟ ٹرینڈ bullish تھا یا bearish انڈیکس میں کتنے پوائنٹس کا اضافہ ہوا؟ یا اگلی کنسائنمنٹ کہاں بھیج رہے ہیں؟ اس بار گورنمنٹ نے آپ کو کتنی ریبیٹ دی؟" اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی سرد تھا۔ "یا آپ سے اناٹومی ڈسکس کروں، کون سے عوامل انسان کے جگر کو متاثر کر سکتے ہیں۔ بائی پاس سرجری میں اس سال کون سی نئی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ دل کی دھڑکن بحال کرنے کے لئے کتنے سے کتنے وولٹ کا الیکٹرک شاک دیا جا سکتا ہے۔ تو ہم دونوں کی مصروفیات تو یہ ہیں اب ان کے بارے میں ڈسکشن سے آپ اور میں محبت اور بے تکلفی کی کون سی نئی منزلیں طے کریں گے وہ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

اسجد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اب وہ اس لمحہ کو کوس رہا تھا جب اس نے امامہ سے شکایت کی تھی۔

"اور بھی تو مصروفیات ہوتی ہیں انسان کی۔" اسجد نے قدرے کمزور لہجہ میں کہا۔

"نہیں پڑھائی کے علاوہ میری تو اور کوئی مصروفیات نہیں ہیں۔" امامہ نے قطعیت سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پہلے بھی تو ہم دونوں آپس میں بہت سی باتیں کرتے تھے۔" امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پہلے کی بات چھوڑیں، اب میں وقت ضائع کرنا افورڈ نہیں کر سکتی۔ حیرت مجھے آپ پر ہو رہی ہے، آپ بزنس مین ہو کر اتنی امیچور اور ایموشنل سوچ رکھتے ہیں۔ آپ کو تو خود بہت پریکٹیکل ہونا چاہیے۔"

اسجد کچھ بول نہ سکا۔

"ہم دونوں کے درمیان جو رشتہ ہے وہ ہم دونوں جانتے ہیں۔ اب اگر آپ میری پریکٹیکل اپروچ کو بے التفاتی، بے نیازی، ناراضی سمجھیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ یہاں بیٹھی ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اس رشتے کو اہمیت دیتی ہوں ورنہ کوئی اجنبی تو اس طرح یہاں میرے ساتھ بیٹھ کر چائے نہیں پی سکتا۔" وہ ایک لمحے کے لئے رکی۔
"اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ کے آنے یا نہ آنے سے مجھے کوئی فرق پڑے گا یا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں ہی بہت مصروف رہتے ہیں۔ ہم ماڈرن ایج کی پیداوار

ہیں نہ میں کوئی ہیر ہوں نہ آپ رانجھے کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں کہ میرے لئے گھنٹوں یہ فرئضہ سرانجام دیں۔ سچ یہی ہے کہ فرق واقعی نہیں پڑتا کہ ہم دونوں ملیں یا نہ ملیں، باتیں کریں یا نہ کریں۔ ہمارا رشتہ وہی رہے گا جواب ہے یا آپ کو لگتا ہے اس میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے؟"

اگر اسجد کے ماتھے پر پسینہ نہیں آیا تھا تو اس کی واحد وجہ دسمبر کا مہینہ تھا ان دونوں کی عمر میں آٹھ سال کا فرق تھا مگر اس وقت پہلی بار اسجد کو یہ فرق اٹھارہ سال کا محسوس ہوا۔ وہ اسے اپنے سے اٹھارہ سال بڑی لگی تھی۔ دو ہفتے پہلے وہ انیس سال کی ہوئی تھی مگر اس وقت اسجد کو لگ رہا تھا جیسے وہ ٹین ایج سے سیدھی ادھیڑ عمری میں چلی گئی تھی اور خود وہ ایک بار پھر پری ٹین میں آگیا تھا۔ وہ اس کے بالمقابل ٹانگ پر ٹانگ رکھتے اسجد کے چہرے پر نظریں جمائے اسی بے تاثر انداز میں اس کے جواب کی منتظر تھی۔ اسجد نے کرسی کے ہتھے پر ٹکے اس کے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی کو دیکھا اور کھنکھار کر اپنا گلا صاف کرنے کی کوشش کی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، میں صرف اس لئے ڈسکشن کی بات کر رہا تھا کہ ہمارے درمیان انڈراسٹینڈنگ ڈویلپ ہو سکے۔"

"اسجد! میں آپ کو بہت اچھی طرح سمجھتی اور جانتی ہوں اور یہ جان کر مجھے بہت افسوس ہوا کہ آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے درمیان ابھی بھی کسی انڈراسٹینڈنگ کو ڈویلپ کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال تھا ہم دونوں کے درمیان اچھی خاصی انڈراسٹینڈنگ ہے۔"

وہ اسجد کا دن نہیں تھا، اسجد نے اعتراف کیا۔

"اور اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ اناٹومی اور بزنس کو ڈسکس کر کے ہم کوئی انڈراسٹینڈنگ ڈویلپ کر لیں گے تو ٹھیک ہے، آئندہ ہم یہی ڈسکس کر لیا کریں گے۔" امامہ کے لہجے میں لاپروائی کا عنصر واضح تھا۔

"تم کو میری بات بری لگی ہے؟"

"بالکل بھی نہیں۔۔۔۔۔ میں کیوں برا مانوں گی؟" اس کے لہجے میں موجود حیرت کے عنصر نے اسجد کو مزید شرمندہ کیا۔

"شاید میں نے غلط بات کی ہے۔" "شاید نہیں یقیناً" اس نے تینوں لفظوں پر باری باری زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم جانتی ہو میرے نزدیک یہ رشتہ کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ میرے بہت سے خواب ہیں۔ اس رشتے کے حوالے سے، تمہارے حوالے سے۔" اسجد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ امامہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسی بیل کو دیکھ رہی تھی۔

"شاید اس لئے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتا ہوں۔ مجھے اس رشتے کے حوالے سے کوئی خوف نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں، یہ رشتہ ہم دونوں کی مرضی سے ہوا ہے۔"

وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بڑے جذب سے کہہ رہا تھا اور یکدم ہی اسے ایک بار پھر یہ احساس ہونے لگا تھا جیسے وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ اسجد کو لگا وہ ایک بار پھر خود سے باتیں کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک بہت بڑی کوٹھی کے عقب میں موجود انیکسی سے میوزک کی آواز باہر لان تک آ رہی تھی۔ باہر موجود کوئی بھی شخص انیکسی کے اندر موجود لوگوں کی قوت برداشت پر حیرانی کا اظہار کر سکتا تھا لیکن وہ انیکسی کے اندر موجود لوگوں کی حالت دیکھ لیتا تو وہ اس حیران کن قوت برداشت کی وجہ جان جاتا۔ انیکسی کے اندر موجود چھ لڑکے جس حالت میں تھے اس

حالت میں اس سے زیادہ تیز اور بلند میوزک بھی ان پر اثر انداز نہ ہو سکتا تھا اور جہاں تک ساتویں لڑکے کا تعلق تھا تو وہ ایسی کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔

انیکسی کا وہ کمرہ اس وقت دھویں کے مرغولوں اور عجیب قسم کی بو سے بھرا ہوا تھا، قالین پر ایک مشہور ریسٹورنٹ سے لائے گئے کھانے کے کھلے ہوئے ڈبے اور ڈسپوزیبل پلیٹیں چمچے بھی پڑے تھے۔ قالین پر کھانے پینے کی بچی کچی چیزیں اور ہڈیاں بھی ادھر ادھر پھینکی گئی تھیں۔ سوفٹ ڈرنک کی پلاسٹک کی بوتلیں بھی ادھر اُدھر لڑھک رہی تھیں۔ کیچپ کی بوتلوں سے نکلنے والی کیچپ قالین کو کچھ اور بدنما بنا رہی تھی۔ وہ سات لڑکے اسی قالین پر ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر براجمان تھے۔ ان کے سامنے قالین پر بئیر کے خالی کینز کا ایک ڈھیر بھی لگا ہوا تھا اور تفریح کا یہ سلسلہ وہیں تک نہیں رکا تھا اس وقت وہ ان ڈرگز کو استعمال کرنے میں مصروف تھے جن کا انتظام ان میں سے ایک نے کیا تھا۔

پچھلے دو ماہ میں وہ تیسری بار اس ایڈونچر کے لئے اکٹھے ہوئے تھے اور ان تین مواقع پر وہ چار مختلف قسم کی ڈرگز استعمال کر چکے تھے۔ پہلی بار انہوں نے وہ ڈرگ استعمال کی تھی جو ان میں سے ایک کو اپنے باپ کے دراز سے ملی تھی۔ دوسری بار انہوں نے جو ڈرگ استعمال کی تھی وہ انہوں نے اپنے ایک اسکول فیلو کے توسط سے اسلام آباد کے ایک کلب سے خریدی تھی اور اس بار وہ جو ڈرگ استعمال کر رہے تھے وہ انہوں نے ایک ٹرپ پر راولپنڈی کی ایک

مارکیٹ میں ایک افغان سے خریدی تھی۔تینوں مواقع پر انہوں نے ان ڈرگز کے ساتھ الکوحل کا استعمال کیا تھا جس کا حصول ان کے لئے مشکل نہیں تھا۔

اس وقت بھی ان سات لڑکوں میں سے چھے لڑکے پوری طرح نشے میں تھے۔ان میں سے ایک ابھی بھی کانپتے ہاتھوں کے ساتھ ڈرگ کو سونگھنے کی کوشش کررہا تھا جبکہ دو لڑکے سگریٹ پیتے ہوئے باقی لڑکوں کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی گفتگو کررہے تھے۔صرف ساتواں لڑکا مکمل طور پر ہوش میں تھا اس لڑکے کا چہرہ pimples/مہاسوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے گلے میں موجود ایک سیاہ تنگ ڈوری میں تین چار تانبے کی عجیب سی شکلوں کے زیورات پروئے ہوئے تھے۔ایلوس پریسلے اسٹائل کے کالرز والی ایک چیکرڈ ڈارک بلو شرٹ کے ساتھ ایک بے ہودہ سی سرمئی جینز پہنے ہوئے تھا جس کے دونوں گھٹنوں پر میڈونا کا چہرہ پینٹ کیا گیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر اپنی دائیں طرف موجود لڑکوں پر ایک اچٹتی نظر ڈالی۔اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں مگر اس سرخی کے باوجود وہ ایسا کوئی تاثر نہیں دے رہی تھیں کہ وہ باقی لڑکوں کی طرح مکمل طور پر نشے کی گرفت میں تھا۔چند منٹ انہیں دیکھنے کے بعد اس نے سیدھے ہوتے ہوئے ڈبیا میں موجود باقی ڈرگ کون میں ڈال دی اور ایک چھوٹے سے سٹرا کے ساتھ اسے سونگھنے لگا،کافی دیر کے بعد اس نے اسٹرا کو ایک طرف پھینک دیا اور

اپنے ہاتھ کی پور پر تھوڑی سی ڈرگ رکھ کر زبان کی نوک کے ساتھ کچھ دلچسپی، تجسس مگر احتیاط کے ساتھ اسے چکھا۔دوسرے ہی لمحے اس نے برق رفتاری کے ساتھ اپنے بائیں جانب تھوکا،ڈرگ یقیناً بہت اچھی کوالٹی کی تھی۔اس کی آنکھیں اب پہلے سے زیادہ سرخ ہورہی تھیں مگر ابھی بھی وہ اپنے ہوش و حواس میں تھا۔اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اپنی سرگرمی سے کچھ زیادہ محظوظ نہیں ہوا۔ایک دو منٹ کے بعد اس نے اپنے پاس قالین پر پڑے ہوئے بئیر کے can سے چند گھونٹ لیتے ہوئے ڈرگ کے ذائقے کو صاف کرنے کی کوشش کی۔can رکھنے کے بعد وہ چند منٹ تک کون میں موجود ڈرگ کو دیکھتا رہا،دوسرے چھ لڑکے اس وقت تک نشے میں پوری طرح دھت کارپٹ پر اوندھے سیدھے پڑے تھے مگر وہ اب بھی اسی طرح بیٹھا تھا،can میں موجود بئیر کے گھونٹ لیتے ہوئے وہ پر سوچ انداز میں ان سب کو دیکھتا رہا۔اس کی آنکھیں اب متورم ہورہی تھیں مگر ان میں موجود چمک بتارہی تھی کہ وہ ابھی بھی مکمل طور پر نشے میں نہیں ہے۔

یہ اس کے ساتھ تیسری بار ہوا تھا۔پہلی دو بار ڈرگ استعمال کرنے کے بعد وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا، جبکہ اس کے دوست بہت جلد نشے میں دھت ہوئے تھے۔رات کے پچھلے پہر وہ ان لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر خود گھر آگیا تھا۔آج بھی وہ یہی کرنا چاہتا تھا۔کمرے کے اندر موجود ڈرگ کی بو سے اب پہلی بار وہ الجھنے لگا اس نے کھڑا ہونے کی کوشش کی اور وہ

لڑکھڑایا۔اپنی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔نیچے جھک کر اس نے کاپٹ سے کی رنگ، والٹ اور کریڈٹ کارڈ اٹھائے پھر آگے بڑھ کر اس نے اسٹیریو کو بند کر دیا۔اپنی متورم اور سرخ آنکھوں سے اس نے کمرے میں ایک نظر دوڑائی۔یوں جیسے وہ کوئی چیز یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو پھر وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک بار پھر نیچے بیٹھ کر اس نے جاگرز پہنے اور ان کے تسموں کو ٹخنوں کے گرد لپیٹ کر گرہ باندھی پھر دروازے کا لاک کھول کر وہ باہر نکل گیا۔روشنی سے یکدم وہ کوریڈور کی تاریکی میں آگیا تھا۔اندھیرے میں اپنا راستہ ڈھونڈتے ہوئے وہ انیکسی کے بیرونی دروازے کو کھولتا ہوا باہر لان میں آگیا۔انیکسی کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے اپنی ناک سے کوئی چیز بہتی محسوس ہوئی۔بایاں ہاتھ اٹھا کر اس نے اپنے اوپری ہونٹ پر رکھا اس کی انگلیاں چپچپانے لگی تھیں۔اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اپنی انگلیوں کو انیکسی کی بیرونی لائٹ کی روشنی میں دیکھا۔اس کی پوروں پر خون کے قطرے لگے ہوئے تھے۔اس نے اپنی ٹراؤزر کی جیب ٹٹولتے ہوئے اندر سے ایک رومال برآمد کیا اور اپنی پوروں پر لگا ہوا خون صاف کیا اس کے بعد اسی رومال کے ساتھ اس نے اپنے ناک سے چمکنے والا خون صاف کیا اسے اپنے حلق میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔اس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کرنے کی کوشش کی۔اسے اب اپنے سینے میں بھی گھٹن کا احساس ہونے لگا۔چند گہرے سانس لے کر اس نے اس گھٹن کو کم

کرنے کی کوشش کی۔وہیں کھڑے کھڑے اس نے دو تین بار نیچے تھوکا اور ایک بار پھر سیڑھیاں اترنے کے لئے قدم بڑھایا۔وہ یکدم ٹھٹھک گیا۔اس کے ناک میں عجیب سی سنسناہٹ ہوئی اور پھر یکدم کوئی چیز پوری قوت سے بہنے لگی۔وہ بے اختیار کمر کے بل جھک گیا۔ایک دھار کی صورت میں اس کی ناک سے نکلنے والا خون سیڑھیوں پر گرنے لگا تھا۔ماربل پر پھسلتا ہوا خون، وہ اسے دیکھتا رہا۔



گالف کلب میں تقریب تقسیم انعامات منعقد کی جارہی تھی۔سولہ سالہ سالار سکندر بھی انڈر سکسٹین کی کیٹیگری میں seven under par کے اسکور کے ساتھ پہلی پوزیشن کی ٹرافی وصول کرنے کے لئے موجود تھا۔

سکندر عثمان نے سالار سکندر کا نام پکارے جانے پر تالیاں بجاتے ہوئے اس ٹرافی کیبنٹ کے بارے میں سوچا، جس میں اس سال انہیں کچھ مزید تبدیلیاں کروانی پڑیں گی۔سالار کو ملنے والی شیلڈز اور ٹرافیز کی تعداد اس سال بھی پچھلے سالوں جیسی ہی تھی۔ان کے تمام بچے ہی پڑھائی میں بہت اچھے تھے مگر سالار سکندر باقی سب سے مختلف تھا۔ٹرافیز، شیلڈز اور

سر ٹیفکیٹس کے معاملے میں وہ سکندر عثمان کے باقی بچوں سے بہت آگے تھا۔150 آئی کیو لیول کے حامل اس بچے کا مقابلہ کرنا ان میں سے کسی کے لئے ممکن تھا بھی نہیں۔

فخریہ انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے سکندر عثمان نے دائیں طرف بیٹھی ہوئی اپنی بیوی سے سرگوشی میں کہا۔"یہ گالف میں اس کی تیرھویں اور اس سال کی چوتھی ٹرافی ہے۔"

"ہر چیز کا حساب رکھتے ہو تم۔"اس کی بیوی نے مسکراتے ہوئے جیسے قدرے ستائشی انداز میں اپنے شوہر سے کہا، جس کی نظریں اس وقت مہمان خصوصی سے ٹرافی وصول کرتے ہوئے سالار پر مرکوز تھیں۔

"صرف گالف کا اور کیوں، وہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔"سکندر عثمان نے اپنی بیوی کو دیکھا جو اب سیٹ کی طرف جاتے ہوئے سالار کو دیکھ رہی تھیں۔

" I bet اگر یہ اس وقت اس مقابلے میں شرکت کرنے والے پروفیشنل کھلاڑیوں کے ساتھ کھیل رہا ہوتا تو بھی اس وقت اس کے ہاتھ میں یہی ٹرافی ہوتی۔"سکندر عثمان نے بیٹے کو دور سے دیکھتے ہوئے کچھ فخریہ انداز میں دعویٰ کیا۔ سالار اب اپنی سیٹ کے اطراف میں موجود دوسری سیٹوں پر موجود دوسرے انعامات حاصل کرنے والوں سے ہاتھ ملانے میں مصروف تھا۔ان کی بیوی کو سکندر عثمان کے دعویٰ پر کوئی حیرانی نہیں ہوئی کیونکہ وہ

جانتی تھیں سالار کے بارے میں یہ ایک باپ کا جذباتی جملہ نہیں تھا۔وہ واقعی اتنا ہی غیر معمولی تھا۔

اسے دو ہفتے پہلے اپنے بھائی زبیر کے ساتھ اسی گالف کورس پر اٹھارہ ہول پر کھیلا جانے والا گالف کا میچ یاد آیا۔rough میں اتفاقاً گر جانے والی ایک بال کو وہ جس صفائی اور مہارت کے ساتھ واپس گرین پر لایا تھا اس نے زبیر کو محو حیرت کر دیا وہ پہلی بات سالار کے ساتھ گالف کھیل رہا تھا۔"مجھے یقین نہیں آرہا۔"اٹھارہ ہول کے خاتمہ تک کسی کو بھی یہ یاد نہیں تھا کہ اس نے یہ جملہ کتنی بار بولا تھا۔

rough سے کھیلی جانے والی اس شاٹ نے اگر اسے محو حیرت کیا تھا تو سالار سکندر کے putters نے اسے دم بخود کر دیا تھا۔ گیند کو ہول میں جاتے دیکھ کر اس نے کلب کے سہارے کھڑے کھڑے صرف گردن موڑ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں سالار سکندر اور اس ہول کے درمیان موجود فاصلے کو ماپا تھا اور جیسے بے یقینی سے سر ہلاتے سالار کو دیکھا۔

"آج سالار صاحب اچھا نہیں کھیل رہے۔"زبیر نے مڑ کر بے یقینی کے عالم میں اپنے پیچھے کھڑے کیڈی کو دیکھا جو گالف کارٹ پکڑے سالار کو دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

"ابھی یہ اچھا نہیں کھیل رہا؟"زبیر نے استہزائیہ انداز میں کلب کے کیڈی کو دیکھا۔

"ہاں صاحب ورنہ بال کبھی rough میں نہ جاتی۔" کیڈی نے بڑے معمول کے انداز میں انہیں بتایا۔ "آپ آج یہاں پہلی بار کھیل رہے ہیں اور سالار صاحب پچھلے سات سال سے یہاں کھیل رہے ہیں۔ میں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ آج وہ اچھا نہیں کھیل رہے۔"

کیڈی نے زبیر کی معلومات میں اضافہ کیا اور زبیر نے اپنی بہن کو دیکھا جو فخریہ انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

"اگلی بار میں پوری تیاری کے ساتھ آؤں گا اور اگلی بار کھیل کی جگہ کا انتخاب بھی میں کروں گا۔" زبیر نے کچھ خفت کے عالم میں اپنی بہن کے ساتھ سالار کی طرف جاتے ہوئے دیکھ۔

" any time any place (کسی بھی وقت کسی بھی جگہ)" انہوں نے سالار کی طرف سے اپنے بھائی کو پر اعتماد انداز میں چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں اس ویک اینڈ پر ٹی اے اور ڈی اے کے ساتھ کراچی بلوانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے سالار کے قریب پہنچ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ سالار مسکرایا۔

"کس لئے۔۔۔۔؟"

"میرے behalf پر تمہیں کراچی چیمبر آف کامرس کے صدر کے ساتھ ایک میچ کھیلنا ہے میں اس بار الیکشنز میں اس سے ہارا ہوں، مگر وہ اگر کسی سے گالف کا میچ ہار گیا تو اسے

ہارٹ اٹیک ہو جائے گا اور وہ بھی ایک بچے کے ہاتھوں so let's settle the scores" وہ اپنے بھائی کی بات پر ہنسی تھیں، مگر سالار کے ماتھے پر چند بل نمودار ہو گئے تھے۔

"بچہ؟" اس نے انکے جملے میں موجود واحد قابل اعتراض لفظ پر زور دیتے ہوئے اسے دہرایا۔ "میرا خیال ہے انکل! مجھے کل آپ کے ساتھ اٹھارہ ہولز کا ایک اور گیم کرنا پڑے گا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسجد دروازہ کھول کر اپنی ماں کے کمرے میں داخل ہوا۔

"امی! آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو۔۔۔۔۔ کیا بات ہے؟"

اسجد صوفے پر بیٹھ گیا۔ "آپ ہاشم انکل کی طرف نہیں گئیں؟"

"نہیں کیوں خاص بات ہے؟"

"ہاں امامہ اس ویک اینڈ پر آئی ہوئی ہے۔"

"اچھا۔۔۔۔آج شام کو چلیں گے۔۔۔۔تم گئے تھے وہاں؟" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔میں گیا تھا۔"

"کیسی ہے وہ۔۔۔۔اس بار تو خاصے عرصے کے بعد آئی ہے۔" شکیلہ کو یاد آیا۔

"ہاں دوماہ کے بعد۔۔۔۔" شکیلہ کو اسجد کچھ الجھا ہوا لگا۔

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"امی مجھے امامہ پچھلے کافی عرصے سے بہت بدلی بدلی لگ رہی ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"بدلی بدلی؟ کیا مطلب۔"

"مطلب تو میں شاید آپ کو نہیں سمجھا سکتا، بس اس کا رویہ میرے ساتھ کچھ عجیب سا ہے۔" اسجد نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"آج تو وہ ایک معمولی سی بات پر ناراض ہو گئی۔پہلے جیسے کوئی بات ہی نہیں رہی اس میں۔۔۔۔میں سمجھ نہیں پا رہا کہ اسے ہوا کیا ہے۔"

"تمہیں وہم ہو گیا ہو گا اسجد۔۔۔۔اس کا رویہ کیوں بدلنے لگا۔۔۔۔تم کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو۔" شکیلہ نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"نہیں امی! پہلے میں بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ شاید مجھے وہم ہو گا ہے لیکن اب خاص طور پر آج مجھے اپنے یہ احساسات وہم نہیں لگے ہیں۔وہ بہت اکھڑے سے انداز میں بات کرتی رہی مجھ سے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے، اس کا رویہ کیوں بدل گیا ہے؟" شکیلہ نے برش میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا؟"

"تم نے پوچھا اس سے؟"

"ایک بار نہیں کئی بار۔۔۔۔"

"پھر۔۔۔۔۔؟"

"ہر بار آپ کی طرح وہ بھی یہی کہتی ہے کہ مجھے غلط فہمی ہو گئی ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"کبھی کہتی ہے اسٹڈیز کی وجہ سے ایسا ہے۔۔۔۔۔۔ کبھی کہتی ہے اب وہ میچور ہو گئی ہے اس لئے۔۔۔۔۔"

"یہ ایسی کوئی غلط بات تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے واقعی یہ بات ہو۔" شکیلہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"امی! بات سنجیدگی کی نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے کترانے لگی ہے۔" اسجد نے کہا۔

"تم فضول باتیں کر رہے ہو اسجد! میں نہیں سمجھتی کہ ایسی کوئی بات ہو گی، ویسے بھی تم دونوں تو بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہو، ایک دوسرے کی عادات سے واقف ہو۔"

شکیلہ کو بیٹے کے خدشات بالکل بے معنی لگے۔

"ظاہر ہے۔ عمر کے ساتھ کچھ تبدیلیاں آ ہی جاتی ہیں، اب بچے تو رہے نہیں ہو تم لوگ۔۔۔۔ تم معمولی معمولی باتوں پر پریشان ہونے کی عادت چھوڑ دو۔۔۔۔" انہوں نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ویسے بھی ہاشم بھائی اگلے سال اسکی شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ بعد میں اپنی تعلیم مکمل کرتی رہے گی۔ کم از کم وہ تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" شکیلہ نے انکشاف کیا۔

"انکل نے ایسا کہا؟" اسجد کچھ چونکا۔

"کئی بار کہا ہے۔۔۔۔ میرا خیال ہے وہ لوگ تو تیاریاں بھی کر رہے ہیں۔" اسجد نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

"ہو سکتا ہے امامہ اسی وجہ سے قدرے پریشان ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔۔۔۔ بہر حال یہ ہی صحیح ہے۔ اگلے سال شادی ہو جانی چاہیے۔" اسجد نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔



وہ سولہ سترہ سال کا ایک دبلا پتلا مگر لمبا لڑکا تھا، اس کے چہرے پر بلوغت کا وہ گہرا رواں نظر آ رہا تھا جسے ایک بار بھی شیو نہیں کیا گیا تھا اور اس روئیں نے اس کے چہرے کی معصومیت کو برقرار رکھا تھا۔ وہ اسپورٹس شارٹس اور ایک ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے پیروں میں کاٹن کی جرابیں اور جاگرز تھے، چیونگم چباتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور اضطراب تھا۔

وہ اس وقت ایک پر ہجوم سڑک کے بیچوں بیچ ایک ہیوی ڈیوٹی موٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا تیزی سے تقریباً اسے اڑائے لے جارہا تھا۔ وہ کسی قسم کے ہیلمٹ کے بغیر تھا اور بہت ریش انداز میں موٹر سائیکل کو چلا رہا تھا۔ اس نے دو دفعہ سگنل توڑا۔۔۔۔ تین دفعہ خطرناک طریقے سے کچھ گاڑیوں کو اوور ٹیک کیا۔۔۔۔ چار دفعہ بائیک چلاتے چلاتے اس کا اگلا پہیہ اٹھا دیا اور کتنی ہی دیر دور تک صرف ایک پہیے پر بائیک چلاتا رہا۔۔۔۔۔ دو دفعہ دائیں بائیں دیکھے بغیر اس نے برق رفتاری سے اپنی مرضی کا ٹرن لیا۔۔۔۔ ایک دفعہ وہ زگ زیگ انداز میں بائیک چلانے لگا، چھ دفعہ اس نے پوری رفتار سے بائیک چلاتے ہوئے اپنے دونوں پاؤں اٹھا دیئے۔

پھر یکدم اسی رفتار سے بائیک چلاتے ہوئے اس نے ون وے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس لین کو توڑا اور دوسری لائن میں زناٹے کے ساتھ گھس گیا، سامنے سے آتی ہوئی ٹریفک کی بریکیں یکدم چرچرانے لگیں۔۔۔۔ اس نے فل اسپیڈ پر بائیک چلاتے ہوئے یکدم ہینڈل پر سے اپنے ہاتھ ہٹا دیے۔ بائیک پوری رفتار کے ساتھ سامنے سے آنے والی گاڑی کے ساتھ ٹکرائی، وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہوا میں بلند ہوا اور پھر کسی چیز پر گرا۔۔۔۔ اسے اندازہ نہیں ہوا۔ اس کا ذہن تاریک ہو چکا تھا۔



وہ دونوں لڑکے اسٹیج پر ایک دوسرے کے بالمقابل روسٹرم کے پیچھے کھڑے تھے، مگر ہال میں موجود اسٹوڈنٹس کی نظریں ہمیشہ کی طرح ان میں سے ایک پر مرکوز تھیں، وہ دونوں ہیڈ بوائے کے انتخاب کے لئے کنویسنگ کر رہے تھے اور وہ پروگرام بھی اس کا ایک حصہ تھا۔ دونوں کے روسٹرم پر ایک ایک پوسٹر لگا تھا، جن میں سے ایک پر ووٹ فار سالار اور دوسرے پر ووٹ فار فیضان لکھا تھا۔

اس وقت فیضان ہیڈ بوائے بن جانے کے بعد اپنے ممکنہ اقدامات کا اعلان کر رہا تھا، جب کہ سالار پوری سنجیدگی کے ساتھ اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔ فیضان اسکول کا سب سے اچھا مقرر تھا اور اس وقت بھی وہ اپنے جوش خطابت کے کمال دکھانے میں مصروف تھا اور اسی برٹش لہجے میں بات کر رہا تھا جس کے لئے وہ مشہور تھا۔ بہترین ساؤنڈ سسٹم کی وجہ سے اس کی آواز اور انداز دونوں خاصے متاثر کن تھے۔ ہال میں بلاشبہ سکوت طاری تھا اور یہ خاموشی صرف اسی وقت ٹوٹتی جب فیضان کے اسپورٹرز اس کے کسی اچھے جملے پر داد دینا شروع ہوتے ہال یک دم تالیوں سے گونج اٹھتا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ جب اپنے لئے ووٹ کی اپیل کرنے کے بعد خاموش ہوا تو ہال میں اگلے کئی منٹ تالیاں اور سیٹیاں بجتی رہیں۔ ان تالیوں میں خود سالار سکندر بھی شامل تھا۔ فیضان

نے ایک فاتحانہ نظر ہال پر اور سالار پر ڈالی اور اسے تالیاں بجاتے دیکھ کر اس نے گردن کے ہلکے اشارے سے اسے سراہا، سالار سکندر آسان حریف نہیں تھا، یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

اسٹیج سیکرٹری اب سالار کے لئے اناؤنسمنٹ کر رہا تھا۔تالیوں کی گونج میں سالار نے بولنا شروع کر دیا۔

"گڈ مارننگ فرینڈز۔" وہ یک لحظہ ٹھہرا۔ "فیضان اکبر ایک مقرر کے طور پر یقیناً ہمارے اسکول کا اثاثہ ہیں۔ میں یا دوسرا کوئی بھی ان کے مقابلے میں کسی اسٹیج پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔" وہ ایک لمحہ کے لئے رکا اس نے فیضان کے چہرے کو دیکھا۔ جس پر ایک فخریہ مسکراہٹ ابھر رہی تھی مگر سالار کے جملے کے باقی حصے نے اگلے لمحے اس مسکراہٹ کو غائب کر دیا۔

"اگر معاملہ صرف باتیں بنانے کا ہو تو۔"

ہال میں ہلکی سی کھلکھلاہٹیں ابھریں۔ سالار کے لہجے کی سنجیدگی برقرار تھی۔

"مگر ایک ہیڈ بوائے اور مقرر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مقرر کو باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ ہیڈ بوائے کو کام کرنا ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان talker اور doer کا فرق ہوتا ہے اور

Great talkers are not great doers۔" سالار کے سپورٹرز کی تالیوں سے ہال گونج اٹھا۔

"میرے پاس فیضان اکبر جیسے خوبصورت لفظوں کی روانی نہیں ہے۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میرے پاس صرف میرا نام ہے اور میرا متاثر کن ریکارڈ اور مجھے کنویسنگ کے لئے لفظوں کے کوئی دریا نہیں بہانے، مجھے صرف الفاظ کہنے ہیں۔" وہ ایک بار پھر رکا۔

"trust me and vote for me۔" (مجھ پر اعتماد کریں اور مجھے ووٹ دیں)۔

اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے جس وقت اپنے مائیک کو آف کیا اس وقت ہال تالیوں سے گونج رہا تھا ایک منٹ چالیس سیکنڈز میں وہ اسی نپے تلے اور calculated انداز میں بولا تھا، جو اس کا خاصا تھا۔۔۔۔۔ اور اسی ڈیڑھ منٹ نے فیضان کا تختہ کر دیا تھا۔

اس ابتدائی تعارف کے بعد دونوں امیدواروں سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ سالار سکندر ان جوابات میں بھی اتنے ہی اختصار سے کام لے رہا تھا جتنا اس نے اپنی تقریر میں لیا تھا۔ اس کا سب سے طویل جواب چار جملوں پر مشتمل تھا جبکہ فیضان کا سب سے مختصر جواب بھی چار جملوں پر مشتمل نہیں تھا۔ فیضان کی فصاحت و بلاغت جو پہلے اس کی خوبی سمجھی جاتی تھی اس وقت اس اسٹیج پر سالار کے مختصر جوابات کے سامنے چرب زبانی نظر آ رہی تھی اور اس کا احساس خود فیضان کو بھی ہو رہا تھا جس سوال کا جواب سالار ایک لفظ یا ایک جملے میں دیتا، اس کے لئے فیضان کو عادتاً تمہید باندھنی پڑتی اور سالار کا اپنی تقریر میں اس کے

بارے میں کیا ہوا یہ تبصرہ وہاں موجود اسٹوڈنٹس کو کچھ اور صحیح محسوس ہوتا کہ ایک مقرر صرف باتیں کر سکتا ہے۔

"سالار سکندر کو ہیڈ بوائے کیوں ہونا چاہیے؟" سوال کیا گیا۔

"کیونکہ آپ بہترین شخص کا انتخاب چاہتے ہیں۔" جواب آیا۔

"کیا یہ جملہ خود ستائشی نہیں ہے؟" اعتراض کیا گیا۔

"نہیں یہ جملہ خود شناسی ہے۔" اعتراض کو رد کر دیا گیا۔

"خود ستائشی اور خود شناسی میں کیا فرق ہے؟" ایک بار پھر چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا گیا۔

"وہی جو فیضان اکبر اور سالار سکندر میں ہے۔" سنجیدگی سے کہا گیا۔

"اگر آپ کو ہیڈ بوائے نہ بنایا تو آپ کو کیا فرق پڑے گا؟"

"فرق مجھے نہیں آپ کو پڑے گا۔"

"کیسے۔۔۔۔؟"

"اگر بہترین آدمی کو ملک کا لیڈر نہ بنایا جائے تو فرق قوم کو پڑتا ہے، اس بہترین آدمی کو نہیں۔"

"آپ اپنے آپ کو پھر بہترین آدمی کہہ رہے ہیں۔" ایک بار پھر اعتراض کیا گیا۔

"کیا اس ہال میں کوئی ایسا ہے جو خود کو برے آدمی کے ساتھ equate کرے؟"

"ہو سکتا ہے ہو۔"

"پھر میں اس سے ملنا چاہوں گا۔" ہال میں ہنسی کی آوازیں ابھریں۔

"ہیڈ بوائے بننے کے بعد سالار سکندر جو تبدیلیاں لائے گا اس کے بارے میں بتائیں۔"

"تبدیلی بتائی نہیں جاتی دکھائی جاتی ہے اور یہ کام میں ہیڈ بوائے بننے سے پہلے نہیں کر سکتا۔"

چند اور سوال کئے گئے پھر اسٹیج سیکرٹری نے حاضرین میں سے ایک آخری سوال لیا۔ وہ ایک سری لنکن لڑکا تھا جو کچھ شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"اگر آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں اور میرا پورا گروپ آپ کو ووٹ دے گا۔"

سالار اس کی بات پر مسکرایا۔ "جواب دینے سے پہلے میں جاننا چاہوں گا کہ آپ کے گروپ کے لوگ کتنے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"چھ۔۔۔۔"اس لڑکے نے کہا۔

سالار نے سر ہلایا۔"اوکے۔سوال کریں۔"

"آپ کو کچھ حساب کتاب کرتے ہوئے مجھے بتانا ہے کہ اگر ہم 267895 میں 952852 کو جمع کریں پھر اس میں سے 399999 کو تفریق کریں پھر اس میں 929292 کو جمع کریں اور اسے۔۔۔۔"وہ سری لنکن لڑکا ٹھہر ٹھہر کر ایک کاغذ پر لکھا ہوا ایک سوال پوچھ رہا تھا۔"چھ کے ساتھ ضرب دیں پھر اسے دو کے ساتھ تقسیم کریں اور جواب میں 492359 کو جمع کر دیں تو کیا جواب آئے۔۔۔۔"وہ لڑکا اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔

"8142473۔"بڑی برق رفتاری کے ساتھ سالار نے جواب دیا۔اس لڑکے نے کاغذ پر ایک نظر دوڑائی اور پھر کچھ بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے تالیاں بجانے لگا۔فیضان اکبر کو اس وقت اپنا آپ ایک ایکٹر سے زیادہ نہیں لگا۔پورا ہال اس لڑکے کے ساتھ تالیاں بجانے میں مصروف تھا۔فیضان اکبر کو وہ پورا پروگرام ایک مذاق محسوس ہونے لگا۔

ایک گھنٹہ کے بعد جب وہ سالار سکندر سے پہلے اس اسٹیج سے اتر رہا تھا تو وہ جانتا تھا کہ وہ مقابلے سے پہلے ہی مقابلہ ہار چکا تھا۔150 کے آئی کیو لیول والے اس لڑکے سے اسے زندگی میں اس سے پہلے کبھی اتنا حسد محسوس نہیں ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"امامہ آپا!آپ لاہور کب جائیں گی؟"

وہ اپنے نوٹس کو دیکھتے ہوئے چونکی۔سر اٹھا کر اس نے سعد کو دیکھا۔وہ سائیکل کی رفتار کو اب بالکل آہستہ کئے اس کے گرد چکر لگا رہا تھا۔

"کل۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔؟تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"امامہ نے اپنی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"جب آپ چلی جاتی ہیں تو میں آپ کو بہت مس کرتا ہوں۔"وہ بولا۔

"کیوں۔۔۔۔؟"امامہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں اور آپ میرے لئے بہت سے کھلونے لاتی ہیں اور آپ مجھے سیر کروانے لے کر جاتی ہیں اور آپ میرے ساتھ کھیلتی ہیں اس لئے۔" اس نے تفصیلی جواب دیا۔

"آپ مجھے اپنے ساتھ لاہور نہیں لے جاسکتیں؟" امامہ اندازہ نہیں کر سکی، یہ تجویز تھی یا سوال۔۔۔۔

"میں کیسے لے جاسکتی ہوں۔۔۔۔ میں تو خود ہاسٹل میں رہتی ہوں، تم کیسے رہو گے وہاں؟" امامہ نے کہا۔

سعد سائیکل چلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔ "تو پھر آپ جلدی یہاں آیا کریں۔"

"اچھا جلدی آیا کروں گی۔" امامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ایسا کیا کرو کہ مجھ سے فون پر بات کرلیا کرو۔ میں فون کیا کروں گی تمہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" سعد کو اس کی تجویز پسند آئی۔ سائیکل کی رفتار میں اضافہ کرتے ہوئے وہ لان کے لمبے لمبے چکر کاٹنے لگا۔ امامہ بے دھیانی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔

وہ اس کا بھائی نہیں تھا، دس سالہ سعد پانچ سال پہلے ان کے گھر آیا تھا کہاں سے آیا تھا اس کے بارے میں وہ نہیں جانتی تھی، کیونکہ اسے اس کے بارے میں اس وقت کوئی تجسس نہیں ہوا تھا مگر کیوں لایا گیا تھا۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ سعد اب دس سال کا تھا اور وہ گھر میں بالکل گھل مل گیا تھا۔ امامہ سے وہ سب سے زیادہ مانوس تھا۔ امامہ کو اس پر اکثر ترس آتا۔ ترس کی وجہ اس کا لاوارث ہونا نہیں تھا۔ ترس کی وجہ اس کا مستقبل تھا۔۔۔۔۔ اس کے دو چچاؤں اور ایک تایا کے گھر بھی اس وقت اسی طرح کے گود لئے ہوئے بچے پل رہے تھے۔ وہ ان کے مستقبل پر بھی ترس کھانے پر مجبور تھی۔

فائل ہاتھ میں پکڑے سائیکل پر لان میں گھومتے سعد پر نظریں جمائے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ اسی طرح کی بہت سی سوچوں میں الجھ جاتی تھی مگر اس کے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔



وہ چاروں اس وقت لاہور کے ریڈ لائٹ ایریا میں موجود تھے۔ ان کی عمریں اٹھارہ انیس سال کے لگ بھگ تھیں اور اپنے حلیے سے وہ چاروں اپر کلاس کے لگتے تھے مگر وہاں پر نہ ان کی عمر

کوئی نمایاں کر دینے والی چیز تھی نہ ہی ان کی اپر کلاس سے تعلق رکھنے کی امتیازی خصوصیت۔۔۔۔۔کیونکہ وہاں پر ان میں سے بھی کم عمر لڑکے آتے تھے اور اپر کلاس اس علاقے کے مستقل کسٹمرز میں شامل تھی۔

چاروں لڑکے ریڈ لائٹ ایریا کی ٹوٹی ہوئی گلیوں سے گزرتے جا رہے تھے، تین لڑکے آپس میں باتیں کر رہے تھے، جب کہ صرف چوتھا قدرے تجسس اور دلچسپی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار وہاں آیا تھا اور ان تینوں کے ساتھ تھوڑی دیر بعد ہونے والی اس کی گفتگو سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ واقعی وہاں پہلی بار آیا تھا۔

گلی کے دونوں اطراف میں کھلے دروازوں میں بناؤ سنگھار کئے نیم عریاں کپڑوں میں ملبوس ہر عمر اور ہر شکل کی عورت کھڑی تھیں سفید۔۔۔۔۔سانولی۔۔۔۔۔سیاہ۔۔۔۔۔گندمی۔۔۔۔۔بہت خوبصورت۔۔۔۔۔درمیانی۔۔۔۔۔اور معمولی شکل و صورت والی۔

گلی میں ہر شکل اور عمر کا مرد گزر رہا تھا۔ وہ لڑکا وہاں سے گزرتے ہوئے ہر چیز پر غور کر رہا تھا۔

"تم یہاں کتنی بار آئے ہو؟" چلتے چلتے اس لڑکے نے اچانک اپنے دائیں طرف چلنے والے لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

وہ لڑکا جواباً ہنسا" کتنی بار۔۔۔۔۔؟ یہ تو پتا نہیں۔۔۔۔۔اب تو گنتی بھی بھول چکا ہوں، اکثر آتا ہوں یہاں پر۔" اس لڑکے نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

"ان عورتوں میں مجھے کوئی اٹریکشن محسوس نہیں ہو رہی۔"

"nothing special about them ۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"اگر کہیں رات ہی گزارنی ہو تو کم از کم environment(ماحول) تو اچھا ہو۔ “its such a dirty, filthy place”(یہ تو بہت ہی گندی جگہ ہے)۔" اس نے گلی میں موجود گڑھوں اور کوڑے کے ڈھیروں کو دیکھتے ہوئے کچھ ناگواری سے کہا۔

"پھر گرل فرینڈز کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے اس بار اپنی بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"اس جگہ کا اپنا ایک چارم ہے۔ گرل فرینڈز اور یہاں کی عورتوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ گرل فرینڈز اس طرح کے ڈانس تو نہیں دکھا سکتیں جو ابھی کچھ دیر بعد تم دیکھو گے۔" تیسرا لڑکا ہنسا۔ "اور پھر پاکستان کی جس بڑی ایکٹریس کا ڈانس دکھانے ہم تمہیں لے جا رہے ہیں وہ تو بس۔۔۔۔۔"

دوسرے لڑکے کی بات پہلے لڑکے نے کاٹ دیا۔ "اس کا ڈانس تو تم پہلے بھی دکھا چکے ہو۔"

"ارے وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بھائی کی شادی پر ایک مجرا کیا تھا۔۔۔۔ مگر یہاں پر تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"وہ ایکٹریس تو ایک پوش علاقے میں رہتی ہے پھر یہاں کیوں آتی ہے؟" پہلے لڑکے نے کچھ غیر مطمئن انداز میں اس سے پوچھا۔

"یہ تم آج خود اس سے پوچھ لینا میں کبھی اس سے اس طرح کے سوال نہیں کرتا۔" دوسرے لڑکے کی بات پر باقی دونوں لڑکے ہنسے مگر تیسرا اسی طرح چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

ان کا سفر بالآخر اس گلی کے آخر میں ایک عمارت کے سامنے ختم ہو گیا، عمارت کے نیچے موجود دکان سے تینوں لڑکوں نے موتیے کے بہت سے ہار خریدے اور اپنی کلائیوں میں لپیٹ لئے۔ ایک ہار دوسرے لڑنے اس لڑکے کی کلائی میں بھی لپیٹ دیا جو وہاں آنے پر اعتراض کر رہا تھا پھر ان لوگوں نے وہاں سے پان خریدے۔ تمباکو والا پان دوسرے لڑکے نے اس لڑکے کو بھی دیا جو شاید زندگی میں پہلی بار پان کھا رہا تھا۔ پان کھاتے ہوئے وہ چاروں اس عمارت کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اوپر پہنچ کر پہلے لڑکے نے ایک بار پھر تنقیدی نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر اطمینان کی ایک جھلک نمودار ہوئی۔ وہ جگہ بہت صاف ستھری اور خاصی حد تک آراستہ تھی۔

گاؤ تکیے اور چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں اور باریک پردے لہرا رہے تھے، کچھ لوگ پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ رقص ابھی شروع نہیں ہوا تھا ایک عورت لپکتی ان کی طرف آئی۔ اس کے چہرے پر ایک خوبصورت مصنوعی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی اس نے دوسرے لڑکے کو مخاطب کیا پہلے لڑکے نے غور سے اس عورت کو دیکھا۔ ادھیڑ عمر کی وہ عورت اپنے چہرے پر بے تحاشا میک اپ تھوپے اور بالوں میں موتیے اور گلاب کے گجرے لٹکائے، شیفون کی ایک چنگھاڑتی ہوئی سرخ ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جس کا بلاؤز اس کے جسم کو چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا مگر وہ جسم کو چھپانے کے لئے پہنا گیا بھی نہیں تھا۔ ان چاروں کو وہ ایک کونے میں لے گئی اور وہاں اس نے انہیں بٹھا دیا۔

پہلے لڑکے نے وہاں بیٹھتے ہی منہ میں موجود پان اس گلدان میں تھوک دیا، جو ان کے قریب موجود تھا کیونکہ پان منہ میں ہوتے ہوئے اس سے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا، پان کا ذائقہ بھی اس کے لئے کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ تینوں لڑکے وہاں بیٹھ مدھم آواز میں باتیں کرنے لگے جبکہ پہلا لڑکا اس ہال کے چاروں طرف موجود گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے لوگوں کو دیکھتا رہا جن میں سے کچھ اپنے سامنے شراب کی بوتلیں اور نوٹوں کی گڈیاں رکھے بیٹھے تھے۔ ان میں سے اکثریت سفید لٹھے کے کلف لگے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس نے عید کے اجتماعات کے علاوہ آج پہلی بار کسی اور جگہ پر سفید لباس پہننے والوں کا اتنا بڑا اجتماع

دیکھا تھا۔خود وہ اپنے ساتھیوں کی طرح سیاہ جینز اور اسی رنگ کی آدھے بازوؤں والی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ان کی عمر کے کچھ اور لڑکے بھی وہاں انہیں کی طرح جینز اور ٹی شرٹس میں ملبوس تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور عورت اسی طرح چیختے چنگھاڑتے رنگوں والے کپڑوں میں ملبوس وہاں آکر ہال کے درمیان میں بیٹھ کر ایک غزل سنانے لگی تھی۔اس کے ساتھ کچھ سازندے بھی تھے۔دو غزلیں سنانے اور اپنے اوپر اچھالے جانے والے کچھ نوٹ اٹھا کر وہ خاصی خوش اور مطمئن واپس چلی گئی اور اس کے جانے کے فوراً بعد ہی فلم انڈسٹری کی وہ ایکٹریس ہال میں داخل ہوئی اور ہال میں موجود ہر مرد کی نظر اس سے جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔اس نے ہال میں باری باری چاروں طرف گھوم کر ہر ایک کو سر کے اشارے سے خوش آمدید کہا تھا۔

سازندوں کو اس بار کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔کیسٹ پلئیر پر باری باری چند ہیجان انگیز گانے لگائے گئے تھے جن پر اس عورت نے اپنا رقص پیش کرنا شروع کیا تھا اور کچھ دیر پہلے کی خاموشی یکدم ختم ہو گئی تھی چاروں طرف موجود مرد اس عورت کو داد و تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ شراب نوشی میں مصروف تھے۔ان میں سے کچھ جو زیادہ جوش میں آرہے تھے وہ اٹھ کر اس ایکٹرس کے ساتھ ڈانس میں مصروف ہو جاتے۔

ہال میں واحد شخص جو اپنی جگہ پر کسی حرکت کے بغیر بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا وہ وہی لڑکا تھا مگر اس کے باوجود یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس ایکٹریس کے رقص سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد جب اس ایکٹریس نے اپنا رقص ختم کیا تو وہاں موجود آدھے سے زیادہ مرد اتنا غفیل ہو چکے تھے،واپس گھر جانا انکے لئے مسئلہ اس لئے نہیں تھا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی گھر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔وہ سب وہاں رات گزارنے آئے تھے۔ان چاروں نے بھی رات وہاں گزاری۔

اگلے دن وہاں سے واپسی پر گاڑی میں اس دوسرے لڑکے نے جماہی لیتے ہوئے پہلے لڑکے سے پوچھا،جو اس وقت لاپروائی سے گاڑی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

"کیسا رہا یہ تجربہ؟"

"اچھا تھا۔۔۔۔"پہلے لڑکے نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"بس اچھا تھا۔۔۔۔اور کچھ نہیں۔۔۔۔تم بھی بس۔۔۔۔"اس نے قدرے ناراضی کے عالم میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کبھی کبھار جانے کے لئے اچھی جگہ ہے۔۔۔۔اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔۔۔ مگر something special والی کوئی بات نہیں ہے۔میری گرل فرینڈ اس لڑکی سے بہتر ہے جس کے ساتھ میں نے رات گزاری ہے۔"

اس لڑکے نے دوٹوک انداز میں کہا۔



ڈائننگ ٹیبل پر ہاشم مبین کی پوری فیملی موجود تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ سب آپس میں خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے۔موضوعِ گفتگو اس وقت امامہ تھی جو اس ویک اینڈ پر بھی اسلام آباد موجود تھی۔

"بابا۔۔۔۔آپ نے یہ بات نوٹ کی کہ امامہ دن بہ دن سنجیدہ سے سنجیدہ ہوتی جا رہی ہے۔"وسیم نے قدرے چھیڑنے والے انداز میں امامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔یہ تو میں بھی پچھلے کئی ماہ سے نوٹ کر رہا ہوں۔"ہاشم مبین نے وسیم کی بات پر بیٹی کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

امامہ نے چاولوں کا چمچہ منہ میں رکھتے ہوئے وسیم کو گھورا۔

"کیوں امامہ! کوئی مسئلہ ہے؟"

"بابا! یہ بڑی فضول باتیں کرتا ہے اور آپ بھی خوامخواہ اسکی باتوں میں آ رہے ہیں۔میں اپنی اسٹڈیز کی وجہ سے مصروف اور سنجیدہ ہوں۔اب ہر کوئی وسیم کی طرح نکما تو نہیں ہوتا۔"اس نے اپنے ساتھ بیٹھے وسیم کے کندھے پر کچھ ناراضی سے ہلکا سا ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"بابا! آپ ذرا اندازہ کریں، میڈیکل کے شروع کے سالوں میں اس کا یہ حال ہے تو جب یہ ڈاکٹر بن جائے گی تب اس کا کیا حال ہو گا۔"وسیم نے امامہ کی تنبیہ کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔"سالوں گزر جایا کریں گے مس امامہ ہاشم کو مسکرائے ہوئے۔"

ڈائننگ ٹیبل پر موجود لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ان دونوں کے درمیان نوک جھونک ہمیشہ ہی رہتی تھی۔بہت کم مواقع ہوتے تھے جب وہ دونوں اکٹھے ہوں اور ان کے درمیان آپس میں جھگڑا نہ ہو۔مستقل بنیادوں پر ہوتے رہنے والے ان جھگڑوں کے باوجود امامہ کی سب سے زیادہ دوستی بھی وسیم کے ساتھ ہی تھی۔اس کی وجہ شاید ان کی اوپر تلے کی پیدائش بھی تھی۔

"اور آپ تصور کریں۔۔۔۔"اس بار امامہ نے اسے اپنی بات مکمل کرنے نہیں دی، اس نے اس کے کندھے پر پوری قوت سے مکا مارا۔وسیم پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

"ہمارے گھر میں ایک ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفا کے سوا اور کیا کیا ہو سکتا ہے۔ آپ اس کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں اس سے آپ یہ اندازہ بھی لگا سکتے ہیں کہ آج کل کے ڈاکٹرز وارڈ میں مریضوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہوں گے۔ ملک میں بڑھتی شرحِ اموات کی ایک وجہ۔۔۔۔۔"

"بابا! اس کو منع کریں۔" امامہ نے بالآخر ہتھیار ڈالتے ہوئے ہاشم مبین سے کہا۔

"وسیم۔۔۔۔" ہاشم مبین نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے وسیم کو جھڑکا، وہ بڑی سعادت مندی سے فوراً خاموش ہو گیا۔



اس نے پورے لفافے کو گرائنڈر میں خالی کر دیا اور پھر اسے بند کر کے چلا دیا۔ خانساماں اسی وقت اندر آیا۔

"چھوٹے صاحب! لائیں، میں آپ کی مدد کر دوں۔" وہ اس کی طرف بڑھا مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"نہیں میں خود کر لیتا ہوں۔ تم مجھے دودھ کا ایک گلاس دے دو۔" اس نے گرائنڈر آف کرتے ہوئے کہا۔ خانساماں ایک گلاس میں دودھ لے کر اس کے پاس چلا آیا۔ دودھ کے

آدھے گلاس میں اس نے گرائنڈر میں موجود تمام پاؤڈر ڈال دیا اور ایک چمچہ سے اچھی طرح ہلانے لگا پھر ایک ہی سانس میں وہ دودھ پی گیا۔

"کھانے میں آج کیا پکایا ہے تم نے؟" اس نے خانساماں سے پوچھا۔

خانساماں نے کچھ ڈشز گنوانی شروع کر دیں۔ اس کے چہرے پر کچھ ناگواری ابھری۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا، سونے جا رہا ہوں، مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔"

اس نے سختی سے کہا اور کچن سے نکل گیا۔

پیروں میں پہنی ہوئی باٹا کی چپل کو وہ فرش پر تقریباً گھسیٹ رہا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں سرخ تھیں۔ شرٹ کے چند ایک کے سوا سارے ہی بٹن کھلے ہوئے تھے۔

اپنے کمرے میں جا کر اس نے دروازے کو لاک کر لیا اور وہاں موجود جہازی سائز کے میوزک سسٹم کی طرف گیا اور کمرے میں بولٹن کا "when a man loves a woman" بلند آواز میں بجنے لگا۔ وہ ریموٹ لے کر اپنے بیڈ میں آ گیا اور اوندھے منہ بے ترتیبی کے عالم میں لیٹ گیا۔

اس کا ریموٹ والا بایاں ہاتھ بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا اور مسلسل ہل رہا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں بھی میوزک کے ساتھ گردش میں تھے۔

کمرے میں بیڈ اور اس کے اپنے حلیے کے علاوہ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی، کہیں پر کچھ بھی بے ترتیب نہیں تھا۔ کہیں پر گرد کا ایک ذرہ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ میوزک سسٹم کے پاس موجود دیواری شیلف میں تمام آڈیو اور وڈیو کیسٹس بڑے اچھے طریقے سے لگی ہوئی تھیں۔ ایک دوسری دیوار میں موجود ریکس پر کتابوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ کونے میں پڑی ہوئی کمپیوٹر ٹیبل سے عیاں تھا کہ اسے استعمال کرنے والا بہت آرگنائزڈ ہے۔ کمرے کی مختلف دیواروں پر ہالی وڈ کی ایکٹریسز اور وہاں کے بینڈز کے پوسٹرز لگے تھے۔ باتھ روم کے دروازے اور کمرے کی کھڑکیوں کے شیشوں کو پلے بوائے میگزین سے کاٹی گئی کچھ ماڈلز کی نیوڈ تصویروں سے سجایا گیا تھا، کمرے میں پہلی بار داخل ہونے والا دروازہ کھولتے ہی بہت بری طرح چونکتا کیونکہ بالکل سامنے کھڑکیوں کے شیشوں پر موجود وہ تصویریں چند لمحوں کے لئے دیکھنے والوں کو تصویریں نہیں بلکہ اصل لڑکیاں نظر آتی تھیں۔ ان تصویروں کو وہاں لگاتے ہوئے ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ میوزک سسٹم جس دیوار کے ساتھ موجود تھا اسی دیوار کے ایک کونے میں دیوار پر ایک الیکٹرک گٹار لٹکایا گیا تھا اور اسی کونے میں ایک کی بورڈ بھی اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا۔ دیوار پر گٹار سے کچھ فاصلے پر piccolo، فلوٹ اور obue بھی لٹکائے گئے تھے اس کمرے کے مکین کو یقیناً میوزک سے گہری دلچسپی تھی۔ بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار میں موجود کیبنٹ میں ٹی وی موجود تھا اور اسی کیبنٹ کے مختلف خانوں میں مختلف ٹرافیز اور شیلڈز پڑی ہوئی تھیں۔

کمرے کا چوتھا کونا بھی خالی نہیں تھا وہاں دیوار پر مختلف ریکٹس لٹکے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ٹینس کا تھا اور دو اسکواش کے، ان ریکٹس کو دیوار پر لٹکانے سے پہلے نیچے پوسٹرز لگائے گئے تھے اور پھر ریکٹس اس طرح لٹکائے گئے تھے کہ یوں لگتا تھا وہ ریکٹس ان کھلاڑیوں نے پکڑے ہوں ٹینس کے ریکٹ کے نیچے گبریلا سباٹینی کا پوسٹر تھا جب کہ اسکواش کے ایک ریکٹ کے نیچے جہانگیر خان کا پوسٹر تھا جب کہ دوسرے ریکٹ کے نیچے روڈنی مارٹن کا۔

کمرے میں واحد جگہ جہاں بے ترتیبی تھی وہ ڈبل بیڈ تھا، جس پر وہ لیٹا ہوا تھا۔ سلک کی بیڈ شیٹ بری طرح سلوٹ زدہ تھی اور اس پر ادھر ادھر چند پورنوگرافی کے غیر ملکی میگزین پڑے تھے جن میں پلے بوائے نمایاں تھا بیڈ پر ایک پیپر کٹر اور کاغذ کی کچھ چھوٹی کترنیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ یقیناً کچھ دیر پہلے وہ ان میگزینز سے تصویریں کاٹ رہا تھا۔ چیونگمز کے کچھ ریپرز بھی تڑے مڑے بیڈ پر ہی پڑے ہوئے تھے۔ ڈن ہل کا ایک پیکٹ اور لائٹر بھی ایش ٹرے کے ساتھ بیڈ پر ہی پڑا تھا جبکہ سلک کی سفید چمک دار بیڈ شیٹ پر کئی جگہ ایسے نشان تھے جیسے وہاں پر سگریٹ کی راکھ بھی تھی۔ کافی کا ایک خالی مگ بھی بیڈ پر پڑا ہوا تھا اور اسکے پاس ایک ٹائی اور رسٹ واچ بھی تھی۔ ان سب چیزوں سے کچھ فاصلے پر سرہانے ایک موبائل پڑا تھا جس پر یکدم کوئی کال آنے لگی تھی۔ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا ہوا وہ نوجوان اب شاید نیند کے عالم میں تھا کیونکہ موبائل کی بیپ پر اس نے سر اٹھائے بغیر اپنا دایاں ہاتھ

بیڈ پر اِدھر اُدھر پھیرتے ہوئے جسے موبائل تلاش کرنے کی کوشش کی مگر موبائل اس کے ہاتھ کی رسائی سے بہت دور تھا۔ اس پر مسلسل کال آ رہی تھی۔ کچھ دیر اسی طرح اِدھر اُدھر ہاتھ پھیرنے کے بعد اس کا ہاتھ ساکت ہو گیا شاید اب وہ واقعی سوچ چکا تھا کیونکہ اس کے تھرکتے پیر رک چلے تھے۔ موبائل پر اب بھی کال آ رہی تھی۔ بیڈ سے باہر نکلے ہوئے اس کے بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا ریموٹ یک دم اس کی گرفت سے نکل کر نیچے کارپٹ پر گر پڑا۔ مائیکل بولٹن کی آواز ابھی بھی کمرے میں گونج رہی تھی۔ "when a man loves a woman۔" پھر یکدم کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی اور پھر دستک کی یہ آواز بڑھتی ہی گئی۔ موبائل کی کال ختم ہو چکی تھی، دروازے پر دستک دینے والے ہاتھ بڑھتے گئے وہ بیڈ پر اوندھے منہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔



"ڈونٹ ٹیل می، امامہ! کیا تم واقعی انگیجڈ ہو؟"

زینب کو جویریہ کے انکشاف پر جیسے کرنٹ لگا۔ امامہ نے ملامتی نظروں سے جویریہ کو دیکھا جو پہلے ہی معذرت خواہانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"اسے نہیں مجھے دیکھ کر بتاؤ، کیا تم واقعی انگیجڈ ہو؟" زینب نے اس بار اسے کچھ جھڑکتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مگر یہ اس قدر غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ تو نہیں کہ تم اس پر اس طرح ریکٹ کرو۔" امامہ نے بڑی رسانیت سے کہا۔ وہ سب لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھیں اور اپنی طرف سے حتی المقدور سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔

"مگر تمہیں ہمیں بتانا تو چاہیے تھا، آخر راز میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس بار رابعہ نے کہا۔

"راز میں تو نہیں رکھا، بس یہ کوئی اتنا اہم واقعہ نہیں تھا کہ تمہیں بتاتی اور پھر تم لوگوں سے میری دوستی تو اب ہوئی ہے جبکہ اس منگنی کو کئی سال گزر چکے ہیں۔" امامہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"کئی سال سے کیا مراد ہے تمہاری؟"

"میرا مطلب ہے، دو تین سال۔"

"پھر بھی امامہ! بتانا تو چاہیے تھا تمہیں۔۔۔۔۔" زینب کا اعتراض ابھی بھی اپنی جگہ قائم تھا۔ امامہ نے مسکراتے ہوئے زینب کو دیکھا۔

"اب کروں گی تو اور کسی کو بتاؤں یا نہ بتاؤں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔"

"ویری فنی۔" زینب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اور کچھ نہیں تو تم ہمیں کوئی تصویر وغیرہ ہی لا کر دکھا دو موصوف کی۔۔۔۔۔ہے کون؟۔۔۔۔۔نام کیا ہے؟۔۔۔۔۔کیا کرتا ہے؟"

رابعہ ہمیشہ کی طرح ایک ہی سانس میں سوال در سوال کر ڈالے۔

"فرسٹ کزن ہے۔۔۔۔۔اسجد نام ہے۔" امامہ نے رک رک کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
"ایم بی اے کیا ہے اس نے اور بزنس کرتا ہے۔"

"شکل و صورت کیسی ہے؟" اس بار زینب نے پوچھا۔امامہ نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے؟ میں تم سے پوچھ رہی ہوں لمبا ہے؟ ڈارک ہے؟ ہینڈ سم ہے؟" اس بار امامہ مسکراتے ہوئے کچھ کہے بغیر زینب کو دیکھتی رہی۔

"امامہ نے اپنی پسند سے یہ منگنی کی ہے۔۔۔۔۔وہ اچھا خاصا گڈ لکنگ ہے۔" جویریہ نے اس بار امامہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہمیں اندازہ کر لینا چاہیے تھا، آخر وہ امامہ کا فرسٹ کزن ہے۔۔۔۔۔اب امامہ! تمہارا اگلا کام یہ ہے کہ تم ہمیں اس کی تصویر لا کر دکھاؤ۔" زینب نے کہا۔

"نہیں، اس سے پہلے کا ضروری کام یہ ہے کہ تم ہمیں کچھ کھلانے پلانے لے چلو۔" رابعہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"فی الحال تو یہاں سے چلیں، ہاسٹل جانا ہے مجھے۔" امامہ یکدم اٹھ کر کھڑی ہو گئی تو وہ بھی اٹھ گئیں۔

"ویسے جویریہ! تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟" ساتھ چلتے ہوئے زینب نے جویریہ سے پوچھا۔

"بھئی، امامہ نہیں چاہتی تھی۔۔۔۔۔اس لئے میں نے کبھی اس موضوع پر بات نہیں کی۔" جویریہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔امامہ نے مڑ کر ایک بار پھر جویریہ کو گھورا، اس کی نظروں میں تنبیہ تھی۔

"امامہ کیوں نہیں چاہتی تھی۔۔۔۔۔میری منگنی ہوئی ہوتی تو میں تو شور مچاتی ہر جگہ، وہ بھی اس صورت میں جب یہ میری اپنی مرضی سے ہوتی۔" زینب نے بلند آواز میں کہا۔

امامہ نے اس بار کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ کا بیٹا آبادی کے اس 5۔2 فیصد حصے میں شامل ہے، جو 150 سے زیادہ کا آئی کیو لیول رکھتے ہیں۔ اس آئی کیو لیول کے ساتھ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ غیر معمولی سہی مگر غیر متوقع نہیں ہے۔" اس غیر ملکی اسکول میں سالار کو جاتے ہوئے ابھی صرف ایک ہفتہ ہوا تھا جب سکندر عثمان اور ان کی بیوی کو وہاں بلوایا گیا تھا۔ اسکول کے سائیکالوجسٹ نے انہیں سالار سکندر کے مختلف آئی کیو ٹیسٹ کے بارے میں بتایا تھا جس میں اس کی پرفارمنس نے اس کے ٹیچرز اور سائیکالوجسٹ کو حیران کر دیا تھا۔ اس اسکول میں وہ 150 کا آئی کیو لیول والا پہلا اور واحد بچہ تھا اور چند ہی دنوں میں وہ وہاں سب کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔

سکندر عثمان اور ان کی بیوی سے ملاقات کے دوران سائیکالوجسٹ کو اس کے بچپن کے بارے میں کچھ اور کھوج لگانے کا موقع ملا۔ وہ کافی دلچسپی سے سالار کے کیس کو اسٹڈی کر رہا

تھا اور دلچسپی کی یہ نوعیت پروفیشنل نہیں ذاتی تھی۔ اپنے کیریئر میں وہ پہلی بار اس آئی کیو کے بچے کا سامنا کر رہا تھا۔

سکندر عثمان کو آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد تھا۔ سالار اس وقت صرف دو سال کا تھا اور غیر معمولی طور پر وہ اس عمر میں ایک عام بچے کی نسبت زیادہ صاف لہجے میں باتیں کرتا تھا اور باتوں کی نوعیت ایسی ہوتی تھی کہ وہ اور ان کی بیوی اکثر حیران ہوتے۔

ایک دن جب وہ اپنے بھائی سے فون پر بات کرنے کے لئے فون کر رہے تھے تو سالار ان کے پاس کھڑا تھا۔ وہ اس وقت ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے اور فون پر باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ ٹی وی بھی دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے فون رکھ دیا۔ ریسیور رکھنے کے فوراً بعد انہوں نے سالار کو فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے دیکھا۔

"ہیلو انکل! میں سالار ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اطمینان سے ریسیور کان سے لگائے کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" سکندر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پہلے ان کے ذہن میں یہی آیا کہ وہ جھوٹ موٹ فون پر باتیں کر رہا ہے۔

"پاپا میرے پاس بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔ نہیں، انہوں نے نہیں کیا میں نے خود کیا ہے۔" وہ اس کے اگلے جملے پر چونکے۔

"سالار! کس سے باتیں کر رہے ہو؟" سکندر نے پوچھا۔

"انکل شاہنواز سے۔" سالار نے سکندر کو جواب دیا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اس سے لے لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس نے غلطی سے کوئی نمبر ملا لیا ہو گا یا پھر لاسٹ نمبر کو ری ڈائل کر دیا ہو گا۔ انہوں نے کان سے ریسیور لگایا، دوسری طرف ان کے بھائی تھے۔

"یہ سالار نے نمبر ڈائل کیا ہے۔" انہوں نے معذرت کرتے ہوئے اپنے بھائی سے کہا۔

"سالار نے کیسے ڈائل کیا وہ تو بہت چھوٹا ہے۔" ان کے بھائی نے دوسری طرف کچھ حیرانی سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اس نے آپ کا نمبر ری ڈائل کر دیا ہے۔ اتفاق سے ہاتھ لگ گیا ہو گا۔ ہاتھ مار رہا تھا سیٹ پر۔" انہوں نے فون بند کر دیا اور ریسیور نیچے رکھ دیا۔ سالار جو خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سننے میں مصروف تھا ریسیور نیچے رکھتے ہی اس نے ایک بار پھر ریسیور اٹھا لیا۔ اس بار سکندر عثمان اسے دیکھنے لگے، وہ بالکل کسی میچور آدمی کی طرح ایک بار پھر شاہنواز کا نمبر

ڈائل کر رہا تھا اور بڑی روانی کے ساتھ۔ وہ ایک لمحہ کے لئے دم بخود رہ گئے تھے۔ دو سال کے بچے سے انہیں یہ توقع نہیں تھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر کریڈل دبا دیا۔

"سالار! تمہیں شاہنواز کا نمبر معلوم ہے؟" انہوں نے حیرانی کے اس جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" بڑے اطمینان سے جواب دیا گیا۔

"کیا نمبر ہے؟" اس نے بھی روانی کے ساتھ وہ نمبر دہرا دیا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگے انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ گنتی کے اعداد سے واقف ہو گا اور پھر وہ نمبر۔۔۔۔۔

"تمہیں یہ نمبر کس نے سکھایا؟"

"میں نے خود سیکھا ہے۔"

"کیسے؟"

"ابھی آپ نے ملایا تھا۔" سالار نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں گنتی آتی ہے؟"

"ہاں۔"

"کہاں تک۔"

"ہنڈرڈ تک۔"

"سناؤ۔"

وہ مشین کی طرح شروع ہو گیا۔ ایک ہی سانس میں اس نے انہیں سو تک گنتی سنادی۔ سکندر عثمان کے پیٹ میں بل پڑنے لگے۔

"اچھا۔ میں ایک اور نمبر ڈائل کرتا ہوں میرے بعد تم اسے ڈائل کرنا۔" انہوں نے ریسیور اس سے لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" سالار کو یہ سب ایک دلچسپ کھیل کی طرح لگا۔ سکندر عثمان نے ایک نمبر ملایا اور پھر فون بند کر دیا۔ سالار نے فوراً ریسیور ان سے پکڑ کر انہی کی روانی کے ساتھ وہ نمبر ملایا۔ سکندر عثمان کا سر گھومنے لگا۔ وہ واقعی وہی نمبر تھا جو انہوں نے ملایا تھا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی نمبر ملائے اور پھر سالار سے وہی نمبر ملانے کے لئے کہا۔ وہ کوئی غلطی کئے بغیر وہی نمبر ملاتا رہا۔ وہ یقیناً فوٹو گرافک میموری رکھتا تھا۔ انہوں نے اپنی بیوی کو بلایا۔

"میں نے اسے گنتی نہیں سکھائی، میں نے تو بس کچھ دن پہلے اسے چند کتابیں لا کر دی تھیں اور کل ایک بار ایسے ہی اس کے سامنے سو تک گنتی پڑھی تھی۔" انہوں نے سکندر عثمان کے

استفسار پر کہا۔ سکندر عثمان نے سالار کو ایک بار پھر گنتی سنانے کے لئے کہا وہ سناتا گیا۔ ان کی بیوی ہکا بکا اسے دیکھتی رہیں۔

دونوں میاں بیوی کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا بچہ ذہنی اعتبار سے غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ ان دونوں نے اپنے باقی بچوں کی نسبت اسے جلد ہی اسکول میں داخل کروا دیا تھا اور اسکول میں بھی وہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد ہی دوسروں کی نظروں میں آ گیا تھا۔

"اس بچے کو آپ کی خاص توجہ کی ضرورت ہے، عام بچوں کی نسبت ایسے بچے زیادہ حساس ہوتے ہیں، اگر آپ اس کی اچھی تربیت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ بچہ آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے ایک سرمایہ ہو گا نہ صرف خاندان کے لئے بلکہ آپ کے ملک کے لئے بھی۔" سکندر عثمان اور ان کی بیوی اس غیر ملکی سائیکالوجسٹ کی باتیں بڑے فخریہ انداز میں سنتے رہے۔

اپنے دوسرے بچوں کے مقابلے میں وہ سالار کو زیادہ اہمیت دینے لگے تھے۔ وہ ان کی سب سے چہیتی اولاد تھا اور انہیں اس کی کامیابیوں پر فخر تھا۔

اسکول میں ایک ٹرم کے بعد اسے اگلی کلاس میں پروموٹ کر دیا گیا اور دوسری ٹرم کے بعد اس سے اگلی کلاس میں اور اس وقت پہلی بار سکندر عثمان کو کچھ تشویش ہونے لگی۔ وہ نہیں چاہتے تھے سالار آٹھ دس سال کی عمر میں جونیئر یا سنئیر کیمبرج کر لیتا مگر جس رفتار سے وہ ایک کلاس سے دوسری کلاس میں جا رہا تھا یہی ہونا تھا۔

"میں چاہتا ہوں آپ میرے بیٹے کو اب پورے ایک سال کے بعد ہی اگلی کلاس میں پروموشن دیں۔ میں نہیں چاہتا وہ اتنی جلدی اتنے ابنارمل طریقے سے اپنا اکیڈمک کیریئر ختم کر لے۔ آپ اس کے سبجیکٹس اور ایکٹیویٹیز بڑھا دیں، مگر اسے نارمل طریقے سے ہی پروموٹ کریں۔"

ان کے اصرار پر سالار کو دوبارہ ایک سال کے اندر ڈبل یا ٹرپل پروموشن نہیں دیا گیا، اس کے ٹیلنٹ کو اسپورٹس اور دوسری چیزوں کے ذریعے چینجلائز کیا جانے لگا۔ شطرنج، ٹینس، گالف اور میوزک۔ وہ چار شعبے تھے جن میں اسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ خود کو صرف ان چاروں چیزوں تک ہی محدود رکھتا تھا۔ وہ اسکول میں ہونے والے تقریباً ہر گیم میں شریک ہوتا تھا اگر کسی میں شریک نہیں ہوتا تھا تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ وہ گیم یا سپورٹ اسے زیادہ چیلنجنگ نہیں لگتا تھا۔



"جویریہ! پروفیسر امتنان کے لیکچر کے نوٹس مجھے دینا۔" امامہ نے جویریہ کو مخاطب کیا جو ایک کتاب کھولے بیٹھی ہوئی تھی۔ جویریہ نے ہاتھ بڑھا کر اپنی ایک نوٹ بک اسے تھما دی۔ امامہ نوٹ بک کھول کر صفحے پلٹنے لگی۔ جویریہ ایک بار پھر کتاب کے مطالعے میں مصروف ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اچانک اسے جیسے ایک خیال آیا تھا اس نے مڑ کر اپنے بستر پر بیٹھی ہوئی امامہ کو دیکھا۔

"تم نے لیکچر نوٹ کرنا کیوں بند کر دیا ہے؟" اس نے امامہ کو مخاطب کیا۔ امامہ نے نوٹ بک سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے کچھ سمجھ میں آئے تو میں نوٹ کروں۔"

"کیا مطلب؟ تمہیں پروفیسر امتنان کا لیکچر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔" جویریہ کو جیسے حیرت ہوئی۔ "اتنا اچھا تو پڑھاتے ہیں۔"

"میں نے کب کہا کہ برا پڑھاتے ہیں، بس مجھے۔۔۔۔۔"

اس نے کچھ الجھے ہوئے لہجے میں بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑی نوٹ بک کو دیکھ رہی تھی۔ جویریہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"تم آج کل کچھ غائب دماغ نہیں ہوتی جارہیں؟ ڈسٹرب ہو کسی وجہ سے؟" جویریہ نے اپنے سامنے رکھی کتاب بند کرتے ہوئے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"ڈسٹرب؟" وہ بڑبڑائی۔ "نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہاری آنکھوں کے گرد حلقے بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کل رات کو شاید ساڑھے تین کا وقت تھا جب میری آنکھ کھلی اور تم اس وقت بھی جاگ رہی تھیں۔"

"میں پڑھ رہی تھی۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں، صرف کتاب اپنے سامنے رکھے بیٹھی ہوئی تھیں، مگر کتاب پر نظر نہیں تھی تمہاری۔" جویریہ نے اس کا عذر رد کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟"

"کیا مسئلہ ہو سکتا ہے مجھے؟"

"پھر تم اتنی چپ چپ کیوں رہنے لگی ہو؟" جویریہ اسکی ٹال مٹول سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"نہیں، میں کیوں چپ رہوں گی۔" امامہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "میں تو پہلے ہی کی طرح بولتی ہوں۔"

"صرف میں ہی نہیں، باقی سب بھی تمہاری پریشانی کو محسوس کر رہے ہیں۔" جویریہ سنجیدگی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں ہے، صرف اسٹڈیز کی ٹینشن ہے مجھے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتی ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں، تمہیں ہم سے زیادہ ٹینشن تو نہیں ہو سکتی۔" جویریہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ امامہ نے ایک گہرا سانس لیا، وہ اب زچ ہو رہی تھی۔

"تمہارے گھر میں تو خیریت ہے نا؟"

"ہاں بالکل خیریت ہے۔"

"اسجد کے ساتھ تو کوئی جھگڑا نہیں ہوا؟"

"اسجد کے ساتھ جھگڑا کیوں ہوگا؟" امامہ نے اسی کے انداز میں پوچھا۔

"پھر بھی اختلافات تو ایک بہت ہی۔۔۔۔" جویریہ کی بات اس نے درمیان میں ہی کاٹ دی۔

"جب کہہ رہی ہوں کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے تو تمہیں یقین کیوں نہیں آرہا۔اتنے سالوں سے کون سی بات ہے جو میں نے تم سے شئیر نہیں کی یا جو تمہیں پتا نہیں ہے پھر بھی تم اس طرح مجھے مجرم سمجھ کر تفتیش کیوں کر رہی ہو۔" وہ اب خفا ہو رہی تھی۔

جویریہ گڑبڑا گئی۔"یقین کیوں نہیں کروں گی،میں صرف اس لئے اصرار کر رہی تھی کہ شاید تم مجھے اس لئے اپنا مسئلہ نہیں بتا رہیں کہ میں پریشان نہ ہوں اور تو کوئی بات نہیں۔"

جویریہ کچھ نادم سی ہو کر اس کے پاس سے اٹھ کر واپس اپنی اسٹڈی ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔ اس نے ایک بار پھر وہ کتاب کھول لی جسے وہ پہلے پڑھ رہی تھی۔کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہنے کے بعد اس نے ایک جماہی لی اور گردن موڑ کر لاشعوری طور پر امامہ کو دیکھا۔وہ دیوار سے ٹیک لگائے اس کی نوٹ بک کھولے بیٹھی تھی مگر اس کی نظریں نوٹ بک پر نہیں تھیں وہ سامنے والی دیوار پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے گاڑی نہر کے پل سے کچھ فاصلے پر کھڑی کر دی پھر ڈگی سے ایک بوری اور رسی نکالی۔ وہ بوری کو کھینچتے ہوئے اس پل کی طرف بڑھتا رہا۔پاس سے گزرنے والے کچھ راہ گیروں

نے اسے دیکھا مگر وہ رکے نہیں،اوپر پہنچ کر اس نے اپنی شرٹ اتار کر نہر میں پھینک دی۔ چند لمحوں میں اس کی شرٹ بہتے پانی کے ساتھ غائب ہو چکی تھی۔ڈارک بلو کلر کی تنگ جینز میں اس کا لمبا قد اور خوبصورت جسم بہت نمایاں تھا۔

اس وقت اس شخص کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر تھا جسے پڑھنا دوسرے کسی بھی شخص کے لئے ناممکن تھا۔اس کی عمر انیس بیس سال ہو گی، مگر اس کے قد و قامت اور حلیے نے اس کی عمر کو جیسے بڑھا دیا تھا۔اس نے رسی پل سے نیچے نہر میں لٹکانی شروع کر دی،جب رسی کا سرا پانی میں غائب ہو گیا تو اس نے رسی کا دوسرا سرا بوری کے منہ پر لپیٹ کر سختی سے گرہیں لگانی شروع کر دیں اور اس وقت تک لگاتار ہا جب تک کوائل ختم نہیں ہو گیا پھر پانی میں پڑا سرا واپس کھینچ کر اس نے اندازے سے تین فٹ کے قریب رسی چھوڑی اور اپنے دونوں پیر ساتھ جوڑتے ہوئے اس نے پیروں کے گرد رسی کو بہت مضبوطی کے ساتھ دو تین بل دیئے اور گرہ لگا دی۔اب اس تین فٹ کے ٹکڑے کے سرے پر بڑی مہارت کے ساتھ اس نے دو پھندے بنائے پھر اچک کر پل کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔اپنا دایاں ہاتھ کمر کے پیچھے لے جاتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ کے ساتھ پہلے پھندے میں سے دایاں ہاتھ گزارا اور پھر بائیں ہاتھ کے ساتھ اس نے وہ پھندا کھینچ کر کس دیا۔اس کے بعد اس نے کمر کے پیچھے دائیں ہاتھ کے ساتھ دوسرے پھندے میں سے بایاں ہاتھ گزارا اور دائیں ہاتھ سے اسے کس دیا۔

اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے پشت کے بل خود کو منڈیر سے نیچے گرا دیا۔ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا سر پانی سے ٹکرایا اور کمر تک کا حصہ پانی میں ڈوب گیا پھر رسی ختم ہو گئی۔اب وہ اسی طرح لٹکا ہوا تھا کہ اس کے بازو پشت پر بندھے ہوئے تھے اور کمر تک کا دھڑ پانی کے اندر تھا۔بوری میں موجود وزن یقیناً اس کے وزن سے زیادہ تھا یہی وجہ تھی کہ بوری اس کے ساتھ نیچے نہیں آئی وہ اسی طرح لٹک گیا۔اس نے اپنا سانس روکا ہوا تھا۔پانی کے اندر اپنا سر جاتے ہی اس نے آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔پانی گدلا تھا اور اس میں موجود مٹی اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی۔اس نے آنکھیں بند کر لیں اس کے پھیپھڑے اب جیسے پھٹنے لگے تھے۔اس نے یکدم سانس لینے کی کوشش کی اور پانی منہ اور ناک سے اس کے جسم کے اندر داخل ہونے لگا۔وہ اب بری طرح پھڑ پھڑا رہا تھا مگر نہ وہ اپنے بازوؤں کو استعمال کر کے خود کو سطح پر لا سکتا تھا اور نہ ہی اپنے جسم کو اٹھا سکتا تھا۔اس کے جسم کی پھڑ پھڑاہٹ آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی۔

چند لوگوں نے اسے پل سے نیچے گرتے دیکھا اور چیختے ہوئے اس طرف بھاگے،رسی ابھی تک ہل رہی تھی،ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔پانی کے نیچے ہونے والی حرکت اب دم توڑ گئی تھی۔اس کی ٹانگیں اب بالکل بے جان نظر آ رہی تھیں۔پل پر کھڑے لوگ خوف کے عالم میں اس بے جان وجود کو دیکھ رہے تھے پل پر موجود ہجوم بڑھ رہا تھا۔

نیچے پانی میں موجود وہ وجود ابھی بھی ساکت تھا۔صرف پانی اسے حرکت دے رہا تھا۔کسی پنڈولم کی طرح۔۔۔۔۔آگے پیچھے۔۔۔۔۔آگے پیچھے۔۔۔۔۔آگے پیچھے۔



"امامہ! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" رابعہ نے اپنی الماری سے اپنا ایک سوٹ نکال کر بیڈ پر پھینکتے ہوئے کہا۔

امامہ نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کس لئے تیار ہو جاؤں؟"

"بھئی، شاپنگ کے لئے جا رہے ہیں، ساتھ چلو۔" رابعہ نے اسی تیز رفتاری کے ساتھ استری کا پلگ نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا۔" اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھوں پر اپنا بازو رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب ہے۔۔۔۔۔۔مجھے کہیں نہیں جانا۔۔۔۔تم سے پوچھ کون رہا ہے۔۔۔۔تمہیں بتا رہے ہیں۔" رابعہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"اور میں نے بتادیا ہے، میں کہیں نہیں جارہی۔"اس نے آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر کہا۔

"زینب بھی چل رہی ہے ہمارے ساتھ، پورا گروپ جارہا ہے، فلم بھی دیکھیں گے واپسی پر۔"رابعہ نے پورا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

امامہ نے ایک لحظہ کے لئے اپنی آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔"زینب بھی جارہی ہے؟"

"ہاں، زینب کو ہم راستے سے پک کریں گے۔"امامہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

"تم بہت ڈل ہوتی جارہی ہو امامہ!"رابعہ نے قدرے ناراضی کے ساتھ تبصرہ کیا۔
"ہمارے ساتھ کہیں آنا جانا ہی چھوڑ دیا ہے تم نے، آخر ہوتا کیا جارہا ہے تمہیں۔"

"کچھ نہیں، بس میں آج کچھ تھکی ہوئی ہوں، اس لئے سونا چاہ رہی ہوں۔"امامہ نے بازو ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد جویریہ بھی اندر آگئی اور وہ بھی اسے ساتھ چلنے کے لئے مجبور کرتی رہی۔ مگر امامہ کی زبان پر ایک ہی رٹ تھی۔"نہیں مجھے سونا ہے، میں بہت تھک گئی ہوں۔"وہ مجبوراً اسے برا بھلا کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

رستے سے انہوں نے زینب کو اس کے گھر سے پک کیا اور زینب کو پک کرتے ہوئے جویریہ کو یاد آیا کہ اس کے بیگ کے اندر اس کا والٹ نہیں ہے، وہ اسے ہاسٹل میں ہی چھوڑ آئی تھی۔

"واپس ہاسٹل چلتے ہیں، وہاں سے والٹ لے کر پھر بازار چلیں گے۔"جویریہ کے کہنے پر وہ لوگ دوبارہ ہاسٹل چلی آئیں، مگر وہاں آکر انہیں حیرانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

"یہ امامہ کہاں ہے؟"رابعہ نے حیرانی سے کہا۔

"پتا نہیں۔ کمرہ لاک کرکے اس طرح کہاں جا سکتی ہے۔ وہ تو کہہ رہی تھی کہ اسے سونا ہے۔"جویریہ نے کہا۔

"ہاسٹل میں تو کسی کے روم میں نہیں چلی گئی؟"رابعہ نے خیال ظاہر کیا وہ دونوں اگلے کئی منٹ ان واقف لڑکیوں کے کمروں میں جاتی رہیں جن سے ان کی ہیلو ہائے تھی، مگر امامہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔

"کہیں ہاسٹل سے باہر تو نہیں گئی؟"رابعہ کو اچانک خیال آیا۔

"آؤ وارڈن سے پوچھ لیتے ہیں۔"جویریہ نے کہا۔ وہ دونوں وارڈن کے پاس چلی آئیں۔

"ہاں، امامہ ابھی کچھ دیر پہلے باہر گئی ہے۔"وارڈن نے انکی انکوائری پر بتایا۔ جویریہ اور رابعہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

"وہ کہہ رہی تھی شام کو آئے گی۔" وارڈن نے انہیں مزید بتایا۔ وہ دونوں وارڈن کے کمرے سے نکل آئیں۔

"یہ گئی کہاں ہے؟ ہمارے ساتھ تو جانے سے انکار کر دیا تھا کہ اسے سونا ہے اور وہ تھکی ہوئی ہے اور اس کی طبیعت خراب ہے اور اب اس طرح غائب ہو گئی ہے۔" رابعہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

رات کو وہ قدرے لیٹ واپس آئیں اور جس وقت وہ واپس آئیں۔ امامہ کمرے میں موجود تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کا استقبال کیا۔

"لگتا ہے۔ خاصی شاپنگ ہوئی ہے آج۔" اس نے ان دونوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاپرز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ان دونوں نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا، بس شاپرز رکھ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تم کہاں گئی ہوئی تھیں؟" جویریہ نے اس سے پوچھا۔ امامہ کو جیسے ایک جھٹکا لگا۔

"میں اپنا والٹ لینے واپس آئی تھی تو تم یہاں نہیں تھیں، کمرہ لاکڈ تھا۔" جویریہ نے اسی انداز میں کہا۔

"میں تم لوگوں کے پیچھے گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" جویریہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

"تمہارے نکلنے کے بعد میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ میں یہاں سے زینب کی طرف گئی کیونکہ تم لوگوں کو اسے پک کرنا تھا، مگر اس کے چوکیدار نے بتایا کہ تم لوگ پہلے ہی وہاں سے نکل گئے ہو، پھر میں وہاں سے واپس آ گئی۔ بس رستے میں کچھ کتابیں لی تھیں میں نے۔" امامہ نے کہا۔

"دیکھا۔ تم سے پہلے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلو مگر اس وقت تم نے فوراً انکار کر دیا، بعد میں بے وقوفوں کی طرح پیچھے چل پڑیں۔ ہم لوگ تو مشکوک ہو گئے تھے تمہارے بارے میں۔" رابعہ نے کچھ اطمینان سے ایک شاپر کھولتے ہوئے کہا۔

امامہ نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ صرف مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھتی رہی۔ وہ دونوں اب اپنے شاپر کھولتے ہوئے خریدی ہوئی چیزیں اسے دکھا رہی تھیں۔



"تمہارا نام کیا ہے؟"

"پتا نہیں؟"

"ماں باپ نے کیا رکھا تھا؟"

"ماں باپ سے پوچھیں۔" خاموشی۔

"لوگ کس نام سے پکارتے ہیں تمہیں؟"

"لڑکے یا لڑکیاں؟"

"لڑکے؟"

"بہت سارے نام لیتے ہیں۔"

"زیادہ کون سا نام پکارتے ہیں؟"

"daredevil۔" خاموش۔۔۔۔۔

"اور لڑکیاں؟"

"وہ بھی بہت سے نام لیتی ہیں۔"

"زیادہ تر کس نام سے پکارتی ہیں؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔ it's too personal (یہ بالکل ذاتی ہے)۔"

گہری خاموشی، طویل سانس پھر خاموشی۔

"میں آپ کو ایک مشورہ دوں؟"

"کیا؟"

"آپ میرے بارے میں وہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے جو نہ آپ پہلے جانتے ہیں نہ میں۔ آپ کے دائیں طرف ٹیبل پر جو سفید فائل پڑی ہے اس میں میرے سارے particulars موجود ہیں پھر آپ وقت ضائع کیوں کر رہے ہیں؟"

سائیکوانالسٹ نے اپنے پاس موجود ٹیبل لیمپ کی روشنی میں سامنے کاؤچ پر دراز اس نوجوان کو دیکھا جو اپنے پیر مسلسل ہلا رہا تھا، اس کے چہرے پر گہرا اطمینان تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سائیکوانالسٹ کے ساتھ ہونے والی اس ساری گفتگو کو بے کار سمجھ رہا تھا۔ کمرے میں موجود ٹھنڈک، خاموشی اور نیم تاریکی نے اس کے اعصاب کو بالکل متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ سائیکوانالسٹ کے لئے سامنے لیٹا ہوا نوجوان ایک عجیب کیس تھا۔ وہ فوٹو گرافک میموری کا مالک تھا۔ اس کا آئی کیو لیول 150 کی رینج میں تھا۔ وہ تھرو آؤٹ، آؤٹ اسٹینڈنگ اکیڈمک ریکارڈ رکھتا تھا وہ گالف میں پریزیڈنٹس گولڈ میڈل تین بار جیت چکا تھا اور وہ۔۔۔۔ وہ تیسری بار خودکشی کی

ناکام کوشش کرنے کے بعد اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے والدین ہی اسے اس کے پاس لے کر آئے تھے اور وہ بے حد پریشان تھے۔

وہ ملک کے چند بہت اچھے خاندانوں میں سے ایک سے تعلق رکھتا تھا۔ ایسا خاندان جس کے پاس پیسے کی بھرمار تھی، چار بھائیوں اور ایک بہن کے بعد وہ چوتھے نمبر پر تھا۔ دو بھائی اور ایک بہن اس سے بڑے تھے۔ اپنی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے وہ اپنے والدین کا بہت زیادہ چہیتا تھا۔ اس کے باوجود پچھلے تین سال میں اس نے تین بار خودکشی کی کوشش کی۔

پہلی دفعہ اس نے سڑک پر بائیک چلاتے ہوئے ون وے کی خلاف ورزی کی اور بائیک سے ہاتھ اٹھا لئے، اس کے پیچھے آنے والے ٹریفک کانسٹیبل نے ایسا کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ خوش قسمتی سے گاڑی سے ٹکرانے کے بعد وہ ہوا میں اچھل کر ایک دوسری گاڑی کی چھت پر گرا اور پھر زمین پر گرا۔ اس کی کچھ پسلیاں ایک بازو اور ایک ٹانگ میں فریکچرز ہوئے، تب اس کے والدین کانسٹیبل کے اصرار کے باوجود اسے ایک حادثہ ہی سمجھے، کیونکہ اس نے اپنے ماں باپ سے یہی کہا تھا کہ وہ غلطی سے ون وے سے ہٹ گیا تھا۔

دوسری بار پورے ایک سال کے بعد اس نے لاہور میں خود کو باندھ کر پانی میں ڈوبنے کی کوشش کی۔ ایک بار پھر اسے بچا لیا گیا۔ پل پر کھڑے لوگوں نے اسے اس رسی سمیت باہر کھینچ لیا تھا جس کے ساتھ باندھ کر اس نے خود کو نیچے گرایا تھا۔ اس بار اس بات کی گواہی

دینے والوں کی تعداد زیادہ تھی کہ اس نے خود اپنے آپ کو پانی میں گرایا تھا مگر اس کے ماں باپ کو ایک بار پھر یقین نہیں آیا۔ سالار کا بیان تھا کہ کچھ لڑکوں نے اس کی گاڑی کو پل کے پاس روکا اور پھر اسے باندھ کر پانی میں پھینک دیا، جس طرح وہ بندھا ہوا تھا اس سے یوں ہی لگتا تھا کہ اسے واقعی ہی باندھ کر گرایا گیا تھا۔ پولیس اگلے کئی ہفتے اس کے بتائے گئے حلیے کے لڑکوں کو پورے شہر میں تلاش کرتی رہی۔ سکندر عثمان نے خاص طور پر ایک گارڈ اس کے ساتھ تعینات کر دیا جو چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہتا تھا۔

مگر تیسری بار وہ اپنے ماں باپ کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکا۔ خواب آور گولیوں کی ایک بڑی تعداد کو پیس کر اس نے کھا لیا تھا۔ گولیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ معدہ واش کرنے کے باوجود اگلے کئی دن وہ بیمار رہا تھا۔ اس بار کسی کو بھی کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ اس نے خانساماں کے سامنے ان گولیوں کے پاؤڈر کو دودھ میں ڈال کر پیا تھا۔

سکندر عثمان اور طیبہ سکندر شاکڈ رہ گئے تھے۔ پچھلے دونوں واقعات بھی انہیں پوری طرح یاد آ گئے تھے اور وہ پچھتانے لگے تھے کہ انہوں نے پہلے اس کی بات پر اعتبار کیوں کیا۔۔۔۔ پورا گھر اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا تھا، اس کے بارے میں اسکول، کالونی اور خاندان ہر جگہ خبریں پھیل رہی تھیں۔ وہ اس بار اس بات سے سے انکار نہیں کر سکا کہ اس

نے خودکشی کی کوشش کی تھی، مگر وہ یہ بتانے پر تیار نہیں تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ بھائی، بہن، ماں یا باپ اس نے کسی کے سوال کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔

سکندر اے لیولز کے بعد اس کے بڑے بھائیوں کی طرح اسے بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھجوانا چاہتے تھے، وہ جانتے تھے اسے کہیں بھی نہ صرف بڑی آسانی سے ایڈمیشن مل جائے گا بلکہ اسکالرشپ بھی۔۔۔۔ لیکن ان کے سارے پلانز جیسے بھک کر کے اڑ گئے تھے۔

اور اب وہ اس سائیکوانالسٹ کے سامنے موجود تھا، جس کے پاس سکندر عثمان نے اسے اپنے ایک دوست کے مشورہ پر بھجوایا تھا۔

"ٹھیک ہے سالار! بالکل ٹو دا پوائنٹ بات کرتے ہیں۔ مرنا کیوں چاہتے ہو تم؟" سالار نے کندھے اچکائے۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں مرنا چاہتا ہوں؟"

"خودکشی کی تین کوششیں کر چکے ہو تم۔"

"کوشش کرنے اور مرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"تینوں دفعہ تم اتفاقاً بچے ہو ورنہ تم نے خود کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"دیکھیں۔ جس کو آپ خودکشی کی کوشش کہہ رہے ہیں میں اسے خودکشی کی کوشش نہیں سمجھتا۔ میں صرف دیکھنا چاہتا تھا کہ موت کی تکلیف کیسی ہوتی ہے۔"

وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا جو بڑے پرسکون انداز میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور موت کی تکلیف تم کیوں محسوس کرنا چاہتے تھے؟"

"بس ایسے ہی curiosity تجسس سمجھ لیں۔" سائیکوانالسٹ نے ایک گہرا سانس لے کر اس 150 آئی کیو لیول والے نوجوان کو دیکھا، جواب چھت کو گھور رہا تھا۔

"تو ایک بار خودکشی کی کوشش سے تمہارا یہ تجسس ختم نہیں ہوا۔"

"اوہ تب۔۔۔۔ تب میں بے ہوش ہو گیا تھا اس لئے میں ٹھیک سے کچھ بھی محسوس نہیں کر سکا۔ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔" وہ مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"اور اب تم چوتھی بار کوشش کرو گے؟"

"یقیناً میں محسوس کرنا چاہتا ہوں کہ درد کی انتہا پر جا کر کیسا لگتا ہے۔"

"کیا مطلب۔؟"

"جیسے joy کی انتہا ecstasy ہوتی ہے مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خوشی کی اس انتہا کے بعد کیا ہے، اسی طرح درد کی بھی تو کوئی انتہا ہوتی ہوگی، جس کے بعد آپ کچھ بھی سمجھ نہیں سکتے جیسے ecstasy میں اپ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔"

"میں نہیں سمجھ سکا۔"

"فرض کریں آپ ایک بار striptease دیکھ رہے ہیں، بہت تیز میوزک بج رہا ہے، آپ ڈرنک کر رہے ہیں، آپ نے کچھ ڈرگز بھی لی ہوئی ہیں، آپ ناچ رہے ہیں پھر آہستہ آہستہ آپ اپنے ہوش و حواس کھو دیتے ہیں، آپ ecstasy (سرور) میں ہیں، کہاں ہیں؟ کیوں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کو کچھ بھی پتا نہیں لیکن آپ کو یہ ضرور پتا ہوتا ہے کہ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ آپ کو اچھا لگ رہا ہے۔ میں جب باہر چھٹیاں گزارنے جاتا ہوں تو اپنے کزنز کے ساتھ ایسے بارز میں جاتا ہوں۔ میرا پرابلم یہ ہے کہ ان کی طرح میں ecstatic (مدہوش) نہیں ہوتا I never get wild with joy۔ مجھے ان چیزوں سے اتنی خوشی نہیں مل پاتی جتنی باقی لوگوں کو ملتی ہے اور یہی چیز مجھے مایوس کرتی ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر سرور کی انتہا پر نہیں پہنچ سکتا تو شاید میں درد کی انتہا پر پہنچ سکوں لیکن وہ بھی نہیں ہو سکا۔" وہ خاصا مایوس نظر آ رہا تھا۔

"تم اس طرح کی چیزوں میں وقت ضائع کیوں کرتے ہو، اتنا شاندار اکیڈمک ریکارڈ ہے تمہارا۔۔۔۔"

سالار نے اس بار انتہائی بیزاری سے اس سے کہا۔ "پلیز، پلیز اب میری ذہانت کے راگ الاپنا مت شروع کیجئے گا۔ مجھے پتا ہے میں کیا ہوں۔ تنگ آ گیا ہوں میں اپنی تعریفیں سنتے سنتے۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ سائیکوانالسٹ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

"اپنے لئے کوئی گول کیوں نہیں سیٹ کرتے تم؟"

"میں نے کیا ہے۔"

"کیا؟"

"مجھے خودکشی کی ایک اور کوشش کرنی ہے۔" مکمل اطمینان تھا۔

"کیا تمہیں کوئی ڈپریشن ہے؟"

"ناٹ ایٹ آل۔"

"تو پھر مرنا کیوں چاہتے ہو؟" ایک گہرا سانس۔

"کیا آپ کو ایک بار پھر سے بتانا شروع کروں کہ میں مرنا نہیں چاہتا، میں کچھ اور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ اکتایا۔

بات گھوم پھر کر پھر وہیں آ گئی تھی۔ سائیکوانالسٹ کچھ دیر سوچتا رہا۔

"کیا تم یہ سب کسی لڑکی کی وجہ سے کر رہے ہو؟"

سالار نے گردن موڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ "لڑکی کی وجہ سے؟"

"ہاں۔ کوئی ایسی لڑکی جو تمہیں اچھی لگتی ہو جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو؟" اس نے بے اختیار قہقہہ لگایا اور پھر ہنستا ہی گیا۔

"مائی گاڈ! آپ کا مطلب ہے کہ کسی لڑکی کی محبت کی وجہ سے میں خودکشی۔۔۔۔" وہ ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑ کر ہنسنے لگا۔ "لڑکی کی محبت۔۔۔۔ اور خودکشی۔۔۔۔ کیا مذاق ہے۔" وہ اب اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سائیکوانالسٹ نے اس طرح کے کئی سیشنز اس کے ساتھ کیے اور ہر بار نتیجہ ڈھاک کے وہی تین پات رہا۔

"آپ اس کو تعلیم کے لئے بیرون ملک بھجوانے کے بجائے یہیں رکھیں اور اس پر بہت زیادہ توجہ دیں۔ ہو سکتا ہے یہ توجہ حاصل کرنے کے لئے یہ سب کرتا ہو۔"

اس نے کئی ماہ کے بعد سالار کے ماں باپ کو مشورہ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے باہر بھجوانے کے بجائے اسلام آباد کے ادارے میں ایڈمیشن دلوایا گیا۔ سکندر عثمان کو یہ اطمینان تھا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھیں گے تو شاید وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ سالار نے ان کے اس فیصلے پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا بالکل اسی طرح جس طرح اس نے ان کے اس فیصلے پر کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اسے بیرون ملک تعلیم کے لئے بھجوایا جائے گا۔

سائیکوانالسٹ کے ساتھ آخری سیشن کے بعد سکندر عثمان اسے گھر لے آئے اور انہوں نے طیبہ کے ساتھ مل کر اس سے ایک لمبی چوڑی میٹنگ کی۔ وہ دونوں اپنے بیڈروم میں بٹھا کر اسے ان تمام آسائشوں کے بارے میں بتاتے رہے جو وہ پچھلے کئی سالوں میں اسے فراہم کرتے رہے تھے۔ انہوں نے اسے ان توقعات کے بارے میں بھی بتایا جو وہ اس سے رکھتے تھے۔ اسے ان محبت بھرے جذبات سے بھی آگاہ کیا جو وہ اس کے لئے محسوس کرتے تھے۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ چیونگم چباتا باپ کی بے چینی اور ماں کے آنسو دیکھتا رہا۔ گفتگو کے آخر میں سکندر عثمان نے تقریباً تنگ آ کر اس سے کہا۔

"تمہیں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے یا جو تمہیں چاہیے۔ مجھے بتاؤ۔" سالار سوچ میں پڑ گیا۔

"اسپورٹس کار۔" اگلے ہی لمحے اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اسپورٹس کار باہر سے منگوا دیتا ہوں مگر دوبارہ ایسی کوئی حرکت مت کرنا جو تم نے کی ہے، اوکے؟" سکندر عثمان کو کچھ اطمینان ہوا۔

سالار نے سر ہلا دیا۔ طیبہ نے ٹشو سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے جیسے سکون کا سانس لیا۔ وہ کمرے سے چلا گیا تو سکندر عثمان نے سگار سلگاتے ہوئے ان سے کہا۔

"طیبہ! تمہیں اس پر بہت توجہ دینی پڑے گی۔ اپنی ایکٹوٹیز کچھ کم کرو اور کوشش کرو کہ اس کے ساتھ روزانہ کچھ وقت گزار سکو۔" طیبہ نے سر ہلا دیا۔



وسیم نے امامہ کو دور سے ہی لان میں بیٹھے دیکھ لیا۔ وہ کانوں پر ہیڈ فون لگائے واک مین پر کچھ سن رہی تھی۔ وسیم دبے قدموں اس کی پشت کی جانب سے اس کے عقب میں گیا اور اس کے پاس جا کر اس نے یکدم امامہ کے کانوں سے ہیڈ فون کے تار کھینچ لیے۔ امامہ نے برق رفتاری سے واک مین کا اسٹاپ کا بٹن دبایا تھا۔

"کیا سنا جا رہا ہے یہاں اکیلے بیٹھے؟" وسیم نے بلند آواز میں کہتے ہوئے ہیڈ فون کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیا مگر تب تک امامہ کیسٹ بند کر چکی تھی۔ کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو کر اس نے ہیڈ فون کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے وسیم سے کہا۔

"بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے وسیم! بی ہیو یور سلیف۔" اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وسیم نے ہیڈ فون کے سروں کو نہیں چھوڑا، امامہ کے غصے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"میں سننا چاہتا ہوں، تم کیا سن رہی تھیں۔ اس میں بدتمیزی والی کیا بات ہے، کیسٹ کو آن کرو۔"

امامہ نے کچھ جھنجھلاتے ہوئے ہیڈ فون کو واک مین سے الگ کر دیا۔ "میں تمہارے سننے کے لئے واک مین لے کر یہاں نہیں بیٹھی، دفع ہو جاؤ یہ ہیڈ فون لے کر۔"

وہ ایک بار پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی، اس نے واک مین کو بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں جکڑا ہوا تھا۔

وسیم کو لگا جیسے وہ کچھ گھبرائی ہوئی ہے مگر وہ گھبرائے گی کیوں؟ وسیم نے سوچا اور اس خیال کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے سامنے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ ہیڈ فون کو اس نے میز پر رکھ دیا۔

"یہ لو، اپنا غصہ ختم کرو۔ واپس کررہاہوں میں، تم سنو، جو بھی سن رہی ہو۔" اس نے بڑے صلح جویانہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اب مجھے نہیں سننا کچھ، تم ہیڈ فون رکھو اپنے پاس۔" امامہ نے ہیڈ فون کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"ویسے تم سن کیا رہی تھیں؟"

"کیا سنا جاسکتا ہے؟" امامہ نے اسی کے انداز میں کہا۔

"غزلیں سن رہی ہو گی؟" وسیم نے خیال ظاہر کیا۔

"تمہیں پتا ہے وسیم! تم میں بہت ساری عادتیں بوڑھی عورتوں والی ہیں؟"

"مثلاً۔"

"مثلاً بال کی کھال اتارنا۔"

"اور۔"

"اور دوسری کی جاسوسی کرتے پھرنا اور شرمندہ بھی نہ ہونا۔"

"اور تمہیں پتا ہے کہ تم آہستہ آہستہ کتنی خود غرض ہوتی جارہی ہو۔" وسیم نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ امامہ نے اس کی بات پر برا نہیں مانا۔

"اچھا۔۔۔۔ تمہیں پتا چل گیا کہ میں خود غرض ہوں۔" اس بار اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ تم جتنے بے وقوف ہو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ نتیجہ اخذ کرلو گے۔"

"تم اگر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کررہی ہو تو مت کرو، میں شرمندہ نہیں ہوں گا۔" وسیم نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی ایسے کاموں کی کوشش تو ہر ایک پر فرض ہوتی ہے۔"

"آج تمہاری زبان کچھ زیادہ نہیں چل رہی؟" وسیم نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے نہیں، ایسا ہی ہے۔ چلو اچھا ہے، وہ چپ شاہ کا روزہ تو توڑ دیا ہے تم نے جو اسلام آباد آنے پر تم رکھ لیتی ہو۔" امامہ نے غور سے وسیم کو دیکھا۔

"کون سا چپ شاہ کا روزہ؟"

"تم جب سے لاہور گئی ہو خاصی بدل گئی ہو۔"

"مجھ پر اسٹڈیز کا بہت بوجھ ہوتا ہے۔"

"سب پر ہوتا ہے امامہ! مگر کوئی بھی اسٹڈیز کو اتنا سر پر سوار نہیں کرتا۔" وسیم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو اس فضول بحث کو، یہ بتاؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"عیش۔" وہ اسی طرح کرسی جھلاتا رہا۔

"یہ تو تم پورا سال ہی کرتے ہو، میں آج کل کی خاص مصروفیت کا پوچھ رہی ہوں۔"

"آج کل تو بس دوستوں کے ساتھ پھر رہا ہوں۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ پیپرز کے بعد میری مصروفیات کیا ہوتی ہیں۔ سب کچھ بھولتی جا رہی ہو تم۔" وسیم نے افسوس بھری نظروں سے کہا۔

"میں نے اس امید میں یہ سوال کیا تھا کہ شاید اس سال تم میں کوئی بہتری آجائے مگر نہیں، میں نے بے کار سوال کیا۔" امامہ نے اس کے تبصرے کے جواب میں کہا۔

"تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ میں تم سے ایک سال بڑا ہوں، تم نہیں، اس لئے اب اپنی ملامتی تقریر ختم کر دو۔" وسیم نے اسے کچھ جتاتے ہوئے کہا۔

"یہ ساتھ والوں کے لڑکے سے تعلقات کا کیا حال ہے؟" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

"چُوچُو سے؟ بس کچھ عجیب سے ہی تعلقات ہیں۔" وسیم نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"بڑا عجیب سا بندہ ہے، موڈ اچھا ہے تو دوسرے کو ساتویں آسمان پر بٹھا دے گا، موڈ خراب ہے تو سیدھا گٹر میں پہنچا دے گا۔"

"تمہارے زیادہ تر دوست اسی طرح کے ہیں" امامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔"

"نہیں، خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ کم از کم میری عادتیں اور حرکتیں چُوچُو جیسی تو نہیں ہیں۔"

"وہ تو باہر جانے والا تھا نا؟" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

"ہاں جانا تو تھا مگر پتا نہیں میرا خیال ہے اس کے پیرنٹس نہیں بھجوا رہے۔"

"حلیہ بڑا عجیب سا ہوتا ہے اس کا۔ مجھے بعض دفعہ لگتا ہے پیپوں کے کسی قبیلے سے کسی نہ کسی طرح اس کا تعلق ہو گا یا آئندہ ہو جائے گا۔"

"تم نے دیکھا ہے اسے؟"

"کل میں باہر سے آ رہی تھی تو دیکھا تھا۔ وہ بھی اسی وقت باہر نکل رہا تھا، کوئی لڑکی بھی تھی ساتھ۔"

"لڑکی؟ جینز وغیرہ پہنی ہوئی تھی اس نے؟" وسیم نے اچانک دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"مشروم کٹ بالوں والی۔۔۔۔ فیئر سی؟"

"ارسہ۔"" وسیم چٹکی بجاتے ہوئے مسکرایا۔ "اس کی گرل فرینڈ ہے۔"

"پچھلی دفعہ تو تم کسی اور کا نام لے رہے تھے۔" امامہ نے اسے گھورا۔

"پچھلی دفعہ کب؟" وسیم سوچ میں پڑ گیا۔

"سات آٹھ ماہ پہلے شاید تم سے اس کی گرل فرینڈ کی بات ہوئی تھی۔"

"ہاں تب شیبا تھی۔ اب پتا نہیں وہ کہاں ہے۔"

"اس بار تو گاڑی کے پچھلے شیشے پر اس نے اپنے موبائل کا نمبر بھی پینٹ کروایا ہوا تھا۔" امامہ ایک موبائل نمبر دہراتے ہوئے ہنسی۔

"تمہیں یاد ہے؟" وسیم بھی ہنسا۔

"میں نے زندگی میں پہلی بار اتنا بڑا موبائل نمبر کہیں لکھا دیکھا تھا اور وہ بھی گاڑی کے شیشے پر اس کے نام کے ساتھ، یاد تو ہونا ہی تھا۔" امامہ پھر ہنسی

"میں تو خود سوچ رہا ہوں اپنی گاڑی کے شیشے پر موبائل نمبر لکھوانے کا۔" وسیم نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کونسے موبائل کا۔ وہ جو تم نے ابھی خریدا بھی نہیں۔" امامہ نے وسیم کا مذاق اڑآیا۔

"میں خرید رہا ہوں اس ماہ۔"

"بابا سے جوتے کھانے کے لئے تیار رہنا۔ اگر تم نے موبائل کے نمبر کو گاڑی کے شیشے پر لکھوایا سب سے پہلا فون ان کا ہی آئے گا۔"

"بس اس لئے ہر بار میں رک جاتا ہوں۔" وسیم نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے لئے اچھا ہی ہے۔ بابا سے ہڈیاں تڑوانے سے بہتر ہے کہ بندہ اپنے جذبات پر کچھ قابو رکھے اور تمہارے لئے تو خطرات ویسے بھی زیادہ ہیں۔ سمیعہ کو پتا چلا نا اگر اس قسم کے کسی موبائل فون کا تو۔۔۔۔" وسیم نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو کیا کرے گی وہ، میں اس سے ڈرتا نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں تم اسے سے ڈرتے نہیں ہو، مگر چھ بھائیوں کی اکلوتی بہن سے منگنی کرنے سے پہلے تمہیں تمام نفع نقصان پر غور کر لینا چاہیے تھا جن کا سامنا تمہیں کسی ایسی ویسی حرکت کے بعد ہو سکتا ہے۔" امامہ نے ایک بار پھر اسکی منگیتر کا حوالہ دیتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔

"اب کیا کیا جا سکتا ہے، بس میرے مقدر میں تھا یہ سب کچھ۔" وسیم نے ایک مصنوعی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے کبھی بھی موبائل فون نہیں خریدنا چاہیے کیونکہ یہ میرے کسی کام نہیں آ سکے گا۔ کم از کم جہاں تک گرل فرینڈ کی تلاش کا سوال ہے۔" وہ ایک بار پھر کرسی جھلانے لگا۔

"دیر سے ہی سہی مگر بات تمہاری سمجھ میں آ ہی گئی۔" امامہ نے ہاتھ بڑھا کر میز سے ہیڈ فون اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ویسے تم سن کیا رہی تھیں؟" وسیم کو اسے ہیڈ فون اٹھاتے دیکھ کر پھر یاد آیا۔

"ویسے ہی کچھ خاص نہیں تھا۔" امامہ نے اٹھتے ہوئے اسے جیسے ٹالا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ لاہور جا رہے ہیں تو واپسی پر امامہ کے ہاسٹل چلے جائیں، یہ کچھ کپڑے ہیں اس کے، درزے سے لے کر آئی ہوں، آپ اسے دے آئیں۔" سلمیٰ نے ہاشم سے کہا۔

"بھئی۔ میں بڑا مصروف رہوں گا لاہور میں، کہاں آتا جاتا پھروں گا اس کے ہاسٹل۔" ہاشم کو قدرے تامل ہوا۔

"آپ ڈرائیور کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں، خود نہیں جا سکتے تو اسے بھیج دیجئے گا، وہ دے آئے گا یہ پیکٹ۔ سیزن ختم ہو رہا ہے پھر یہ کپڑے اسی طرح پڑے رہیں گے۔ اس کا تو پتا نہیں اب کب آئے۔" سلمیٰ نے لمبی چوڑی وضاحت کی۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں لے جاتا ہوں۔ فرصت ملی تو خود دے آؤں گا ورنہ ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دوں گا۔" ہاشم رضامند ہو گئے۔

لاہور میں انہوں نے خاصا مصروف دن گزارا۔ شام پانچ بجے کے قریب انہیں کچھ فرصت ملی اور تب انہیں اس پیکٹ کا بھی خیال آ گیا۔ ڈرائیور کو پیکٹ لے جانے کا کہنے کے بجائے وہ خود امامہ کے ہاسٹل چلے آئے۔ اس کے ایڈمیشن کے بعد آج پہلی بار وہ وہاں آئے تھے۔ گیٹ کیپر کے ہاتھ انہوں نے امامہ کے لئے پیغام بھجوایا اور خود انتظار کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ

وہ جلد ہی آجائے گی مگر ایسا نہ ہوا،دس منٹ،پندرہ منٹ،بیس منٹ۔۔۔۔۔وہ اب کچھ بیزار ہونے لگے۔اس سے پہلے کہ وہ اندر دوبارہ پیغام بھجواتے انہیں گیٹ کیپر ایک لڑکی کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔کچھ قریب آنے پر انہوں نے اس لڑکی کو پہچان لیا وہ جویریہ تھی امامہ کی بچپن کی دوست اور اس کا تعلق بھی اسلام آباد سے ہی تھا۔

"السلام علیکم انکل!۔"جویریہ نے پاس آکر کہا۔

"وعلیکم السلام!بیٹا کیسی ہو تم۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"میں یہ امامہ کے کچھ کپڑے دینے آیا تھا،لاہور آرہا تھا تو اس کی امی نے یہ پیکٹ دے دیا۔ اب یہاں بیٹھے مجھے گھنٹہ ہو گیا ہے مگر انہوں نے اسے بلایا نہیں۔"ہاشم کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"انکل!امامہ مارکیٹ گئی ہے کچھ دوستوں کے ساتھ،آپ یہ پیکٹ مجھے دے دیں،میں خود اسے دے دوں گی۔"

"ٹھیک ہے،تم رکھ لو۔"ہاشم نے وہ پیکٹ جویریہ کی طرف بڑھا دیا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد وہ واپس مڑ گئے۔جویریہ بھی پیکٹ پکڑ کر ہاسٹل کی طرف چلی گئی مگر اب اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی،کوئی بھی اس وقت اس کے چہرے پر پریشانی کو واضح طور پر بھانپ سکتا تھا۔

ہاسٹل کے اندر آتے ہی وارڈن سے اس کا سامنا ہو گیا جو سامنے ہی کھڑی تھیں،جویریہ کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ آگئی۔

"بات ہوئی تمہاری اس کے والد سے؟"وارڈن نے اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی بات ہوئی،پریشانی والا کوئی مسئلہ نہیں ہے،وہ اسلام آباد میں اپنے گھر پر ہی ہے،اس کے والد یہ پیکٹ لے کر آئے تھے،میرے گھر والوں نے میرے کچھ کپڑے بھجوائے ہیں۔انکل لاہور آرہے تھے تو امامہ نے کہا کہ وہ لے جائیں۔انکل نے غلطی سے یہاں آکر میرا نام لینے کے بجائے امامہ کا نام لے دیا۔"جویریہ نے ایک ہی سانس میں کئی جھوٹ روانی سے بولے۔

وارڈن نے سکون کا سانس لیا۔"خدا کا شکر ہے ورنہ میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی کہ مجھے تو وہ ویک اینڈ پر گھر جانے کا کہہ کر گئی ہے۔۔۔۔تو پھر وہ کہاں ہے۔۔۔۔"

وارڈن نے مڑتے ہوئے کہا۔ جویریہ پیکٹ پکڑے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ رابعہ اسے دیکھتے ہی تیر کی طرح اس کی طرف آئی۔

"کیا ہوا۔۔۔۔ اسلام آباد میں ہی ہے وہ؟"

"نہیں۔" جویریہ نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"مائی گاڈ۔" رابعہ نے بے یقینی سے اپنے دونوں ہاتھ کراس کر کے سینے پر رکھے۔ "تو پھر کہاں گئی ہے وہ؟"

"مجھے کیا پتا مجھ سے تو اس نے یہی کہا تھا کہ گھر جا رہی ہے، مگر وہ گھر نہیں گئی، آخر گئی کہاں ہے؟ امامہ ایسی تو نہیں ہے۔" جویریہ نے پیکٹ بستر پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"وارڈن سے کیا کہا تم نے؟" رابعہ نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔

"کیا کہا؟ جھوٹ بولا ہے اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ بتا دیتی کہ وہ اسلام آباد میں نہیں ہے تو ہاسٹل میں ابھی ہنگامہ شروع ہو جاتا، وہ تو پولیس کو بلوا لیتیں۔" جویریہ نے ناخن کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور انکل کو۔۔۔۔ ان کو کیا بتایا ہے؟" رابعہ نے پوچھا۔

"ان سے بھی جھوٹ بولا ہے، یہی کہا ہے کہ وہ مارکیٹ گئی ہے۔"

"مگر اب ہو گا کیا؟" رابعہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"مجھے تو یہ فکر ہو رہی ہے کہ اگر وہ واپس نہ آئی تو میں تو بری طرح پکڑی جاؤں گی۔ سب یہی سمجھیں گے کہ مجھے اس کے پروگرام کا پتا تھا، اس لئے میں نے وارڈن اور اس کے گھر والوں سے سب کچھ چھپایا۔" جویریہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کہیں امامہ کو کوئی حادثہ ہی پیش نہ آ گیا ہو؟ ورنہ وہ ایسی لڑکی تو نہیں ہے کہ اس طرح۔۔۔۔" رابعہ کو اچانک ایک خدشے نے ستایا۔

"مگر اب ہم کیا کریں۔ ہم تو کسی سے اس سارے معاملے کو ڈسکس بھی نہیں کر سکتے۔" جویریہ نے ناخن کترتے ہوئے کہا۔

"زینب سے بات کریں۔" رابعہ نے کہا۔

"فار گاڈ سیک رابعہ! کبھی تو عقل سے کام لے لیا کرو، اس سے کیا بات کریں گے ہم۔" جویریہ نے جھنجلا کر کہا۔

"تو پھر انتظار کرتے ہیں، ہو سکتا ہے وہ آج رات تک یا کل تک آ جائے اگر آ گئی تو پھر کوئی مسئلہ نہیں رہے گا اور اگر نہ آئی تو پھر ہم وارڈن کو سب کچھ سچ سچ بتا دیں گے۔" رابعہ نے

سنجیدگی سے سارے معاملے پر غور کرتے ہوئے طے کیا۔جویریہ نے اسے دیکھا مگر اس کے مشورے پر کچھ کہا نہیں۔پریشانی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جویریہ اور رابعہ رات بھر سو نہیں سکیں۔وہ مکمل طور پر خوف کی گرفت میں تھیں۔اگر وہ نہ آئی تو کیا ہوگا،یہ سوال ان کے سامنے بار بار بھیانک شکلیں بدل بدل کر آرہا تھا۔انہیں اپنا کیریئر ڈوبتا ہوا نظر آرہا تھا۔انہیں اندازہ تھا کہ ان کے گھر والے ایسے معاملے پر کیسا ردعمل ظاہر کریں گے۔وہ انہیں بری طرح ملامت کرتے،انہیں امامہ کے والد کو سب کچھ صاف صاف نہ بتانے پر تنقید کا نشانہ بناتے اور پھر وارڈن سے سارے معاملے کو چھپانے پر اور بھی ناراض ہوتے۔

انہیں اندازہ نہیں تھا کہ حقیقت سامنے آنے پر خود ہاشم مبین اور انکی فیملی کا ردعمل کیا ہوگا،وہ اس سارے معاملے میں ان دونوں کے رول کو کس طرح دیکھیں گے۔ہاسٹل میں لڑکیاں ان کے بارے میں کس طرح کی باتیں کریں گی اور پھر اگر یہ سارا معاملہ پولیس کیس بن گیا

تو پولیس ان کی اس پردہ پوشی کو کیا سمجھے گی،وہ اندازہ کر سکتی تھیں اور اسی لئے بار بار ان کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ گئی کہاں۔۔۔۔۔اور کیوں۔۔۔۔۔وہ دونوں اس کے پچھلے رویوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔کس طرح پچھلے ایک سال سے وہ بالکل بدل گئی تھی،اس نے انکے ساتھ گھومنا پھرنا بند کر دیا تھا،وہ الجھی الجھی رہنے لگی تھی،پڑھائی میں اس کا انہماک بھی کم ہو گیا تھا اور اس کی کم گوئی۔

"اور وہ جو ایک بار وہ ہمارے شاپنگ کے لئے جانے پر پیچھے سے غائب تھی،تب بھی وہ یقیناً وہیں گئی ہوگی جہاں وہ اب گئی ہے اور ہم نے کس طرح بے وقوفوں کی طرح اس پر اعتبار کر لیا۔"رابعہ کو پچھلی باتیں یاد آرہی تھیں۔

"مگر امامہ ایسی نہیں تھی،میں تو اسے بچپن سے جانتی ہوں۔وہ ایسی بالکل بھی نہیں تھی۔" جویریہ کو اب بھی اس پر کوئی شک نہیں ہو رہا تھا۔

"ایسا ہونے میں کوئی دیر تھوڑی لگتی ہے،بس انسان کا کردار کمزور ہونا چاہیے۔"رابعہ بدگمانی کی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔

"رابعہ! اس کی مرضی سے اس کی منگنی ہوئی تھی، وہ اور اسجد ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے پھر وہ اس طرح کی حرکت کیسے کر سکتی ہے۔" جویریہ نے اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔۔۔۔۔ میں نے تو مکھی بنا کر اسے کسی دیوار کے ساتھ نہیں چپکایا ہے، اس کے بابا اس سے ملنے یہاں آئے ہیں اور وہ اپنے گھر سے آئے ہیں، تو ظاہر ہے وہ گھر پر نہیں گئی اور ہم سے وہ یہی کہہ کر گئی تھی کہ وہ گھر جا رہی ہے۔" رابعہ نے بے چارگی سے کہا۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اسی لئے گھر نہ پہنچ سکی ہو۔"

"وہ ہر بار یہاں سے فون کر کے اسلام آباد اپنے گھر والوں کو اپنے آنے کی اطلاع دے دیتی تھی تاکہ اس کا بھائی اسے کوسٹر کے اسٹینڈ سے پک کر لے۔ اگر اس بار بھی اس نے اطلاع دی تھی تو پھر اس کے وہاں نہ پہنچنے پر وہ لوگ اطمینان سے وہاں نہ بیٹھے ہوتے، وہ یہاں ہوسٹل میں فون کرتے اور اس کے والد کے انداز سے تو ایسا محسوس ہوا ہے جیسے اس کا اس ویک اینڈ پر اسلام آباد کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" رابعہ نے اس کے قیاس کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ وہ کبھی بھی ایک ماہ میں دو بار اسلام آباد نہیں جاتی تھی مگر اس بار تو وہ دوسرے ہی ہفتے اسلام آباد جا رہی تھی اور اس نے وارڈن سے خاص طور پر یہ کہہ کر اجازت لی تھی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ ضرور غلط ہے۔" جویریہ کو پھر خدشات ستانے لگے۔

"اسکے ساتھ ساتھ ہم بھی بری طرح ڈوبیں گے۔ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی جو ہم نے سب کچھ اس طرح کور اپ کیا، ہمیں صاف صاف بات کرنی چاہیے تھی اس کے والد سے کہ وہ یہاں نہیں ہے، پھر وہ جو چاہے کرتے، یہ ان کا مسئلہ ہوتا، کم از کم ہم تو اس طرح نہ پھنستے جس طرح اب پھنس گئے ہیں۔" رابعہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"خیر اب کیا ہو سکتا ہے، صبح تک انتظار کرتے ہیں اگر وہ کل بھی نہیں آئی تو پھر وارڈن کو سب کچھ بتا دیں گے۔" جویریہ نے کمرے کے چکر لگاتے ہوئے کہا۔

وہ رات ان دونوں نے اسی طرح باتیں کرتے جاگتے ہوئے گزار لی۔ اگلے دن وہ دونوں کالج نہیں گئیں۔ اس حالت میں کالج جانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

امامہ ویک اینڈ پر ہفتہ کو واپسی پر نو بجے کے قریب آ جایا کرتی تھی مگر وہ اس دن نہیں آئی۔ ان کے اعصاب جواب دینے لگے۔ ڈھائی بجے کے قریب وہ فق رنگت اور کانپتے ہوئے ہاتھوں

کے ساتھ اپنے کمرے سے وارڈن کے کمرے میں جانے کے لئے نکل آئیں،ان کے ذہن میں وہ جملے گردش کر رہے تھے،جو انہیں وارڈن سے کہنے تھے۔

وہ وارڈن کے کمرے سے ابھی کچھ دور ہی تھیں جب انہوں نے امامہ کو بڑے اطمینان کے ساتھ اندر آتے دیکھا۔اس کا بیگ اس کے کاندھے پر تھا اور فولڈر ہاتھوں میں،وہ یقیناً سیدھی کالج سے آرہی تھی۔

جویریہ اور رابعہ کو یوں لگا جیسے ان کے پیروں کے نیچے سے نکلتی ہوئی زمین یکدم تھم گئی تھی۔ان کی رکی ہوئی سانس ایک بار پھر چلنے لگی تھی۔کل کے اخبارات میں متوقع وہ ہیڈلائنز جو بھوت بن کر ان کے گرد ناچ رہی تھیں یکدم غائب ہو گئیں اور ان کی جگہ اس غصے اور اشتعال نے لے لی تھی جو انہیں امامہ کی شکل دیکھ کر آیا تھا۔

وہ انہیں دیکھ چکی تھی اور اب ان کی طرف بڑھ رہی تھی،اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار سی مسکراہٹ تھی۔

"تم دونوں آج کالج کیوں نہیں آئیں؟"سلام دعا کے بعد اس نے ان سے پوچھا۔

"تمہاری مصیبتوں سے چھٹکارا ملے گا تو ہم کہیں آنے جانے کا سوچ سکیں گے۔"رابعہ نے تند و تیز لہجے میں اس سے کہا۔

امامہ کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"کیا ہوا رابعہ!اس طرح غصے میں کیوں ہو؟"امامہ نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"تم ذرا اندر کمرے میں آؤ پھر تمہیں بتاتی ہوں کہ میں غصے میں کیوں ہوں۔"رابعہ نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور تقریباً کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی۔جویریہ کچھ کہے بغیر ان دونوں کے پیچھے آ گئی۔امامہ ہکابکا تھی اور رابعہ اور جویریہ کے رویے کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی رابعہ نے دروازہ بند کر لیا۔

"کہاں سے آرہی ہو تم؟"رابعہ نے مڑ کر انتہائی تلخ اور درشت لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اسلام آباد سے اور کہاں سے۔"امامہ نے اپنا بیگ نیچے زمین پر رکھ دیا اسکے جواب نے رابعہ کو کچھ اور مشتعل کیا۔

"شرم کرو امامہ۔۔۔۔۔!اس طرح ہمیں دھوکا دے کر،ہماری آنکھوں دھول جھونک کر آخر تم ثابت کرنا کیا چاہتی ہو۔یہ کہ ہم ڈفر ہیں۔ایڈیٹ ہیں۔پاگل ہیں۔بھئی ہم ہیں۔ہم مانتے ہیں۔۔۔۔۔نہ ہوتے تو یوں تم پر اندھا اعتبار نہ کیا ہوتا تم سے اتنا بڑا دھوکا نہ کھایا ہوتا۔" رابعہ نے کہا۔

"مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کونسا دھوکا۔۔۔۔۔ کیسا دھوکا، کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم آرام سے مجھے اپنی بات سمجھاؤ۔" امامہ نے بے چارگی سے کہا۔

"تم ویک اینڈ کہاں گزار کر آئی ہو؟" جویریہ نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی۔

"تمہیں بتا چکی ہوں اسلام آباد میں، وہاں سے آج سیدھا کالج آئی ہوں اور اب کالج سے۔۔۔۔۔" رابعہ نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"بکواس بند کرو۔۔۔۔۔ یہ جھوٹ اب نہیں چل سکتا، تم اسلام آباد نہیں گئی تھیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟" اس بار امامہ نے بھی قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کیونکہ تمہارے فادر یہاں آئے تھے کل۔" امامہ کا رنگ اڑ گیا۔ وہ کچھ بول نہیں سکی۔

"اب کیوں منہ بند ہو گیا ہے۔ اب بھی کہو اسلام آباد سے آ رہی ہو۔" رابعہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بابا یہاں۔ آئے تھے؟" امامہ نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"ہاں آئے تھے، تمہارے کچھ کپڑے دینے کے لئے۔" جویریہ نے کہا۔

"انہیں یہ پتا چل گیا کہ میں ہاسٹل میں نہیں ہوں۔"

"میں نے جھوٹ بول دیا کہ تم ہاسٹل سے کسی کام سے باہر گئی ہو، وہ کپڑے دے کر چلے گئے۔" جویریہ نے کہا۔ امامہ نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

"یعنی انہیں کچھ پتا نہیں چلا؟" اس نے بستر پر بیٹھ کر اپنے جوتے کے اسٹرپیس کھولتے ہوئے کہا۔

"نہیں انہیں کچھ پتا نہیں چلا۔۔۔۔۔ تم منہ اٹھا کر اگلے ہفتے پھر کہیں روانہ ہو جانا۔ مائنڈ یو امامہ! میں اب وارڈن سے اس سلسلے میں بات کرنے والی ہوں۔ ہم تمہاری وجہ سے خاصی پریشانی اٹھا چکے ہیں۔ مزید اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہتر ہے تمہارے پیرنٹس کو تمہاری ان حرکتوں کے بارے میں پتا چل جائے۔" رابعہ نے دو ٹوک انداز میں اس سے کہا۔

امامہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کون سی حرکتوں کے بارے میں۔۔۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے۔"

"کیا کیا ہے؟ ہاسٹل سے اس طرح دو دن کے لئے گھر کا کہہ کر غائب ہو جانا تمہارے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

امامہ جواب دینے کے بجائے دوسرے جوتے کے بھی اسٹرپیس کھولنے لگی۔

"مجھے وارڈن کے پاس چلے ہی جانا چاہیے۔"

رابعہ نے غصے کے عالم میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جویریہ نے آگے بڑھ کر اسے روکا۔ "وارڈن سے بات کرلیں گے، پہلے اس سے تو بات کرلیں۔ تم جلد بازی مت کرو۔"

"مگر اس ڈھیٹ کا اطمینان دیکھو۔۔۔۔ مجال ہے ذرہ برابر شرمندگی بھی اس کے چہرے پر جھلک رہی ہو۔" رابعہ نے غصے میں امامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم دونوں کو سب کچھ بتادوں گی۔ اتنا غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا نہ ہی کسی غلط جگہ پر گئی ہوں اور ہاں بھاگی بھی نہیں ہوں۔" امامہ نے جوتوں کی قید سے اپنے پیروں کو آزاد کرتے ہوئے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

"پھر تم کہاں گئی تھیں؟" اس بار جویریہ نے پوچھا۔

"اپنی ایک دوست کے ہاں۔"

"کونسی دوست؟"

"ہے ایک۔"

"اس طرح جھوٹ بول کر کیوں؟"

"میں تم لوگوں کے سوالوں سے بچنا چاہتی تھی اور گھر والوں کو بتاتی یا ان سے اجازت لینے کی کوشش کرتی تو وہ کبھی اجازت نہ دیتے۔"

"کس کے ہاں گئی تھیں؟ اور کس لئے؟" جویریہ نے اس بار قدرے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

"میں نے کہا نا، میں بتادوں گی۔ کچھ وقت دو مجھے۔" امامہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"کوئی وقت نہیں دے سکتے تمہیں۔۔۔۔ تمہیں وقت دیں تاکہ تم ایک بار پھر غائب ہو جاؤ اور اس بار واپس ہی نہ آؤ۔" رابعہ نے اس بار بھی ناراضی سے کہا مگر پہلے کی نسبت اس بار اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"تمہیں تو اس بات کا بھی احساس نہیں ہوا کہ تم نے ہماری پوزیشن کتنی آکورڈ بنادی تھی، اگر تمہارے اس طرح غائب ہونے کا پتہ چل جاتا تو ہماری کتنی بے عزتی ہوتی۔ اس کا احساس تھا تمہیں؟" رابعہ نے اسی انداز میں کہا۔

"مجھے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ بابا اس طرح اچانک یہاں آجائیں گے۔اس لئے میں یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ تم لوگوں کو کسی نازک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے ورنہ میں اس طرح کبھی نہ کرتی۔" امامہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"تم کم از کم ہم پر اعتبار کرکے، ہمیں بتا کر جاسکتی تھی۔" جویریہ نے کہا۔

"میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گی۔" امامہ نے کہا۔

"کم از کم میں تمہارے کسی وعدے، کسی بات پر اعتبار نہیں کرسکتی۔" رابعہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"مجھے اپنی پوزیشن کلئیر کرنے دو رابعہ! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔" امامہ نے اس بار قدرے کمزور انداز میں کہا۔

"تم کو احساس ہے کہ تمہاری وجہ سے ہمارا کیرئیر اور ہماری زندگی کس طرح داؤ پر لگ گئی تھی۔یہ دوستی ہوتی ہے؟ اسے دوستی کہتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔مجھ سے غلطی ہوگئی۔مجھے معاف کردو۔" امامہ نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم کہاں غائب ہوگئی تھیں، میں تمہاری کوئی معذرت قبول نہیں کروں گی۔" رابعہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

امامہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"میں صبیحہ کے گھر چلی گئی تھی۔" جویریہ اور رابعہ نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کون۔۔۔۔؟" ان دونوں نے تقریباً بیک وقت پوچھا۔

"تم لوگ جانتی ہو اسے۔" امامہ نے کہا۔

"وہ فورتھ ائیر کی صبیحہ؟" جویریہ نے بے اختیار پوچھا۔

امامہ نے سر ہلایا۔ "مگر اس کے گھر کس لئے گئی تھیں تم؟"

"دوستی ہے اس سے میری۔" امامہ نے کہا۔

"دوستی۔۔۔۔؟ کیسی دوستی۔۔۔۔؟ چار دن کی سلام دعا ہے تمہارے ساتھ اس کی اور میرا خیال ہے تم تو اسے اچھی طرح جانتی بھی نہیں ہو پھر اس کے گھر رہنے کے لئے کیوں چل پڑیں؟" جویریہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی اس طرح جھوٹ بول کر۔۔۔۔۔ کم از کم اس کے گھر جا کر رہنے کے لئے تمہیں ہم سے یا اپنے گھر والوں سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔" رابعہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"تم اسے کال کر کے پوچھ لو کہ میں اس کے گھر پر تھی یا نہیں۔۔۔۔۔" امامہ نے کہا۔

"چلو یہ مان لیا کہ تم اس کے گھر پر تھیں مگر کیوں تھیں؟" جویریہ نے پوچھا۔

امامہ خاموش رہی پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی۔"

ان دونوں نے حیران ہو کر دیکھا۔ "کس سلسلے میں؟"

امامہ نے سر اٹھایا اور پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتی رہی۔ جویریہ نے کچھ بے چینی محسوس کی۔

"کس سلسلے میں؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو۔" امامہ نے قدرے مدھم انداز میں کہا۔

"میں۔۔۔۔۔؟" جویریہ نے کچھ گڑبڑا کر رابعہ کو دیکھا جواب بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں، تم تو اچھی طرح جانتی ہو۔"

"تم پہیلیاں مت بجھواؤ۔ سیدھی اور صاف بات کرو۔" جویریہ نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ امامہ سر اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی پھر کچھ دیر بعد شکست خوردہ انداز میں اس نے سر جھکا دیا۔



"بتاؤ نا۔ آخر تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" اس دن کالج میں امامہ نے جویریہ سے اصرار کیا۔

جویریہ کچھ دیر اسکا چہرہ دیکھتی رہی۔ "میری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔"

امامہ کو جیسے ایک کرنٹ سا لگا۔ اس نے شاک اور بے یقینی کے عالم میں جویریہ کو دیکھا۔ وہ دھیمے لہجے میں کہتی جا رہی تھی۔

"تم میری اتنی اچھی اور گہری دوست ہو کہ مجھے یہ سوچ کر تکلیف ہوتی ہے کہ تم گمراہی کے راستے پر چل رہی ہو اور تمہیں اس کا احساس تک نہیں ہے۔۔۔۔۔ نہ صرف تم بلکہ تمہاری پوری فیملی۔۔۔۔۔ میری خواہش ہے کہ نیک اعمال پر اگر اللہ مجھے جنت میں بھیجے تو تم میرے ساتھ ہو لیکن اس کے لئے مسلمان ہونا تو ضروری ہے۔"

امامہ کے چہرے پر ایک کے بعد ایک رنگ آرہا تھا۔ بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہو سکی۔

"میں توقع نہیں کر سکتی تھی جویریہ کہ تم مجھ سے تحریم جیسی باتیں کرو گی۔ تمہیں تو میں اپنا دوست سمجھتی تھی مگر تم بھی۔۔۔۔۔" جویریہ نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"تحریم نے تم سے تب جو کچھ کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔" امامہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی، اسے جویریہ کی باتوں سے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

"اور صرف آج ہی نہیں، میں اس وقت بھی تحریم کو صحیح سمجھتی تھی مگر میری تمہارے ساتھ دوستی تھی اور میں چاہنے کے باوجود تم سے یہ نہیں کہہ سکی کہ میں تحریم کو حق بجانب سمجھتی ہوں۔ اگر وہ یہ کہتی تھی کہ تم مسلمان نہیں ہو تو یہ ٹھیک تھا۔ تم مسلمان نہیں ہو۔"

امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جویریہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ امامہ کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے جانے کی کوشش کی مگر جویریہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تم میرا بازو چھوڑ دو۔۔۔۔۔ مجھے جانے دو، آئندہ کبھی تم مجھ سے بات تک مت کرنا۔" امامہ نے بھرائے ہوئے لہجے میں اس سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"امامہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔"

امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے کتنا ہرٹ کیا ہے مجھے۔ جویریہ مجھے کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"میں تمہیں ہرٹ نہیں کر رہی ہوں۔ حقیقت بتا رہی ہوں۔ رونے یا جذبات میں آنے کے بجائے تم ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات سوچو۔۔۔۔۔ میں آخر تم کو بے کار کسی بات پر ہرٹ کیوں کروں گی۔" جویریہ نے اس کا بازو نہیں چھوڑا۔

"یہ تو تمہیں پتا ہی ہو گا کہ تم مجھے ہرٹ کیوں کر رہی ہو، مگر مجھے آج یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ تم میں اور تحریم میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ تم نے تو مجھے اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائی ہے۔ اس سے میری دوستی اتنی پرانی نہیں تھی جتنی تمہارے ساتھ ہے۔" امامہ کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے اور وہ مسلسل اپنا بازو جویریہ کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ تمہارا اصرار تھا کہ میں تمہیں اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بتاؤں۔ میں اسی لئے تمہیں نہیں بتا رہی تھی اور میں نے تمہیں پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا کہ تم میری بات پر بہت

ناراض ہو گی مگر تم نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"جویریہ نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"مجھے اگر یہ پتا ہوتا کہ تم میرے ساتھ اس طرح کی بات کرو گی تو میں کبھی تم سے تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش جاننے پر اصرار نہ کرتی۔"امامہ نے اس بار قدرے غصے سے کہا۔

"اچھا میں دوبارہ اس معاملے پر تم سے بات نہیں کروں گی۔"جویریہ نے قدرے مدافعانہ انداز میں کہا۔

"اس سے کیا ہو گا۔مجھے یہ تو پتا چل گیا ہے کہ تم درحقیقت میرے بارے میں کیا سوچتی ہو۔۔۔۔ہماری دوستی اب کبھی بھی پہلے جیسی نہیں ہو سکتی۔آج تک میں نے کبھی تم پر اس طرح تنقید نہیں کی مگر تم مجھے اسلام کا ایک فرقہ سمجھنے کے بجائے غیر مسلم بنا رہی ہو۔"امامہ نے کہا۔

"میں اگر ایسا کر رہی ہوں تو غلط نہیں کر رہی۔اسلام کے تمام فرقے کم از کم یہ ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔"اس بار جویریہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"مائنڈ یور لینگویج۔"امامہ بھی بھڑک اٹھی۔

"میں تمہیں حقیقت بتا رہی ہوں امامہ۔۔۔۔۔اور میں ہی نہیں یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ تمہاری فیملی نے روپے کے حصول کے لئے مذہب بدلا ہے۔"

"امامہ! میری باتوں پر اتنا ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ٹھنڈے دل ودماغ سے۔۔۔۔۔"

امامہ نے جویریہ کی بات کاٹ دی۔"مجھے ضرورت نہیں ہے تمہاری کسی بھی بات پر ٹھنڈے دل ودعاغ سے غور کرنے کی۔میں جانتی ہوں حقیقت کیا ہے اور کیا نہیں۔۔۔۔۔"

"تم نہیں جانتیں اور یہی افسوس ناک بات ہے۔"جویریہ نے کہا امامہ نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اس بار بہت زور کے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا اور تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چل پڑی۔

اس بار جویریہ نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔وہ کچھ افسوس اور پریشانی سے اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔امامہ اس طرح ناراض نہیں ہوتی تھی جس طرح وہ آج ہو گئی تھی اور یہی بات جویریہ کو پریشان کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ سب کچھ اسکول میں ہونے والے ایک واقعے سے شروع ہوا تھا۔امامہ اس وقت میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی اور تحریم اس کی اچھی دوستوں میں سے ایک تھی۔وہ لوگ کئی سال سے اکٹھے تھے اور نہ صرف ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے بلکہ انکی فیملیز بھی ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔اپنی فرینڈز میں سے امامہ کی سب سے زیادہ دوستی تحریم اور جویریہ سے تھی مگر اسے حیرت ہوتی تھی کہ اتنی گہری دوستی کے باوجود بھی جویریہ اور تحریم اس کے گھر آنے سے کتراتی تھیں۔امامہ ہر سال اپنی سالگرہ پر انہیں انوائیٹ کرتی اور اکثر وہ اپنے گھر پر ہونے والی دوسری تقریبات میں بھی انہیں مدعو کرتیں،وہ گھر سے اجازت نہ ملنے کا بہانہ بنا دیتیں۔چند بار امامہ نے خود ان دونوں کے والدین سے اجازت لینے کے لئے بات کی،لیکن اس کے بے تحاشا اصرار کے باوجود ان دونوں کے والدین انہیں اس کے گھر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ان کے رویے پر کچھ شاکی ہو کر اس نے اپنے والدین سے شکایت کی۔

"تمہاری یہ دونوں فرینڈز سید ہیں۔یہ لوگ عام طور پر ہمارے فرقہ کو پسند نہیں کرتے۔اسی لئے ان دونوں کے والدین انہیں ہمارے گھر آنے نہیں دیتے۔"

ایک بار اس کی امی نے اس کی شکایت پر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔۔۔۔۔ہمارے فرقے کو کیوں پسند نہیں کرتے۔"امامہ کو ان کی بات پر تعجب ہوا۔

"اب یہ تو وہی لوگ بتا سکتے ہیں کہ وہ ہمارے فرقے کو کیوں پسند نہیں کرتے۔۔۔۔۔یہ تو ہمیں غیر مسلم بھی کہتے ہیں۔"اس کی امی نے کہا۔

"کیوں غیر مسلم کہتے ہیں۔ہم تو غیر مسلم نہیں ہیں۔"امامہ نے کچھ الجھ کر کہا۔

"ہاں بالکل۔ہم مسلمان ہیں۔۔۔۔۔مگر یہ لوگ ہمارے نبی پر یقین نہیں رکھتے۔"اسکی امی نے کہا۔

"کیوں؟"

"اب اس کیوں کا میں کیا جواب دے سکتی ہوں۔اب یہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔کٹر ہیں بڑے،یہ تو انہیں قیامت کے دن ہی پتا چلے گا کہ کون سیدھے رستے پر تھا۔ہم یا یہ۔۔۔۔۔"

"مگر امی مجھ سے تو انہوں نے کبھی مذہب پر بات نہیں کی۔ پھر مذہب مسئلہ کیسے بن گیا۔۔۔۔اس سے کیا فرق پڑتا ہے پھر دوسرے کے گھر آنے جانے سے کیا ہوتا ہے۔" امامہ ابھی بھی الجھی ہوئی تھی۔

"یہ بات انہیں کون سمجھائے۔۔۔۔۔یہ لوگ ہمیں جھوٹا کہتے ہیں، حالانکہ خود انہیں ہمارے بارے میں کچھ پتا نہیں۔۔۔۔بس مولویوں کے کہنے میں آکر ہم پر چڑھ دوڑتے ہیں، انہیں ہمارے بارے میں اور ہمارے نبی کی تعلیمات کے بارے میں کچھ پتا ہو تو یہ لوگ اس طرح نہ کریں۔ شاید پھر انہیں کچھ شعور آجائے۔۔۔۔اور یہ لوگ بھی ہماری طرح راہ راست پر آجائیں۔ تمہاری فرینڈز اگر تمہارے گھر نہیں آتیں تو تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم بھی ان کے گھر مت جایا کرو۔"

"مگر امی! انکی غلط فہمیاں تو دور ہونا چاہیں میرے بارے میں۔" امامہ نے ایک بار پھر کہا۔

"یہ کام تم نہیں کر سکتیں۔ان لوگوں کے ماں باپ مسلسل اپنے بچوں کی ہمارے خلاف برین واشنگ کرتے رہتے ہیں۔ان کے دلوں میں ہمارے خلاف زہر بھرتے رہتے ہیں۔"

"نہیں امی! وہ میری بیسٹ فرینڈز ہیں۔ان کو میرے بارے میں اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ میں ان لوگوں کو اپنی کتابیں پڑھنے کے لئے دوں گی، تاکہ ان کے دل سے میرے

بارے میں یہ غلط فہمیاں دور ہو سکیں، پھر ہو سکتا ہے یہ ہمارے نبی کو بھی مان جائیں۔" امامہ نے کہا اس کی امی کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔

"آپ کو میری تجویز پسند نہیں آئی؟"

"ایسا نہیں ہے۔۔۔۔۔تم ضرور انہیں اپنی کتابیں دو۔۔۔۔۔مگر اس طریقے سے نہیں کہ انہیں یہ لگے کہ تم اپنے فرقہ کی ترویج کے لئے انہیں یہ کتابیں دے رہی ہو۔ تم انہیں یہ کہہ کر کتابیں دینا کہ تم چاہتی ہو کہ وہ ہمارے بارے میں جانیں۔ ہم کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکیں اور ان سے یہ بھی کہنا کہ ان کتابوں کا ذکر وہ اپنے گھر والوں سے نہ کریں۔۔۔۔۔ ورنہ وہ لوگ زیادہ ناراض ہو جائیں گے۔" امامہ نے انکی بات پر سر ہلا دیا۔



اس کے چند دنوں بعد امامہ اسکول میں کچھ کتابیں لے گئی تھی۔ بریک کے دوران وہ جب گراؤنڈ میں آکر بیٹھیں تو امامہ اپنے ساتھ وہ کتابیں بھی لے آئی۔

"میں تمہارے اور جویریہ کے لئے کچھ لے کر آئی ہوں۔

"کیالائی ہود کھاؤ!۔" امامہ نے شاپر سے وہ کتابیں نکال لیں اور انہیں دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف بڑھادیا۔ وہ دونوں ان کتابوں پر نظر ڈالتے ہی کچھ چپ سی ہو گئیں۔ جویریہ نے امامہ سے کچھ نہیں کہا مگر تحریم یکدم کچھ اکھڑ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے سرد مہری سے پوچھا۔

"یہ کتابیں میں تمہارے لئے لائی ہوں۔" امامہ نے کہا۔

"کیوں؟"

"تاکہ تم لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔"

"کس طرح کی غلط فہمیاں؟"

"وہی غلط فہمیاں جو تمہارے دل میں، ہمارے مذہب کے بارے میں ہیں۔" امامہ نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا کہ ہمیں تمہارے مذہب یا تمہارے نبی کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں؟" تحریم نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں خود اندازہ کر سکتی ہوں۔ صرف اسی وجہ سے تو تم لوگ ہمارے گھر نہیں آتے۔ تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں یا ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے یا ہم لوگ

محمد ﷺ کو پیغمبر نہیں مانتے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہم لوگ ان سب چیزوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کے بعد ہمارا بھی ایک نبی ہے اور وہ بھی اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح محمد ﷺ۔" امامہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

تحریم نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں اسے واپس تھمادیں۔ "ہمیں تمہارے اور تمہارے مذہب کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہم تمہارے مذہب کے بارے میں ضرورت سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس لئے تم کو کوئی وضاحت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بڑے روکھے لہجے میں امامہ سے کہا۔ "اور جہاں تک ان کتابوں کا تعلق ہے تو میرے اور جویریہ کے پاس اتنا بے کار وقت نہیں ہے کہ ان احمقانہ دعوؤں، خوش فہمیوں اور گمراہی کے اس پلندے پر ضائع کریں جسے تم اپنی کتابیں کہہ رہی ہو۔" تحریم نے ایک جھٹکے کے ساتھ جویریہ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں کھینچ کر انہیں بھی امامہ کے ہاتھ میں تھمادیا۔ امامہ کا چہرہ خفت اور شرمندگی سے سرخ پڑ گیا۔ اسے تحریم سے اس طرح کے تبصرے کی توقع نہیں تھی اگر ہوتی تو وہ کبھی اسے وہ کتابیں دینے کی حماقت ہی نہ کرتی۔

"اور جہاں تک اس احترام کا تعلق ہے تو اس نبی میں جس پر نبوت کا نزول ہوتا ہے اور اس نبی میں جو خود بخود نبی ہونے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو اگر قرآن پر واقعی یقین ہوتا تو تمہیں اس کے ایک ایک حرف پر یقین ہوتا۔ نبی ہونے میں اور نبی بننے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"تحریم! تم میری اور میرے فرقہ کی بے عزتی کر رہی ہو۔" امامہ نے انکھوں میں امڈتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ کہا۔

"میں کسی کی بے عزتی نہیں کر رہی۔ میں صرف حقیقت بیان کر رہی ہوں، وہ اگر تمہیں بے عزتی لگتی ہے تو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔" تحریم نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"روزہ رکھنے اور بھوکے رہنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ قرآن پڑھنے اور اس پر ایمان لانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بہت سارے عیسائی اور ہندو بھی اسلام کے بارے میں جاننے کے لئے قرآن پاک پڑھتے ہیں تو کیا انہیں مسلمان مان لیا جاتا ہے اور بہت سے مسلمان بھی دوسرے مذہب کے بارے میں جاننے کے لئے دوسری الہامی کتابیں پڑھتے ہیں تو کیا وہ غیر مسلم ہو جاتے ہیں اور تم لوگ اگر حضور ﷺ کو پیغمبر مانتے ہو تو کوئی احسان نہیں کرتے۔ تم ان کی نبوت کو جھٹلاؤ گے تو اور کیا جھٹلاؤ گے، پھر تو انجیل کو بھی جھٹلانا پڑے گا۔ جس میں حضور ﷺ کی نبوت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ پھر تو توریت کو بھی جھٹلانا پڑے گا جس

میں ان کی نبوت کی بات کی گئی ہے، پھر قرآن پاک کو بھی جھٹلانا پڑے گا جو محمد ﷺ کو آخری نبی قرار دیتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر تمہارا نبی محمد ﷺ کی نبوت کو جھٹلاتا ہے تو وہ ان مناظروں کی کیا توجیہہ پیش کرتا جو وہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے کئی سال عیسائی پادریوں سے محمد ﷺ کی نبوت اور اسلام کے آخری دین ہونے پر کرتا رہا تھا۔ اس لئے امامہ ہاشم! تم ان چیزوں کے بارے میں بحث کرنے کی کوشش مت کرو جن کے بارے میں تمہیں سرے سے کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ تمہیں نہ اس مذہب کے بارے میں پتا ہے جس پر تم چل رہی ہو اور نہ اس کے بارے میں جس پر تم بات کر رہی ہو۔"

تحریم نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"اور میں ایک چیز بتا دوں تمہیں۔۔۔۔ دین میں کوئی جبر نہیں ہوتا۔۔۔۔ تم لوگ محمد ﷺ کی نبوت کے ختم ہونے کا انکار کرتے ہو تو ہمارے پیغمبر ﷺ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مگر ہم محمد ﷺ کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔" امامہ نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ہم بھی انجیل پر یقین رکھتے ہیں، اسے الہامی کتاب مانتے ہیں، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں تو کیا ہم کرسچن ہیں؟ اور ہم تو حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت پر بھی یقین رکھتے ہیں تو کیا پھر ہم یہودی ہیں؟" تحریم نے کچھ تمسخر سے کہا۔ "لیکن ہمارا دین اسلام ہے، کیونکہ ہم محمد ﷺ کے پیروکار ہیں اور ہم ان پیغمبروں پر یقین رکھنے کے باوجود نہ عیسائیت کا حصہ ہیں نہ یہودیت کا، بالکل اسی طرح تم لوگوں کا نبی ہے کیونکہ تم اس کے پیروکار ہو۔ ویسے تم لوگ تو ہمیں بھی مسلمان نہیں سمجھتے۔ ابھی تم اصرار کر رہی ہو کہ تم اسلام کا ایک فرقہ ہو۔۔۔۔۔ جبکہ تمہارے نبی اور اس کے بعد آنے والے تمہاری جماعت کے تمام لیڈرز کا دعویٰ ہے کہ جو مرزا کی نبوت پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔۔۔۔۔ تو اسلام سے تو تم لوگ تمام مسلمانوں کو پہلے ہی خارج کر چکے ہو۔"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں نے ایسا کب کہا ہے؟" امامہ نے قدرے لڑکھڑائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم اپنے والد سے ذرا اس معاملے کو ڈسکس کرو۔۔۔۔۔ وہ تمہیں خاصی اپ ٹو ڈیٹ انفارمیشن دیں گے اس بارے میں۔۔۔۔۔ تمہارے مذہب کے خاصے سرکردہ رہنما ہیں وہ۔۔۔۔۔" تحریم نے کہا۔ "اور یہ جو کتابیں تم ہمیں پیش کر رہی ہو۔۔۔۔۔ انہیں خود پڑھا

ہے تم نے۔۔۔۔۔ نہیں پڑھا ہو گا۔۔۔۔۔ ورنہ تمہیں پتا ہوتا ان سرکردہ رہنماؤں کے بارے میں۔"

جویریہ تحریم کی اس ساری گفتگو کے دوران خاموش رہی تھی، وہ صرف کن اکھیوں سے امامہ کو دیکھتی رہی تھی۔ "اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ محمد ﷺ اس کے آخری نبی ہیں اور میرے پیغمبر ﷺ اس پر گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے آخری نبی ہیں اور میری کتاب مجھ تک یہ دونوں باتیں بہت صاف واضح اور دوٹوک انداز میں پہنچا دیتی ہے تو پھر مجھے کسی اور شخص کے ثبوت اور اعلان کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔ سمجھیں۔"

تحریم نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے تم اپنے مذہب کو یا ہمارے مذہب کو زیر بحث لانے کی کوشش نہ کرو۔ اتنے سالوں سے دوستی چل رہی ہے، چلنے دو۔۔۔۔۔"

"جہاں تک تمہارے گھر نہ آنے کا تعلق ہے تو ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میرے والدین کو تمہارے گھر آنا پسند نہیں۔ یہاں اسکول میں تم سے دوستی اور بات ہے۔ بہت سے لوگوں سے دوستی ہوتی ہے ہماری اور دوستی میں عام طور پر مذہب آڑے نہیں آتا لیکن گھر میں آنا جانا۔۔۔۔۔ کچھ مختلف چیز ہے۔۔۔۔۔ انہیں شاید میری کسی عیسائی یا یہودی یا ہندو دوست

کے گھر جانے پر اعتراض نہ ہو لیکن تمہارے گھر جانے پر ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے مذہب کو مانتے ہیں وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے جس مذہب سے تعلق ہوتا ہے وہی بتاتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جتنا تم لوگوں کو ناپسند کیا جاتا ہے اتنا ان لوگوں کو نہیں کیا جاتا کیونکہ تم لوگ صرف پیسے کے حصول اور اچھے مستقبل کے لئے یہ نیا مذہب اختیار کر کے ہمارے دین میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہو، مگر کرسچن، ہندو یا یہودی ایسا نہیں کرتے۔"

امامہ نے بے اختیار اسے ٹوکا۔"کس پیسے کی بات کر رہی ہو تم؟ تم ہماری فیملی کو جانتی ہو۔۔۔۔۔ ہم لوگ شروع سے ہی بہت امیر ہیں۔ ہمیں کونسا روپیہ مل رہا ہے اس مذہب پر رہنے کے لئے۔"

"ہاں تم لوگ اب بڑے خوشحال ہو، مگر شروع سے تو ایسے نہیں تھے۔ تمہارے دادا مسلمان تھے مگر غریب آدمی تھے۔ وہ کاشت کاری کیا کرتے تھے اور ایک چھوٹے کاشتکار تھے۔ ربوہ سے کچھ فاصلے پر ان کی تھوڑی بہت زمین تھی پھر تمہارے تایا نے اپنے کسی دوست کے توسط سے وہاں جانا شروع کر دیا اور یہ مذہب اختیار کر لیا اور بے تحاشا امیر ہو گئے کیونکہ انہیں وہاں سے بہت زیادہ پیسہ ملا پھر آہستہ آہستہ تمہارے والد اور تمہارے چچا نے بھی اپنا مذہب بدل لیا پھر تم لوگوں کا خاندان اس ملک کے متمول ترین خاندانوں میں شمار

ہونے لگا اور یہ کام کرنے والے تم لوگ واحد نہیں ہو زیادہ تر اسی طریقے سے لوگوں کو اس مذہب کا پیروکار بنایا جا رہا ہے۔"

امامہ نے کچھ بھڑکتے ہوئے اس کی بات کو کاٹا"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"تمہیں یقین نہیں آ رہا تو تم اپنے گھر والوں سے پوچھ لینا کہ اس قدر دولت کس طرح آئی ان کے پاس۔۔۔۔۔ اور ابھی بھی کس طرح آ رہی ہے۔ تمہارے والد اس مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں ڈالرز آتے ہیں، انہیں غیر ملکی مشنز اور این جی اوز سے۔۔۔۔۔"تحریم نے کچھ تحقیر آمیز انداز میں کہا۔

"یہ جھوٹ ہے، سفید جھوٹ۔"امامہ نے بے اختیار کہا۔"میرے بابا کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیتے۔ وہ اگر اس فرقہ کے لئے کام کرتے ہیں، تو غلط کیا ہے۔ کیا دوسرے فرقوں کے لئے کام نہیں کیا جاتا۔ دوسرے فرقوں کے بھی تو علماء ہوتے ہیں یا ایسے لوگ جو انہیں سپورٹ کرتے ہیں۔"

"دوسرے فرقوں کو یورپی مشنز سے روپیہ نہیں ملتا۔"

"میرے بابا کو کہیں سے کچھ نہیں ملتا۔"امامہ نے ایک بار پھر کہا۔ تحریم نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

امامہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر گردن موڑ کر اپنے پاس بیٹھی جویریہ کی طرف دیکھا۔

"کیا تم بھی میرے بارے میں ایسا ہی سوچتی ہو؟"

"تحریم نے غصہ میں آ کر تم سے یہ سب کچھ کہا ہے۔ تم اس کی باتوں کا برا مت مانو۔" جویریہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"تم ان سب باتوں کو چھوڑو۔۔۔۔۔آؤ کلاس میں چلتے ہیں۔ بریک ختم ہونے والی ہے۔" جویریہ نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔



اس دن وہ گھر واپس آ کر اپنے کمرے میں بند ہو کر روتی رہی۔ تحریم کی باتوں نے اسے واقعی بہت دل برداشتہ اور مایوس کیا تھا۔

ہاشم مبین احمد اس دن شام کو ہی آفس سے گھر واپس آ گئے۔ واپس آنے پر انہیں سلمیٰ سے پتا چلا کہ امامہ کی طبیعت خراب ہے وہ اس کا حال احوال پوچھنے اس کے کمرے میں چلے آئے۔ امامہ کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ ہاشم مبین حیران رہ گئے۔

"کیا بات ہے امامہ؟" انہوں نے امامہ کے قریب آ کر پوچھا

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کچھ بہانہ کرنے کی بجائے بے اختیار رونے لگی۔ ہاشم کچھ پریشان ہو کر اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا۔۔۔۔۔امامہ؟"

"تحریم نے آج اسکول میں مجھ سے بہت بدتمیزی کی ہے۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

ہاشم مبین نے بے اختیار ایک اطمینان بھری سانس لی۔ "پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے تم لوگوں میں؟"

"بابا! آپ کو نہیں پتا اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟" امامہ نے باپ کو مطمئن ہوتے دیکھ کر کہا۔

"بابا! اس نے۔۔۔۔۔" وہ باپ کو تحریم کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو بتاتی گئی۔ ہاشم مبین کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔

"تم سے کس نے کہا تھا۔ تم اسکول کتابیں لے کر جاؤ، انہیں پڑھانے کے لئے؟" انہوں نے امامہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میں ان کی غلط فہمیاں دور کرنا چاہتی تھی۔" امامہ نے قدرے کمزور لہجے میں کہا۔

"تمہیں ضرورت ہی کیا تھی کسی کی غلط فہمیاں دور کرنے کی۔ وہ ہمارے گھر نہیں آتیں تو نہ آئیں۔ ہمیں برا سمجھتی ہیں تو سمجھتی رہیں، ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ہاشم مبین نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مگر اب تمہاری اس حرکت سے پتا نہیں وہ کیا سمجھے گی۔ کس کس کو بتائے گی کہ تم نے اسے وہ کتابیں دینے کی کوشش کی۔ خود اس کے گھر والے بھی ناراض ہوں گے۔ امامہ! ہر ایک کو یہ بتاتے نہیں پھرتے کہ تم کیا ہو۔ نہ ہی اپنے فرقہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں اگر کوئی بحث کرنے کی کوشش بھی کرے تو ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں ورنہ لوگ خواہ مخواہ فضول طرح کی باتیں کرتے ہیں اور فضول طرح کے شبہات میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔" انہوں نے سمجھایا۔

"مگر بابا! آپ بھی تو بہت سارے لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں؟" امامہ نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "پھر مجھے کیوں منع کر رہے ہیں؟"

"میری بات اور ہے میں صرف ان ہی لوگوں سے مذہب کی بات کرتا ہوں جن سے میری بہت بے تکلفی ہو چکی ہوتی ہے اور جن کے بارے میں مجھے یہ محسوس ہو کہ ان پر میری

ترغیب اور تبلیغ کا اثر ہو سکتا ہے۔ میں دو چار دن کی ملاقات میں کسی کو کتابیں بانٹنا شروع نہیں ہو جاتا۔" ہاشم مبین نے کہا۔

"بابا ان سے میری دوستی دو چار دن کی نہیں ہے۔ ہم کئی سالوں سے دوست ہیں۔" امامہ نے اعتراض کیا۔

"ہاں مگر وہ دونوں سید ہیں اور دونوں کے گھرانے بہت مذہبی ہیں۔ تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے تھی۔"

"میں نے تو صرف انہیں اپنے فرقے کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی تاکہ ہمیں وہ غیر مسلم تو نہ سمجھیں۔" امامہ نے کہا۔

"اگر وہ ہمیں غیر مسلم سمجھتے ہیں تو ہمیں بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ خود غیر مسلم ہیں۔" ہاشم مبین نے بڑی عقیدت سے کہا۔ "وہ تو خود گمراہی کے راستے پر ہیں۔"

"بابا وہ کہہ رہی تھی کہ آپ کو غیر ملکی مشنز سے روپیہ ملتا ہے۔ این جی اوز سے روپیہ ملتا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ہمارے فرقہ کا پیروکار بنائیں۔"

ہاشم مبین نے تنفر سے گردن کو جھٹکا۔ "مجھے صرف اپنی جماعت سے روپیہ ملتا ہے اور وہ بھی وہ روپیہ ہوتا ہے جو ہماری اپنی کمیونٹی اندرون ملک اور بیرون ملک سے اکٹھا کرتی ہے۔

ہمارے پاس اپنے روپے کی کیا کمی ہے۔ ہماری اپنی فیکٹریز نہیں ہیں کیا اور اگر مجھے غیر ملکی منسٹرز اور این جی اوز سے روپیہ ملے بھی تو میں بڑی خوشی سے لوں گا، آخر اس میں برائی کیا ہے۔ دین کی خدمت کر رہا ہوں اور جہاں تک اپنے مذہب کی ترویج و تبلیغ کی بات ہے تو اس میں بھی کیا برائی ہے۔ اگر اس ملک میں عیسائیت کی تبلیغ ہو سکتی ہے تو ہمارے فرقے کی کیوں نہیں۔ ہم تو ویسے بھی اسلام کا ایک فرقہ ہیں۔ لوگوں کو راہِ ہدایت پر لانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔" ہاشم مبین نے بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا۔

"مگر تم لوگوں سے اس معاملے پر بات مت کیا کرو۔ اس بحث مباحثے کا کوئی فائدہ ہنیں ہوتا۔ ابھی ہم لوگ اقلیت میں ہیں جب اکثریت میں ہو جائیں گے تو پھر اس طرح کے لوگ اتنی بے خوفی کے ساتھ اس طرح بڑھ بڑھ کر بات نہیں کر سکیں گے پھر وہ اس طرح ہماری تذلیل کرتے ہوئے ڈریں گے مگر فی الحال ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہیے۔"

"بابا! آئین میں ہمیں اقلیت اور غیر مسلم کیوں قرار دیا گیا ہے۔ جب ہم اسلام کا ایک فرقہ ہیں تو پھر انہوں نے ہمیں غیر مسلم کیوں ٹھہرایا ہے؟" امامہ کو تحریم کی کہی ہوئی ایک اور بات یاد آئی۔

"یہ سب مولویوں کی کارستانی تھی۔ اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وہ سب ہمارے خلاف اکٹھے ہو گئے تھے۔ ہماری تعداد بھی زیادہ ہو جائے گی تو ہم پھر اپنی مرضی کے قوانین

بنوائیں گے اور اس طرح کی تمام ترمیمات کو آئین میں سے ہٹا دیں گے۔" ہاشم مبین نے پرجوش انداز میں کہا۔ "اور تمہیں اس طرح بے وقوفوں کی طرح کمرے میں بند ہو کر رونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ہاشم مبین نے اس کے پاس اٹھتے ہوئے کہا، امامہ انہیں وہاں سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

تحریم کے ساتھ وہ اس کی دوستی کا آخری دن تھا اور اس میں تحریم سے زیادہ خود اس کا رویہ وجہ تھا۔ وہ تحریم کی باتوں سے اس حد تک دل برداشتہ ہوئی تھی کہ اب تحریم کیساتھ دوبارہ پہلے جیسے تعلقات قائم رکھنا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ خود تحریم نے بھی اس کی اس خاموشی کو پھلانگنے یا توڑنے کی کوشش نہیں کی۔

ہاشم مبین احمد احمدی جماعت کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ان کے بڑے بھائی، اعظم مبین احمد بھی جماعت کے اہم رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ان کے پورے خاندان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی تمام افراد بہت سال پہلے اس وقت قادیانیت اختیار کر گئے تھے جب اعظم مبین احمد نے اس کام کا آغاز یا تھا جن لوگوں نے قادیانیت اختیار نہیں کی تھی وہ باقی لوگوں سے قطع تعلق کر چکے تھے اپنے بڑے بھائی اعظم مبین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہاشم مبین نے بھی یہ مذہب اختیار کر لیا۔ اعظم مبین ہی کی طرح انہوں نے اپنے مذہب کے فروغ اور تبلیغ کے لئے کام کرنا بھی شروع کر دیا۔ دس پندرہ سالوں میں وہ

دونوں بھائی اس تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔اس کی وجہ سے انہوں نے بے تحاشا پیسہ کمایا اور اس پیسے سے انہوں نے سرمایاکاری بھی کی مگر ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تحریک کی تبلیغ کے لئے میسر ہونے والے فنڈز ہی تھے۔ان کا شمار اسلام آباد کی ایلیٹ کلاس میں ہوتا تھا۔بے تحاشا دولت ہونے کے باوجود ہاشم اور اعظم مبین کے گھر کا ماحول روایتی تھا۔ان کی خواتین باقاعدہ پردہ کیا کرتی تھیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان خواتین پر ناروا پابندیاں یا کسی قسم کا جبر روا رکھا گیا تھا۔اس مذہب کی خواتین میں تعلیم کا تناسب پاکستان میں کسی بھی مذہب کے مقابلے میں ہمیشہ ہی زیادہ رہا ہے ان لوگوں نے اعلیٰ تعلیم بھی معروف اداروں سے حاصل کی۔

امامہ بھی اسی قسم کے ماحول میں پلی بڑھی تھی۔وہ یقیناً ان لوگوں میں سے تھی جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور اس نے ہاشم مبین کو بھی کسی قسم کے مالی مسائل سے گزرتے نہیں دیکھا۔یہی وجہ تھی کہ اس کے لئے تحریم کی یہ بات ناقابل یقین تھی کہ اس کے خاندان نے پیسہ حاصل کرنے کے لئے یہ مذہب اختیار کیا۔غیر ملکی مشنز اور بیرون ملک سے ملنے والے فنڈز کا الزام بھی اس کے لئے ناقابل قبول تھا۔وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ ہاشم مبین اس مذہب کی تبلیغ اور ترویج کرتے ہیں اور تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک ہیں مگر یہ کوئی خلاف معمول بات نہیں تھی۔وہ شروع سے ہی اس سلسلے میں

اپنے تایا اور والد کی سرگرمیوں کو دیکھتی آرہی تھی۔اس کے نزدیک یہ کام ایسا تھا جو وہ "اسلام" کی تبلیغ وترویج کے لئے کر رہے تھے۔

اپنے گھر والوں کے ساتھ وہ کئی بار مذہبی اجتماع میں بھی جا چکی تھی اور سرکردہ رہنماؤں کے لندن سے سیٹلائٹ کے ذریعے ہونے والے خطبات کو بھی باقاعدگی سے سنتی اور دیکھتی آرہی تھی۔تحریم کے ساتھ ہونے والے جھگڑے سے پہلے اس نے کبھی اپنے مذہب کے بارے میں غور کرنے کی کوشش نہیں کی۔اس کے لئے اپنا فرقہ ایسا ہی تھا، جیسے اسلام کا کوئی دوسرا فرقہ۔۔۔۔۔اس کی برین واشنگ بھی اسی طرح کی گئی تھی کہ وہ سمجھتی تھی کہ صرف وہی سیدھے راستے پر تھے بلکہ وہی جنت میں جائیں گے۔

اگرچہ گھر میں بہت شروع میں ہی اسے باقی بہن بھائیوں کے ساتھ یہ نصیحت کر دی گئی تھی کہ وہ بلاوجہ لوگوں کو یہ نہ بتائیں کہ وہ دراصل کیا ہیں۔اسکول میں تعلیم کے دوران ہی وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ 1974ء میں انہیں پارلیمنٹ نے ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تھا وہ سمجھتی تھی کہ یہ مذہبی داؤ میں آکر کیا جانے والا ایک سیاسی فیصلہ ہے، مگر تحریم کے ساتھ ہونے والے جھگڑے نے اسے اپنے مذہب کے بارے میں غور کرنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تحریم سے ہونے والے جھگڑے کے بعد ایک تبدیلی جو اس میں آئی وہ اپنے مذہب کا مطالعہ تھا۔ تبلیغی مواد کے علاوہ ان کتابوں کے علاوہ جنہیں اس مذہب کے ماننے والے مقدس سمجھتے تھے اس نے اور بھی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور بنیادی طور پر اسی زمانے میں اس کی الجھنوں کا آغاز ہوا مگر کچھ عرصہ مطالعہ کے بعد اس نے ایک بار پھر ان الجھنوں اور اضطراب کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ میٹرک کے فوراً بعد اسجد سے اسکی منگنی ہو گئی وہ اعظم مبین کا بیٹا تھا۔ یہ اگرچہ کوئی محبت کی منگنی نہیں تھی مگر اسکے باوجود امامہ اور اسجد کی پسند اس رشتہ کا باعث بنی تھی۔ نسبت طے ہونے کے بعد اسجد کے لئے امامہ کے دل میں خاص جگہ بن گئی تھی۔

اپنی پسند کے شخص سے نسبت کے بعد اس کا دوسرا ٹارگٹ میڈیکل میں ایڈمیشن تھا اور اسے اس کے بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے باپ کی پہنچ اتنی ہے کہ اگر وہ میرٹ پر نہ بھی ہوئی تب بھی وہ اسے میڈیکل کالج میں داخل کروا سکتے ہیں اور اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو بھی وہ بیرون ملک جا کر میڈیکل کی تعلیم حاصل کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم پچھلے کچھ دنوں سے بہت پریشان ہو، کوئی پرابلم ہے؟" وسیم نے اس رات امامہ سے پوچھا وہ پچھلے کچھ دن سے بہت زیادہ خاموش اور الجھی الجھی نظر آرہی تھی۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے تمہارا وہم ہے۔" امامہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"خیر وہم تو نہیں، کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ تم بتانا نہیں چاہتیں تو اور بات ہے۔" وسیم نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ امامہ کے ڈبل بیڈ پر اس سے کچھ فاصلے پر لیٹا ہوا تھا اور وہ اپنی فائل میں رکھے نوٹس الٹ پلٹ رہی تھی۔ وسیم کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر اس نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

"میں نے ٹھیک کہا نا، تم بتانا نہیں چاہتیں؟"

"ہاں میں فی الحال بتانا نہیں چاہتی۔" امامہ نے ایک گہرا سانس لے کر اعتراف کیا۔

"بتادو، ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔" وسیم نے اسے اکسایا۔

"وسیم! میں خود تمہیں بتادوں گی مگر فی الحال نہیں اور اگر مجھے مدد کی ضرورت ہوگی تو میں خود تم سے کہوں گی۔" اس نے اپنی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، میں تو صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا۔" وہ بیڈ سے اٹھ گیا۔

وسیم کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ وہ واقعی جویریہ کے ساتھ اس دن ہونے والے جھگڑے کے بعد سے پریشان تھی۔ اگرچہ جویریہ نے اگلے دن اس سے معذرت کر لی تھی مگر اس کی الجھن اور اضطراب میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ جویریہ کی باتوں نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ ایک ڈیڑھ سال پہلے تحریم کے ساتھ ہونے والا جھگڑا اسے ایک بار پھر یاد آنے لگا تھا اور اس کے ساتھ ہی اپنے مذہب کے بارے میں ابھرنے والے سوالات اور الجھنیں بھی جو اس نے اپنے مذہب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اپنے ذہن میں محسوس کی تھیں۔ جویریہ نے کہا تھا۔ "میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کاش تم مسلمان ہوتیں۔"

"مسلمان ہوتی؟" وہ عجیب سی بے یقینی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ "کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میری بہترین دوست بھی مجھے مسلمان نہیں مانتی؟ کیا یہ سب کچھ صرف ایک پروپیگنڈہ کی وجہ سے ہے جو ہمارے بارے میں کیا جاتا ہے؟ آخر ہمارے ہی بارے میں کیوں یہ سب کچھ کہا جاتا ہے؟ کیا ہم لوگ واقعی کوئی غلط کام کر رہے ہیں؟ کسی غلط عقیدے کو اختیار کر بیٹھے ہیں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے، آخر میرے گھر والے ایسا کیوں کریں گے اور پھر ہماری ساری کمیونٹی ایسا کیوں کرے گی؟ اور شاید یہ ان سوالوں سے نجات پانے کی ایک کوشش تھی کہ ایک ہفتے بعد اس نے ایک بہت بڑے عالم دین کی قرآن پاک کی تفسیر خریدی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ان کے بارے میں دوسرے فریق کا موقف کیا ہے۔ قرآن پاک کا ترجمہ وہ اس سے

پہلے بھی پڑھتی رہی تھی مگر وہ تحریف شدہ حالت میں تھا۔ اسے اس سے پہلے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ جو قرآن پاک وہ پڑھتے ہیں اس میں کچھ جگہوں پر کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں مگر اس مشہور عالم دین کی تفسیر پڑھنے کے دوران اسے ان تبدیلیوں کے بارے میں معلوم ہو گیا جو ان کے اپنے قرآن میں موجود تھیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے مختلف فرقوں کے اداروں سے شائع ہونے والے قرآن پاک کے نسخوں کو دیکھا۔ ان میں سے کسی میں بھی وہ تبدیلیاں نہیں تھی جو خود ان کے قرآن میں موجود تھیں جبکہ مختلف فرقوں کی تفاسیر میں بہت زیادہ فرق تھا جوں جوں وہ اپنے مذہب اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کر رہی تھی اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر تفسیر آخری نبی پیغمبر اسلام ﷺ کو ہی ٹھہرایا گیا تھا۔ کہیں بھی کسی ظلّی یا امتی نبی کا کوئی ڈھکا چھپا اشارہ بھی موجود نہیں تھا۔ مسیح موعود کی حقیقت بھی اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اپنے مذہبی رہنما کی جھوٹی پیش گوئیوں میں اور حقیقت میں ہونے والے واقعات کا تضاد اسے اور بھی زیادہ چبھنے لگا تھا۔ اس کے مذہبی رہنما نے نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے جن پیغمبر کے بارے میں سب سے زیادہ غیر مہذب زبان استعمال کی تھی وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے اور بعد میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے سے پہلے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا حلول اس کے اندر ہو گیا ہے اور اگر اس دعوے کی سچائی کو مان بھی لیا جاتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دوبارہ نزول کے بعد چالیس سال تک زندہ رہتے اور پھر جب ان کا انتقال ہوتا تو اسلام پوری دنیا پر غلبہ پا چکا ہوتا مگر ان رہنما کی وفات

کے وقت دنیا میں اسلام کا غلبہ تو ایک طرف خود ہندوستان میں مسلمان آزادی جیسی نعمت کے لئے ترس رہے تھے۔امامہ کو اپنے مذہبی رہنما کے گفتگو کے اس انداز پر بھی تعجب ہوتا جو اس نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنے مخالفین یا دوسرے انبیائے کرام کے لئے اختیار کیا تھا۔ کیا کوئی نبی اس طرح کی زبان استعمال کر سکتا تھا جس طرح کی اس نبوت کے دعویٰ کرنے والے نے کی تھی۔

بہت غیر محسوس انداز میں اس کا دل اپنے مذہبی لٹریچر اور مقدس کتابوں سے اچاٹ ہونے لگا تھا۔پہلے جیسا اعتقاد اور یقین تو ایک طرف اسے سرے سے ان کی صداقت پر شبہ ہونے لگا تھا۔اس نے جویریہ سے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ اب اپنے مذہب سے ہٹ کر دوسری کتابوں کو پڑھنے لگی تھی۔اس کے گھر میں بھی کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کس قسم کی کتابیں گھر لا کر پڑھ رہی تھی اس نے انہیں اپنے کمرے میں بہت حفاظت سے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ صرف ایک دن ایسا ہوا کہ وسیم اس کے کمرے میں آ کر اس کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ڈھونڈنے لگا۔وسیم کے ہاتھ سب سے پہلے قرآن پاک کی وہی تفسیر لگی تھی اور وہ جیسے دم بخود رہ گیا تھا۔

"یہ کیا ہے امامہ؟" اس نے مڑ کر تعجب سے پوچھا۔امامہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔

"یہ۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔یہ قرآن پاک کی تفسیر ہے۔" اس نے یکدم اپنی زبان میں ہونے والی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں مگر یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔کیا تم اسے خرید کر لائی ہو؟" وسیم نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا

"ہاں، میں اسے خرید کر لائی ہوں۔مگر تم اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

"بابا کو پتا چلے گا تو وہ کتنا غصہ کریں گے، تمہیں اندازہ ہے؟"

"ہاں، مجھے اندازہ ہے، مگر مجھے یہ کوئی اتنی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔"

"آخر تمہیں اس کتاب کی ضرورت کیوں پڑی؟" وسیم نے کتاب وہیں رکھ دی۔

"کیونکہ میں جاننا چاہتی ہوں کہ دوسرے عقائد کے لوگ آخر قرآن پاک کی کیا تفسیر کر رہے ہیں۔ہمارے بارے میں، قرآن کے حوالے سے ان کا نقطہ نظر کیا ہے۔" امامہ نے سنجیدگی سے کہا۔

وسیم پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟"

"میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے" امامہ نے پر سکون انداز میں کہا۔ "کیا برائی ہے۔ اگر میں دوسرے مذاہب کے بارے میں جانوں اور ان کے قرآن پاک کی تفسیر پڑھوں۔"

"ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وسیم نے ناراضی سے کہا۔

"تمہیں ضرورت نہیں ہو گی، مجھے ضرورت ہے۔" امامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "میں آنکھیں بند کر کے کسی بھی چیز پر یقین کی قائل نہیں ہوں۔" اس نے واضح الفاظ میں کہا۔

"تو یہ تفسیر پڑھ کر تمہارے شبہات دور ہو گئے ہیں؟" وسیم نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

امامہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "پہلے مجھے اپنے اعتقاد کے بارے میں شبہ نہیں تھا، اب ہے۔"

وسیم اسکی بات پر بھڑک اٹھا۔ "دیکھا، اس طرح کی کتابیں پڑھنے سے یہی ہوتا ہے۔ میں اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں اس طرح کی کتابیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے لئے ہماری اپنی کتابیں کافی ہیں۔"

"میں نے اتنی تفاسیر دیکھی ہیں، قرآن پاک کے اتنے ترجمے دیکھے ہیں، حیرانی کی بات ہے وسیم! کہیں بھی ہمارے نبی کا ذکر نہیں ہے، ہر تفسیر میں احمد سے مراد محمد ﷺ کو ہی لیا

جاتا ہے، ہمارے نبی کو نہیں اور اگر کہیں ہمارے نبی کا ذکر ہے بھی تو نبوت کے ایک جھوٹے دعوے دار کے طور پر۔" امامہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ ہمارے نبی کی نبوت کو مان لیں گے تو ہمارا اور ان کا تو اختلاف ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ کبھی اپنی تفاسیر میں سچ نہیں شائع کریں گے۔" وسیم نے تلخی سے کہا۔

"اور جو ہماری تفسیر ہے، کیا ہم نے سچ لکھا ہے اس میں۔"

"کیا مطلب؟" وسیم ٹھٹکا۔

"ہمارے نبی دوسرے پیغمبروں کے بارے میں غلط زبان کیوں استعمال کرتے ہیں؟"

"وہ ان لوگوں کے بارے میں اپنی بات کرتے ہیں جو ان پر ایمان نہیں لائے۔" وسیم نے کہا۔

"جو ایمان نہ لائے کیا اسے گالیاں دینی چاہیں؟"

"ہاں غصہ کا اظہار تو کسی نہ کسی صورت میں ہوتا ہے۔" وسیم نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"غصے کا اظہار یا بے بسی کا؟" امامہ کے جملے پر وہ دم بخود اسے دیکھنے لگا۔

"جب حضرت عیسیٰ علیہ اسلام پر لوگ ایمان نہیں لائے تو انہوں نے لوگوں کو گالیاں تو نہیں دی۔ حضرت محمد ﷺ پر لوگ ایمان نہیں لائے تھے تو انہوں نے بھی کسی کو گالیاں نہیں دیں۔ محمد ﷺ نے تو ان لوگوں کے لئے بھی دعا کی جنہوں نے انہیں پتھر مارے، جو وحی قرآن پاک کی صورت میں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس میں کوئی گالی نہیں ملتی اور جس مجموعے کو ہمارے نبی اپنے اوپر نازل شدہ صحیفہ کہتے ہیں وہ گالیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

"امامہ! ہر انسان کا مزاج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ہر انسان الگ طرح سے ری ایکٹ کرتا ہے۔" وسیم نے تیزی سے کہا۔ امامہ نے قائل نہ ہونے والے انداز میں سر ہلایا۔

"میں ہر انسان کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں نبی کی بات کر رہی ہوں جو شخص اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ سکتا وہ نبوت کا دعوٰی کیسے کر سکتا ہے۔ جس شخص کی زبان سے گالیاں نکلتی ہوں اس کی زبان سے حق و صداقت کی بات نکل سکتی ہے؟ وسیم! مجھے اپنے مذہب اور عقیدے کے بارے میں الجھن سی ہے۔" وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔ "میں نے اتنی تفاسیر میں اگر کسی امتی نبی کا ذکر پایا ہے تو وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں اور میں نہیں سمجھتی کہ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا مسیح موعود ہیں۔"

"نہیں۔۔۔۔ یہ وہ نہیں ہیں، جن کے آنے کے بارے میں قرآن پاک میں ذکر ہے۔" اس بار اس نے اپنے الفاظ کی خود ہی پُرزور تردید کی۔

"تم اب اپنی بکواس بند کر لو تو بہتر ہے۔" وسیم نے ترش لہجے میں کہا۔ "کافی فضول باتیں کر چکی ہو تم۔"

"فضول باتیں؟" امامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "تم کہہ رہے ہو میں فضول باتیں کر رہی ہوں۔ مسجد اقصیٰ اگر ہمارے شہر میں ہے تو پھر جو اتنے سینکڑوں سالوں سے فلسطین میں مسجد اقصیٰ ہے وہ کیا ہے۔ ایک نام کی دو مقدس جگہیں دنیا میں بنا کر خدا تو مسلمانوں کو کنفیوز نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو چھوڑو، یہودی، عیسائی ساری دنیا اسی مسجد کو قبلہ اول تسلیم کرتی ہے۔ اگر کوئی نہیں کرتا تو ہم نہیں کرتے، یہ عجیب بات نہیں ہے؟"

"امامہ! میں ان معاملات پر تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے تم اس مسئلے کو بابا سے ڈسکس کرو۔" وسیم نے اکتا کر کہا۔ "ویسے تم غلطی کر رہی ہو، اس طرح کی فضول بحث شروع کر کے۔ میں بابا کو تمہاری یہ ساری باتیں بتا دوں گا اور یہ بھی کہ تم آج کل کیا پڑھ رہی ہو۔" وسیم نے جاتے جاتے دھمکانے والے انداز میں کہا۔ وہ کچھ سوچ کر الجھے ہوئے انداز میں اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ وسیم کچھ دیر ناراضی کا اظہار کر کے کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ اٹھ کر

کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ ہاشم مبین سے ڈرتی تھی اور جانتی تھی کہ وسیم ان سے اس بات کا ذکر ضرور کرے گا۔ وہ ان کے رد عمل سے خوفزدہ تھی۔



وسیم نے ہاشم مبین کو امامہ کے ساتھ ہونے والی بحث کے بارے میں بتادیا تھا مگر اس نے بہت سی ایسی باتوں کو سنسر کر دیا تھا جس پر ہاشم مبین کے بھڑک اٹھنے کا امکان تھا۔ اس کے باوجود ہاشم مبین دم بخود رہ گئے تھے۔ یوں جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

"یہ سب تم سے امامہ نے کہا ہے؟" ایک لمبی خاموشی کے بعد انہوں نے وسیم سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اسے بلا کر لاؤ۔" وسیم کچھ جھجکتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل گیا۔ امامہ کو خود بلا کر لانے کی بجائے اس نے ملازم کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ امامہ اور ہاشم مبین کی گفتگو کے دوران موجود رہنا نہیں چاہتا تھا۔

ہاشم مبین کے کمرے کے دروازے پر دستک دیکر وہ اندر داخل ہوئی تو اس وقت ہاشم اور ان کی بیگم بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ ہاشم مبین نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا اس نے اس کے جسم کی لرزش میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔

"بابا۔۔۔۔آپ نے۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔بلوایا تھا۔" کوشش کے باوجود وہ روانی سے بات نہیں کہہ سکی۔

"ہاں، میں نے بلوایا تھا۔ وسیم سے کیا بکواس کی ہے تم نے؟" ہاشم مبین نے بلا تمہید بلند آواز میں اس سے پوچھا۔ وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ "کیا پوچھ رہا ہوں تم سے؟" وہ ایک بار پھر دھاڑے۔ "شرم سے ڈوب مرنا چاہیے تمہیں، خود گناہ کرتی ہو اور اپنے ساتھ ہمیں بھی گناہگار بناتی ہو۔" امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "تمہیں اپنی اولاد کہتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ کونسی کتابیں لائی ہو تم؟" وہ مشتعل ہو گئے تھے۔ "جہاں سے یہ کتابیں لے کر آئی ہو، کل تک وہیں دے آؤ۔ ورنہ میں انہیں اٹھا کر پھینک دوں گا باہر۔"

"جی بابا!۔" اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔

"اور آج کے بعد اگر تم نے جویریہ کے ساتھ میل جول رکھا تو میں تمہارا کالج جانا بند کر دوں گا۔"

"بابا۔۔۔۔جویریہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔اس کو تو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔"اس بار امامہ نے قدرے مضبوط آواز میں احتجاج کیا۔

"تو پھر اور کون ہے جو تمہارے دماغ میں یہ خناس بھر رہا ہے؟"وہ بری طرح چلائے۔

"میں۔۔۔۔خود۔۔۔۔ہی۔"امامہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"ہو کیا تم،اپنی عمر دیکھو اور چلی ہو تم عقیدے جانچنے،اپنے نبی کی نبوت کو پرکھنے۔"ہاشم مبین کا پارہ پھر ہائی ہو گیا۔"اپنے باپ کی شکل دیکھو جس نے ساری عمر تبلیغ میں گزار دی۔کیا میں عقل کا اندھا ہوں یا پھر تم مجھ سے زیادہ عقل رکھتی ہو۔جمعہ جمعہ چار دن ہوئے ہیں تمہیں پیدا ہوئے اور تم چل پڑی ہو اپنے نبی کی نبوت کو ثابت کرنے۔"ہاشم مبین اب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔"تم منہ میں سونے کا چمچ لے کر اسی نبی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو،جس کی نبوت کو آج تم جانچنے بیٹھ گئی ہو۔وہ نہ ہوتا تو سڑک پر دھکے کھا رہا ہوتا ہمارا سارا خاندان اور تم اس قدر احسان فراموش اور بے ضمیر ہو چکی ہو کہ جس تھالی میں کھاتی ہو اسی میں چھید کر رہی ہو۔"

ہاشم مبین کی آواز پھٹ رہی تھی۔امامہ کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی رفتار میں اور اضافہ ہو گیا۔

"بند کرو یہ لکھنا پڑھنا اور گھر بیٹھو تم!یہ تعلیم حاصل کر رہی ہو جو تمہیں گمراہی کی طرف لے جا رہی ہے۔"

ان کے اگلے جملے پر امامہ کی سٹی گم ہو گئی۔اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے گھر بٹھانے کی بات کریں گے۔

"بابا۔۔۔۔آئی ایم سوری۔"انکے ایک جملے نے اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"مجھے تمہارے کسی ایکسکیوز کی ضرورت نہیں ہے۔بس کہہ دیا کہ گھر بیٹھو،تو گھر بیٹھو۔"

"بابا۔۔۔۔میں۔۔۔۔میرا۔۔۔۔میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔پتا نہیں وسیم۔۔۔۔اس نے آپ سے کس طرح بات کی ہے۔"اس کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔"پھر بھی میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں آئندہ ایسا کچھ نہیں پڑھوں گی نہ ہی ایسی کوئی بات کروں گی۔پلیز بابا!۔"اس نے منت کی۔

ان معذرتوں کا سلسلہ وہیں ختم نہیں ہوا تھا،اگلے کئی دن تک وہ ہاشم مبین سے معافی مانگتی رہی اور پھر تقریباً ایک ہفتے کے بعد وہ نرم پڑ گئے تھے اور انہوں نے اسے کالج جانے کی اجازت دے دی تھی مگر اس ایک ہفتے میں وہ اپنے پورے گھر کی لعنت ملامت کا شکار رہی تھی۔ہاشم مبین نے اسے سخت قسم کی تنبیہ کے بعد کالج جانے کی اجازت دی تھی مگر اس

ایک ہفتے کے دوران ان لوگوں کے رویے نے اسے اپنے عقیدے سے مزید متنفر کیا تھا۔اس نے ان کتابوں کو پڑھنے کا سلسلہ روکا نہیں تھا۔بس فرق یہ تھا کہ پہلے وہ انہیں گھر لے آتی تھی اور اب وہ انہیں کالج کی لائبریری میں پڑھ لیا کرتی تھی۔

ایف ایس سی میں میرٹ لسٹ پر آنے کے بعد اس نے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔جویریہ کو بھی اسی میڈیکل کالج میں ایڈمیشن مل گیا تھا،ان کی دوستی میں اب پہلے سے زیادہ مضبوطی آگئی تھی اور اس کی بنیادی وجہ امامہ کے ذہن میں آنے والی تبدیلی تھی۔



صبیحہ سے امامہ کی پہلی ملاقات اتفاقاً ہوئی تھی۔جویریہ کی ایک کزن صبیحہ کی کلاس فیلو تھی اور اسی کے توسط سے امامہ کی اس سے شناسائی ہوئی۔وہ ایک مذہبی جماعت کے اسٹوڈنٹ ونگ سے منسلک تھی اور ہفتے میں ایک بار وہ کلاس روم میں اسلام سے متعلق کسی نہ کسی ایک موضوع پر لیکچر دیا کرتی تھی۔چالیس پچاس کے لگ بھگ لڑکیاں اس لیکچر کو اٹینڈ کیا کرتی تھیں۔

صبیحہ نے اس دن ان سے متعارف ہونے کے بعد انہیں بھی اس لیکچر کے لئے انوائٹ کیا۔وہ چاروں ہی وہاں موجود تھیں۔

"میں تو ضرور آؤں گی،کم از کم میری شرکت کے بارے میں آپ تسلی رکھیں۔"جویریہ نے صبیحہ کی دعوت کے جواب میں کہا۔

"میں کوشش کروں گی،وعدہ نہیں کر سکتی۔"رابعہ نے کچھ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرا آنا ذرا مشکل ہے کیونکہ میں اس دن کچھ مصروف رہوں گی۔"زینب نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ مسکراتے ہوئے امامہ کو دیکھنے لگی جواب تک خاموش تھی۔امامہ کا رنگ کچھ فق ہو گیا۔

"اور آپ؟آپ آئیں گی؟"امامہ کی نظر جویریہ سے ملی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ویسے اس بار کس موضوع پر کریں گی آپ؟"اس سے پہلے کہ امامہ کچھ کہتی،جویریہ نے صبیحہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔شاید ایسا اس نے دانستہ طور پر کیا تھا۔

"اس بار اسراف کے بارے میں بات ہو گی۔ اس ایک عادت کی وجہ سے ہمارا معاشرہ کتنی تیزی سے زوال پذیر ہو رہا ہے اور اس کے سدباب کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔ اسی موضوع پر گفتگو ہو گی۔" صبیحہ نے جویریہ کو تفصیل سے بتایا۔

"آپ نے بتایا نہیں امامہ! آپ آ رہی ہیں؟" جویریہ سے بات کرتے کرتے صبیحہ ایک بار پھر امامہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ امامہ کا رنگ ایک بار پھر بدلا۔ "میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ دیکھوں گی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"مجھے بہت خوشی ہو گی اگر جویریہ کے ساتھ آپ تینوں بھی آئیں۔ اپنے دین کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں ہمیں روز نہیں تو کبھی کبھار کچھ علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ صرف میں ہی لیکچر نہیں دیتی ہوں ہم جتنے لوگ بھی اکٹھے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آزاد ہوتا ہے جسے ہم نے منتخب کیا ہوتا ہے اور اگر آپ میں سے بھی کوئی کسی خاص موضوع کے حوالے سے بات کرنا یا کچھ بتانا چاہے تو ہم لوگ اسے بھی ارینج کر سکتے ہیں۔" صبیحہ بڑی سہولت سے بات کر رہی تھی پھر کچھ دیر بعد جویریہ اور اس کی کزن کے ہمراہ ان کے کمرے سے باہر چلی گئی۔

کوریڈور میں صبیحہ نے جویریہ سے کہا۔ "آپ کم از کم امامہ کو تو ساتھ لے آئیں۔ مجھے لگا ہے کہ وہ آنا چاہ رہی ہیں۔"

"اس کا عقیدہ بالکل الگ ہے، وہ کبھی بھی ایسی محفلوں میں شرکت نہیں کرے گی۔" جویریہ نے سنجیدگی سے اسے بتایا۔ صبیحہ کچھ حیران ہوئی۔

"آپ کو چاہیے کہ آپ انہیں اسلام کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ صحیح اور غلط کا فرق کر سکیں۔" صبیحہ نے چلتے ہوئے کہا۔

"میں ایک بار ایسی کوشش کر چکی ہوں۔ وہ بہت ناراض ہو گئی تھی اور میں نہیں چاہتی کہ ہم دونوں کی اتنی لمبی دوستی اس طرح ختم ہو۔" جویریہ نے کہا۔

"اچھے دوست وہی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو گمراہی سے بچائیں اور آپ پر بھی فرض ہے کہ آپ ایسا ہی کریں۔" صبیحہ نے کہا۔

"وہ ٹھیک ہے مگر کوئی بات سننے پر بھی تیار نہ ہو تو؟"

"تب بھی صحیح بات کہتے رہنا فرض ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی دوسرا آپ کی بات پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔" صبیحہ اپنی جگہ درست تھی۔ اس لئے وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔



"تم جاؤ گی اس کا لیکچر سننے؟" صبیحہ کے نکلنے کے بعد زینب نے رابعہ سے پوچھا۔

"نہیں، میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں ایسے لیکچر ہضم نہیں کر سکتی۔" رابعہ نے اپنی کتابیں اٹھاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ امامہ، زینب اور جویریہ کے برعکس وہ قدرے آزاد خیال تھی اور زیادہ مذہبی رجحان بھی نہیں رکھتی تھی۔

"ویسے میں نے صبیحہ کی خاصی تعریف سنی ہے۔" زینب نے رابعہ کی بات کے جواب میں کہا۔

"ضرور سنی ہو گی، بولتی تو واقعی اچھا ہے اور میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ اس کے والد بھی کسی مذہبی جماعت سے منسلک ہیں۔ ظاہر ہے پھر اثر تو ہو گا۔" رابعہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

امامہ ان سے کچھ دور ایک کونے میں اپنی کتابیں لئے بیٹھی بظاہر ان کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھی مگر ان دونوں کی گفتگو بھی ان تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے شکر کیا کہ ان دونوں نے اسے اس گفتگو میں گھسیٹنے کی کوشش نہیں کی۔

تین دن کے بعد امامہ مقررہ وقت پر ان لوگوں سے کوئی بہانہ بنا کر لیکچر اٹینڈ کرنے چلی گئی۔ رابعہ، جویریہ اور زینب تینوں ہی اس لیکچر میں نہیں گئیں پھر اس کارادہ بدل گیا۔ امامہ نے ان لوگوں کو نہیں بتایا کہ وہ صبیحہ کا لیکچر اٹینڈ کرنے جا رہی تھی۔

صبیحہ، امامہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئی تھی۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو یہاں دیکھ کر۔ مجھے آپ کے آنے کی توقع نہیں تھی۔" صبیحہ نے اس سے گرمجوشی سے ملتے ہوئے کہا۔

یہ پہلا قدم تھا اسلام کی جانب جو امامہ نے اٹھایا تھا۔ اس سارے عرصے میں اسلام کے بارے میں اتنی کتابیں تفاسیر اور تراجم پڑھ چکی تھی کہ کم از کم وہ کسی بھی چیز سے ناواقف اور انجان نہیں تھی۔ اسراف کے بارے میں اسلامی اور قرآنی تعلیمات اور احکامات سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھی مگر اس کے باوجود صبیحہ کی دعوت کو رد کرنے کے بجائے قبول کر لینے میں اس کی پیش نظر صرف ایک ہی چیز تھی۔ وہ اپنے مذہب سے اسلام تک کا وہ فاصلہ طے کرنا چاہتی تھی جو اسے بہت مشکل لگتا تھا۔

اور پھر وہ صرف پہلا اور آخری لیکچر نہیں تھا۔ یکے بعد دیگرے وہ اس کا ہر لیکچر اٹینڈ کرتی رہی۔ وہی چیزیں جنہیں وہ کتابوں میں پڑھتی رہی تھی اس کے منہ سے سن کر پر اثر ہو جاتی

تھیں۔اس کی صبیحہ سے عقیدت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔صبیحہ نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے عقیدے کے بارے میں جانتی تھی مگر امامہ کو اس کے پاس آتے ہوئے دو ماہ ہوئے تھے جب صبیحہ نے ختم نبوت پر ایک لیکچر دیا۔

"قرآن پاک وہ کتاب ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔" صبیحہ نے اپنے لیکچر کا آغاز کیا۔"اور قرآن پاک میں ہی اللہ نبوت کا سلسلہ حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیتے ہیں۔وہ کسی دوسرے نبی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتے۔اگر کسی نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول کا ذکر ہے بھی تو وہ بھی ایک نئے نبی کی شکل میں نہیں ہے بلکہ ایک ایسے نبی کا دوبارہ نزول ہے جن پر نبوت حضرت محمد ﷺ سے بہت پہلے نازل کر دی گئی تھی اور جن کا دوبارہ نزول ان کی اپنی امت کے لئے نہیں بلکہ حضرت محمد ﷺ کی امت کے لئے ہی ہوگا اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہی رہیں گے۔کسی بھی آنے والے دور میں یا کسی بھی گزر جانے والے دور میں یہ رتبہ اور فضیلت کسی اور کو نہیں دی گئی کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ ایک پیغمبر کو یہ رتبہ اور درجہ عطا کرتا اور پھر اسے اس سے چھین کر کسی دوسرے شخص کو دے دیتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہے۔"

"تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بات کو خود ہی رد کر دیتا اور پھر اگر اللہ کی اس بات کی گواہی حضرت محمد ﷺ خود دیتے ہیں کہ ہاں وہ اللہ کے آخری رسول ﷺ ہیں اور ان کے بعد دوبارہ کوئی نبی نہیں آئے گا تو پھر کیا ہمارے لئے کسی بھی طور پر یہ جائز اور مناسب ہے کہ ہم کسی دوسرے شخص کے نبوت کے دعوے پر غور تک کریں؟انسان اللہ کی مخلوقات میں سے وہ واحد مخلوق ہے جسے عقل جیسی نعمت سے نوازا گیا اور یہ ایسی مخلوق ہے جو اسی عقل کو استعمال کر کے سوچنے پر آئے تو خود اللہ کے وجود کے لئے ثبوت کی تلاش شروع کر دیتی ہے پھر اس سلسلے کو یہیں پر محدود نہیں رکھتی، بلکہ اسے پیغمبروں کی ذات تک دراز کر دیتی ہے۔پہلے سے موجود پیغمبروں کی نبوت کے بارے میں سوال کرتی ہے پھر انہیں پیغمبر مان لیتی ہے اور اس کے بعد قرآن کے واضح احکامات کے باوجود زمین پر مزید پیغمبروں کی تلاش شروع کر دیتی ہے اور اس تلاش میں یہ بات فراموش کر دیتی ہے کہ نبی بنتا نہیں تھا، بنایا جاتا تھا، اسے مبعوث کیا جاتا تھا اور ہم انسانی evolution کی ان آخری دہائیوں میں کھڑے ہیں جہاں مزید نبیوں کی آمد کا سلسلہ اس لئے ختم کر دیا گیا کیونکہ انسان کے لئے ایک دین اور ایک نبی کا انتخاب کر لیا گیا۔

اب کسی نئے عقیدے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف تقلید کی ہے، صرف تقلید یعنی پریکٹس۔۔۔۔اس ایک، آخری اور مکمل دین کی جسے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پر ختم

کر دیا گیا ہے اب وہ ہر شخص خسارے میں رہے گا، جو دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کے بجائے تفرقے کی راہ اختیار کرے گا۔ اگر ہماری اعلیٰ تعلیم اور ہمارا شعور ہمیں دین کے بارے میں صحیح اور غلط کی تمیز تک نہیں دے سکتے تو پھر ہم میں اور اس جانور میں کوئی فرق نہیں، جو سبز تازہ گھاس کے ایک گٹھے کے پیچھے کہیں بھی جا سکتا ہے، اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ اس کا ریوڑ کہاں ہے۔"

چالیس منٹ کے اس لیکچر میں صبیحہ نے کسی اور غلط عقیدے یا فرقے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا بالواسطہ کہا تھا۔ صرف ایک چیز بلاواسطہ کہی تھی اور وہ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار تھا۔ "اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تھے جنہوں نے چودہ سو سال پہلے مدینہ میں وفات پائی۔ چودہ سو سال سے پہلے مسلمان ایک امت کے طور پر اسی ایک شخص کے سائے میں کھڑے ہیں۔ چودہ سو سال بعد بھی ہمارے لئے وہ ایک آخری نبی ﷺ ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی بھیجا گیا نہ بھیجا جائے گا اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص میں کسی دوسرے نبی کا عکس تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے اسے ایک بار اپنے ایمان کا از سر نو جائزہ لے لینا چاہیے۔ شاید یہ کوشش اسے اس عذاب سے بچا دے جس میں وہ اپنے آپ کو مبتلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

امامہ ہر لیکچر کے بعد صبیحہ سے مل کر جایا کرتی تھی۔ اس لیکچر کے بعد وہ صبیحہ سے نہیں ملی۔ ایک لمحہ بعد وہاں رکے بغیر وہ وہاں سے چلی آئی۔ عجیب سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہو کر وہ کالج سے باہر نکل کر پیدل چلتی رہی۔ کتنی دیر فٹ پاتھ پر چلتی رہی اور اس نے کتنی سڑکیں عبور کیں، اسے اندازہ نہیں ہوا۔ کسی معمول کی طرح چلتے ہوئے وہ فٹ پاتھ سے نیچے نہر کے کنارے بنی ہوئی ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گئی۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور اوپر سڑک پر گاڑیوں کے شور میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ نہر کے بہتے ہوئے پانی کو دیکھتی رہی۔

ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے بڑبڑاتے ہوئے خود سے پوچھا۔

"آخر میں کر کیا رہی ہوں اپنے ساتھ کیوں اپنے آپ کو الجھا رہی ہوں، آخر کس یقین کی کھوج میں سرگرداں ہوں اور کیوں؟ میں اس سب کے لئے تو یہاں لاہور نہیں آئی۔ میں تو یہاں ڈاکٹر بننے آئی ہوں۔ مجھے آئی اسپیشلسٹ بننا ہے۔ پیغمبر۔۔۔۔۔ پیغمبر۔۔۔۔۔ پیغمبر۔۔۔۔۔ میرے لئے ہر چیز وہاں کیوں ختم ہو جاتی ہے۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

"مجھے اس سب سے نجات حاصل کرنی ہے، میں اس طرح اپنی اسٹڈیز پر کبھی توجہ نہیں دے سکتی۔ مذہب اور عقیدہ میرا مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ صحیح یا غلط جو میرے بڑوں نے دیا وہی

ٹھیک ہے۔میں اب صبیحہ کے پاس نہیں جاؤں گی۔میں مذہب یا پیغمبر کے بارے میں کبھی نہیں سوچوں گی۔ کبھی بھی نہیں۔" وہاں بیٹھے بیٹھے اس نے طے کیا تھا۔

رات کو آٹھ بجے وہ واپس آئی تو جویریہ اور رابعہ کچھ فکر مند سی تھیں۔

"بس ایسے ہی مارکیٹ چلی گئی تھی۔" اس نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ انہیں بتایا۔



"ارے امامہ! تم تو بہت عرصے بعد آئی ہو نا، آخر آنا کیوں چھوڑ دیا تم نے۔" بہت دنوں بعد ایک بار پھر صبیحہ کے پاس پہنچ گئی۔ صبیحہ کا لیکچر شروع ہونے والا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں، آپ اپنا لیکچر ختم کرلیں، میں باہر بیٹھ کر آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" امامہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

ٹھیک پنتالیس منٹ کے بعد جب صبیحہ اپنا لیکچر ختم کر کے باہر نکلی تو اس نے امامہ کو باہر کوریڈور میں ٹہلتے پایا۔ وہ صبیحہ کے ساتھ دوبارہ اسی کمرے میں آن بیٹھی جو اب خالی تھا۔ صبیحہ خاموشی سے اس کی طرف سے بات شروع کرنے کا انتظار کرتی رہی۔

امامہ چند لمحے کسی سوچ میں ڈوبی رہی پھر اس نے صبیحہ سے کہا۔

"آپ کو پتا ہے میں کس مذہب سے ہوں؟"

"ہاں، میں جانتی ہوں، جویریہ نے مجھے بتایا تھا۔" صبیحہ نے پر سکون انداز میں کہا۔

"میں آپ کو بتا نہیں سکتی میں کس حد تک فرسٹریٹڈ ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے میں دنیا چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں۔" اس نے کچھ دیر کے بعد صبیحہ سے کہنا شروع کیا۔ "میں۔۔۔۔۔ میں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ "مجھے پتہ ہے کہ۔۔۔۔۔" اس نے ایک بار پھر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی پھر خاموشی۔" مگر میں اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتی۔ میں تباہ ہو جاؤں گی، میرے ماں باپ مجھے مار ڈالیں گے۔ میرا کیریئر، میرے خواب، سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ میں نے تو سرے سے عبادت کرنا تک چھوڑ دی ہے مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے سکون نہیں مل رہا ہے۔ آپ میری صورت حال کو سمجھیں۔ مجھے لگ رہا ہے یہ سب کچھ غلط ہے اور صحیح کیا ہے، مجھے نہیں معلوم۔"

"امامہ! تم اسلام قبول کرلو۔" صبیحہ نے اس کی بات کے جواب میں صرف ایک جملہ کہا۔

"یہ میں نہیں کر سکتی، میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ میں کتنے مسائل کا شکار ہو جاؤں گی۔"

"تو پھر میرے پاس کس لئے آئی ہو؟" صبیحہ اسی پر سکون انداز میں کہا۔ وہ اس کا منہ دیکھنے لگی پھر اس نے بے بسی سے کہا۔

"پتا نہیں میں آپ کے پاس کس لئے آئی ہوں؟"

"تم صرف یہی ایک جملہ سننے آئی ہو جو میں نے تم سے کہا ہے۔ میں تمہیں کوئی دلیل نہیں دوں گی، کیونکہ تمہیں کسی سوال کے جواب کی تلاش نہیں ہے۔ ہر سوال کا جواب تمہارے اندر موجود ہے۔ تم سب جانتی ہو، بس تمہیں اقرار کرنا ہے۔ ایسا ہی ہے نا۔"

امامہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "مجھے لگ رہا ہے میرے پاؤں زمین سے اکھڑ چکے ہیں۔ میں جیسے خلا میں سفر کر رہی ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

صبیحہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ بسم اللہ پڑھ رہی تھی۔ امامہ گیلی آنکھوں کے ساتھ اسکا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا صبیحہ! کچھ بھی نہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"لاالہ الااللہ۔" صبیحہ کے لب آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ امامہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور وہ روتے ہوئے صبیحہ کے پیچھے کلمے کے الفاظ دہرا رہی تھی۔ "محمد رسول اللہ" امامہ نے اگلے الفاظ دہرائے۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

امامہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے اتنا رونا کیوں آرہا تھا۔ اسے کوئی پچھتاوا، کوئی افسوس نہیں تھا مگر پھر بھی اسے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک روتے رہنے کے بعد اس نے جب سر اٹھایا تو صبیحہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ امامہ گیلے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔



رابعہ اور جویریہ ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہی تھیں اور امامہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ فرش کو رگڑتے ہوئے کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"تمہیں یہ سب کچھ ہمیں پہلے ہی بتا دینا چاہئے تھا۔" جویریہ نے ایک طویل وقفے کے بعد اس خاموشی کو توڑا۔ امامہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پر سکون انداز میں کہا۔

"اس سے کیا ہوتا؟"

"کم از کم ہم تمہارے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار تو نہ ہوتے اور تمہاری مدد کر سکتے تھے ہم دونوں۔"

امامہ سر جھٹکتے ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ "اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔"

"مجھے تو بہت خوشی ہے امامہ! کہ تم نے ایک صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے۔ دیر سے سہی مگر تم غلط راستے سے ہٹ گئی ہو۔" جویریہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں اس وقت تمہارے لئے اپنے دل میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔"
امامہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں اگر ہم دونوں کی طرف سے کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو ہچکچانا مت، تمہاری مدد کر کے ہمیں خوشی ہو گی۔"

"مجھے واقعی تم لوگوں کی مدد کی بہت ضرورت ہے، بہت زیادہ ضرورت ہے۔" امامہ نے کہا۔

"میری وجہ سے اگر تم نے اپنے مذہب کی اصلیت جانچ کر اسے چھوڑ دیا ہے تو۔۔۔۔" جویریہ کہہ رہی تھی۔

"امامہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "تمہاری وجہ سے؟" اس نے جویریہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا۔ اس کا ذہن اسے کہیں اور لے جا رہا تھا۔

دھند میں اب ایک اور چہرہ ابھر رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی، وہ چہرہ آہستہ آہستہ واضح ہو رہا تھا، زیر آب ابھرنے والے کسی نقش کی طرح۔۔۔۔ چہرہ اب واضح ہو گیا تھا۔ امامہ مسکرائی وہ اس چہرے کو پہچان سکتی تھی۔ اس نے اس چہرے کے ہونٹوں کو ہلتے دیکھا۔ آہستہ آہستہ وہ آواز سن سکتی تھی۔ وہ آواز سن رہی تھی۔

قطرہ مانگے جو تو اسے دریا دے دے

مجھ کو کچھ اور نہ دے اپنی تمنا دے دے

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم لوگ کسی کو کچھ نہ بتاؤ، زینب کو بھی نہیں۔" اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے اس نے جویریہ اور رابعہ سے کہا تھا۔ ان دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم

مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا

میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ یہ جلال انصر کی آواز تھی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امامہ میڈیکل کالج میں چند روز ہوئے تھے جب ایک ویک اینڈ پر اسلام آباد آنے بعد اس نے رات کو زینب کے گھر لاہور فون کیا۔

"بیٹا! میں زینب کو بلاتی ہوں، تم ہولڈ رکھو۔" زینب کی امی فون رکھ کر چلی گئیں۔ وہ ریسیور کان سے لگائے انتظار کرنے لگی۔

کچھ نہیں مانگتا ہوں شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

مردانہ آواز میں فون پر سنائی دینے والی وہ نعت امامہ نے پہلے بھی سنی تھی مگر اس وقت جو کوئی بھی اسے پڑھ رہا تھا وہ کمال جذب سے اسے پڑھ رہا تھا

پورے قد سے کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم

مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

اسے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مرد کی آواز اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ اس قدر خوب صورت کہ پوری دنیا اس آواز کی قید میں لگے۔ امامہ نے اپنا سانس روک لیا یا شاید وہ سانس لینا بھول گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا

میں کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

انسان کی زندگی میں کچھ ساعتیں سعد ہوتی ہیں۔ شبِ قدر کی رات میں آنے والی اس سعد ساعت کی طرح جسے بہت سے لوگ گزر جانے دیتے ہیں، صرف چند اس ساعت کے انتظار میں ہاتھ اٹھائے اور جھولی پھیلائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس ساعت کے انتظار میں جو چلتے پانی

کو روک دے اور رکے ہوئے پانی کو رواں کر دے، جو دل سے نکلنے والی دعا کو لبوں تک آنے سے پہلے مقدر بنا دے۔

امامہ ہاشم کی زندگی میں وہ سعد ساعت شبِ قدر کی کسی رات کو نہیں آئی تھی۔ نہ اس نے اس سعد ساعت کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے نہ جھولی پھیلائی تھی پھر بھی اس نے زمین و آسمان کی گردش کو کچھ دیر کے لئے تھمتے دیکھا تھا۔ پوری کائنات کو ایک گنبدِ بے در میں بدلتے دیکھا تھا جس کے اندر بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

دست گیری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی

میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

وہ اندھیروں سے بھی دزانہ گزر جاتے ہیں

جن کے ماتھے پہ چمکتا ہے ستارا تیرا

آواز بہت صاف اور واضح تھی۔ امامہ بت کی طرح ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی۔

"ہیلو امامہ!" دوسری طرف زینب کی آواز گونجی اور وہ آواز میں گم ہو گئی۔ چند لمحوں کے لئے زمین کی رکی ہوئی گردش دوبارہ بحال ہو گئی۔

"ہیلو امامہ! آواز سن رہی ہو میری؟" وہ ایک جھٹکے سے ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

"ہاں، میں سن رہی ہوں۔"

"میں نے سوچا لائن کٹ گئی۔" دوسری طرف سے زینب نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ امامہ اگلے چند منٹ اس سے بات کرتی رہی مگر اس کا دل و دماغ کہیں اور تھا۔



جلال الدین انصر زینب کا بڑا بھائی تھا اور امامہ غائبانہ طور پر اس سے واقف تھی۔ زینب اس کی کلاس فیلو تھی اور اس سے امامہ کا تعارف وہیں میڈیکل کالج میں ہوا تھا۔ چند ماہ میں ہی یہ تعارف اچھی خاصی دوستی میں بدل گیا۔ اس تعارف میں اسے یہ پتا چلا کہ وہ لوگ چار بھائی بہن تھے۔ جلال سب سے بڑا تھا اور ہاؤس جاب کر رہا تھا۔ زینب کے والد واپڈا میں انجینئر تھے اور ان کا گھرانہ کافی مذہبی تھا۔

اسلام آباد سے واپسی پر اس نے زینب سے نعت پڑھنے والے اس شخص کے بارے میں پوچھا۔

"زینب! اس رات میں نے تمہیں فون کیا تو کوئی نعت پڑھ رہا تھا، وہ کون تھا؟" اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔جلال بھائی تھے۔۔۔۔۔ایک مقابلہ میں حصہ لینے کے لئے وہ نعت یاد کر رہے تھے۔ فون کوریڈور میں ہے اور ان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اس لئے آواز تم تک پہنچ گئی۔" زینب نے تفصیل سے بتایا۔

"بہت اچھی آواز ہے ان کی۔"

"ہاں، آواز تو بہت اچھی ہے ان کی۔ قرات تو نعت سے بھی زیادہ خوبصورت کرتے ہیں۔ بہت سے مقابلوں میں انعام بھی لے چکے ہیں۔ ابھی بھی کالج میں ایک مقابلہ ہونے والا ہے تم اس میں انہیں سننا۔"

زینب تب یہ نہیں جانتی تھی کہ امامہ کس مذہب کی تھی، وہ جس طرح پردے کا خیال رکھتی تھی زینب کا خیال تھا کہ وہ کسی مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ خود زینب بھی خاصے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور چادر اوڑھا کرتی تھی۔

دو تین دن کے بعد امامہ جلال انصر کی نعت سننے کے لئے اپنی فرینڈز کو بتائے بغیر کلاسز بنک کر کے نعتوں کے اس مقابلے میں چلی گئی تھی۔

جلال انصر کو اس دن پہلی بار اس نے دیکھا تھا۔ کمپئیر نے جلال انصر کا نام پکارا اور امامہ نے تیز ہوتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ زینب سے مشابہت رکھنے والے عام سی شکل و صورت اور داڑھی والے ایک چوبیس پچیس سالہ لڑکے کو اسٹیج پر چڑھتے دیکھا۔ اسٹیج پر سیڑھیاں چڑھنے سے لے کر روسٹرم کے پیچھے آ کر کھڑے ہونے تک امامہ نے ایک بار بھی اپنی نظر جلال انصر کے چہرے سے نہیں ہٹائی۔ اس نے اسے سینے پر ہاتھ باندھتے اور آنکھیں بند کرتے دیکھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

امامہ کو اپنے پورے وجود میں ایک لہر سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی اور صرف اس کی خوبصورت آواز گونج رہی تھی۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح بیٹھی اسے سنتی رہی۔ اس نے کب نعت ختم کی، کب وہ اسٹیج سے اتر کر واپس ہوا، مقابلے کا نتیجہ کیا نکلا، اس کے بعد کس کس نے نعت پڑھی، کس وقت سارے اسٹوڈنٹ وہاں سے گئے اور کس وقت ہال خالی ہو گیا امامہ کو پتا نہیں چلا۔

بہت دیر کے بعد اسے یکدم ہوش آیا تھا۔اس وقت اپنے ارد گرد دیکھنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ ہال میں اکیلی بیٹھی تھی۔

"میں نے کل تمہارے بھائی کو نعت پڑھتے سنا۔" امامہ نے اگلے دن زینب کو بتایا۔

"اچھا۔۔۔۔انہیں پہلا انعام ملا ہے۔" زینب نے اس کی بات پر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"بہت خوبصورت نعت پڑھی تھی انہوں نے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد امامہ نے پھر اس موضوع پر بات کی۔

"ہاں! وہ بچپن سے نعتیں پڑھتے آرہے ہیں۔اتنے قرات اور نعت کے مقابلے جیت چکے ہیں کہ اب تو انہیں خود بھی ان کی تعداد یاد نہیں ہو گی۔" زینب نے تفاخر سے کہا۔

"ان کی آواز بہت خوب صورت ہے۔" امامہ نے پھر کہا۔ "ہاں خوبصورت تو ہے مگر ساری بات اس محبت اور عقیدت کی ہے، جس کے ساتھ وہ نعت پڑھتے ہیں۔انہیں حضور ﷺ سے عشق ہے۔اتنی محبت کہ جس کی کوئی حد نہیں۔قرات اور نعت کے علاوہ انہوں نے کبھی کوئی اور چیز نہیں پڑھی، حالانکہ اسکول اور کالج میں انہیں بہت مجبور کیا جاتا رہا مگر ان کا ایک ہی جواب ہوتا کہ میں جس زبان سے حضرت محمد ﷺ کا قصیدہ پڑھتا ہوں اس زبان سے کسی اور شخص کا قصیدہ نہیں پڑھ سکتا۔محبت تو ہم بھی حضور ﷺ سے کرتے ہیں مگر جیسی

بھائی کرتے ہیں ویسی محبت تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔پچھلے دس سالوں میں ایک بار بھی انہوں نے نماز قضا نہیں کی۔ہر ماہ ایک قرآن پاک پڑھتے ہیں۔تم تو نعت کی تعریف کر رہی ہو اگر ان سے تلاوت سن لو تو۔"

وہ بڑے فخر سے بتا رہی تھی۔امامہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔اس نے زینب سے اس کے بعد کچھ نہیں پوچھا۔

اگلے دن وہ صبح کالج جانے کے لئے تیار ہونے کی بجائے اپنے بستر میں گھسی رہی۔جویریہ نے خاصی دیر کے بعد بھی اسے بستر سے برآمد نہ ہوتے دیکھ کر جھنجھوڑا۔

"اٹھ جاؤ امامہ! کالج نہیں جانا کیا۔دیر ہو رہی ہے۔"

"نہیں، آج مجھے کالج نہیں جانا۔" امامہ نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

"کیوں؟" جویریہ کچھ حیران ہوئی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" امامہ نے کہا۔

"آنکھیں تو بہت سرخ ہو رہی ہیں تمہار، رات کو سوئیں نہیں تم؟"

"نہیں، نیند نہیں آئی اور پلیز اب مجھے سونے دو۔" امامہ نے اس کے کسی اور سوال سے بچنے کے لئے کہا۔ جویریہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد اپنا بیگ اور فولڈر اٹھا کر باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد امامہ نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ بات ٹھیک تھی کہ وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی اور اس کی وجہ جلال انصر کی آواز تھی۔ وہ اپنے ذہن کو اس آواز کے علاوہ اور کہیں بھی فوکس نہیں کر پا رہی تھی۔

"جلال انصر!" اس نے زیر لب اس کا نام دہرایا۔ "آخر اس کی آواز کیوں مجھے اس قدر اچھی لگ رہی ہے کہ میں۔۔۔۔ میں اسے اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہی؟" اس نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ بستر سے نکلتے ہوئے سوچا۔ وہ اپنے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی میں آکر کھڑی ہو گئی۔

"میرے بھائی کی آواز میں ساری تاثیر حضرت محمد ﷺ کے عشق کی وجہ سے ہے۔" اس کے کانوں میں زینب کی آواز گونجی۔

"آواز میں تاثیر۔۔۔۔ اور عشق؟" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "سوز، گداز، لوچ، مٹھاس۔۔۔۔ آخر کیا تھا اس آواز میں؟" وہ اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ "دنیا عشق

اللہ سے شروع ہوتی ہے اور عشق رسول ﷺ پر ختم ہو جاتی ہے۔" اسے ایک اور جملہ یاد آیا۔

"عشق رسول ﷺ؟" اس نے حیرانی سے سوچا۔ "عشق رسول ﷺ یا عشق محمد ﷺ؟" یکدم اسے اپنے ایک عجیب سا سناٹا اترتا محسوس ہوا۔ اس نے اس سناٹے اور تاریکی کو کوجھنا شروع کیا۔ اپنے اندر سیڑھی در سیڑھی اترنا شروع کیا۔ اسے کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آئی۔ "آخر وہ کیا چیز ہوتی ہے جو حضرت محمد ﷺ کا نام سننے پر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر درود لے آتی ہے۔ عقیدت، عشق، محبت۔۔۔۔ ان میں سے کیا ہے؟ مجھے کچھ کیوں محسوس نہیں ہوتا۔ میری آنکھوں میں آنسو کیوں نہیں آتے؟ میرے ہونٹوں پر درود کیوں نہیں آتا؟ میری آواز میں تاثیر۔۔۔۔" وہ لمحہ بھر کے لئے رکی اس نے زیر لب پڑھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا

اسے اپنی آواز بھرائی ہوئی محسوس ہوئی۔ "شاید ابھی جاگی ہوں، اس لئے آواز ایسی ہے۔" اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے سوچا۔ اس نے ایک بار پھر پڑھنا شروع کیا۔

"کچھ نہیں مانگتا۔۔۔۔" وہ ایک بار پھر رک گئی۔اس بار اس کی آواز میں لرزش تھی۔اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔ "کچھ نہیں مانگتا ہوں شاہوں سے یہ شیدا تیرا۔" کھڑکی سے باہر نظریں مرکوز رکھتے ہوئے اس نے لرزتی بھرائی آواز اور کانپتے ہونٹوں کے ساتھ پہلا مصرع پڑھا پھر دوسرا مصرع پڑھنا شروع کیا اور رک گئی۔ کھڑکی سے باہر خلا میں گھورتے ہوئے وہ ایک بار پھر جلال انصر کی آواز اپنے کانوں میں اترتی محسوس کر رہی تھی۔

بلند، صاف، واضح اور اذان کی طرح دل میں اتر جانے والی مقدس آواز۔۔۔۔اسے اپنے گالوں پر نمی محسوس ہوئی۔

یکدم وہ اپنے ہوش و حواس میں آئی اور پتا چلا کہ وہ رو رہی تھی۔کچھ دیر جیسے بے یقینی کے عالم میں وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دونوں آنکھوں پر رکھے دم بخود کھڑی رہی۔اس نے اپنے آپ کو بے بسی کی انتہا پر پایا۔آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہ آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل وہیں زمین پر بیٹھ گئی اور اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

انسان کے لئے سب سے مشکل مرحلہ وہ ہوتا ہے جب اس کا دل کسی چیز کی گواہی دے رہا ہو مگر اس کی زبان خاموش ہو جب اس کا دماغ چلا چلا کر کسی چیز کی صداقت کا اقرار کر رہا ہو مگر اس کے ہونٹ ساکت ہوں، امامہ ہاشم کی بھی اپنی زندگی اسی مرحلے پر آن پہنچی تھی، جو فیصلہ وہ پچھلے دو تین سالوں سے نہیں کر پا رہی تھی وہ فیصلہ ایک آواز نے چند دنوں میں کروا

دیا تھا۔یہ جانے، یہ کھوجے، یہ پرکھے بغیر کہ آخر لوگ کیوں حضرت محمد ﷺ سے اتنی عقیدت رکھتے ہیں۔آخر کیوں عشق رسول ﷺ کی بات کی جاتی ہے۔اس نے اتنے سال اپنے نبی کے قصیدے سنے تھے، اس پر کبھی رقت طاری نہیں ہوئی تھی، کبھی اس کا وجود موم بن کر نہیں پگھلا تھا، کبھی اسے کسی پر رشک نہیں آیا تھا مگر ہر بار حضرت محمد ﷺ کا نام پڑھتے، دیکھتے اور سنتے ہوئے وہ عجیب سی کیفیات کا شکار ہوتی تھی۔ہر بار، ہر دفعہ اس کا دل اس نام کی طرف کھنچتا چلا جاتا تھا اور صبیحہ کے پاس نہ جانے کے اس کے سارے ارادے بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔جلال انصر کی آواز تاریکی میں نظر آنے والے جگنو کی طرح تھی جس کے تعاقب میں وہ بنا سوچے سمجھے چل پڑی تھی۔

میں تجھے عالمِ اشیا میں بھی پا لیتا ہوں

لوگ کہتے ہیں کہ ہے عالمِ بالا تیرا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امامہ کے لئے وہ ایک نئے سفر کا آغاز تھا۔ وہ پہلے کی طرح باقاعدگی سے صبیحہ کے پاس جانے لگی۔ ان اجتماعات میں شرکت نے اسے اگر ایک طرف اپنے فیصلے پر استقامت بخشی تو دوسری طرف اس باقی ماندہ شبہات کو بھی دور کر دیا۔

مذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ امامہ کے لئے کوئی چھوٹا یا معمولی فیصلہ نہیں تھا، اس ایک فیصلے نے اس کی زندگی کے ہر معاملے کو متاثر کیا تھا۔ وہ اب اسجد سے شادی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ غیر مسلم تھا۔ اسے جلد یا بدیر اپنے گھر والوں سے علیحدگی بھی اختیار کرنی تھی کیونکہ وہ اب ایسے کسی ماحول میں رہنا نہیں چاہتی تھی جہاں اسلام شعائر اور عقائد میں اتنے دھڑلے سے تحریفات کی جاتی تھیں۔ وہ اس پیسے کے بارے میں بھی شکوک کا شکار ہونے لگی تھی جو اسے اپنی تعلیم اور دوسرے اخراجات کے لئے ہاشم مبین کی طرف سے ملتے تھے۔ چند سال پہلے تک پریوں کی کہانی نظر آنے والی زندگی یکدم ایک ڈراؤنے خواب میں تبدیل ہو گئی تھی اور زندگی کے اس مشکل راستے کا انتخاب اس نے خود کیا تھا۔ اسے بعض دفعہ حیرت ہوتی کہ اس نے اتنا بڑا فیصلہ کس طرح کر لیا۔ اس نے اللہ سے استقامت ہی مانگی تھی اور اسے استقامت سے نوازا گیا تھا مگر وہ ابھی اتنی کم عمر تھی کہ خدشات اور اندیشوں سے مکمل پیچھا چھڑا لینا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔

"امامہ! تم فی الحال اپنے والدین کو مذہب کی تبدیلی کے بارے میں نہ بتاؤ۔ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ۔ اس وقت نہ صرف تم آسانی سے اسجد سے شادی سے انکار کر سکتی ہو بلکہ انہیں اپنے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں بھی بتا سکتی ہو۔"

صبیحہ نے ایک بار اس کے خدشات سننے کے بعد اسے مشورہ دیا۔

"میں اس پیسے کو اپنے اوپر خرچ کرنا نہیں چاہتی جو میرے بابا مجھے دیتے ہیں، اب جبکہ میں جانتی ہوں کہ میرے والد ایک جھوٹے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں یہ جائز تو نہیں ہے کہ میں ایسے شخص سے اپنے اخراجات کے لئے رقم لوں؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو مگر تمہارے پاس فی الحال کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ بہتر ہے تم اپنی تعلیم مکمل کر لو، اس کے بعد تمہیں اپنے والد سے بھی کچھ نہیں لینا پڑے گا۔" صبیحہ نے اسے سمجھایا۔ صبیحہ اگر اسے یہ راہ نہ دکھاتی تب بھی امامہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس میں فی الحال اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش چھوڑ دیتی۔"



اس وقت رات کے دس بجے تھے جب وہ سینما سے باہر نکل آیا تھا۔اس کے ہاتھ میں اب بھی پاپ کارن کا پیکٹ تھا اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا پاپ کارن کھاتے ہوئے سڑک پر چل رہا تھا۔

آدھا گھنٹہ تک سڑکیں ناپتے رہنے کے بعد اس نے ایک بہت بڑے بنگلے کی گھنٹی بجائی تھی۔

"صاحب کھانا لگاؤں؟" لاؤنج میں داخل ہونے پر ملازم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"دودھ؟"

"نہیں۔" وہ رکے بغیر وہاں سے گزرتا چلا گیا۔اپنے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔کمرے کی لائٹ آن کر کے وہ کچھ دیر بے مقصد ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔شیونگ کٹ نکال کر اس کے اندر سے ایک ریزر بلیڈ نکال لیا اور اسے لے کر بیڈ روم میں آگیا۔اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا لیمپ جلا لیا اور بیڈ روم کی ٹیوب لائٹ بند کر دی۔ریزر بلیڈ کے اوپر موجود ریپر کو اتار کر وہ کچھ دیر لیمپ کی روشنی میں اس کی تیز دھار کو دیکھتا رہا پھر اس نے بلیڈ کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی کی رگ کو ایک جھٹکے سے کاٹ دیا۔اس کے منہ سے ایک سسکی نکلی اور پھر اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔وہ اپنی

آنکھوں کو کھلا رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس کی کلائی بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی اور خون کی دھار اب سیدھا کارپٹ پر گر کر اس میں جذب ہو رہی تھی۔

اس کا ذہن جیسے کسی گہری کھائی میں جا رہا تھا پھر اس نے کچھ دھماکے سنے۔تاریکی میں جاتا ہوا ذہن ایک بار پھر جھماکے کے ساتھ روشنی میں آگیا۔شور اب بڑھتا جا رہا تھا۔وہ فوری طور پر شور کی وجہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں کھول دیں مگر وہ کسی چیز کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔



وہ سو رہی تھی جب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔کوئی اس کا دروازہ بجا رہا تھا۔

"امامہ! امامہ!" وسیم دروازہ بجاتے ہوئے بلند آواز میں اس کا نام پکار رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کیوں چلا رہے ہو؟" دروازہ کھولتے ہی اس نے کچھ حواس باختگی کے عالم میں وسیم سے پوچھا جس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"فرسٹ ایڈ باکس ہے تمہارے پاس؟" وسیم نے اسے دیکھتے ہی فوراً پوچھا۔

"ہاں، کیوں؟" وہ مزید پریشان ہوئی۔

"بس اسے لے کر میرے ساتھ آجاؤ۔" وسیم نے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟" اس کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین کھسکنے لگی۔

"چوچو نے پھر خودکشی کی کوشش کی ہے۔ اپنی کلائی کاٹ لی ہے اس نے۔ ملازم آیا ہوا ہے نیچے اس کا، تم میرے ساتھ چلو۔" امامہ نے بے اختیار اطمینان بھرا سانس لیا۔

"تمہارے اس دوست کو مینٹل ہاسپٹل میں ہونا چاہیئے جس طرح کی یہ حرکتیں کرتا پھرتا ہے۔" امامہ نے ناگواری سے اپنے بیڈ پر پڑا ہوا دوپٹہ اوڑھتے ہوئے کہا۔

"میں تو اسے دیکھتے ہی بھاگ آیا ہوں، ابھی وہ ہوش میں تھا۔" اس نے مڑ کر امامہ کو بتایا۔ وہ دونوں اب آگے پیچھے سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

"تم اسے ہاسپٹل لے جاتے۔" امامہ نے آخری سیڑھی پر پہنچ کر کہا۔

"وہ بھی لے جاؤں گا، پہلے تم اس کی کلائی وغیرہ تو باندھو، خون تو بند ہو۔"

"وسیم! میں اسے کوئی بہت اچھی قسم کی فرسٹ ایڈ نہیں دے سکتی۔ پتا نہیں اس نے کس چیز سے کلائی کاٹی ہے اور زخم کتنا گہرا ہے۔ اس کے اپنے گھر والے کہاں ہیں؟" بات کرتے کرتے امامہ کو خیال آیا۔

"اس کے گھر میں کوئی بھی نہیں ہے، صرف ملازم ہیں۔ وہ تو کوئی فون کال آئی تھی جس پر ملازم اسے بلانے کے لئے گیا اور جب اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو پریشان ہو کر دوسرے ملازموں کے ساتھ مل کر اس نے دروازہ توڑ دیا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اب اپنے گھر سے باہر نکل آئے۔

"تمہارا یہ دوست جو ہے نا۔۔۔۔" امامہ نے کچھ ناراضی کے عالم میں وسیم کے ساتھ چلتے ہوئے سالار کے بارے میں کچھ کہنا چاہا مگر وسیم نے غصے میں پلٹ کر اس کو جھڑک دیا۔

"فار گاڈ سیک۔ اپنی لعنت ملامت بند نہیں کر سکتیں تم۔ اس کی حالت سیریس ہے اور تم اس کی برائیوں میں مصروف ہو۔"

"ایسی حرکتیں کرنے والوں کے لئے میرے پاس کوئی ہمدردی نہیں ہے۔" وہ دونوں اب سالار کے لاؤنج میں پہنچ چکے تھے۔

چند قدم چلنے کے بعد وسیم ایک موڑ مڑا اور کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ امامہ اس کے پیچھے ہی تھی مگر پھر جیسے کرنٹ کھا کر رک گئی۔ کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سامنے قد آدم کھڑکیوں پر کچھ ماڈلز اور ایکٹریسز کی بڑی بڑی عریاں تصویریں اس طرح لگائی گئی تھیں کہ ایک لمحے کے لئے امامہ کو یوں لگا جیسے وہ تمام لڑکیاں حقیقی طور پر اس کمرے میں موجود ہیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایک طرف بیڈ پر پڑے ہوئے زخمی کے بارے میں اس کی رائے کچھ اور خراب ہو گئی۔ وہ تصویریں اس کے کردار کی پستی کا ایک اور ثبوت تھیں اور کمرے میں تین چار لوگوں کی موجودگی میں اس کے لئے وہ تصویریں خاصی خفت اور شرمندگی کا باعث بن رہی تھیں۔ ان تصویروں سے نظریں چراتے ہوئے وہ تیز رفتاری سے ڈبل بیڈ کی طرف آگئی جہاں سالار سکندر لیٹا ہوا تھا۔ وسیم اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا فرسٹ ایڈ باکس کھول رہا تھا جبکہ امامہ کا بڑا بھائی سالار کی اس کلائی کو بیڈ شیٹ کے ایک لٹکے ہوئے کونے کے ساتھ دبا کر خون روکنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ خود سالار نشے میں ڈوبے ہوئے کسی انسان کی طرح اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ وسیم اور وہاں ملازموں سے کچھ کہہ بھی رہا تھا۔

امامہ کے آگے بڑھتے ہی اس کے بڑے بھائی نے اس کرسی کو چھوڑ دیا، جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"اس کے زخم کو دیکھو، میں نے چادر سے خون روکنے کی کوشش کی ہے مگر میں کامیاب نہیں ہوا۔" انہوں نے اس کی کلائی امامہ کو تھماتے ہوئے کہا۔ امامہ نے کرسی پر بیٹھتے ہی اس کی کلائی کے گرد لپٹا ہوا کونہ ہٹایا۔ زخم بہت گہرا اور لمبا تھا۔ ایک نظر ڈالتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا۔

سالار نے پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی مگر امامہ مضبوطی سے کلائی کے کچھ نیچے سے اس کا بازو پکڑے رہی۔

"وسیم! بس بینڈیج نکال دو۔ یہ زخم بہت گہرا ہے۔ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ بینڈیج کرنے سے خون رک جائے گا پھر تم لوگ اسے ہاسپٹل لے جاؤ۔" اس نے ایک نظر نیچے کارپٹ پر جذب ہوتے خون پر ڈالی۔ وسیم تیزی سے فرسٹ ایڈ باکس میں سے بینڈیج نکالنے لگا۔

سالار نے بیڈ پر لیٹے لیٹے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اب دھندلاہٹ سی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اپنے بیڈ سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی اس لڑکی اور اس کے ہاتھ میں موجود اپنے بازو کو دیکھا۔

کچھ مشتعل ہو کر اس نے ایک اور جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ ہاتھ آزاد نہیں ہوا مگر درد کی ایک تیز لہر نے بے اختیار اسے کراہنے پر مجبور کیا

تھا۔اسے چند لمحوں کے لئے یہی محسوس ہوا تھا جیسے اس کی جان نکل گئی مگر اگلے ہی لمحے وہ ایک بار پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم لوگ دفع ہو۔۔۔۔۔جاؤ۔۔۔۔۔کہاں سے۔۔۔۔۔آ گئے۔۔۔۔۔ہو؟"اس نے کچھ مشتعل ہو کر لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔"یہ میرا۔۔۔۔۔کمرہ ہے۔۔۔۔۔تم لوگوں۔۔۔۔۔کو اندر۔۔۔۔۔آنے کی جرات کیسے۔۔۔۔۔ہوئی۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔وسیم تم۔۔۔۔۔دفع۔۔۔۔۔ہو جاؤ۔۔۔۔۔گیٹ لاسٹ۔۔۔۔۔جسٹ۔۔۔۔۔گیٹ لاسٹ۔۔۔۔۔بلڈی باسٹرڈ۔"

اس نے بلند آواز میں مگر لڑکھڑاتی زبان سے کہا۔امامہ نے اس کے منہ سے نکلنے والی گالی کو سنا۔ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے کا رنگ بدلا مگر وہ پھر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے بیٹھی رہی۔اس نے وسیم سے کاٹن لے کے کراہتے ہوئے سالار کی کلائی کے زخم پر رکھ دی جو ہاتھ کو کھینچنے اور ہلانے سے باز نہیں آ رہا تھا اور وسیم کے ہاتھ سے لے کر لپیٹنا شروع کر دیا۔سالار نے دھندلائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنی کلائی کے گرد کسی چیز کی نرمی کو محسوس کیا۔

کچھ بے بسی اور جھنجلاہٹ کے عالم میں سالار نے اپنے بائیں ہاتھ کے زور سے اپنے دائیں ہاتھ کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔دھندلائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کا آگے بڑھنے والا

بایاں ہاتھ لڑکی کے سر سے ٹکرایا تھا۔اس کے سر سے نہ صرف دوپٹہ اترا تھا بلکہ اس کے بال بھی کھل گئے تھے۔

امامہ نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا جو ایک بار پھر اپنا بایاں ہاتھ آگے لا رہا تھا۔امامہ نے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کی کلائی کو پکڑے رکھا جبکہ دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی بینڈیج چھوڑ کر اپنی پوری قوت سے اپنا دایاں ہاتھ اس کے دائیں گال پر سے مارا۔تھپڑ اتنا زناٹے دار تھا کہ ایک لمحے کے لئے سالار کی آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی۔کھلے منہ اور آنکھوں کے ساتھ دم بخود اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو سرخ چہرے کے ساتھ بلند آواز میں اس سے کہہ رہی تھی۔

اب اگر تم ہلے تو میں تمہارا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دوں گی،سنا تم نے۔"

سالار نے اس لڑکی کے عقب میں وسیم کو کچھ کہتے سنا مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب رہا تھا مگر اس نے پھر ایک آواز سنی،نسوانی آواز۔"اس کا بلڈ پریشر چیک کرو۔۔۔۔۔"سالار کو بے اختیار چند لمحے پہلے اپنے گال پر پڑنے والا تھپڑ یاد آیا۔وہ چاہنے کے باوجود آنکھیں نہیں کھول سکا۔وہی نسوانی آواز ایک بار پھر گونجی تھی مگر اس بار وہ اس آواز کو کوئی مفہوم نہیں پہنا سکا۔اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی بار جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک پرائیویٹ کلینک میں موجود تھا۔ آنکھیں کھول کر اس نے ایک بار پھر اپنے ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔ کمرے میں اس وقت ایک نرس موجود تھی جو اس کے پاس کھڑی ڈرپ کو صحیح کرنے میں مصروف تھی۔ سالار نے اسے مسکراتے دیکھا تھا وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر اس کا ذہن ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔

دوسری بار اسے کب ہوش آیا، اسے اندازہ نہیں ہوا مگر دوسری بار آنکھیں کھولنے پر اس نے اس کمرے میں کچھ شناسا چہرے دیکھے تھے۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر ممی اس کی طرف بڑھ آئی تھیں۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو تم؟" انہوں نے اس پر جھکتے ہوئے بے تابی سے کہا۔

"جسٹ فائن۔" سالار نے دور کھڑے سکندر عثمان کو دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس سے پہلے کہ اس کی ممی کچھ اور کہتیں کمرے میں موجود ایک ڈاکٹر آگے آ گیا تھا۔ وہ اس کی نبض چیک کرنے لگا تھا۔

ڈاکٹر نے انجکشن لگانے کے بعد ایک بار پھر اسے ڈرپ لگائی۔ سالار نے کچھ بیزاری کے ساتھ یہ کارروائیاں دیکھیں۔ ڈرپ لگانے کے بعد وہ سکندر عثمان اور اس کی بیوی سے باتیں کرنے لگا۔ سالار اس گفتگو کے دوران چھت کو گھورتا رہا پھر کچھ دیر بعد ڈاکٹر کمرے سے نکل گیا۔

کمرے میں اب بالکل خاموشی تھی۔ سکندر عثمان اور اس کی بیگم اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔ ان کی تمام کوششوں اور احتیاط کے باوجود یہ سالار سکندر کی خودکشی کی چوتھی کوشش تھی اور اس بار وہ واقعی مرتے مرتے بچا تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق اگر چند منٹوں کی تاخیر ہو جاتی تو وہ اسے نہیں بچا سکتے تھے۔

سکندر اور ان کی بیوی کو ملازم نے رات کے دو بجے سالار کی خودکشی کی اس کوشش کے بارے میں بتایا تھا اور وہ دونوں میاں بیوی پوری رات سو نہیں سکے تھے۔ سکندر عثمان نے صبح فلائٹ ملنے تک تقریباً ڈیڑھ سو سگریٹ پھونک ڈالے تھے، مگر اس کے باوجود ان کی بے چینی اور اضطراب میں کمی نہیں ہو پا رہی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا یہ آخر اس طرح کی حرکتیں کیوں کرتا ہے۔ آخر اس پر ہماری نصیحتوں اور ہمارے سمجھانے کا اثر کیوں نہیں ہوا۔" سکندر عثمان نے دوران سفر کہا۔ "میرا تو دماغ پھٹنے لگتا ہے جب میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں۔ کیا نہیں کیا میں نے اس کے

لئے۔ ہر سہولت، بہترین تعلیم حتیٰ کہ بڑے سے بڑے سائیکاٹرسٹ کو دکھا چکا ہوں مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔۔۔۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے جو مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔ جاننے والوں کے درمیان مذاق بن گیا ہوں میں اس کی وجہ سے۔" سکندر عثمان بہت پریشان تھے۔ "ہر وقت میرا دم حلق میں اٹکا رہتا ہے کہ پتا نہیں وہ کس وقت کیا کر گزرے۔ اتنی احتیاط برتنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایک بار ہم غافل ہوئے اور وہ پھر وہی حرکت کر گزرا ہے۔" طیبہ نے اپنی آنکھوں میں امڈتے ہوئے آنسوؤں کو ٹشو کے ساتھ صاف کیا۔ وہ دونوں اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے کراچی سے اسلام آباد آئے تھے مگر سالار کے سامنے آکر دونوں کو چپ لگ گئی تھی۔ ان دونوں ہی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس حالت میں اس سے کیا کہیں۔

سالار کو ان کی دلی اور ذہنی کیفیات کا اچھی طرح اندازہ تھا اور ان کی خاموشی کو وہ غنیمت جان رہا تھا۔ انہوں نے اس دن اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اگلے دن بھی وہ دونوں خاموش ہی رہے تھے۔

مگر تیسرے دن ان دونوں نے اپنی خاموشی توڑ دی تھی۔

"مجھے صرف یہ بتاؤ کہ آخر تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" سکندر نے اس رات بڑی تحمل مزاجی سے اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ "آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ تم نے وعدہ

کیا تھا کہ تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ میں نے اسی وعدے پر تمہیں اسپورٹس کار بھی لے کر دی تھی۔ ہر بات مان رہے ہیں ہم لوگ تمہاری، پھر بھی تمہیں قطعاً احساس نہیں ہے ہم لوگوں کا، نہ خاندان کی عزت کا۔" سالار اسی طرح چپ بیٹھا رہا۔

"کسی اور کا نہیں تو تم ہم دونوں کا ہی خیال کرو۔ تمہاری وجہ سے ہماری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔" طیبہ نے کہا۔ """تمہیں کوئی پریشانی، کوئی پرابلم ہے، تو ہم سے ڈسکس کرو، ہم سے کہو۔۔۔۔ مگر اس طرح مرنے کی کوشش کرنا۔۔۔۔ تم نے کبھی سوچا ہے کہ اگر تم ان کوششوں میں کامیاب ہو جاتے تو ہمارا کیا ہوتا۔" سالار خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ ان کی باتوں میں کچھ بھی نیا نہیں تھا۔ خودکشی کی ہر کوشش کے بعد وہ ان سے اسی طرح کی باتیں سنتا تھا۔

"کچھ بولو، چپ کیوں ہو؟ کچھ سمجھ میں آرہا ہے تمہیں؟" طیبہ نے جھنجھلا کر کہا۔ وہ انہیں دیکھنے لگا۔ "ماں باپ کو اس طرح ذلیل کر کے بڑی خوشی ملتی ہے تمہیں۔"

"اس قدر شاندار مستقبل ہے تمہارا اور تم اپنی احمقانہ حرکتوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لوگ ترستے ہیں اس طرح کے اکیڈمک ریکارڈ کے لئے۔" سکندر عثمان نے اسے اس کا اکیڈمک ریکارڈ یاد دلانے کی کوشش کی۔ سالار نے بے اختیار ایک جماہی لی۔ وہ جانتا تھا اب وہ اس کے بچپن سے لے کر اس کی اب تک کی کامیابیوں کو دہرانا شروع کریں

گے۔ایساہی ہوا تھا۔اگلے پندرہ منٹ اس موضوع پر بولنے کے بعد انہوں نے تھک کر پوچھا۔

"آخر تم کچھ بول کیوں نہیں رہے، بولو"

"میں کیا بولوں، سب کچھ تو آپ دونوں نے کہہ دیا۔" سالار نے کچھ اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "میری زندگی میرا پرسنل معاملہ ہے پھر بھی میں نے آپ کو بتایا ہے کہ دراصل میں مرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔۔۔۔" سکندر نے اس کی بات کاٹی۔

"تم جو بھی کر رہے تھے، وہ مت کرو، ہم پر کچھ رحم کھاؤ۔" سالار نے ناراضی سے باپ کو دیکھا۔

"تم آخر یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ فضول میں بحث کیوں کرتے جا رہے ہو؟" اس بار طیبہ نے اس سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، نہیں کروں گا، ایسی کوئی بھی حرکت۔" سالار نے بے زاری سے جیسے ان دونوں سے جان چھڑانے کے لئے کہا۔ سکندر نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اس کے وعدے پر مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ نہ وہ۔۔۔۔۔ نہ ان کی بیوی۔۔۔۔ مگر ایسے وعدے لینے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ بچپن سے اپنے اس بیٹے پر فخر کرتے آ رہے تھے،

مگر پچھلے کچھ سالوں سے ان کا وہ فخر ختم ہو گیا تھا۔ جتنا پریشان انہیں سالار نے کیا تھا اتنا ان کے باقی بچوں نے مل کے بھی نہیں کیا تھا۔



"اب کیسا ہے تمہارا دوست؟ گئے تھے تم اس کی خیریت دریافت کرنے؟" امامہ وسیم کے ساتھ مارکیٹ جا رہی تھی کہ اچانک اسے سالار کا خیال آیا۔

"پہلے سے تو حالت کافی بہتر ہے اس کی۔ شاید کل پرسوں تک ڈسچارج ہو جائے۔" وسیم نے اسے سالار کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔ "تم چلو گی واپسی پر اس کو دیکھنے؟" وسیم کو اچانک خیال آیا۔

"میں؟" امامہ حیران ہوئی۔ "میں کیا کروں گی جا کر۔۔۔۔۔"

"خیریت دریافت کرنا اور کیا کرنا ہے تمہیں۔" وسیم نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا۔" امامہ نے کچھ تامل سے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے، چلیں گے۔ حالانکہ اس طرح کے مریض کی عیادت کرنا فضول ہے۔" اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"ایسے مجھے توقع تھی کہ اس کے پیرنٹس ہمارے گھر آئیں گے، شکریہ وغیرہ ادا کرنے کہ ہم نے ان کے بیٹے کی جان بچالی۔ کس قدر بروقت مدد کی تھی ہم نے، مگر انہوں نے تو بھولے سے ہمارے گھر کا رخ نہیں کیا۔" امامہ نے تبصرہ کیا۔

"تم ان بیچاروں کی کنڈیشن کا اندازہ ہی نہیں کر سکتیں۔ کس منہ سے وہ شکریہ ادا کرنے آئیں اور پھر اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ آپ کے بیٹے نے ایسی حرکت کیوں کی تو وہ دونوں کیا جواب دیں گے۔۔۔۔ وہ بیچارے عجیب مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

وسیم نے قدرے افسوس کرنے والے انداز میں کہا۔ "ویسے اس کے پیرنٹس نے میرا بہت شکریہ ادا کیا ہے اور امی اور بابا پرسوں جب اس کی خیریت دریافت کرنے گئے تھے تو انہوں نے وہاں بھی ان دونوں کا بہت شکریہ ادا کیا ہے۔ یہ تو امی اور بابا کی سمجھداری تھی کہ انہوں نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا سالار کے بارے میں، ورنہ تو ادھر بھی خاصی خفت کا سامنا کرنا پڑتا انہیں۔" وسیم نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔

"مگر آخر تمہارے اس دوست کا مسئلہ کیا ہے، کیوں بیٹھے بٹھائے اس طرح کی احمقانہ حرکتیں کرنے لگتا ہے؟" امامہ نے پوچھا۔

"تم مجھ سے اس طرح پوچھ رہی ہو جیسے وہ مجھے سب کچھ بتا کر یہ سب کچھ کرتا ہو گا۔ مجھے کیا پتا وہ کس لئے یہ سب کرتا ہے یا کیوں کرتا ہے۔"

"تمہارا اتنا گہرا دوست ہے، تم پوچھتے کیوں نہیں اس سے؟"

"اتنا گہرا بھی نہیں ہے کہ ایسی باتوں کے بارے میں بھی مجھے بتانے لگے اور ویسے بھی میں کیوں کریدوں، ہو گا اس کا کوئی مسئلہ۔"

"تو پھر بہتر نہیں ہے کہ تم ایسے دستوں سے کچھ فاصلے پر رہو، ایسے لوگوں سے دوستی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر کل کو تم نے بھی اس طرح کی حرکتیں شروع کر دیں تو۔۔۔۔؟"

"ویسے تم نے اس دن جو حرکت کی تھی وہ اگر اسے یاد رہی تو ہماری دوستی میں خود ہی خاصا فرق آجائے گا۔" وسیم نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ اسے وہ تھپڑ یاد ہو گا۔ وہ صحیح طور پر ہوش میں تو نہیں تھا۔ تم سے ذکر کیا اس نے اس بارے میں؟" امامہ نے پوچھا۔

"نہیں مجھ سے کہا تو نہیں مگر ہو سکتا ہے کہ اسے یاد ہو۔ تم نے اچھا نہیں کیا تھا۔"

"اس نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔ایک تو اپنا ہاتھ کھینچ رہا تھا دوسرے گالیاں دے رہا تھا اوپر سے میرا دوپٹہ بھی کھینچ لیا۔"

"اس نے دوپٹہ نہیں کھینچا تھا،اس کا ہاتھ لگا تھا۔" وسیم نے سالار کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"جو بھی تھا،اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا تھا مگر بعد میں مجھے بھی افسوس ہوا تھا اور میں نے تو اللہ کا بہت شکر ادا کیا کہ وہ بچ گیا۔اگر کہیں وہ مر جاتا تو مجھے تو بہت ہی پچھتاوا ہوتا اپنے اس تھپڑ کا۔" امامہ نے قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"چلو تم آج جا رہی ہو تو معذرت کر لینا۔" وسیم نے مشورہ دیا۔

"کیوں ایکسکیوز کروں،ہو سکتا ہے اسے کچھ یاد ہی نہ ہو پھر میں خواہ مخواہ گڑے مردے اکھاڑوں۔اسے یاد دلاؤں کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کیا تھا۔" امامہ نے فوراً کہا۔

"اور فرض کرو اسے سب کچھ یاد ہوا تو۔۔۔۔؟"

"تو۔۔۔۔تو کیا ہوگا۔۔۔۔وہ کون سا ہمارا رشتہ دار ہے کہ اس سے تعلقات خراب ہو جائیں گے یا میل جول میں فرق پڑے گا۔" امامہ نے لاپرواہی سے کہا۔

شاپنگ کرنے کے بعد سالار اسے کلینک لے آیا جہاں سالار زیر علاج تھا۔

وہ دونوں جس وقت اس کمرے میں داخل ہوئے اس وقت وہ سوپ پینے میں مصروف تھا۔

سالار نے وسیم کے ساتھ آنے والی لڑکی کو دیکھا اور فوراً پہچان لیا تھا۔اگرچہ اس رات اس حالت میں وہ اسے شناخت نہیں کر سکا مگر اس وقت اسے دیکھتے ہی وہ اسے پہچان گیا تھا۔اپنی ممی سے یہ بات وہ پہلے ہی جان چکا تھا کہ وسیم کی بہن نے اسے فرسٹ ایڈ دی تھی مگر اسے وہ فرسٹ ایڈ یاد نہیں تھی،بس وہ زناٹے دار تھپڑ یاد تھا جو اس رات اسے پڑا تھا۔اس لئے امامہ کو دیکھتے ہی وہ سوپ پیتے پیتے رک گیا۔

اس کی چبھتی ہوئی نظروں سے امامہ کو اندازہ ہو گیا کہ اسے یقیناً اس رات ہونے والے واقعات کسی نہ کسی حد تک یاد تھے۔

رسمی علیک سلیک کے بعد اس کی ممی امامہ کا شکریہ ادا کرنے لگیں،جبکہ سالار نے سوپ پیتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔وسیم سے اس کی دوستی کو کئی سال گزر چکے تھے اور اس نے وسیم کے گھر میں امامہ کو بھی کئی بار دیکھا تھا مگر اس نے پہلے کبھی توجہ نہیں دی تھی۔اس دن پہلی بار وہ اس پر قدرے تنقیدی انداز میں غور کر رہا تھا۔اس کے دل میں امامہ کے لئے تشکر یا احسان مندی کے لئے کوئی جذبات نہیں تھے۔اس کی وجہ سے اس کے سارے پلان کا بیڑہ غرق ہو گیا تھا۔

امامہ اس کی ممی سے گفتگو میں مصروف تھی مگر وہ وقتاً فوقتاً اپنے اوپر پڑنے والی اس کی نظروں سے بھی واقف تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے کسی کی نظریں اتنی بری لگی تھیں۔

ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہا وہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے۔ سالار کے بارے میں اس کی رائے اور بھی خراب ہو گئی تھی۔ وہ اپنے اس تھپڑ کے لئے معذرت کے ارادے سے وہاں آئی تھی مگر اس وقت اس کا دل چاہا اسے دو چار اور تھپڑ لگا دے۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد فوراً ہی وہ واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور واپس جاتے ہوئے اس نے سالار کے ساتھ علیک سلیک کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اس کی ممی کے ساتھ دعا سلام کے بعد سالار کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل آئی تھی اور باہر آکر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"اس طرح کے دوست بنائے ہوئے ہیں تم نے؟" اس نے باہر نکلتے ہی وسیم سے کہا جس نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیوں، اب کیا ہوا ہے؟"

"اسے دیکھنے تک کی تمیز نہیں ہے۔ اس بات کا احساس تک نہیں ہے کہ میں اس کے دوست کی بہن ہوں اور اس کے دوست کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود ہوں۔"

وسیم اس کی بات پر کچھ خفیف سا ہو گیا۔

"یہ آدمی اس قابل نہیں کہ اس کی عیادت کے لئے جایا جائے اور تم اس کے ساتھ میل جول بند کرو۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں محتاط رہوں گا۔ اب تم بار بار اس بات کو نہ دہراؤ۔" وسیم نے موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ امامہ دانستہ طور پر خاموش ہو گئی مگر سالار اس کے ناپسندیدہ افراد کی لسٹ میں شامل ہو چکا تھا۔

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ وہ ان دنوں کچھ چھیاں گزارنے اسلام آباد آئی ہوئی تھی ورنہ شاید سالار سے اس کا اتنا قریبی اور اتنا ناپسندیدہ تعارف اور تعلق کبھی پیدا نہ ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے پہلی بار جلال انصر کو تب قریب سے دیکھا جب ایک دن وہ چاروں کالج کے لان میں بیٹھی گفتگو میں مصروف تھیں، وہ وہاں کسی کام سے آیا تھا۔ رسمی سی علیک سلیک کے بعد وہ زینب کے ساتھ چند قدم دور جا کھڑا ہوا تھا۔ امامہ اس کے چہرے

سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ایک عجیب سی مسرت اور سرخوشی کا احساس اسے گھیرے میں لے رہا تھا۔

وہ چند منٹ زینب سے بات کرنے کے بعد وہیں سے چلا گیا۔امامہ اس کی پشت پر نظریں جمائے اس وقت تک اسی دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔اس کے ارد گرد بیٹھی اس کی فرینڈز کیا باتیں کر رہی تھیں،اسے اس وقت اس کا کوئی احساس نہیں تھا جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوا تو یکدم جیسے دوبارہ اپنے ماحول میں واپس آ گئی۔

جلال انصر سے اس کی دوسری ملاقات زینب کے گھر پر ہوئی تھی۔اس دن وہ کالج سے واپسی پر زینب کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی۔زینب کچھ دنوں سے ان سب کو اپنے ہاں آنے کے لئے کہہ رہی تھی۔باقی سب نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیا تھا، مگر امامہ اس دن اس کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی تھی۔اس کے گھر آ کر اسے عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا۔شاید اس احساس کی وجہ جلال انصر سے اس گھر کی نسبت تھی۔

وہ ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی اور زینب چائے تیار کرنے کے لئے کچن میں گئی تھی۔جب جلال ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔امامہ کو وہاں دیکھ کر کچھ چونک گیا۔شاید اسے امامہ کو وہاں دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔

"السلام علیکم! کیا حال ہے آپ کا؟" جلال نے شاید اس طرح بے دھڑک اندر داخل ہونے پر اپنی جھینپ مٹانے کے لئے کہا۔امامہ نے رنگ بدلتے چہرے کے ساتھ اس کا جواب دیا۔

"زینب کے ساتھ آئی ہیں آپ؟" اس نے پوچھا۔

"جی۔"

"زینب کہاں ہے۔میں دراصل اس کو ڈھونڈتے ہوئے یہاں آ گیا۔مجھے پتا نہیں تھا کہ اس کی کوئی دوست یہاں موجود ہے۔" کچھ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ پلٹ گیا۔

"آپ بہت اچھی نعت پڑھتے ہیں۔" امامہ نے بے ساختہ کہا۔وہ ٹھٹک گیا۔

"شکریہ۔" وہ کچھ حیران نظر آیا۔"آپ نے کہاں سنی ہے؟"

"ایک دن میں نے زینب کو فون کیا تھا جب تک فون ہولڈ رہا مجھے آپ کی آواز آتی رہی، پھر زینب سے آپ کے بارے میں پتا چلا۔میں اس نعتیہ مقابلے میں بھی گئی تھی جہاں آپ نے وہ نعت پڑھی تھی۔"

وہ بے اختیار کہتی چلی گئی۔جلال انصر کی سمجھ میں نہیں آیا وہ حیران ہو یا خوش۔

"بہت اچھی تو نہیں، بس پڑھ لیتا ہوں۔اللہ کا کرم ہے۔"اس نے حیرت کے اس جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے سفید چادر میں لپٹی اس دبلی پتلی دراز قامت لڑکی کو دیکھا جس کی گہری سیاہ آنکھیں کوئی بہت عجیب سا تاثر لئے ہوئے تھیں۔اپنی آواز کی تعریف وہ بہت سوں سے سن چکا تھا مگر اس وقت اس لڑکی کی تعریف اس کے لئے قدرے غیر معمولی تھی اور جس انداز میں اس نے یہ کہا تھا وہ اس سے بھی زیادہ عجیب۔

وہ پلٹ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔وہ ویسے بھی لڑکیوں سے گفتگو میں مہارت نہیں رکھتا تھا اور پھر ایک ایسی لڑکی سے گفتگو جس سے وہ صرف چہرے کی حد تک واقف تھا۔

امامہ ایک عجیب سی مسرت کے عالم میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے جلال انصر سے بات کی تھی۔اپنے سامنے۔۔۔۔خود سے اتنے قریب۔۔۔۔وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے کچھ آگے کارپٹ پر اس جگہ کو دیکھتی رہی جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھڑا تھا۔تصور کی آنکھ سے وہ اسے ابھی بھی وہیں دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کی اگلی ملاقات ہاسپٹل میں ہوئی۔پچھلی دفعہ اگر امامہ دانستہ طور پر زینب کے گھر گئی تھی تو اس بار یہ ایک اتفاق تھا۔امامہ،رابعہ کے ساتھ وہاں آئی تھی جسے وہاں اپنی کسی دوست سے ملنا تھا۔ہاسپٹل کے ایک کوریڈور میں فائنل سٹوڈنٹس کے ایک گروپ میں اس نے جلال انصر کو دیکھا۔اس کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔کوریڈور میں انتشار تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں جا سکتی تھی اور اس وقت پہلی بار امامہ کو احساس ہوا کہ اسے سامنے دیکھ کر اس کے لئے رک جانا کتنا مشکل کام تھا۔رابعہ کی دوست کے ساتھ بیٹھے ہوئے بھی اس کا دھیان مکمل طور پر باہر ہی تھا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ رابعہ کے ساتھ اس کی دوست کے کمرے سے باہر آئی تھی۔اب وہاں فائنل ایئر کے اسٹوڈنٹس کا وہ گروپ نہیں تھا۔امامہ کو بے اختیار مایوسی ہوئی۔رابعہ اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے باہر نکل رہی تھی جب سیڑھیوں پر ان دونوں کا آمنا سامنا جلال سے ہو گیا۔امامہ کے جسم سے جیسے ایک کرنٹ سا گزر گیا تھا۔

"السلام علیکم۔جلال بھائی! کیسے ہیں آپ؟"رابعہ نے پہل کی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔"

اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ یہاں کیسے آگئے؟" اس بار جلال نے امامہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اپنی ایک فرینڈ سے ملنے آئی تھی اور امامہ میرے ساتھ آئی تھی۔" رابعہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی جبکہ امامہ خاموشی سے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

دستگیری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی

میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

اس کی آواز سنتے ہوئے وہ ایک بار پھر ٹرانس میں آرہی تھی۔ اس نے بہت کم لوگوں کو اتنے شستہ لہجے میں اردو بولتے ہوئے سنا تھا، جس لہجے میں وہ بات کر رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں ہر بار اس کی آواز سنتے ہی اس کے کانوں میں اس کی پڑھی ہوئی وہ نعت گونجنے لگتی تھی۔ اسے عجیب سا رشک آرہا تھا اسے دیکھتے ہوئے۔

جلال نے رابعہ سے بات کرتے ہوئے شاید اس کی محویت کو محسوس کیا تھا، اسی لئے بات کرتے کرتے اس نے امامہ کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ امامہ نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ بے اختیار اس کا دل چاہا تھا وہ اس شخص کے اور قریب چلی جائے۔ جلال سے نظریں ہٹا کر ارد گرد گزرتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے اس نے تین بار لاحول پڑھی۔ "شاید اس وقت شیطان میرے دل میں آکر مجھے اس کی طرف راغب کر رہا ہے۔" اس نے سوچا مگر لاحول

پڑھنے کے بعد بھی اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ اب بھی جلال کے لئے ویسی ہی کشش محسوس کر رہی تھی۔

اسجد سے اتنے سالوں کی منگنی کے بعد بھی کبھی اس نے اپنے آپ کو اس کے لئے اس طرح بے اختیار ہوتے نہیں دیکھا تھا جس طرح وہ اس وقت ہو رہی تھی۔ وہاں کھڑے اسے پہلی بار جلال سے بہت زیادہ خوف آیا۔ میں کیا کروں گی اگر میرا دل اس آدمی کو دیکھ کر اسی طرح بے اختیار ہوتا رہا، آخر اسے دیکھ کر مجھے۔۔۔۔۔اس نے جیسے بے بسی کے عالم میں سوچا۔ میں اتنی کمزور تو کبھی بھی نہیں تھی کہ اس جیسے آدمی کو دیکھ کر اس طرح۔۔۔۔۔اس نے اپنے وجود کو موم کا پایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بھائی! آپ فارغ ہیں؟" اس رات زینب دروازے پر دستک دے کر جلال کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہاں، آجاؤ۔" اس نے اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر زینب کو دیکھا۔

"آپ سے ایک کام ہے۔" زینب اس کے پاس آتے ہوئے بولی۔

"کیاکام ہے؟"

"آپ ایک کیسٹ میں اپنی آواز میں کچھ نعتیں ریکارڈ کر دیں۔" زینب نے کہا۔ جلال نے حیرت سے اس کی فرمائش سنی۔

"کس لئے؟"

"وہ میری دوست ہے امامہ اس کو آپ کی آواز بہت پسند ہے اس لئے۔۔۔۔اس نے مجھ سے فرمائش کی اور میں نے ہامی بھر لی۔" زینب نے تفصیل بتائی۔

جلال اس فرمائش پر مسکرایا۔ امامہ سے کچھ دن پہلی ہونے والی ملاقات اسے یاد آگئی۔

"یہ وہی لڑکی ہے جو اس دن یہاں آئی تھی؟" جلال نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ہاں وہی لڑکی ہے، اسلام آباد سے یہاں آئی ہے۔"

"اسلام آباد سے؟ ہاسٹل میں رہ رہی ہے؟" جلال نے کچھ دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاسٹل میں رہ رہی ہے، کافی اچھا خاندان ہے اس کا، بہت بڑے انڈسٹریلسٹ ہیں اس کے فادر۔۔۔۔ مگر امامہ سے مل کے ذرا محسوس نہیں ہوتا۔" زینب نے بے اختیار امامہ کی تعریف کی۔

"کافی مذہبی لگتی ہے۔ میں نے اسے ایک دو بار تمہارے ساتھ کالج میں بھی دیکھا ہے۔ کالج میں بھی چادر اوڑھی ہوتی ہے اس نے۔ یہاں کالج کی "آب وہوا" کا ابھی تک اثر نہیں ہوا اس پر۔" جلال نے کہا۔

"بھائی! اس کی فیملی بھی خاصی مذہبی ہے کیونکہ وہ جب سے یہاں آئی ہے اسی طرح ہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کافی کنزرویٹو لوگ ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کی فیملی خاصی تعلیم یافتہ ہے۔ نہ صرف بھائی بلکہ بہنیں بھی۔ یہ گھر میں سب سے چھوٹی ہے۔" زینب نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "تو پھر آپ کب ریکارڈ کر کے دیں گے؟" زینب نے پوچھا۔

"تم کل لے لینا۔ میں ریکارڈ کر دوں گا۔" جلال نے کہا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ جال کچھ دیر کسی سوچ میں ڈوبا رہا پھر دوبارہ اس کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا جسے وہ پڑھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کی اگلی ملاقات لائبریری میں ہوئی تھی۔ اس بار امامہ اسے وہاں موجود دیکھ کر بے اختیار اس کی طرف چلی گئی تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد امامہ نے کہا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔"

جلال نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کس لئے؟"

"اس کیسٹ کے لئے، جو آپ نے ریکارڈ کر کے بھجوائی تھی۔" جلال مسکرایا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کبھی کوئی مجھ سے ایسی فرمائش کر سکتا ہے۔"

"آپ بہت خوش قسمت ہیں۔" امامہ نے مدھم آواز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں۔۔۔۔ کس حوالے سے؟" جلال نے ایک بار پھر حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہر حوالے سے۔۔۔۔ آپ کے پاس سب کچھ ہے۔"

"آپ کے پاس بھی تو بہت کچھ ہے۔"

وہ جلال کی بات پر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ جلال کو شبہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں کچھ نمی نمودار ہوئی تھی مگر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ اب نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

"پہلے کچھ بھی نہیں تھا، اب واقعی سب کچھ ہے۔" جلال نے مدھم آواز میں اسے کہتے سنا وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"آپ اتنی محبت سے رسول ﷺ کا نام لیتے ہیں تو میں سوچتی ہوں کہ۔۔۔۔۔" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ جلال خاموشی سے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

"مجھے آپ پر رشک آتا ہے۔" چند لمحے بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"سب لوگوں کو تو اس طرح کی محبت نہیں ہوتی جیسی محبت آپ کو حضرت محمد ﷺ سے ہے۔ ہو بھی جائے تو ہر کوئی اس طرح اس محبت کا اظہار نہیں کر سکتا کہ دوسرے بھی رسول ﷺ کی محبت میں گرفتار ہونے لگیں۔ محمد ﷺ کو بھی آپ سے بڑی محبت ہو گی۔" اس نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں کوئی نمی نہیں تھی۔

"شاید مجھے وہم ہوا تھا۔" جلال نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"یہ میں نہیں جانتا، اگر ایسا ہو تو میں واقعی بہت خوش قسمت انسان ہوں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے واقعی حضور اکرم ﷺ سے بڑی محبت ہے۔ مجھ جیسے لوگوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ہر ایک کو اللہ اس محبت سے نہیں نوازتا۔"

وہ بڑی رسانیت سے کہہ رہا تھا۔ امامہ اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ اسے کبھی کسی شخص کے سامنے اس طرح کا احساسِ کمتری نہیں ہوا تھا، جس طرح کا احساسِ کمتری وہ جلال انصر کے سامنے محسوس کرتی تھی۔

"شاید میں بھی نعت پڑھ لوں۔ شاید میں بھی بہت اچھی طرح اسے پڑھ لوں مگر میں۔۔۔۔۔ میں جلال انصر کبھی نہیں ہو سکتی۔ کبھی بن ہی نہیں سکتی۔ کبھی میری آواز سن کر کسی کا وہ حال نہیں ہو سکتا جو جلال انصر کی آواز سن کر ہوتا ہے۔" وہ لائبریری سے نکلتے ہوئے مسلسل مایوسی کے عالم میں سوچ رہی تھی۔



جلال انصر سے ہونے والی چند ملاقاتوں کے بعد امامہ نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ دوبارہ کبھی اس کا سامنا نہ کرے، نہ اس کے بارے میں سوچے، نہ زینب کے گھر جائے۔ حتیٰ کہ اس نے زینب کے ساتھ اپنے تعلقات کو بھی اپنی طرف سے بہت محدود کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی ہر حفاظتی تدبیر برے طریقے سے ناکام ہوتی گئی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ امامہ کی بے بسی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

"اس آدمی میں کوئی چیز ایسی ہے، جس کے سامنے میری ہر مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔" اور شاید اس کا یہ اعتراف ہی تھا جس نے اسے ایک بار پھر جلال کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ پہلے

اس کے لئے اس کی بے اختیاری لاشعوری تھی پھر اس نے شعوری طور پر جلال کو اسجد کی جگہ دے دی۔

"آخر کیا برائی ہے اگر میں اس شخص کا ساتھ چاہوں جس کی آواز مجھے بار بار اپنے پیغمبر ﷺ کی طرف لوٹنے پر مجبور کرتی رہی۔ میں کیوں اس شخص کے حصول کی خواہش نہ کروں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے مجھ سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے۔ کیا مضائقہ ہے اگر میں اس شخص کو اپنا مقدر بنائے جانے کی دعا کروں، جس کے لئے میں انس رکھتی ہوں اور جس کے کردار سے میں واقف ہوں۔ کیا برا ہے اگر میں یہ چاہوں کہ میں جلال انصر کے نام سے شناخت پاؤں۔ اس واحد آدمی کے نام سے جسے سنتے، جیسے دیکھتے مجھے اس پر رشک آتا ہے۔" اس کے پاس ہر دلیل، ہر توجیہہ موجود تھی۔

بہت غیر محسوس طور پر وہ ہر اس جگہ جانے لگی جہاں جلال کے پائے جانے کا امکان ہوتا اور وہ اکثر وہاں پایا جاتا۔ وہ زینب کو اس وقت فون کرتی، جب جلال گھر پر ہوتا کیونکہ گھر پر ہوتے ہوئے فون ہمیشہ وہی ریسیو کرتا۔ دونوں کے درمیان چھوٹی موٹی گفتگو رفتہ رفتہ طویل ہونے لگی پھر وہ ملنے لگے۔

جویریہ، رابعہ یا زینب تینوں کو امامہ اور جلال کے ان بڑھتے ہوئے تعلقات کے بارے میں پتا نہیں تھا۔ جلال اب ہاؤس جاب کر رہا تھا اور امامہ اکثر اس کے ہاسپٹل جانے لگی۔ باقاعدہ

اظہار محبت نہ کرنے کے باوجود وہ دونوں اپنے لئے ایک دوسرے کے جذبات کے واقف تھے۔ جلال جانتا تھا کہ امامہ اسے پسند کرتی تھی اور یہ پسندیدگی عام نوعیت کی نہیں تھی۔ خود امامہ بھی یہ جان چکی تھی کہ جلال اس کے لئے کچھ خاص قسم کے جذبات محسوس کرنے لگا ہے۔

جلال اس قدر مذہبی تھا کہ اس نے کبھی اس کا بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ کسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جائے گا، نہ صرف یہ کہ وہ محبت کرے گا بلکہ اس طرح اس سے ملا کرے گا۔۔۔۔ مگر یہ سب کچھ بہت غیر محسوس انداز میں ہوتا گیا۔ اس نے کبھی زینب سے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ اس کے اور امامہ کے درمیان کسی خاص نوعیت کا تعلق ہے۔ اگر وہ یہ انکشاف کر دیتا تو زینب اسے یقیناً امامہ کی اسجد کے ساتھ طے شدہ نسبت سے آگاہ کر دیتی۔ بہت شروع میں ہی وہ امامہ کی ایسی کسی نسبت کے بارے میں جان لیتا تو وہ امامہ کے بارے میں بہت محتاط ہو جاتا پھر کم از کم امامہ کے لئے اس حد تک انوالو ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس حد تک وہ ہو چکا تھا۔

ان کے درمیان ہونے والی ایسی ہی ایک ملاقات میں امامہ نے اسے پرپوز کیا تھا۔ اسے امامہ کی جرات پر کچھ حیرانی ہوئی تھی کیونکہ کم از کم وہ خود بہت چاہنے کے باوجود ابھی یہ بات نہیں کہہ سکا تھا۔

"آپ کا ہاؤس جاب کچھ عرصے میں مکمل ہو جائے گا، اس کے بعد آپ کیا کریں گے؟" امامہ نے اس دن اس سے پوچھا تھا۔

"اس کے بعد میں سپیشلائزیشن کے لئے باہر جاؤں گا۔" جلال نے بڑی سہولت سے کہا۔

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد واپس آؤں گا اور اپنا ہاسپٹل بناؤں گا۔"

"آپ نے اپنی شادی کے بارے میں سوچا ہے؟" اس نے اگلا سوال کیا تھا۔ جلال نے حیران مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

"امامہ! شادی کے بارے میں ہر ایک ہی سوچتا ہے۔"

"آپ کس سے کریں گے؟"

"یہ طے کرنا ابھی باقی ہے۔"

امامہ چند لمحے خاموش رہی۔ "مجھ سے شادی کریں گے؟"

جلال دم بخود اسے دیکھنے لگا۔ اسے امامہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ "آپ کو میری بات بری لگی ہے؟"

امامہ نے اسے گم صم دیکھ کر پوچھا۔ وہ یک دم جیسے ہوش میں آگیا۔

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔" اس نے بے اختیار کہا۔ "یہ سوال مجھے تم سے کرنا چاہئیے تھا۔ تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

"ہاں۔" امامہ نے بڑی سہولت سے کہا۔

"اور آپ؟"

"میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ ہاں، آف کورس۔ تمہارے علاوہ میں اور کس سے شادی کر سکتا ہوں۔" اس نے اپنے جملے پر امامہ کے چہرے پر ایک چمک آتے دیکھی۔

"میں ہاؤس جاب ختم ہونے کے بعد اپنے ماں باپ کو تمہارے ہاں بھجواؤں گا۔"

وہ اس بار جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چپ سی ہو گئی۔ "جلال! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کر لوں؟"

جلال اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔ "کیا مطلب؟"

"ہو سکتا ہے میرے پیرنٹس اس شادی پر تیار نہ ہوں۔"

"کیا تم نے اپنے پیرنٹس سے بات کی ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"کیونکہ میں اپنے پیرنٹس کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" اس نے رسانیت سے کہا۔

جلال یک دم کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ "امامہ! میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ تمہارے پیرنٹس کو ہم دونوں کی شادی پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ایسا نہیں ہو گا۔"

"مگر ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ اس صورت میں مجھ سے شادی کر لیں گے؟"

جلال کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ امامہ اضطراب کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد جلال نے اپنی خاموشی کو توڑا۔

"ہاں، میں تب بھی تم ہی سے شادی کروں گا۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اب کسی دوسری لڑکی سے شادی کر سکوں گا۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے پیرنٹس اس شادی پر رضامند ہو جائیں لیکن اگر وہ نہیں ہوتے تو پھر ہمیں ان کی مرضی کے بغیر شادی کرنی ہو گی۔"

"کیا آپ کے پیرنٹس اس شادی پر رضامند ہو جائیں گے؟"

"ہاں، میں انہیں منالوں گا۔ وہ میری بات نہیں ٹالتے۔" جلال نے فخریہ انداز سے کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ہیلو کی آواز پر پلٹی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر سالار کھڑا تھا۔ وہ اپنے اسی بے ڈھنگے حلیے میں تھا۔ ٹی شرٹ کے سارے بٹن کھلے ہوئے تھے اور وہ خود جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح کے ردِ عمل کا اظہار کرے۔

سالار کے ساتھ تیمور بھی تھا۔

"آؤ۔ اس لڑکی سے ملواتا ہوں تمہیں۔" سالار نے امامہ کو کتابوں کی دوکان پر دیکھا تو قریب چلا آیا۔

تیمور نے گردن موڑ کر دیکھا اور حیرانی سے کہا۔ "اس چادر والی سے؟"

"ہاں۔" سالار نے قدم بڑھائے۔

"یہ کون ہے؟" تیمور نے پوچھا۔

"یہ وسیم کی بہن ہے۔" سالار نے کہا۔

"وسیم کی؟ مگر تم اس سے کیوں مل رہے ہو؟ وسیم اور اس کی فیملی تو خاصی کنزرویٹو ہے۔ اس سے مل کر کیا کرو گے؟" تیمور نے امامہ پر دور سے ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"پہلی بار نہیں مل رہا ہوں، پہلے بھی مل چکا ہوں۔ بات کرنے میں کیا حرج ہے؟" سالار نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

امامہ نے میگزین ہاتھ میں پکڑے پکڑے ایک نظر سالار کو اور ایک نظر اس کے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھا جو تقریباً سالار جیسے حلیے میں ہی تھا۔

"ہاؤ آر یو؟" سالار نے اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کہا۔

"فائن۔" امامہ نے میگزین بند کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یہ تیمور ہے، وسیم سے اس کی بھی خاصی دوستی ہے۔" سالار نے تعارف کرایا۔

امامہ نے ایک نظر تیمور کو دیکھا پھر ہاتھ کے اشارے سے شاپنگ سنٹر کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وسیم وہاں ہے۔"

سالار نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا اور پھر کہا۔

"مگر ہم وسیم سے ملنے تو نہیں آئے۔"

"تو؟" امامہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ سے بات کرنے آئے ہیں۔"

"مگر میں تو آپ کو نہیں جانتی، پھر آپ مجھ سے کیا بات کرنے آئے ہیں؟"

امامہ نے سرد مہری سے کہا۔ اسے سالار کی آنکھوں سے وحشت ہونے لگی تھی۔ کاش یہ کسی سے نظریں جھکا کر بات کرنا سیکھ لیتا، خاص طور پر کسی لڑکی سے۔ اس نے میگزین دوبارہ کھول لیا۔

"آپ مجھے نہیں جانتیں؟" سالار مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔ "آپ کے گھر کے ساتھ ہی میرا گھر ہے۔"

"یقیناً ہے مگر میں آپ کو "ذاتی" طور پر نہیں جانتی۔" اس نے اسی رکھائی سے میگزین پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"چند ماہ پہلے آپ نے ایک رات میری جان بچائی تھی۔" سالار نے مذاق اڑانے والے انداز میں اسے یاد دلایا۔

"میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا۔ میرے سامنے کوئی بھی مر رہا ہوتا، میں یہی کرتی۔ اب مجھے ایکسکیوز کریں، میں کچھ مصروف ہوں۔"

سالار اس کے کہنے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوا۔ تیمور نے اس کے بازو کو ہولے سے کھینچ کر چلنے کا اشارہ کیا۔ شاید اسے وسیم کے حوالے سے امامہ کا لحاظ تھا مگر سالار نے اپنا بازو چھڑا لیا۔

"میں اس رات آپ کی مدد کے لئے شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ آپ نے مجھے پروفیشنل طریقے سے ٹریٹمنٹ نہیں دیا تھا۔"

اس بار سالار نے سنجیدگی سے کہا۔ امامہ نے اس کی بات پر میگزین سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"آپ کا اشارہ اگر اس تھپڑ کی طرف ہے تو ہاں وہ بالکل پروفیشنل نہیں تھا اور میں اس کے لئے معذرت کرتی ہوں۔"

"میں نے اسے مائنڈ نہیں کیا۔ میرا اشارہ اس طرف نہیں تھا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"مجھے توقع تھی کہ آپ اس تھپڑ کو مائنڈ نہیں کریں گے۔" (کیونکہ اسی کے مستحق تھے اور ایک نہیں دس) اس نے جملے کا آدھا حصہ ضبط کر لیا۔

"ویسے آپ کا اشارہ کس طرف تھا؟"

"بے حد تھرڈ کلاس طریقے سے بینڈیج کی تھی آپ نے میری اور آپ کو پراپر طریقے سے بلڈ پریشر تک چیک کرنا نہیں آتا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے چیونگم کی ایک اسٹک اپنے منہ میں ڈالی۔ امامہ کے کان کی لوئیں سرخ ہو گئیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

"افسوس ناک بات ہے کہ ایک ڈاکٹر کو ایسے معمولی کام نہ آتے ہوں، جو کسی بھی عام آدمی کو آتے ہیں۔"

اس بار اس کا انداز پھر مذاق اڑانے والا تھا۔

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں، میڈیکل کے ابتدائی سالوں میں ہوں، پہلی بات اور جہاں تک unprofessional ہونے کا تعلق ہے تو اگلی بار سہی، آپ نے تو ابھی اس طرح کی کئی کوششیں کرنی ہیں۔ میں آہستہ آہستہ آپ پر پریکٹس کر کے اپنا ہاتھ صاف کر لوں گی۔"

ایک لمحہ کے لئے وہ کچھ نہیں بول سکا پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ یوں جیسے وہ اس کی بات پر محظوظ ہوا تھا مگر شرمندہ نہیں اور اس نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

"اگر آپ مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش۔۔۔۔۔"

"کوشش کر رہی ہیں تو آپ اس میں ناکام ہوں گی۔ میں جانتی ہوں، آپ شرمندہ نہیں ہوتے، یہ صفت صرف انسانوں میں ہوتی ہے۔" امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آپ کے خیال میں، میں کیا ہوں؟" سالار نے اسی انداز میں کہا۔

"پتا نہیں، ایک vet اس بارے میں آپ کو زیادہ بہتر گائیڈ کر سکے گا۔" وہ اس بار اس کی بات پر ہنسا۔

"دو پیروں پر چلنے والے جانور کو ہر میڈیکل ڈکشنری انسان کہتی ہے اور میں دو پیروں پر چلتا ہوں۔"

"ریچھ سے لے کر کتے تک ہر چار پیروں والا جانور دو پیروں پر چل سکتا ہے۔ اگر اسے ضرورت پڑے یا اس کا دل چاہے تو۔"

"مگر میرے چار پیر نہیں اور میں صرف ضرورت کے وقت نہیں، ہر وقت ہی دو پیروں پر چلتا ہوں۔" سالار نے عجیب سے انداز میں اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کے چار پیر نہیں ہیں،اسی لئے میں نے آپ کوvet سے ملنے کو کہا ہے۔وہ آپ کو آپ کی خصوصیات کے بارے میں صحیح بتا سکے گا۔"

امامہ نے سرد آواز میں کہا۔وہ اسے زچ کرنے میں واقعی کامیاب ہو چکا تھا۔

"ویسے جتنی اچھی طرح سے آپ جانوروں کے بارے میں جانتی ہیں،آپ ایک بہت اچھی vetثابت ہو سکتی ہیں۔آپ کے علم سے خاصا متاثر ہوا ہوں میں۔"امامہ کے چہرے کی سرخی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔"اگر آپ میری vetبن جاتی ہیں تو میں آپ کے بتائے ہوئے مشورے کے مطابق آپ ہی کے پاس آیا کروں گا تاکہ آپ میرے بارے میں ریسرچ کر کے مجھے بتا سکیں۔"

سالار نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی،صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی منہ پھٹ تھا اور ایسے شخص کے ساتھ لمبی گفتگو کرنا آ بیل مجھے مار کہ مترادف تھا اور وہ یہ حماقت کر چکی تھی۔

"ویسے آپ کیا فیس چارج کریں گی؟"وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ وسیم آپ کو بتادے گا۔"امامہ نے اس بار اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

"چلیں ٹھیک ہے،یہ میں وسیم سے پوچھ لوں گا۔اس طرح تو خاصی آسانی ہو جائے گی۔"

وہ اس کی دھمکی کو سمجھنے کے باوجود مرعوب نہیں ہوا اور اس نے امامہ کو یہ جتا بھی دیا۔تیمور نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"آؤ سالار!چلتے ہیں،مجھے ایک ضروری کام یاد آرہا ہے۔"اس نے عجلت کے عالم میں سالار کو اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹنے کی کوشش کی مگر سالار نے توجہ نہیں دی۔

"چلتے ہیں یار!اس طرح کھینچو تو مت۔"وہ اس سے کہتے ہوئے ایک بار پھر امامہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بہر حال یہ سب مذاق تھا،میں واقعی آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔آپ نے اور وسیم نے کافی مدد کی میری،گڈ بائے۔"

وہ کہتے ہوئے واپس مڑ گیا۔امامہ نے بے اختیار ایک سکون کا سانس لیا۔وہ شخص واقعی کریک تھا۔اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وسیم جیسا شخص کیسے اس آدمی کے ساتھ دوستی رکھ سکتا ہے۔

وہ ایک بار پھر میگزین کے ورق الٹنے لگی۔"سالار آیا تھا تمہارے پاس؟"وسیم نے اس کے پاس آکر پوچھا۔دور سے سالار اور تیمور کو دیکھ لیا تھا۔

"ہاں۔"امامہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور ایک بار پھر میگزین دیکھنے لگی۔

"کیا کہہ رہا تھا؟"وسیم نے کچھ تجسس سے پوچھا۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تم نے اس جیسے شخص کے ساتھ دوستی کیسے کرلی ہے۔ میں نے زندگی میں اس سے زیادہ بے ہودہ اور بد تمیز لڑکا نہیں دیکھا۔" امامہ نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرا شکریہ ادا کر رہا تھا اور ساتھ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ مجھے بینڈ تیج تک ٹھیک سے کرنی نہیں آتی، نہ میں بلڈ پریشر چیک کر سکتی ہوں۔"

وسیم کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ "اس کو دفع کرو، یہ عقل سے پیدل ہے۔"

"میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ میں اسے دو ہاتھ اور لگاؤں، اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں۔ منہ اٹھا کر اپنے دوست کو لے کر پہنچ گیا ہے یہاں۔ بھئی! کس نے کہا ہے تم سے شکریہ ادا کرنے کو اور مجھے تو وہ دوسرا لڑکا بھی خاصا برا لگا اور وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری اس کے ساتھ بھی دوستی ہے۔" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

"دوستی تو نہیں، بس جان پہچان ہے۔" وسیم نے وضاحت پیش کی۔ "تمہیں ایسے لڑکوں کے ساتھ جان پہچان رکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ حلیہ دیکھا تھا تم نے ان دونوں کا۔ نہ انہیں بات کرنے کی تمیز تھی، نہ لباس پہننے کا سلیقہ اور منہ اٹھا کر شکریہ ادا کرنے آگئے ہیں۔ بہر حال تم اس سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس طرح کے لڑکوں سے جان پہچان کی بھی تمہیں۔"

امامہ نے میگزین رکھتے ہوئے ایک بار پھر اسے تنبیہ کی اور پھر باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ وسیم بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"مگر میں ایک بات پر حیران ہوں یہ جس حالت میں تھا اسے کیسے یاد ہے کہ میں نے اس کی بینڈ تیج اچھی نہیں کی تھی یا بلڈ پریشر لینے میں مجھے دقت ہو رہی تھی۔" امامہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں یہ سمجھ رہی تھی کہ یہ ایسے ہی ہاتھ پاؤں جھٹک رہا ہے۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ اپنے ارد گرد ہونے والی چیزوں کو بھی observe کر رہا ہے۔"

"ایسے بینڈ تیج واقعی خراب کی تھی تم نے اور اگر میں تمہاری مدد نہ کرتا تو بلڈ پریشر کی ریڈنگ لینا بھی تمہیں لینا نہیں آتی۔ کم از کم اس بارے میں وہ جو بھی کہہ رہا تھا ٹھیک کہہ رہا تھا۔" وسیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مجھے پتا ہے۔" امامہ نے اعتراف کرنے والے انداز میں کہا۔ "مگر میں اس وقت بہت نروس تھی۔ میں پہلی بار اس طرح کی صورت حال کا شکار ہوئی تھی پھر اس کے ہاتھ سے نکلنے والا خون مجھے اور خوف زدہ کر رہا تھا اور اوپر سے اس کا رویہ۔۔۔۔ کسی خودکشی کرنے والے انسان کو اس طرح کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا تھا میں نے۔"

"اور تم ڈاکٹر بننے جا رہی ہو، وہ بھی ایک قابل اور نامور ڈاکٹر، ناقابل یقین۔" وسیم نے تبصرہ کیا۔

"اب کم از کم تم اس طرح کی باتیں نہ کرو۔" امامہ نے احتجاج کیا۔ "میں نے اس لئے تمہیں یہ سب نہیں بتایا کہ تم مذاق اڑاؤ۔" وہ لوگ پارکنگ ایریا میں پہنچ گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ دنوں سے وہ جلال اور زینب کے رویے میں عجیب سی تبدیلی دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں اس سے بہت اکھڑے اکھڑے رہنے لگے تھے۔ ایک عجیب سا تناؤ تھا، جو وہ اپنے اور ان کے درمیان محسوس کر رہی تھی۔

اس نے ایک دو بار جلال کو ہاسپٹل فون کیا، مگر ہر بار اسے یہی جواب ملتا کہ وہ مصروف ہے۔ وہ زینب کو اگر کالج سے لینے بھی آتا تو پہلے کی طرح اس سے نہیں ملتا تھا اور اگر ملتا بھی تو صرف رسمی سی علیک سلیک کے بعد واپس چلا جاتا۔ وہ شروع میں اس تبدیلی کو اپنا وہم سمجھتی رہی مگر پھر زیادہ پریشان ہونے پر وہ ایک دن جلال کے ہاسپٹل چلی آئی۔

جلال کا رویہ بے حد سرد تھا۔ امامہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں آئی۔

"کافی دن ہو گئے تھے ہمیں ملے ہوئے، اس لئے میں خود چلی آئی۔" امامہ نے اپنے سارے اندیشوں کو جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میری تو شفٹ شروع ہو رہی ہے۔"

امامہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "زینب بتا رہی تھی کہ اس وقت آپ کی شفٹ ختم ہوتی ہے، میں اسی لئے اس وقت آئی ہوں۔"

وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "ہاں صحیح ہے، مگر آج میری کوئی اور مصروفیت ہے۔"

وہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔ "جلال! آپ کسی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں؟" ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"نہیں، میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔" جلال نے اسی رکھائی سے کہا۔

"کیا آپ دس منٹ باہر آ کر میری بات سن سکتے ہیں؟"

جلال کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنا اوور آل اپنے بازو پر ڈال لیا اور کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔

باہر جاتے ہی جلال نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈورائی۔ یہ شاید اس کے لئے بات شروع کرنے کا اشارہ تھا۔ "آپ میرے ساتھ اس طرح مس بی ہیو کیوں کر رہے ہیں؟"

"کیا مس بی ہیو کر رہا ہوں؟" جلال نے اکھڑ انداز میں کہا۔

"آپ بہت دنوں سے مجھے اگنور کر رہے ہیں۔"

"ہاں، کر رہا ہوں۔"

امامہ کو توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی صفائی سے اس بات کا اعتراف کر لے گا۔

"کیونکہ میں تم سے ملنا نہیں چاہتا۔" وہ کچھ لمحوں کے لئے کچھ نہیں بول سکی۔ "کیوں؟"

"یہ بتانا ضروری نہیں۔" اس نے اسی طرح اکھڑ انداز میں کہا۔

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کا رویہ یک دم کیوں تبدیل ہو گیا ہے۔ کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی اس کی۔" امامہ نے کہا۔

"ہاں وجہ ہے مگر میں تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم بہت سی باتیں مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھتیں۔"

"میں؟" وہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔ "میں نے کون سی باتیں آپ کو نہیں بتائیں؟"

"یہ کہ تم مسلمان نہیں ہو۔" جلال نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔ امامہ سانس تک نہیں لے سکی۔

"کیا تم نے یہ بات مجھ سے چھپائی نہیں؟"

"جلال! میں بتانا چاہتی تھی۔" امامہ نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

"چاہتی تھی۔۔۔۔۔ مگر تم نے بتایا تو نہیں۔۔۔۔۔ دھوکا دینے کی کوشش کی تم نے۔"

"جلال! میں نے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی۔" امامہ نے جیسے احتجاج کیا۔ "میں آپ کو کیوں دھوکا دوں گی؟"

"مگر تم نے کیا یہی ہے۔" جلال نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"جلال میں۔۔۔۔۔" جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نے جان بوجھ کر مجھے ٹریپ کیا۔" امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ٹریپ کیا؟" اس نے زیر لب جلال کے لفظوں کو دہرایا۔

"تم جانتی تھیں کہ میں اپنے پیغمبر ﷺ سے عشق کرتا ہوں۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں اسے دیکھتی رہی۔

"شادی تو دور کی بات ہے۔اب جب میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان گیا ہوں تو میں تم سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔تم دوبارہ مجھ سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔" جلال نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"جلال! میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔" امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"اوہ کم آن۔" جلال نے تحقیر آمیز انداز میں اپنا ہاتھ جھٹکا۔ "یہاں کھڑے کھڑے تم نے میرے لئے اسلام قبول کر لیا۔" اس بار وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

"جلال! میں آپ کے لئے مسلم نہیں ہوئی۔آپ میرے لئے ایک ذریعہ ضرور بنے ہیں، مجھے کئی ماہ ہو گئے ہیں اسلام قبول کیے اور اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے تو میں آپ کو ثبوت دے سکتی ہوں۔آپ میرے ساتھ چلیں۔"

اس بار جلال کچھ الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"میں مانتی ہوں میں نے آپ کی طرف پیش قدمی خود کی۔آپ کے بقول میں نے آپ کو ٹریپ کیا۔میں نے ٹریپ نہیں کیا۔میں صرف بے بس تھی۔آپ کے معاملے میں مجھے خود پر قابو نہیں رہتا تھا۔آپ کی آواز کی وجہ سے،آپ جانتے ہیں میں نے آپ کو بتایا تھا میں نے پہلی بار آپ کو نعت پڑھتے سنا تو میں نے کیا محسوس کیا تھا۔آپ کو اگر میرے بارے میں پہلے

ہی یہ سب کچھ پتا چل جاتا تو آپ میرے ساتھ یہی سلوک کرتے جواب کر رہے ہیں۔۔۔۔ مجھے صرف اس بات کا اندیشہ تھا جس کی وجہ سے میں نے آپ سے بہت کچھ چھپائے رکھا۔ بعض باتوں میں انسان کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہوتا۔مجھے بھی آپ کے معاملے میں خود پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔"

اس نے رنجیدگی سے کہا۔

"تمہارے گھر والوں کو اس بات کا پتا ہے؟"

"نہیں، میں انہیں نہیں بتا سکتی۔میری منگنی ہو چکی ہے۔میں نے آپ کو اس بارے میں بھی نہیں بتایا۔۔۔۔" وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔ "مگر میں وہاں شادی نہیں کرنا چاہتی۔میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔میں صرف اپنی تعلیم مکمل ہونے کا انتظار کر رہی ہوں۔تب میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤں گی اور پھر میں آپ سے شادی کروں گی۔"

"چار پانچ سال بعد جب میں ڈاکٹر بن جاؤں گی تو شاید میرے پیرنٹس آپ سے میری شادی پر اس طرح اعتراض نہ کریں جس طرح وہ اب کریں گے۔اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میری تعلیم ختم کروا کر میری شادی اسجد سے کر دیں گے تو شاید میں انہیں ابھی اس بات کے بارے میں بتا دیتی کہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں مگر میں ابھی پوری طرح ان پر ڈپینڈنٹ ہوں۔

میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔آپ وہ واحد راستہ تھے جو مجھے نظر آیا۔مجھے واقعی آپ سے محبت ہے پھر میں آپ کو شادی کی پیشکش نہ کرتی تو اور کیا کرتی۔آپ اس صورت حال کا اندازہ نہیں کر سکتے جس کا سامنا میں کر رہی ہوں۔۔۔۔۔میری جگہ پر ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ میں جھوٹ بولنے کے لئے کتنی مجبور ہو گئی تھی۔"

جلال کچھ کہے بغیر پاس موجود لکڑی کے بینچ پر بیٹھ گیا وہ اب پریشان نظر آرہا تھا۔امامہ نے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔

"کیا آپ کے دل میں میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے؟صرف اس لئے میرے ساتھ انوالو ہیں، کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں؟"

جلال نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

"امامہ!بیٹھ جاؤ۔۔پورا پینڈورا باکس کھل گیا ہے میرے سامنے۔۔۔۔اگر میں تمہاری صورت حال کا اندازہ نہیں کر سکتا تو تم بھی میری پوزیشن کو نہیں سمجھ سکتی۔"

امامہ اس سے کچھ فاصلے پر رکھی بینچ پر بیٹھ گئی۔

"میرے والدین کبھی غیر مسلم لڑکی سے میری شادی نہیں کریں گے۔قطع نظر اس کے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں یا نہیں۔"

"جلال!میں غیر مسلم نہیں ہوں۔"

"تم اب نہیں ہو مگر پہلے تو تھیں اور پھر تمہارا خاندان۔۔۔۔۔"

"میں ان دونوں چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔"امامہ نے بے بسی سے کہا۔

جلال نے جواب میں کچھ نہیں کہا کچھ دیر وہ دونوں خاموش رہے۔

"کیا آپ اپنے پیرنٹس کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟"کچھ دیر بعد امامہ نے کہا۔

"یہ بہت بڑا قدم ہو گا۔"جلال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔"اور بالفرض میں یہ کام کرنے کا سوچ لوں تو بھی نہیں ہو سکتا۔تمہاری طرح میں بھی اپنے پیرنٹس پر ڈیپنڈنٹ ہوں۔"جلال نے اپنی مجبوری بتائی۔

"مگر آپ ہاؤس جاب کر رہے ہیں اور چند سالوں میں اسٹیبلش ہو جائیں گے۔"امامہ نے کہا۔

"میں ہاؤس جاب کے بعد اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں اور یہ میرے پیرنٹس کی مالی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔اسپیشلائزیشن کے بعد ہی میں واپس آکر اپنی پریکٹس اسٹیبلش کر سکتا ہوں تین چار سال اپنی اسٹڈیز ختم کرنے میں بھی لگ جائیں گے۔"

جلال نے اسے یاد دلایا۔

"پھر؟" امامہ نے اسے مایوسی سے دیکھا۔

"پھر یہ کہ مجھے سوچنے کا وقت دو۔ شاید میں کوئی رستہ نکال سکوں، میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا مگر میں اپنا کیریئر بھی خراب نہیں کر سکتا۔ میرا پرابلم صرف یہ ہے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ ہے ماں باپ کا ہے اور وہ اپنی ساری جمع پونجی مجھ پر خرچ کر رہے ہیں یہ سوچ کر کہ میں کل کو ان کے لئے کچھ کروں گا۔"

وہ بات کرتے کرتے رکا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہارے والدین اپنی مرضی سے تمہاری شادی مجھ سے کر دیں۔ اس صورت میں کم از کم میرے والدین کو یہ اعتراض تو نہیں ہو گا کہ تم نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف انہیں بتائے بغیر مجھ سے شادی کی؟"

وہ جلال کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔ وہ میری بات مانیں گے یا نہیں۔ میں۔۔۔۔۔" امامہ نے کچھ مایوسی کے عالم میں بات ادھوری چھوڑ دی۔ جلال بات مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا۔

"میری فیملی میں آج تک کسی لڑکی نے اپنی مرضی سے باہر کسی لڑکے سے شادی نہیں کی۔ اس لئے میں یہ نہیں بتا سکتی کہ ان کا ردِ عمل کیا ہو گا مگر میں یہ ضرور بتا سکتی ہوں کہ ان کا

ردِ عمل بہت برا ہو گا۔ بہت برا۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن مجھے یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ میں اتنا بڑا قدم اٹھاؤں۔ آپ کو اندازہ ہونا چاہیئے کہ میرے بابا کو کتنی شرمندگی اور بے عزتی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ صرف میرے لئے تو وہ سب کچھ نہیں بدل دیں گے۔"

"اگر مجھے اپنی فیملی سے مدد کی توقع ہوتی تو میں گھر سے باہر سہاروں کی تلاش میں ہوتی نہ ہی آپ سے اس طرح مدد مانگ رہی ہوتی۔"

دھیمے لہجے میں اپنے آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے اس نے جلال سے کہا۔

"امامہ! میں تمہاری مدد کروں گا۔۔۔۔۔ میرے پیرنٹس میری بات نہیں ٹالیں گے۔ سمجھانے میں کچھ وقت لگے گا مگر میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں انہیں منالوں گا۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ مجھے تمہاری مدد کرنی چاہیئے۔"

وہ پر سوچ مگر الجھے ہوئے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ امامہ کو عجیب سی ڈھارس ہوئی۔ اسے جلال سے یہی توقع تھی۔

امامہ نے سوچا۔ "میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔"



"یہ احمقانہ تجویز اسجد کے علاوہ کسی دوسرے کی ہو ہی نہیں سکتی۔ اسے احساس نہیں ہے کہ ابھی میں پڑھ رہی ہوں۔" امامہ نے اپنی بھابھی سے کہا۔

"نہیں اسجد نے یا اس کے گھر والوں نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ بابا خود تمہاری شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" امامہ کی بھابھی نے رسانیت سے جواب دیا۔

"بابا نے کہا ہے؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔ جب میں نے میڈیکل میں ایڈمیشن لیا تھا تب ان کا دور دور تک ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ وہ تو انکل اعظم سے بھی یہی کہتے تھے کہ وہ میرے ہاؤس جاب کے بعد ہی میری شادی کریں گے۔ پھر اب اچانک کیا ہوا؟" امامہ نے بے یقینی سے کہا۔

"کوئی دباؤ ہوگا مگر مجھے تو امی نے یہی بتایا تھا کہ یہ خود بابا کی خواہش ہے۔" بھابھی نے کہا۔

"آپ انہیں بتادیں کہ مجھے ہاؤس جاب سے پہلے شادی نہیں کرنی۔"

"ٹھیک ہے میں تمہاری بات ان تک پہنچادوں گی مگر بہتر ہے تم اس سلسلے میں خود بابا سے بات کرو۔" بھابھی نے اسے مشورہ دیا۔

بھابھی کے کمرے سے جانے کے بعد بھی وہ کچھ پریشانی سے وہیں بیٹھی رہی۔ یہ اطلاع اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ اس کے پیروں کے نیچے سے محاورتاً نہیں حقیقتاً زمین نکل گئی تھی۔ وہ مطمئن تھی کہ اس کی ہاؤس جاب تک اس کی شادی کا مسئلہ زیر بحث نہیں آئے گا اور ہاؤس جاب کرنے کے بعد وہ اس قابل ہو جائے گی کہ خود کو سپورٹ کر سکے یا اپنی جلال سے شادی کے بارے میں فیصلہ کر سکے۔ تب تک جلال بھی اپنی ہاؤس جاب مکمل کر کے سیٹ ہو جاتا اور ان دونوں کے لئے کسی قسم کا کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوتا مگر اب اچانک اس کے گھر والے اس کی شادی کی بات کر رہے تھے۔ آخر کیوں؟"

"نہیں اسجد اور اس کے گھر والوں نے مجھ سے اس طرح کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ میں نے خود ان سے بات کی ہے۔"

اس رات وہ ہاشم مبین کے کمرے میں موجود تھی۔ اس کے استفار پر ہاشم مبین نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"بات بھی کر لی ہے؟ آپ مجھ سے پوچھے بغیر کس طرح میری شادی ارینج کر سکتے ہیں۔" امامہ نے بے یقینی سے کہا۔

ہاشم مبین نے کچھ سنجیدگی سے اسے دیکھا۔"یہ نسبت تمہاری مرضی سے ہی طے ہوئی تھی۔ تم سے پوچھا گیا تھا۔"انہوں نے جیسے اسے یاد دہانی کرائی۔

"منگنی کی بات اور تھی۔۔۔۔۔شادی کی بات اور ہے۔۔۔۔۔آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ ہاؤس جاب سے پہلے آپ میری شادی نہیں کریں گے۔"امامہ نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا۔

"تمہیں اس شادی پر اعتراض کیوں ہے۔کیا تم اسجد کو پسند نہیں کرتیں؟"

"بات پسند یا ناپسند کی نہیں ہے۔اپنی تعلیم کے دوران میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں آئی اسپیشلسٹ بننا چاہتی ہوں۔اس طرح آپ میری شادی کر دیں گے تو میرے سارے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔"

"بہت سی لڑکیاں شادی کے بعد تعلیم مکمل کرتی ہیں۔تم اپنی فیملی میں دیکھو ۔۔۔۔۔کتنی۔۔۔۔۔"ہاشم مبین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

امامہ نے ان کی بات کاٹ لی۔"وہ لڑکیاں بہت ذہین اور قابل ہوتی ہوں گی۔میں نہیں ہوں۔میں ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتی ہوں۔"

"میں اعظم بھائی سے بات کر چکا ہوں،وہ تو تاریخ طے کرنے کے لئے آنے والے ہیں۔" ہاشم مبین نے اس سے کہا۔

"آپ میری ساری محنت کو ضائع کر رہے ہیں۔اگر آپ کو میرے ساتھ یہی کرنا تھا تو آپ کو چاہئیے تھا کہ آپ اس طرح کا کوئی وعدہ ہی نہ کرتے۔"امامہ نے ان کی بات پر ناراضی سے کہا۔

"جب میں نے تم سے وعدہ کیا تھا تب کی بات اور تھی۔۔۔۔۔تب حالات اور تھے اب۔۔۔۔۔"

امامہ نے ان کی بات کاٹی۔"اب کیا بدل گیا ہے۔۔۔۔۔حالات میں کون سی تبدیلی آئی ہے جو آپ میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں؟"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اسجد تمہاری تعلیم میں تمہارے ساتھ پورا تعاون کرے گا۔ وہ تمہیں کسی چیز سے منع نہیں کرے گا۔"ہاشم مبین نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بابا مجھے اسجد کے ساتھ تعاون کی ضرورت نہیں ہے مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ مجھے میری تعلیم مکمل کرنے دیں۔"امامہ نے اس بار قدرے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"امامہ تم فضول ضد مت کرو۔۔۔۔۔میں وہی کروں گا جو میں طے کر چکا ہوں۔" ہاشم مبین نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "میں ضد نہیں کر رہی درخواست کر رہی ہوں۔ بابا پلیز میں ابھی اسجد سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔" اس نے ایک بار پھر اسی ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"تمہاری نسبت کو چار سال ہونے والے ہیں اور یہ ایک بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے خود کچھ عرصے کے بعد کسی نہ کسی وجہ سے منگنی توڑ دی تو۔"

"تو کوئی بات نہیں کوئی قیامت نہیں آئے گی وہ منگنی توڑنا چاہیں تو توڑ دیں بلکہ ابھی توڑ دیں۔"

"تمہیں اس شرمندگی اور بے عزتی کا احساس نہیں ہے، جس کا سامنا ہمیں کرنا پڑے گا۔"

"کیسی شرمندگی بابا! یہ ان لوگوں کا اپنا فیصلہ ہو گا۔ اس میں ہماری تو کوئی غلطی نہیں ہو گی۔" اس نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر تم عقل سے پیدل ہو۔" ہاشم مبین نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

"بابا! کچھ نہیں ہو گا لوگ دو چار دن باتیں کریں گے پھر سب کچھ بھول جائیں گے۔ آپ اس بارے میں خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔" امامہ نے قدرے بے فکری اور لاپرواہی سے کہا۔

"تم اس وقت بہت فضول باتیں کر رہی ہو۔ فی الحال تم یہاں سے جاؤ۔" ہاشم مبین نے ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

امامہ بادل ناخواستہ وہاں سے چلی آئی مگر اس رات وہ خاصی پریشان رہی۔

اگلے دن وہ واپس لاہور چلی آئی۔ ہاشم مبین نے اس سے اس سلسلے میں دوبارہ بات نہیں کی لاہور آ کر وہ قدرے مطمئن ہو گئی اور ہر خیال کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے اپنے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گئی۔

ہاشم مبین نے اس واقعہ کو ذہن سے نہیں نکالا تھا، وہ ایک محتاط طبیعت کے انسان تھے۔

وہ امامہ کے بارے میں پہلی بار اس وقت تشویش میں مبتلا ہوئے تھے، جب سکول میں تحریم کے ساتھ جھگڑے والا واقعہ پیش آیا تھا۔ اگرچہ وہ کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس واقعے کے بعد انہوں نے احتیاطی تدابیر کے طور پر امامہ کی نسبت اسجد کے ساتھ طے کر دی تھی۔ ان کا خیال تھا اس طرح اس کا ذہن ایک نئے رشتے کی جانب مبذول ہو جائے گا اور اگر

اس کے ذہن میں کوئی شبہ یا سوال پیدا ہوا بھی تو اس نئے تعلق کے بعد وہ اس بارے میں زیادہ تردد نہیں کرے گی۔ ان کا یہ خیال اور اندازہ صحیح ثابت ہوا تھا۔

امامہ کا ذہن واقعی تحریم کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔ اسجد میں وہ پہلے بھی کچھ دلچسپی لیتی تھی مگر اس تعلق کے قائم ہونے کے بعد اس دلچسپی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ہاشم نے اسے بہت مطمئن اور مگن دیکھا تھا۔ وہ پہلے ہی کی طرح تمام مذہبی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتی تھی۔

مگر اس بار جو کچھ وسیم نے انہیں بتایا تھا اس نے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی تھی۔ وہ فوری طور پر یہ نہیں جان سکے مگر انہیں یہ ضرور علم ہو گیا کہ امامہ کے عقائد اور نظریات میں خاصی تبدیلی آچکی تھی اور یہ نہ صرف ان کے لئے بلکہ ان کے پورے خاندان کے لئے تشویش کا باعث تھا۔

وہ اپنی بڑی بیٹیوں کی طرح اسے بھی اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتے تھے اور یہ اس لئے بھی اہم تھا کہ اسے شادی کے بعد خاندان ہی میں جانا تھا۔ وہ خاندان بہت تعلیم یافتہ تھا۔ خود ان کا ہونے والا داماد اسجد بھی امامہ کو اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتا تھا۔ ہاشم مبین کے لئے اس کی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے اسے گھر بٹھا لینا آسان نہیں تھا، کیونکہ اس صورت میں اسے اعظم مبین کو اس کی وجہ بتانی پڑتی اور امامہ سے سخت ناراض ہونے کے باوجود وہ نہیں چاہتے تھے کہ اعظم مبین اور ان کا خاندان امامہ کے ان بدلے ہوئے عقائد کے بارے میں جان کر برگشتہ اور

بدظن ہوں اور پھر شادی کے بعد وہ اسجد کے ساتھ بری زندگی گزارے۔ انہوں نے ایک طرف اپنے گھر والوں کو اس بات کو راز رکھنے کی تاکید کی تو دوسری طرف امامہ کی منت ساجت پر اسے اپنی تعلیم جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

امامہ صبیحہ کے لیکچر اٹینڈ کرنے اور اس کے وہاں جانے یا جلال سے ملنے کے معاملے میں اس قدر محتاط تھی کہ اس کا یہ میل جول ان لوگوں کی نظروں میں نہیں آسکا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ جویریہ اور رابعہ کو بھی ہر چیز کے بارے میں اندھیرے میں رکھے ہوئے تھی۔ ورنہ اس کے بارے میں ضرور کوئی نہ کوئی خبر اِدھر اُدھر گردش کرتی اور ہاشم مبین تک بھی پہنچ جاتی مگر ایسا نہیں ہوا ہاشم مبین اس کی طرف سے مطمئن ہو گئے تھے، مگر امامہ کے اندر آنے والی ان تبدیلیوں نے انہیں تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

ان کے دماغ میں جو واحد حل آیا تھا وہ اس کی شادی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی شادی کر دینے سے وہ خود امامہ کی ذمہ داری سے مکمل طور پر آزاد ہو جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس طرح اچانک اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جلال! میرے پیرنٹس اسجد سے میری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔" لاہور آنے کے بعد امامہ نے سب سے پہلے جلال سے ملاقات کی تھی۔

"مگر تم تو کہہ رہی تھی کہ وہ تمہاری ہاؤس جاب تک تمہاری شادی نہیں کریں گے۔" جلال نے کہا۔

"وہ ایسا ہی کہتے تھے، مگر اب وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہوں۔ اسجد لاہور میں گھر لے لے گا تو میں زیادہ آسانی سے اپنی تعلیم مکمل کر سکوں گی۔"

جلال اس کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ کر سکتا تھا۔ جلال بھی یک دم فکر مند ہو گیا۔

"جلال! میں اسجد سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں کسی صورت اسجد سے شادی نہیں کر سکتی۔" وہ بڑبڑائی۔

"پھر تم اپنے پیرنٹس کو صاف صاف بتا دو۔" جلال نے یک دم کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

"کیا بتا دوں؟"

"یہی کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کریں گے۔۔۔۔ مجھے انہیں پھر سب کچھ ہی بتانا پڑے گا۔" وہ بات کرتے کرتے کچھ سوچنے لگی۔

"جلال! آپ اپنے پیرنٹس سے میرے سلسلے میں بات کریں۔ آپ انہیں میرے بارے میں بتائیں۔ اگر میرے پیرنٹس نے مجھ پر اور دباؤ ڈالا تو پھر مجھے پناگھر چھوڑنا پڑے گا، پھر مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہو گی۔"

"امامہ! میں اپنے پیرنٹس سے بات کروں گا۔ وہ رضامند ہو جائیں گے۔ میں جانتا ہوں میں انہیں منا سکتا ہوں۔" جلال نے اسے یقین دلایا پوری گفتگو کے دوران پہلی بار امامہ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

اگلے چند ہفتے وہ اپنے پیپرز کے سلسلے میں مصروف رہی، جلال سے بات نہ ہو سکی۔ آخری پیپر والے دن وسیم اسے لینے کے لئے لاہور آ گیا تھا۔ وہ اسے وہاں یوں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"وسیم! میں ابھی تو نہیں جا سکتی۔ آج تو میں پیپرز سے فارغ ہوئی ہوں مجھے ابھی یہاں کچھ کام ہیں۔"

"میں کل تک یہیں ہوں۔ اپنے دوست کے ہاں ٹھہر جاتا ہوں جب تک تم اپنے کام نمٹا لو پھر اکٹھے چلیں گے۔" وسیم نے اس کے لئے مدافعت کا آخری راستہ بھی بند کر دیا۔

"میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔" امامہ نے کچھ بے دلی سے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ اسے اندازہ تھا کہ وسیم اسے ساتھ لے کر ہی جائے گا۔

"تم اپنی چیزیں پیک کر لو۔اب تم ساری چھٹیاں وہاں گزار کر ہی آنا۔" اسے واپس مڑتے دیکھ کر وسیم نے کہا۔

اس نے سر ہلا دیا مگر اس کا اپنی تمام چیزیں پیک کرنے یا اسلام آباد میں ساری چھٹیاں گزارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔اس نے طے کیا تھا کہ وہ چند دن وہاں گزار کر کسی نہ کسی بہانے سے واپس لاہور آجائے گی اور یہ ہی اس کی غلط فہمی تھی۔

رات کے کھانے پر وہ سب گھر والوں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی اور سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"پیپرز کیسے ہوئے تمہارے؟" ہاشم مبین نے کھانا کھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"بہت اچھے ہوئے۔ہمیشہ کی طرح۔" اس نے چاول کا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ویری گڈ۔چلو پیپرز کی ٹینشن تو ختم ہوئی۔اب تم کل سے اپنی شاپنگ شروع کر دو۔"

امامہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔"شاپنگ؟ کیسی شاپنگ؟"

"فرنیچر کی اور جیولر کے پاس پہلے چلے جانا تم لوگ۔باقی چیزیں تو آہستہ آہستہ ہوتی رہیں گی۔"

ہاشم مبین نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس بار اپنی بیوی سے کہا۔

"بابا! مگر کس لئے؟" امامہ نے ایک بار پھر پوچھا۔"تمہاری امی نے بتایا نہیں تمہیں کہ ہم نے تمہاری شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔"

امامہ کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر پلیٹ میں جا گرا۔ایک لمحے میں اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

"میری شادی کی تاریخ؟" اس نے بے یقینی سے باری باری سلمیٰ اور ہاشم کو دیکھا جو اس کے تاثرات پر حیران نظر آرہے تھے۔

"ہاں تمہاری شادی کی تاریخ۔۔۔۔" ہاشم مبین نے کہا۔

"یہ آپ کیسے کر سکتے ہیں؟ مجھ سے پوچھے بغیر۔مجھے بتائے بغیر۔" ہونق چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم سے پچھلی دفعہ بات ہوئی تھی،اس سلسلے میں۔" ہاشم مبین یک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"اور میں نے انکار کر دیا تھا۔میں۔"

ہاشم مبین نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ "میں نے تمہیں بتادیا تھا کہ مجھے تمہارے انکار کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں اسجد کے گھر والوں سے بات کر چکا ہوں۔" ہاشم مبین نے تیز آواز میں کہا۔

ڈائننگ ٹیبل پر یک دم گہری خاموشی چھا گئی کوئی بھی کھانا نہیں کھا رہا تھا۔

امامہ یک دم اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ "آئی ایم سوری بابا، مگر میں اسجد سے ابھی شادی نہیں کر سکتی۔ آپ نے یہ شادی طے کی ہے۔ آپ ان سے بات کر کے اسے ملتوی کر دیں ورنہ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔" ہاشم مبین کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تم اسجد سے شادی کرو گی اور اسی تاریخ کو جو میں نے طے کی ہے۔ تم نے سنا؟" وہ بے اختیار چلائے۔

“It’s not fair” امامہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب تم مجھے یہ بتاؤ گی کیا فئیر ہے اور کیا نہیں۔ تم بتاؤ گی مجھے؟" ہاشم مبین کو اس کی بات پر اور غصہ آیا۔

"بابا! جب میں نے آپ سے کہا تھا کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی تو آپ زبردستی کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ۔" امامہ بے اختیار رونے لگی۔

"کر رہا ہوں زبردستی پھر میں حق رکھتا ہوں۔" وہ چلائے۔ امامہ اس بار کچھ کہنے کے بجائے اپنے ہونٹ بھنیچتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ تیزی سے ڈائننگ روم سے نکل آئی۔

"میں اس سے بات کرتی ہوں، آپ پلیز کھانا کھائیں۔ اتنا غصہ نہ کریں۔ وہ جذباتی ہے اور کچھ نہیں۔" سلمیٰ نے ہاشم مبین سے کہا اور خود وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان کے کمرے سے نکلتے ہی وسیم کو دیکھ کر امامہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ نکل جاؤ۔" اس نے تیزی سے وسیم کے پاس جا کر اسے دھکا دینے کی کوشش کی وہ پیچھے ہٹ گیا۔

"کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟"

"جھوٹ بول کر اور دھوکا دے کر تم مجھے یہاں لے آئے ہو۔ مجھے اگر لاہور میں پتا چل جاتا کہ تم اس لئے مجھے اسلام آباد لا رہے ہو تو میں کبھی یہاں نہ آتی۔" وہ دھاڑی۔

"میں نے وہی کیا جو مجھ سے بابا نے کہا۔ بابا نے کہا تھا میں تمہیں نہ بتاؤں۔" وسیم نے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم یہاں میرے پاس کیوں آئے ہو۔ بابا کے پاس جاؤ۔ ان کے پاس بیٹھو۔ بس یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" وسیم ہونٹ بھینچتے ہوئے اسے دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بنا کمرے سے نکل گیا۔

امامہ اپنے کمرے میں جا کر کمرے میں بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کے پیروں سے صحیح معنوں میں زمین نکل چکی تھی۔ یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے گھر والے اس کے ساتھ اس طرح کر سکتے ہیں۔ وہ اتنے قدامت پرست یا کٹر نہیں تھے جتنے وہ اس وقت ہو گئے تھے۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ مجھے اس صورت حال کا سامنا کرنا ہے۔ مجھے ہمت نہیں ہارنی۔ مجھے کسی نہ کسی طرح فوری طور پر جلال سے کانٹیکٹ کرنا ہے۔ وہ یقیناً اب تک اپنے پیرنٹس سے بات کر چکا ہو گا۔ اس سے بات کر کے کوئی نہ کوئی رستہ نکل آئے گا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچتی رہی۔ اس کے کمرے میں دوبارہ کوئی نہیں آیا۔

رات بارہ بجے کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ وہ جانتی تھی اس وقت تک سب سونے کے لئے جا چکے ہوں گے۔ اس نے جلال کے گھر کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ فون کسی نے نہیں اٹھایا۔ اس نے یکے بعد دیگرے کئی بار نمبر ملایا۔ آدھ گھنٹہ تک اسی طرح کالز کرتے

رہنے کے بعد اس نے مایوسی کے ساتھ فون رکھ دیا۔ وہ جویریہ یا رابعہ کو فون نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دونوں اس وقت ہاسٹل میں تھی۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے صبیحہ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے والد نے فون اٹھایا۔

"بیٹا! صبیحہ تو پشاور گئی ہے اپنی امی کے ساتھ۔" صبیحہ کے والد نے امامہ کو بتایا۔

"پشاور۔" امامہ کے دل کی دھڑکن رک گئی۔

"اس کے کزن کی شادی ہے۔ وہ لوگ ذرا پہلے چلے گئے ہیں۔ میں بھی کل چلا جاؤں گا۔" اس کے والد نے بتایا۔ "کوئی پیغام ہو تو آپ مجھے دے دیں میں صبیحہ کو پہنچا دوں گا۔"

"نہیں شکریہ انکل!" وہ ان کے ساتھ اس سارے معاملے میں کیا بات کر سکتی تھی۔

اس نے فون رکھ دیا۔ اس کے ڈیپریشن میں اضافہ ہونے لگا۔ اگر میرا جلال سے کانٹیکٹ نہ ہوا تو، اس کا دل ایک بار پھر ڈوبنے لگا۔

ایک بار پھر اس نے جلال کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا اور تب ہی کسی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ وہ سن ہو گئی ہاشم مبین اس کے پیچھے کھڑے تھے۔

"کس کو فون کر رہی ہو؟" ان کے لہجے میں بے حد ٹھہراؤ تھا۔

"دوست کو کر رہی تھی۔" امامہ نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ ان سے نظریں ملا کر جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

"میں ملا دیتا ہوں۔" انہوں نے سرد آواز میں کہتے ہوئے ری ڈائل کا بٹن دبا دیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ امامہ زرد چہرے کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح ریسیور کان سے لگائے کھڑے رہے پھر انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ یقیناً دوسری طرف کال ریسیو نہیں کی گئی تھی۔

"کون سی دوست ہے یہ تمہاری جس کو تم اس وقت فون کر رہی ہو۔" انہوں نے درشت لہجے میں امامہ سے پوچھا۔

"زینب۔۔۔۔" فون کی اسکرین پر زینب کا نمبر تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہاشم مبین کو زینب پر کسی قسم کا شک ہو اور وہ جلال تک جا پہنچیں، اس لئے اس نے ان کے استفار پر جلدی سے اس کا نام بتا دیا۔

"کس لئے کر رہی ہو؟"

"میں اس کے ذریعے جویریہ تک ایک پیغام پہنچانا چاہتی ہوں۔" اس نے تحمل سے کہا۔

"تم مجھے وہ پیغام دے دو، میں جویریہ تک پہنچا دوں گا، بلکہ ذاتی طور پر خود لاہور دے کر آؤں گا۔"

"امامہ! مجھے صاف صاف بتاؤ کسی اور لڑکے میں انٹرسٹڈ ہو تم؟" انہوں نے کسی تمہید کے بغیر اچانک اس سے پوچھا۔ وہ انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"ہاں!"

ہاشم مبین دم بخود رہ گئے۔ "کسی اور لڑکے میں انٹرسٹڈ ہو؟" انہوں نے بے یقینی سے اپنا جملہ دہرایا۔ امامہ نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہاشم مبین نے بے اختیار اس کے چہرے پر تھپڑ کھینچ مارا۔

"مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا تم سے، مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔" وہ غصہ میں تنتنا سے گئے۔ امامہ گم صم اپنے گال پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلا تھپڑ تھا جو ہاشم مبین نے اس کی زندگی میں اسے مارا تھا اور امامہ کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ تھپڑ اسے مارا گیا تھا۔ وہ ہاشم مبین کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی پھر بھی انہوں نے۔۔۔۔ اس کے گالوں پر آنسو بہہ نکلے تھے۔

"اسجد کے علاوہ میں تمہاری شادی کہیں اور نہیں ہونے دوں گا۔ تم اگر کسی اور لڑکے میں انٹرسٹڈ ہو بھی تو اسے ابھی اور اسی وقت بھول جاؤ۔ میں کبھی۔۔۔۔ کبھی۔۔۔۔ کبھی

تمہاری کہیں اور شادی نہیں ہونے دوں گا۔۔۔۔اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔۔۔۔اور دوبارہ اگر میں نے تمہیں فون کے پاس بھی دیکھا تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

وہ اسی طرح گال پر ہاتھ رکھے میکانکی انداز میں چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔اپنے کمرے میں آکر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔"کیا بابا مجھے۔۔۔۔۔مجھے اس طرح مار سکتے ہیں؟"اسے یقین نہیں آرہا تھا۔بہت دیر تک اسی طرح روتے رہنے کے بعد اس کے آنسو خود بخود خشک ہونے لگے۔وہ اٹھ کر اضطراب کے عالم میں اپنے کمرے کی کھڑکی کی طرف آگئی اور خالی الذہنی کے عالم میں بند کھڑکیوں کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگی۔

نیچے اس کے گھر کا لان نظر آرہا تھا اور پھر لاشعوری طور پر اس کی نظر دوسرے گھر پر پڑی۔وہ سالار کا گھر تھا۔اس کا کمرہ نچلی منزل پر تھا۔دور سے کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔اس کے باوجود وہ اس گھر میں ایک دفعہ جانے کے بعد اس کی لوکیشن اور کمرے میں پھرنے والے کے حلیے اور جسامت سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ سالار کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔

"ہاں! یہ شخص میری مدد کر سکتا۔اگر میں اسے ساری صورت حال بتا دوں اور اس سے کہوں کے لاہور جا کر جلال سے رابطہ کرے تو۔۔۔۔۔تو میرا مسئلہ حل ہو سکتا ہے مگر اس سے رابطہ کیسے۔۔۔۔۔؟"

اس کے ذہن میں ایک دم اس کی گاڑی کے پچھلے شیشے پر لکھا ہوا اس کا موبائل نمبر اور نام یاد آیا۔اس نے ذہن میں موبائل نمبر کو دہرایا،اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔کاغذ کا ایک ٹکڑا لے کر اس نے احتیاط کے طور پر اس نمبر کو لکھ لیا۔تین بجے کے قریب وہ آہستہ آہستہ ایک بار پھر لاؤنج میں آگئی اور اس نے وہ نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سالار نے نیند میں اپنے موبائل کی بیپ سنی تھی۔جب لگاتار موبائل بجتا رہا تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور قدرے ناگواری کے عالم میں بیڈ سائیڈ ٹیبل کو ٹٹولتے ہوئے موبائل اٹھایا۔

"ہیلو!"امامہ نے سالار کی آواز پہچان لی تھی،وہ فوری طور پر کچھ نہیں بول سکی۔

"ہیلو۔"اس کی خوابیدہ آواز دوبارہ سنائی دی۔"سالار!"اس نے اس کا نام لیا۔

"بول رہا ہوں۔"اس نے اسی خوابیدہ آواز میں کہا۔

"میں امامہ بول رہی ہوں۔" وہ کہنے والا تھا۔ "کون امامہ۔۔۔۔۔۔ میں کسی امامہ کو نہیں جانتا۔" مگر اس کے دماغ نے کرنٹ کی طرح اسے سگنل دیا تھا اس نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ وہ نام کے ساتھ اس کی آواز کو بھی پہچان چکا تھا۔

"میں وسیم کی بہن بول رہی ہوں۔" اس کی خاموشی پر امامہ نے اپنا تعارف کرایا۔

"میں پہچان چکا ہوں۔" سالار نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ سائیڈ لیمپ کو آن کر دیا۔ اس کی نیند غائب ہو چکی تھی۔ ٹیبل پر پڑی ہوئی اپنی رسٹ واچ اٹھا کر وقت دیکھا۔ گھڑی تین بج کر دس منٹ بجا رہی تھی۔ اس نے قدرے بے یقینی سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے گھڑی کو دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ دوسری طرف اب خاموشی تھی۔

"ہیلو!" سالار نے اسے مخاطب کیا۔

"سالار! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" سالار کے ماتھے پر کچھ بل آئے۔ "میں نے ایک بار تمہاری زندگی بچائی تھی، اب میں چاہتی ہوں تم میری زندگی بچاؤ۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی بات سنتا رہا۔ "میں لاہور میں کسی سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں مگر کر نہیں پا رہی۔"

"کیوں؟"

"وہاں سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔"

"تم رات کے اس وقت۔۔۔۔۔"

امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پلیز! اس وقت صرف میری بات سنو، میں دن کے وقت فون نہیں کر سکتی اور شاید کل رات کو بھی نہ کر سکوں۔ میرے گھر والے مجھے فون نہیں کرنے دیں گے، میں چاہتی ہوں کہ تم ایک ایڈریس اور فون نمبر نوٹ کر لو اور اس پر ایک آدمی سے کانٹیکٹ کرو، اس کا نام جلال انصر ہے، تم اس سے صرف یہ پوچھ کر بتا دو کہ میرے پیرنٹس نے یہاں میری شادی طے کر دی ہے اور وہ مجھے اب شادی کے بغیر لاہور آنے نہیں دیں گے۔"

سالار کو اچانک اس سارے معاملے سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ کمبل کو اپنے گھٹنوں سے اوپر تک کھینچتے ہوئے وہ امامہ کی بات سنتا رہا۔ وہ ایک ایڈریس اور فون نمبر دہرا رہی تھی۔ سالار نے اس نمبر اور ایڈریس کو نوٹ نہیں کیا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس نے پوچھا۔

"اور اگر میرے فون کرنے پر بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا تو؟" جب وہ خاموش ہو گئی تو اس نے پوچھا۔

دوسری طرف لمبی خاموشی رہی پھر امامہ نے کہا۔ "تم لاہور جا کر اس آدمی سے مل سکتے ہو۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ یہ میرے لئے بہت ضروری ہے۔۔۔۔۔" اس بار امامہ کی آواز ملتجیانہ تھی۔

"اور اگر اس نے پوچھا کہ میں کون ہوں تو؟"

"تم جو چاہے اسے بتا دینا۔۔۔۔۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں صرف اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔"

"کیا یہ بہتر نہیں کہ ہے تم اس آدمی سے خود بات کرو۔" سالار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ شاید مجھے دوبارہ فون کا موقع نہ ملے اور فی الحال تو آدمی فون ریسیو نہیں کر رہا۔"

سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور اس نے مایوسی کے عالم میں مزید کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔

سالار موبائل بند کرنے کے بعد کچھ دیر اسے ہاتھ میں لے کر بیٹھا رہا۔ جلال انصر۔۔۔۔۔ امامہ ہاشم۔۔۔۔۔ رابطہ۔۔۔۔۔ پیرنٹس سے بات۔۔۔۔۔ زبردستی کی شادی۔۔۔۔۔" اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے اس جگسا پزل کے ٹکڑوں کو جوڑنا شروع کر دیا۔ اس نے امامہ سے

جلال کے بارے میں پوچھا نہیں تھا کہ اس سے امامہ کا تعلق کس طرح کا ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی داہنی ٹانگ ہلاتے ہوئے ان دونوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے یہ صورت حال خاصی دلچسپ محسوس ہو رہی تھی کہ امامہ جیسی لڑکی اس طرح کے کسی افئیر میں انوالو ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔ وہ اپنے لئے اس کی ناپسندیدگی سے بھی واقف تھا اور اسے یہ بات بھی حیران کر رہی تھی کہ اس سے باوجود وہ اس سے مدد مانگ رہی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہیں خاتون؟۔۔۔۔۔ مجھے استعمال کرنے کی کوشش۔۔۔۔۔ یا پھنسانے کی کوشش۔۔۔۔۔؟"

اس نے دلچسپی سے سوچا۔

کمبل اپنے سینے تک کھینچتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں، مگر نیند اس کی آنکھوں سے مکمل طور پر دور تھی۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے وسیم اور اس کے گھر والوں کو جانتا تھا۔ وہ امامہ کو بھی سرسری طور پر دیکھ چکا تھا۔۔۔۔۔ مگر ان ملاقاتوں میں اس نے امامہ پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کے اپنے گھر والوں کے برعکس وسیم کا گھرانہ خاصا روایت پرست تھا اور وہ کبھی بھی اس طرح کھلے عام ان کے گھر نہیں جا سکا، جس طرح وہ اپنے دوسرے دوستوں کے گھروں میں جاتا تھا۔۔۔۔۔ مگر اس نے اس بات پر بھی کبھی زیادہ غور و خوض نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔ اس کا خیال تھا کہ ہر خاندان کا اپنا ماحول اور

روایات ہوتی ہیں،اسی طرح وسیم کے خاندان کی بھی اپنی روایات تھیں۔اسے امامہ کے موڈ اور ٹمپرامنٹ کا تھوڑا اندازہ تھا۔

مگر اس طرح اچانک امامہ کی کال وصول کر کے وہ اس حیرت کے جھٹکے سے سنبھل نہیں پارہا تھا جو اسے لگا تھا۔

جب وہ کافی دیر تک سونے میں کامیاب نہیں ہوا تو وہ کچھ جھنجھلا گیا۔

To hell with Imama and all the rest (بھاڑ میں جائے امامہ اور یہ سارا قصہ)وہ بڑبڑایا اور کروٹ لے کر اس نے تکیہ اپنے چہرے کے اوپر رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امامہ اپنے کمرے میں آکر بھی اسی طرح بیٹھی رہی،اسے اپنے پیٹ میں گرہیں پڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔صرف چند گھنٹوں میں سب کچھ بدل گیا تھا۔وہ پوری رات سو نہیں سکی۔صبح وہ ناشتے کے لئے باہر آئی۔اس کی بھوک یک دم جیسے غائب ہو گئی تھی۔

دس ساڑھے دس بجے کے قریب اس نے پورچ میں کچھ گاڑیوں کے سٹارٹ ہونے اور جانے کی آوازیں سنیں۔وہ جانتی تھی اس وقت ہاشم مبین اور اس کے بڑے بھائی آفس چلے

جاتے تھے اور اسے ان کے آفس جانے کا انتظار تھا۔ان کے جانے کے آدھ گھنٹہ بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آئی۔لاؤنج میں اس کی امی اور بھابھی بیٹھی ہوئی تھیں۔وہ خاموشی سے فون کے پاس چلی گئی۔اس نے فون کا ریسیور اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے اپنی امی کی آواز سنائی دی۔

"تمہارے بابا کہہ کر گئے ہیں کہ تم کہیں فون نہیں کرو گی۔"اس نے گردن موڑ کر اپنی امی کو دیکھا۔

"میں اسجد کو فون کر رہی ہوں۔"

"کس لئے؟"

"میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہی فضول باتیں جو تم رات کو کر رہی تھیں۔"سلمیٰ نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے سامنے بات کر رہی ہوں،آپ مجھے بات کرنے دیں۔۔۔۔اگر میں نے کوئی غلط بات کی تو آپ فون بند کر سکتی ہیں۔"اس نے پر سکون انداز میں کہا اور شاید یہ اس کا انداز ہی تھا جس نے سلمیٰ کو کچھ مطمئن کر دیا۔

امامہ نے نمبر ڈائل کیا مگر وہ اسجد کو فون نہیں کر رہی تھی۔ چند بار بیل بجنے کے بعد دوسری طرف فون اٹھالیا گیا۔ فون اٹھانے والا جلال ہی تھا۔ خوشی کی ایک لہر امامہ کے اندر سے گزر گئی۔

"ہیلو! میں امامہ بول رہی ہوں۔" اس نے جلال کا نام لیے بغیر اعتماد سے کہا۔

"تم بتائے بغیر اسلام آباد کیوں چلی گئیں میں کل تم سے ملنے ہاسٹل گیا تھا۔" جلال نے کہا۔

"میں اسلام آباد آئی ہوں اسجد!" امامہ نے کہا۔

"اسجد!" دوسری طرف سے جلال کی آواز آئی۔ "تم کس سے کہہ رہی ہو؟"

"مجھے بابا نے رات ہی بتایا کہ میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔"

"امامہ؟" جلال کو جیسے ایک کرنٹ لگا۔ "شادی کی تاریخ۔" امامہ اس کی بات سنے بغیر اسی پرسکون انداز میں بولتی رہی۔ "میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے اپنے پیرنٹس سے بات کی ہے؟"

"امامہ! میں ابھی بات نہیں کر سکا۔"

"تو پھر تم بات کرو، میں تمہارے علاوہ کسی دوسرے سے شادی نہیں کر سکتی، یہ تم جانتے ہو۔۔۔۔ مگر میں اس طرح کی شادی نہیں کروں گی۔ تم اپنے پیرنٹس سے بات کرواور پھر مجھے بتاؤ کہ وہ کیا کہتے ہیں۔"

"امامہ! کیا تمہارے پاس کوئی ہے۔" جلال کے ذہن میں اچانک ایک جھماکا ہوا۔

"ہاں۔"

"اس لئے تم مجھے اسجد کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"میں اپنے پیرنٹس سے بات کرتا ہوں، تم مجھے دوبارہ رنگ کب کرو گی؟"

"تم مجھے بتادو کہ میں تمہیں کب رنگ کروں؟"

"کل فون کر لو، تمہاری شادی کی تاریخ کب طے کی گئی ہے۔" جلال کی آواز میں پریشانی تھی۔

"یہ مجھے نہیں پتا۔" امامہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے امامہ! میں آج ہی اپنے پیرنٹس سے بات کرتا ہوں۔۔۔۔۔اور تم پریشان مت ہونا۔۔۔۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے امامہ کو تسلی دیتے ہوئے فون بند کر دیا۔

امامہ نے شکر ادا کیا کہ اس کی بھابھی یا امی کو یہ شک نہیں ہو سکا کہ وہ اسجد سے نہیں کسی اور سے بات کر رہی تھی۔

"یہ شادی تمہارے بابا اور اعظم بھائی نے مل کر طے کی ہے۔ تمہارے یا اسجد کے کہنے پر وہ اسے ملتوی نہیں کریں گے۔" سلمیٰ نے اس بار قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"امی! میں مارکیٹ تک جا رہی ہوں، مجھے کچھ ضروری چیزیں لینی ہیں۔" امامہ نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"فون کی بات دوسری ہے مگر میں تمہیں گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ تمہارے بابا نہ صرف مجھے بلکہ چوکیدار کو بھی ہدایت کر گئے ہیں کہ تمہیں باہر جانے نہ دیں۔"

"امی! آپ لوگ میرے ساتھ آخر اس طرح کیوں کر رہے ہیں؟" امامہ نے کچھ بے بسی کے عالم میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔۔ "میں نے آپ کو اپنی شادی سے تو منع نہیں کیا۔ میری ہاؤس جاب تک انتظار کر لیں، اس کے بعد میری شادی کر دیں۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم شادی سے انکار کیوں کر رہی ہو، تمہاری شادی جلد ہو رہی ہے مگر تمہاری مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہی۔" اس بار اس کی بھابھی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"خواہ مخواہ کل رات سے پورا گھر ٹینشن کا شکار ہے اور میں تو تمہیں دیکھ کر حیران ہوں تم تو کبھی بھی اس طرح ضد نہیں کرتی تھیں پھر اب کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔۔۔جب سے تم لاہور گئی ہو بہت عجیب ہو گئی ہو۔"

"اور ہمارے چاہنے سے ویسے بھی کچھ نہیں ہو گا۔ میں نے تمہیں بتایا ہے، تمہارے بابا نے طے کیا ہے یہ سب کچھ۔"

"آپ انہیں سمجھا تو سکتی تھیں۔" امامہ نے سلمیٰ کی بات پر احتجاج کیا۔

"کس بات پر؟" "سمجھاتی تو تب اگر مجھے کوئی بات قابل اعتراض لگتی اور مجھے کوئی بات قابل اعتراض نہیں لگی۔" سلمیٰ نے بڑے آرام سے کہا۔ امامہ غصہ کے عالم میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔



سالار صبح خلاف معمول دیر سے اٹھا۔ گھڑی دیکھتے ہوئے اس نے کالج نہ جانے کا فیصلہ کیا۔ سکندر اور طیبہ کراچی گئے ہوئے تھے اور وہ گھر پر اکیلا ہی تھا، ملازم جس وقت ناشتہ لے کر آیا وہ ٹی وی آن کئے بیٹھا تھا۔

"ذرا ناصرہ کو اندر بھیجنا۔" اسے ملازم کو دیکھ کر کچھ یاد آیا۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد ناصرہ اندر داخل ہوئی۔

"جی صاحب! آپ نے بلایا ہے؟" ادھیڑ عمر ملازمہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں نے بلایا ہے۔۔۔ تم سے ایک کام کروانا ہے۔" سالار نے ٹی وی کا چینل بدلتے ہوئے کہا۔

"ناصرہ! تمہاری بیٹی وسیم کے گھر کام کرتی ہے نا؟" سالار اب ریموٹ رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاشم صاحب کے گھر؟" ناصرہ نے کہا۔

"ہاں، ان ہی کے گھر۔"

"ہاں جی کرتی ہے۔" وہ کچھ حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگی۔

"کس وقت جاتی ہے وہ ان کے گھر؟"

"اس وقت ان کے گھر پر ہی ہے۔۔۔۔ کیا ہوا ہے۔۔۔۔ سالار صاحب؟" ناصرہ اب کچھ پریشان نظر آنے لگی۔

"کچھ نہیں۔۔۔۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کے پاس جاؤ، یہ موبائل اسے دو اور اس سے کہو کہ یہ امامہ کو دے دے۔" سالار نے بڑے لاپرواہ انداز میں اپنا موبائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

ناصرہ ہکا بکا رہ گئی۔ میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔

"یہ موبائل اپنی بیٹی کو دو اور اس سے کہو کسی کو بتائے بغیر یہ امامہ تک پہنچا دے۔"

"مگر کیوں؟"

"یہ جاننا تمہارے لئے ضروری نہیں ہے، تمہیں جو کہا ہے وہی کرو۔" سالار نے ناگواری کے عالم میں اسے جھڑکا۔

"لیکن اگر کسی کو وہاں پتا چل گیا تو۔۔۔۔" ناصرہ کی بات کو اس نے درشتی سے کاٹ دیا۔

"کسی کو پتا تب چلے گا جب تم اپنا منہ کھولو گی۔۔۔۔اور تم اپنا منہ کھولو گی تو صرف تمہیں اور تمہاری بیٹی کو نقصان ہو گا اور کسی کو نہیں۔۔۔۔لیکن اگر تم اپنا منہ بند رکھو گی تو نہ صرف کسی کو پتا نہیں چلے گا بلکہ تمہیں بھی خاصا فائدہ ہو گا۔"

ناصرہ نے اس بار کچھ کہے بغیر خاموشی سے وہ موبائل پکڑ لیا۔"میں پھر کہہ رہا ہوں۔۔۔۔کسی کو اس موبائل کے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیئے۔"وہ اپنا والٹ نکال رہا تھا۔

ناصرہ سر ہلاتے ہوئے جانے لگی۔"ایک منٹ ٹھہرو۔"سالار نے اسے روکا۔وہ اب اپنے والٹ سے کچھ کرنسی نوٹ نکال رہا تھا۔

"یہ لے لو۔"اس نے انہیں ناصرہ کی طرف بڑھا دیئے۔ناصرہ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ نوٹ پکڑ لئے۔وہ جن گھروں میں کام کرتی رہی تھی وہاں کے بچوں کے ایسے بہت سے رازوں سے واقف تھی،اسے بھی پیسے کمانے کا موقع مل گیا تھا۔اس نے فوری اندازہ یہی لگایا تھا کہ امامہ اور سالار کا چکر چل رہا تھا اور یہ موبائل وہ تحفہ تھا جو اسے امامہ کو دینا تھا،مگر اسے حیرانی اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس سب کا اسے پہلے پتا کیوں نہیں چلا۔۔۔۔اور پھر امامہ۔۔۔۔اس کی تو شادی ہو رہی تھی۔۔۔۔پھر وہ کیوں اس طرح کی حرکتیں کر رہی تھی۔

"اور دیکھو ذرا مجھے،میں امامہ بی بی کو کتنا سیدھا سمجھتی رہی۔"ناصرہ کو اب اپنی بے خبری پر افسوس ہو رہا تھا۔



"ابو!میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔"جلال رات کو اپنے والد کے کمرے میں چلا آیا۔اس کے والد اس وقت اپنی ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھے۔

"ہاں آؤ،کیا بات ہے۔"انہوں نے جلال کو دیکھتے ہوئے کہا۔وہ ان کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔کچھ دیر وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا،اس کے والد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا،انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔"انہیں یک دم تشویش ہونے لگی۔

"ابو!میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"جلال نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"کیا؟"انصر جاوید کو اس کے منہ سے اس جملے کی توقع نہیں تھی۔"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ فیصلہ تم نے یک دم کیسے کر لیا۔ کل تک تو تم باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اب آج تم شادی کا ذکر لے بیٹھے ہو۔" انصر جاوید مسکرائے۔

"بس۔۔۔۔ معاملہ ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ مجھے آپ سے بات کرنی پڑ رہی ہے۔"

انصر جاوید سنجیدہ ہو گئے۔

"آپ نے زینب کی دوست امامہ کو دیکھا ہے۔" اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"ہاں! تم اس میں انٹرسٹڈ ہو۔" انصر جاوید نے فوراً اندازہ لگایا۔

جلال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "مگر وہ لوگ تو بہت امیر ہیں۔۔۔۔ اس کا باپ بڑا صنعت کار ہے اور وہ مسلمان بھی نہیں ہے۔" انصر جاوید کا لہجہ بدل چکا تھا۔

"ابو! وہ اسلام قبول کر چکی ہے، اس کی فیملی قادیانی ہے۔" جلال نے وضاحت کی۔

"اس کے گھر والوں کو پتا ہے؟"

"نہیں۔"

"تمہارا خیال ہے وہ یہ پرپوزل قبول کر لیں گے؟" انصر جاوید نے چبھتے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

"ابو! اس کی فیملی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لوگوں کی اجازت کی بغیر ہم شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟" اس بار انصر جاوید نے بلند آواز میں کہا۔ "میں تمہیں کسی حالت میں اجازت نہیں دے سکتا۔"

جلال کا چہرہ اتر گیا۔ "ابو! میری اس کے ساتھ کمٹمنٹ ہے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"مجھ سے پوچھ کر کمٹمنٹ نہیں کی تھی تم نے۔۔۔۔ اور اس عمر میں بہت ساری کمٹمنٹس ہوتی رہتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بندہ اپنی زندگی خراب کر لے۔۔۔۔ انہیں اپنے پیچھے لگا کر ہم سب برباد ہو جائیں گے۔"

"ابو! میں خفیہ طور پر شادی کر لیتا ہوں۔۔۔۔ کسی کو بتائیں گے نہیں تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

"اور اگر پتا چل گیا تو۔۔۔۔ میں ویسے بھی تمہاری تعلیم کے مکمل ہونے تک تمہاری شادی کرنا نہیں چاہتا۔ ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔"

"ابو! پلیز۔۔۔۔ میں اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتا۔" جلال نے مدھم آواز میں اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔۔۔۔ایسا ہے تو تم اس سے کہو کہ وہ اپنے والدین سے اس سلسلے میں بات کرے۔ اگر اس کے والدین مان جاتے ہیں تو میں تم دونوں کی شادی کر دوں گا۔" انہوں نے تیز مگر حتمی لہجے میں کہا۔ "مگر میں تمہاری شادی کسی ایسی لڑکی سے قطعی نہیں کروں گا جو اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف تم سے شادی کرنا چاہے۔۔۔۔"

"ابو! آپ اس کا مسئلہ سمجھیں۔ وہ بری لڑکی نہیں ہے۔۔۔۔وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بس وہ کسی مسلمان سے شادی کرنا چاہتی ہے جس پر اس کے گھر والے راضی نہیں ہوں گے۔" جلال نے دانستہ طور پر اسجد اور اس کی منگنی کا ذکر گول کر دیا۔

"مجھے کسی دوسرے کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تمہیں بھی نہیں ہونی چاہئیے۔ یہ امامہ کا مسئلہ ہے، وہ جانے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچو۔" انصر جاوید نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"ابو! پلیز۔۔۔۔میری بات سمجھیں۔ اس کو مدد کی ضرورت ہے۔۔۔۔"

"بہت سے لوگوں کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے تم کس کس کی مدد کرو گے۔۔۔۔اور ویسے بھی ہمارے اور ان کے اسٹیٹس میں اتنا فرق ہے کہ ان سے کوئی دشمنی یا مخالفت مول لینا

ہمارے بس کی بات نہیں، سمجھے تم اور پھر میں ایک غیر مسلم لڑکی سے شادی کر کے اپنے خاندان والوں کا سامنا کیسے کروں گا۔"

"ابو! وہ مسلمان ہو چکی ہے۔۔۔۔میں نے آپ کو بتایا ہے۔" جلال نے جھنجھلا کر کہا۔

"چار ملاقاتوں میں وہ تم سے اتنی متاثر ہو گئی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔"

"ابو! اس نے مجھے ملنے سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

"تم نے اسلام قبول کرتے دیکھا تھا اسے؟"

"میں اس سے مذہب کے بارے میں تفصیلاً بات کرتا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔"

"بالفرض وہ ایسا کر بھی چکی ہے۔۔۔۔تو پھر اسے اپنے مسائل سے خود نمٹنا چاہئیے۔ تمہیں بیچ میں نہیں گھسیٹنا چاہئیے۔ اپنے والدین سے دوٹوک بات کرے، انہیں بتائے کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہے۔۔۔۔پھر میں اور تمہاری امی دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔۔۔۔دیکھو جلال اگر اس کا خاندان اپنی مرضی اور خوشی سے اس کی شادی تمہارے ساتھ کرنے پر تیار ہو جائے تو میں اسے بخوشی قبول کر لوں گا۔۔۔۔مگر کسی بے نام و نشان لڑکی سے میں تمہاری شادی نہیں کروں گا۔ مجھے اس معاشرہ میں رہنا ہے۔۔۔۔لوگوں کو

منہ دکھانا ہے۔۔۔۔۔بہو کے خاندان کے بارے میں کیا کہوں گا میں کسی سے۔۔۔۔۔یہ کہ وہ گھر چھوڑ کر آئی ہے اور اس نے اپنی مرضی سے میرے بیٹے سے شادی کر لی ہے۔"

"ابو! یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے کہ ہم اس کی مدد کریں اور۔۔۔۔۔"انصر جاوید نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"مذہب کو بیچ میں مت لے کر آؤ، ہر چیز میں مذہب کی شرکت ضروری نہیں ہوتی۔ صرف تم ہی یہ مذہبی فریضہ ادا کرنے والے رہ گئے ہو، باقی سارے مسلمان مر گئے ہیں۔"

"ابو! اس نے مجھ سے مدد مانگی ہے، میں اس لئے کہہ رہا ہوں۔"

"بیٹا! یہاں بات مدد کی یا مذہب کی نہیں ہے، یہاں صرف زمینی حقائق کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بہت اچھی بات ہے کہ تم میں مدد کا جذبہ ہے اور تمہیں اپنے مذہبی فرائض کا احساس ہے مگر انسان پر کچھ حق اس کے والدین کا بھی ہوتا ہے اور یہ حق بھی مذہب نے ہی فرض کیا ہے اور اس حق کے تحت میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے خاندان کی مرضی کے بغیر اس سے شادی نہ کرو۔۔۔۔۔فرض کرو تم اس سے شادی کر بھی لیتے ہو۔۔۔۔۔تو کیا ہو گا۔۔۔۔۔تم تو چند ماہ میں امریکہ ہو گے۔۔۔۔۔اور وہ یہاں گھر بیٹھی ہو گی۔۔۔۔میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ میں تم چاروں کی تعلیم پر بھی خرچ کروں اور اس کی تعلیم پر بھی۔۔۔۔تم اچھی

طرح جانتے ہو کہ تم پر میرا کتنا پیسہ خرچ ہو رہا ہے۔۔۔۔۔تو وہ ڈاکٹر تو نہیں بنے گی۔۔۔۔۔یہاں گھر میں کتنے سال تم اسے بٹھا سکتے ہو۔۔۔۔۔اور اگر اس کے خاندان نے تم پر یا ہم پر کیس کر دیا تو اس صورت میں تم بھی پابند ہو کر رہ جاؤ گے اور میں بھی۔۔۔۔۔تم کو اپنی بہن کا احساس ہونا چاہئیے، تم یہ چاہتے ہو کہ اس عمر میں، میں جیل چلا جاؤں۔۔۔۔۔اور شاید تم بھی۔۔۔۔۔"

جلال کچھ بول نہیں سکا۔

"ان چیزوں کے بارے میں اتنا جذباتی ہو کر نہیں سوچنا چاہئیے۔ میں نے تمہیں راستہ بتا دیا ہے۔۔۔۔۔اس سے کہو اپنے والدین سے بات کر کے انہیں رضامند کرے۔۔۔۔۔ہو سکتا ہے وہ رضامند ہو جائیں پھر مجھے کیا اعتراض ہو گا تم دونوں کی شادی پر لیکن اگر وہ یہ نہیں کرتی تو پھر اس سے کہو کہ وہ کسی اور سے شادی کر لے اور تم ٹھنڈے دل سے سوچو، تمہیں خود پتا چل جائے گا کہ تمہارا فیصلہ کتنا نقصان دہ ہے۔"

انصر جاوید نے آخری کیل ٹھونکی۔



"باجی! میں آپ کا کمرہ صاف کر دوں؟" ملازمہ نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے امامہ سے پوچھا۔

"نہیں، تم جاؤ۔" امامہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کے لیے کہا۔ ملازمہ باہر جانے کی بجائے دروازہ بند کر کے اس کے پاس آگئی۔

"میں نے تم سے کہا ہے نا کہ تم۔۔۔۔" امامہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر پھر اس کی بات حلق میں ہی رہ گئی۔ ملازمہ نے اپنی چادر کے اندر سے ایک موبائل نکالا تھا۔ امامہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"باجی! یہ میری ماں نے دیا ہے، وہ کہہ رہی تھی کہ ساتھ والے سالار صاحب نے آپ کے لیے دیا ہے۔" اس نے امامہ کی طرف عجلت کے عالم میں وہ موبائل بڑھایا۔ امامہ نے تیزی سے موبائل کو جھپٹ لیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"دیکھو، تم کسی کو بتانا مت کہ تم نے مجھے کوئی موبائل لا کر دیا ہے۔" امامہ نے اسے تاکید کی۔

"نہیں باجی! آپ بے فکر رہیں، میں نہیں بتاؤں گی۔ اگر آپ کو بھی کوئی چیز سالار صاحب کے لیے دینی ہو تو مجھے دے دیں۔"

"نہیں، مجھے کچھ نہیں دینا، تم جاؤ۔" اس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

ملازمہ کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے کمرے کو لاک کر لیا۔ کانپتے ہاتھوں اور دل کی بے قابو ہوتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے دراز سے موبائل اور اس پر جلال کا نمبر ڈائل کرنا شروع کیا۔ وہ اسے تفصیل سے ساری بات بتانا چاہتی تھی۔ فون جلال کی امی نے اٹھایا۔

"بیٹا! جلال تو باہر گیا ہوا ہے، وہ تو رات کو ہی آئے گا۔ تم زینب سے بات کر لو۔ اسے بلا دوں؟" جلال کی امی نے کہا۔

"نہیں آنٹی! مجھے کچھ جلدی ہے، میں زینب سے پھر بات کر لوں گی۔ بس میں نے ان سے چند کتابوں کا کہا تھا، مجھے ان ہی کے بارے میں پوچھنا تھا۔ میں دوبارہ فون کر لوں گی۔" امامہ نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

امامہ نے اس دن دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ صرف رات ہونے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ جلال گھر آجائے اور وہ اس سے دوبارہ بات کر سکے۔ شام کے وقت ملازمہ نے اسے اسجد کے فون کی اطلاع دی۔

وہ جس وقت نیچے آئی اس وقت لاؤنج میں صرف وسیم بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے فون کی طرف چلی گئی۔ فون کا ریسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف اسجد کی

آواز سنائی دی تھی۔ بے اختیار امامہ کا خون کھولنے لگا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ اس شادی کو طے کرنے میں اسجد سے زیادہ خود ہاشم مبین کا ہاتھ تھا۔ امامہ کو اس پر غصہ آرہا تھا۔

وہ اس کا حال دریافت کر رہا تھا۔

"اسجد! تم نے اس طرح میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا ہے؟"

"کیسا دھوکہ امامہ!"

"شادی کی تاریخ طے کرنا۔۔۔۔ تم نے اس سلسلے میں مجھ سے بات کیوں نہیں کی۔" وہ کھولتے ہوئے بولی۔

"کیا انکل نے تم سے بات نہیں کی۔"

"انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا اور میں نے ان سے کہا تھا کہ میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"بہر حال اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ اور پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ شادی اب ہو یا کچھ سالوں کے بعد۔" اسجد نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔

"اسجد! تمہیں فرق پڑتا ہو یا نہیں، مجھے پڑتا ہے۔ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے تک شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔۔ اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے تھے۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں مگر اس سارے معاملے میں، میں تو کہیں بھی انوالو نہیں ہوں۔ تمہیں بتا رہا ہوں، شادی انکل کے اصرار پر ہی ہو رہی ہے۔"

"تم اسے رکوا دو۔"

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو امامہ! میں اسے کیسے رکوا دوں۔" اسجد نے کچھ حیرانی سے کہا۔

"اسجد پلیز!"

"امامہ! میں ایسا نہیں کر سکتا، تم میری پوزیشن سمجھو۔ اب تو ویسے بھی کارڈ چھپ چکے ہیں، دونوں گھروں میں تیاریاں ہو رہی ہیں اور۔۔۔۔۔"

امامہ نے اس کی بات سنے بغیر ریسیور پٹخ دیا۔ وسیم نے اس پوری گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے اسجد کے ساتھ ہونے والی اس کی گفتگو سنتا رہا تھا جب امامہ نے فون بند کر دیا تو وسیم نے اس سے کہا۔

"تم خواہ مخواہ ایک فضول بات پر اتنا ہنگامہ کھڑا کر رہی ہو۔ کل بھی تو تم نے شادی اسجد کے ساتھ ہی کرنی ہے پھر اس طرح کر کے تم خود اپنے لئے مسائل پیدا کر رہی ہو۔ بابا تم سے بہت ناراض ہیں۔"

"میں نے تم سے تمہاری رائے نہیں مانگی، تم اپنے کام سے کام رکھو۔ جو کچھ تم میرے ساتھ کر چکے ہو وہ کافی ہے۔"

امامہ اس پر غرائی اور پھر واپس کمرے میں آگئی۔



وہ رات کو بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی مگر ملازم کے کھانا لانے پر اس نے کھانا کھالیا تھا۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب اس نے جلال کو فون کیا۔ فون جلال نے ہی اٹھایا تھا۔ شاید وہ امامہ کے فون کی توقع کر رہا تھا۔ مختصر سی تمہید کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آگیا۔

"امامہ! میں نے ابو سے کچھ دیر پہلے بات کی ہے۔" اس نے امامہ سے کہا۔

"پھر؟" وہ اس کے استفسار پر چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"ابو! اس شادی پر رضامند نہیں ہیں۔"

امامہ کا دل ڈوب گیا۔ "مگر آپ تو کہہ رہے تھے انہیں اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"ہاں، میرا یہی خیال تھا مگر انہیں بہت ساری باتوں پر اعتراض ہے۔ وہ سمجھتے ہیں تمہارے اور ہمارے گھرانے کے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے۔۔۔۔۔ اور وہ تمہارے خاندان کے بارے میں بھی جانتے ہیں اور انہیں سب سے بڑا اعتراض اس بات پر ہے کہ تم اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ انہیں یہ خوف ہے کہ اس صورت میں تمہارے گھر والے میرے گھر والوں کو تنگ کریں گے۔"

وہ ساکت بیٹھی موبائل کان سے لگائے اس کی آواز سنتی رہی۔ "آپ نے انہیں رضامند کرنے کی کوشش نہیں کی۔" ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

"میں نے بہت کوشش کی۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر تمہارے گھر والے اس شادی پر تیار ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بھی راضی ہو جائیں گے۔ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ تمہارا خاندان کیا ہے لیکن تمہارے گھر والوں کی مرضی کے بغیر وہ میری اور تمہاری شادی کو تسلیم نہیں کریں گے۔" جلال نے اس سے کہا۔

"اور آپ۔۔۔۔آپ کیا کہتے ہیں؟"

"امامہ! میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" جلال نے کچھ بے بسی کے عالم میں کہا۔

"جلال! میرے پیرنٹس کبھی آپ سے میری شادی پر تیار نہیں ہوں گے، بصورتِ دیگر ہماری پوری کمیونٹی ان کا بائیکاٹ کردے گی اور وہ یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتے اور پھر آپ اسجد سے میری منگنی کو کیوں بھول رہے ہیں۔"

"امامہ! تم پھر بھی اپنے والدین سے بات تو کرو، ہوسکتا ہے کوئی راستہ نکل آئے۔"

"میں کل بابا سے تھپڑ کھا چکی ہوں۔ صرف یہ بتا کر کہ میں کسی دوسرے میں انٹرسٹڈ ہوں۔" امامہ کی آواز بھرانے لگی۔ "اگر انہیں یہ پتا چل گیا کہ میں جسے پسند کرتی ہوں وہ ان کے مذہب کا نہیں ہے تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ پلیز آپ انکل سے بات کریں۔ آپ انہیں میرا پرابلم بتائیں۔" اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"میں ابو سے کل دوبارہ بات کروں گا اور امی سے بھی۔۔۔۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔" جلال پریشان تھا۔

امامہ نے جس وقت اس سے بات کرنے کے بعد فون بند کیا وہ بے حد دل گرفتہ تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ جلال کے والدین کو اس شادی پر اعتراض ہوگا۔

موبائل ہاتھ میں لیے وہ بہت دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھی رہی۔



"تمہارے ابو مجھ سے پہلے ہی اس سلسلے میں بات کر چکے ہیں اور جو وہ کہہ رہے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہے۔ تم کو اس طرح کے خطروں میں کودنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" جلال کی امی نے قطعی لہجے میں اس سے کہا۔ وہ امامہ کے کہنے پر ان سے بات کر رہا تھا۔

"مگر امی! اس میں خطرے والی کیا بات ہے۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہوگا، آپ خوامخواہ خوفزدہ ہو رہی ہیں۔" جلال نے کچھ احتجاجی انداز میں کہا۔

"تم حماقت کی حد تک بے وقوف ہو۔" اس کی امی نے اس کی بات پر اسے جھڑکا۔ "امامہ کے خاندان اور اس کے والد کو تمہارے ابو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے ساتھ شادی ہونے کی صورت میں وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دیں گے یا ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"امی! ہم اس شادی کو خفیہ رکھیں گے، کسی کو بھی نہیں بتائیں گے۔ میں اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانے کے کچھ عرصہ بعد اسے بھی وہاں بلوالوں گا۔ سب کچھ خفیہ ہی رہے گا کسی کو بھی پتہ نہیں چلے گا۔"

"ہم آخر! امامہ کے لئے کیوں اتنا بڑا خطرہ مول لیں اور تمہیں ویسے بھی یہ پتا ہونا چاہئیے کہ ہمارے یہاں اپنی فیملی میں ہی شادی ہوتی ہے۔ ہمیں امامہ یا کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔" امی نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"مجھے اگر یہ اندازہ ہوتا کہ تم اس طرح اس لڑکی میں دلچسپی لینا شروع کر دو گے تو میں اس سے پہلے ہی تمہاری کہیں نسبت طے کر دیتی۔" اس کی امی نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"امی! میں امامہ کو پسند کرتا ہوں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم اسے پسند کرتے ہو یا نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اس بارے میں، میں اور تمہارے ابو کیا سوچتے ہیں۔۔۔۔ اور ہم دونوں کو نہ تو وہ پسند ہے اور نہ ہی اس کا خاندان۔" امی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"امی! وہ بہت اچھی لڑکی ہے، آپ اسے بہت اچھی طرح جانتی ہیں، وہ یہاں آتی رہی ہے اور تب تو آپ اس کی بہت زیادہ تعریف کرتی تھیں۔" جلال نے انہیں یاد دلایا۔

"تعریف کرنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں اسے اپنی بہو بنالوں۔" وہ خفگی سے بولیں۔

"امی! کم از کم آپ تو ابو جیسی باتیں نا کریں۔ تھوڑا سا ہمدردی سے سوچیں۔" اس بار جلال نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔

"جلال! تمہیں احساس ہونا چاہئیے کہ تمہاری اس ضد اور فیصلے سے ہمارے پورے خاندان پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوں گے۔ ہمارا بھی خواب ہے کہ ہم تمہاری شادی کسی اچھے اور اونچے خاندان میں کریں۔ تمہارے ابو اگر تمہیں اس شادی کی اجازت دے بھی دیں تو بھی میں کبھی نہیں دوں گی۔ نہ ہی میں امامہ کو اپنی بہو کے طور پر قبول کروں گی۔"

"امی! آپ اس کی صورتِ حال کو سمجھیں، وہ کتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہے۔ اس وقت اسے مدد کی ضرورت ہے۔"

"اگر وہ اتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہے تو پھر اسے کم از کم دوسرے کے لیے کوئی پریشانی کھڑی نہیں کرنی چاہئیے۔ میں اسے برا نہیں کہہ رہی۔ وہ بہت اچھا فیصلہ کر رہی ہے مگر ہم لوگوں کو اپنی کچھ مجبوریاں ہیں۔ تم کچھ عقل سے کام لو۔ تمہیں اسپیشلائزیشن کے لیے باہر جانا ہے۔ اپنا ہاسپٹل بنانا ہے۔" اس کی امی نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ "بیٹا! اچھے خاندان میں شادی ہو تو انسان کو آگے بڑھنے کے لیے بہت سے مواقع ملتے ہیں اور تمہارے لیے تو پہلے ہی بہت

سے خاندانوں کی طرف سے پیغام آرہے ہیں۔جب اسپیشلائزیشن کرلوگے تو کتنے اونچے خاندان میں تمہاری شادی ہوسکتی ہے۔تمہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہے۔خود سوچو، صرف امامہ سے شادی کرکے تمہیں کیا ملے گا۔۔۔۔خاندان اس کا بائیکاٹ کرچکا ہو گا۔۔۔۔۔معاشرے میں جو بدنامی ہوگی، وہ الگ ہے۔۔۔۔۔اور تم سے شادی ہو بھی جائے تو کل کو تمہارے بچے تمہارے اور امامہ کے بارے میں کیا سوچیں گے۔۔۔۔۔یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں ہے ساری عمر کی بات ہے۔"امی اسے سنجیدہ لہجے میں سمجھا رہی تھیں۔جلال کسی اعتراض یا احتجاج کے بغیر خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

اس کے چہرے سے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ قائل ہوا ہے یا نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امامہ نے اگلی رات جلال کو پھر فون کیا۔فون جلال نے ہی اٹھایا تھا۔

"امامہ! میں نے امی سے بھی بات کی ہے۔وہ ابو سے زیادہ ناراض ہوئی ہیں میری بات پر۔"امامہ کا دل گویا مکمل ڈوب گیا۔

"وہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے ایک فضول معاملے میں خود انوالو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"جلال نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔"میں نے انہیں تمہارے پرابلم کے بارے میں بھی بتایا ہے مگر ان کا کہنا ہے کہ یہ تمہارا پرابلم ہے، ہمارا نہیں۔"

امامہ کو اس کے لفظوں سے شدید تکلیف ہوئی تھی۔

"میں نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ رضامند نہیں ہیں اور نہ ہی ہوں گی۔"جلال کی آواز دھیمی ہوگئی تھی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے جلال!"اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ کسی موہوم سی اُمید پر کہا۔

"میں جانتا ہوں امامہ! مگر میں کچھ نہیں کر سکتا۔میرے والدین اس پرپوزل پر راضی نہیں ہیں۔"

"کیا تُم ان کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟"

"نہیں، یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔مجھے ان سے اتنی محبت ہے کہ میں انہیں ناراض کر کے تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"پلیز جلال!"وہ گڑگڑائی۔"تمہارے علاوہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"میں اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کر سکتا، تم مجھے اس کے لیے مجبور نہ کرو۔"

"میں آپ کو نافرمانی کے لیے نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں تو آپ سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہوں۔"

اس کے اعصاب چٹخ رہے تھے۔ اسے یاد نہیں تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی کسی سے اتنے التجائیہ اور منت بھرے انداز میں بات کی ہو۔

"آپ مجھ سے صرف نکاح کر لیں، اپنے والدین کو اس کے بارے میں نہ بتائیں۔ بے شک آپ بعد میں ان کی مرضی سے بھی شادی کر لیں، میں اعتراض نہیں کروں گی۔"

"تم اب بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ خود سوچو اگر ایسے کسی نکاح کے بارے میں ابھی میرے والدین کو پتا چل جاتا ہے تو وہ کیا کریں گے۔۔۔۔ وہ تو مجھے گھر سے نکال دیں گے۔۔۔۔ اور پھر تم اور میں کیا کریں گے۔"

"ہم محنت کر لیں گے، کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔"

"تمہارے اس کچھ نہ کچھ سے میں باہر پڑھنے جا سکوں گا؟" اس بار جلال کا لہجہ چبھتا ہوا تھا، وہ بول نہیں سکی۔

"نہیں امامہ! میرے اتنے خواب اور خواہشات ہیں کہ میں انہیں تمہارے لیے یا کسی کے لیے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے تم سے محبت ہے اس میں کوئی شک نہیں مگر میں اس جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا جس کا مظاہرہ تم کر رہی ہو۔ تم دوبارہ مجھے فون مت کرنا کیونکہ میں اب اس سارے معاملے کو یہیں ختم کر دینا چاہتا ہوں، مجھے تم سے ہمدردی ہے مگر تم اپنے اس مسئلے کا حل خود نکالو، میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا، خدا حافظ۔"

جلال نے فون بند کر دیا۔

رات دس بج کر پچاس منٹ پر اسے اپنے ارد گرد کی پوری دنیا دھوئیں میں تحلیل ہوتی نظر آئی۔ کسی چیز کے مٹھی میں ہونے اور پھر دور دور تک کہیں نہ ہونے کا فرق کوئی امامہ سے بہتر نہیں بتا سکتا تھا۔ ماؤف ذہن اور شل ہوتے ہوئے اعصاب کے ساتھ وہ بہت دیر تک کسی بت کی طرح اپنے بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی رہی۔

مجھے بتا دینا چاہئیے اب بابا کو سب کچھ۔۔۔۔ اس کے سوا اب اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔۔۔۔ شاید وہ خود ہی مجھے اپنے گھر سے نکال دیں۔۔۔۔ کم از کم مجھے اس گھر سے تو رہائی مل جائے گی۔



"میں اسجد سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تو شاپنگ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" امامہ نے مستحکم لہجے میں امی سے کہا۔ سلمیٰ اسے اگلے روز اپنے ساتھ مارکٹ جانے کا کہنے کے لیے آئی تھیں۔

"پہلے تمہیں شادی پر اعتراض تھا، اب تمہیں اسجد سے شادی پر اعتراض ہے، آخر تُم چاہتی کیا ہو۔" سلمیٰ اس کی بات پر مشتعل ہو گئیں۔

"صرف یہ کہ آپ اسجد سے میری شادی نہ کریں۔"

"تو پھر کس سے کرنا چاہتی ہو تم۔" ہاشم مبین اچانک کھلے دروازے سے اندر آ گئے تھے۔ یقیناً انہوں نے باہر کوریڈور میں امامہ اور سلمیٰ کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور وہ اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ پائے تھے۔ امامہ یک دم چپ ہو گئی۔

"بولو، کس سے کرنا چاہتی ہو۔۔۔۔۔ اب منہ بند کیوں ہو گیا ہے، آخر تم اسجد سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی۔۔۔۔۔ کیا تکلیف ہے تمہیں۔" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

"بابا! شادی ایک بار ہوتی ہے اور وہ میں اپنی پسند سے کروں گی۔" وہ ہمت کر کے بولی۔

"کل تک اسجد تمہاری پسند تھا۔" ہاشم مبین نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کل تھا، اب نہیں ہے۔"

"کیوں، اب کیوں نہیں ہے؟" امامہ کچھ کہے بغیر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"بولو، اب کیوں پسند نہیں ہے وہ تمہیں۔" ہاشم مبین نے بلند آواز میں پوچھا۔

"بابا! میں کسی مسلمان سے شادی کروں گی۔" ہاشم مبین کو لگا آسمان ان کے سر پر گر پڑا تھا۔

"کیا۔۔۔۔۔ کہا تم نے۔۔۔۔۔؟" انہوں نے بے یقینی سے کہا۔

"میں کسی غیر مسلم سے شادی نہیں کروں گی کیونکہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔"

کمرے میں اگلے کئی منٹ تک مکمل خاموشی رہی۔ سلمیٰ کو جیسے سکتہ ہو گیا تھا اور ہاشم مبین۔۔۔۔۔ وہ ایک پتھر کے مجسمے کی طرح اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کا منہ کھلا ہوا تھا وہ جیسے سانس لینا بھول گئے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی انہیں زندگی میں اپنی اولاد اور وہ بھی اپنی سب سے لاڈلی بیٹی کے سامنے اس طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کے چالیس سال مکمل طور پر بھنور کی زد میں آ گئے تھے۔

"تم کیا بکواس کر رہی ہو۔" ہاشم مبین کے اندر اشتعال کی ایک لہر اٹھی تھی۔

"بابا! آپ جانتے ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں۔ آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"تم پاگل ہوگئی ہو۔" انہوں نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔ امامہ نے کچھ کہنے کی بجائے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ ہاشم مبین کی ذہنی کیفیت کو سمجھ سکتی تھی۔ "اس لیے تمہیں پیدا کیا۔۔۔۔۔ تمہاری پرورش کی کہ تم۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔" ہاشم مبین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہیں۔ "صرف اسجد سے شادی نہ کرنے کے لیے تم یہ سب کررہی ہو، صرف اس لیے کہ تمہاری شادی اس آدمی سے کردیں جس سے تم چاہتی ہو۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے۔۔۔۔۔ تم بے وقوف سمجھتی ہو مجھے۔" ان کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔

"آپ میری شادی کسی بھی آدمی سے کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس وہ آپ کی کمیونٹی سے نہ ہو۔۔۔۔۔ پھر آپ کم از کم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ میں کسی خاص آدمی کے لیے یہ سب کررہی ہوں۔"

ہاشم مبین اس کی بات پر دانت پیسنے لگے۔

"تم جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیداوار۔۔۔۔۔ تمہیں پتا کیا ہے۔۔۔۔۔"

"میں سب جانتی ہوں بابا! میری عمر بیس سال ہے، میں آپ کی انگلی پکڑ کر چلنے والی بچی نہیں ہوں۔۔۔۔۔ میں جانتی ہوں آپ کے اس مذہب کی وجہ سے ہمارے خاندان پر بڑی برکات نازل کی گئی ہیں۔"

وہ بڑے مستحکم اور ہموار انداز میں کہتی گئی۔ "تم۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ بخشش نہیں ہوگی تمہاری۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔"

ہاشم مبین غصے کے عالم میں انگلی اٹھا کر بولنے لگے۔ امامہ کو ان پر ترس آنے لگا۔ اسے دوزخ میں کھڑے ہو کر دوزخ سے ڈرانے والے شخص پر ترس آیا، اسے آنکھوں پر پٹی باندھ کر پھرنے والے شخص پر ترس آیا، اسے مہر شدہ دل والے آدمی پر ترس آیا، اسے نفس زدہ آدمی پر ترس آیا، اسے گمراہی کی سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑے آدمی پر ترس آیا۔

"تم گمراہی کے رستے پر چل پڑی ہو۔۔۔۔۔ چند کتابیں پڑھ کر تم۔۔۔۔۔" امامہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ اس بارے میں مجھ سے بحث نہیں کرسکیں گے، میں سب کچھ جانتی ہوں، تحقیق کر چکی ہوں، تصدیق کر چکی ہوں۔ آپ مجھے کیا بتائیں گے، کیا سمجھائیں گے۔ آپ نے اپنی مرضی کا راستہ چن لیا ہے، میں نے اپنی مرضی کا راستہ چن لیا۔ آپ وہ کررہے ہیں جو آپ

صحیح سمجھتے ہیں، میں وہ کر رہی ہوں جو میں صحیح سمجھتی ہوں۔" آپ کا عقیدہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میرا عقیدہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ کیا اب یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ میرے اس فیصلے کو قبول کر لیں، جذباتی حماقت کی بجائے بہت سوچ سمجھ کر اٹھایا جانے والا قدم سمجھ کر۔"

اس نے بڑی رسانیت اور سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ ہاشم مبین کی ناراضی میں اور اضافہ ہوا۔

"میں۔۔۔۔۔ میں اپنی بیٹی کو مذہب بدلنے دوں تاکہ پوری کمیونٹی میرا بائیکاٹ کر دے۔۔۔۔۔ میں فٹ پاتھ پر آ جاؤں۔۔۔۔۔ نہیں امامہ! یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارا اگر دماغ بھی خراب ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا دماغ بھی خراب ہو جائے۔ کوئی بھی مذہب اختیار کرو مگر تمہاری شادی میں اسجد سے ہی کروں گا، تمہیں اسی کے گھر جانا ہو گا۔۔۔۔ اس کے گھر چلی جاؤ اور پھر وہاں جا کر طے کرنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ ہو سکتا ہے تمہیں عقل آ جائے۔"

وہ غصے کے عالم میں کمرے سے نکل گئے۔

"مجھے پتا ہوتا کہ تمہاری وجہ سے ہمیں اتنی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا تو میں پیدا ہوتے ہی تمہارا گلا دبا دیتی۔" ہاشم مبین کے جاتے ہی سلمیٰ نے کھڑے ہوتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔ "تم نے ہماری عزت خاک میں ملانے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

امامہ کچھ کہنے کی بجائے خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ کچھ دیر اسی طرح بولتی رہیں پھر کمرے سے چلی گئیں۔

انہیں اس کے کمرے سے گئے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا جب دروازے پر دستک دے کر اسجد اندر داخل ہوا۔ امامہ کو اس کے اس وقت وہاں آنے کی توقع نہیں تھی۔ اسجد کے چہرے پر پریشانی بہت نمایاں تھی۔ یقیناً اسے ہاشم مبین نے بلوایا تھا اور وہ اسے سب کچھ بتا چکے تھے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے امامہ؟" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی اسے دیکھتے رہی۔

"تم کیوں کر رہی ہو یہ سب کچھ۔"

"اسجد! تمہیں اگر یہ بتا دیا گیا ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں تو پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہو گا کہ میں کیوں کر رہی ہوں۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کیا کر رہی ہو۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے اندازہ ہے۔"

"اس عمر میں انسان جذبات میں آ کر بہت سے غلط فیصلے کر لیتا ہے۔۔۔۔۔"

امامہ نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "جذبات میں آکر۔۔۔۔۔؟ کوئی جذبات میں آکر مذہب تبدیل کرتا ہے؟ کبھی نہیں۔۔۔۔۔ میں چار سال سے اسلام کے بارے میں پڑھ رہی ہوں، چار سال کم نہیں ہوتے۔"

"تم لوگوں کی باتوں میں آگئی ہو۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔"

"نہیں، میں کسی کی باتوں میں نہیں آئی۔ میں نے جس چیز کو غلط سمجھا اسے چھوڑ دیا اور بس۔"

وہ کچھ دیر بے چارگی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹکتے ہوئے اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے ان سب باتوں کو چھوڑو، شادی پر کیوں اعتراض ہے تمہیں۔۔۔۔۔ تمہارے عقائد میں جو تبدیلی آئی ہے وہ ایک طرف۔ کم از کم شادی تو ہونے دو۔"

"میری اور تمہاری شادی جائز نہیں۔"

وہ اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔ "کیا میں غیر مسلم ہوں؟"

"ہاں، تم ہو۔۔۔۔۔"

"انکل ٹھیک کہہ رہے تھے کسی نے واقعی تمہارا برین واش کر دیا ہے۔" اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھر تم ایک ایسی لڑکی سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو۔ بہتر ہے تم کسی اور سے شادی کرو۔" اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی زندگی برباد کر لو۔" وہ اس کی بات پر عجیب سے انداز میں ہنسی۔

"زندگی برباد۔۔۔۔۔ کون سی زندگی۔۔۔۔۔ یہ زندگی جو میں تم جیسے لوگوں کے ساتھ گزار رہی ہوں۔ جنہوں نے پیسے کے لیے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا۔۔۔۔۔"

"Behave yourself۔۔۔۔۔ تم بات کرنے کے تمام مینرز بھول گئی ہو۔ کس کے بارے میں کیا کہنا چاہئیے اور کیا نہیں، تم نے سرے سے ہی فراموش کر دیا ہے۔" اسجد اسے ڈانٹنے لگا۔

"میں ایسے کسی شخص کا احترام نہیں کر سکتی جو لوگوں کو گمراہ کر رہا ہو۔" امامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"جس عمر میں تم ہو۔۔۔۔اس عمر میں ہر کوئی اسی طرح کنفیوز ہو جاتا ہے جس طرح تم کنفیوز ہو رہی ہو۔ جب تم اس عمر سے نکلو گی تو تمہیں احساس ہو گا کہ ہم لوگ صحیح تھے یا غلط۔" اسجد نے ایک بار اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اگر تم لوگوں کو یہ لگتا ہے کہ میں غلط ہوں، تب بھی تم لوگ مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ اس طرح مجھے گھر میں قید کر کے کیوں رکھا ہوا ہے اگر تم لوگوں کو اپنے مذہب کی صداقت پر اتنا یقین ہے تو مجھے اس گھر سے چلے جانے دو۔۔۔۔ حقیقت کو جانچنے دو۔۔۔۔"

"اگر کوئی اپنا، اپنے آپ کو نقصان پہنچانے پر تل جائے تو اسے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا اور وہ بھی ایک لڑکی کو۔۔۔۔ امامہ! تم اس مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھو، اپنی فیملی کا خیال کرو، تمہاری وجہ سے سب کچھ داؤ پر لگ گیا ہے۔"

"میری وجہ سے کچھ بھی داؤ پر نہیں لگا۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔۔ اور اگر کچھ داؤ پر لگا بھی ہے تو میں اس کی پرواہ کیوں کروں۔ میں تم لوگوں کے لئے دوزخ میں کیوں جاؤں، صرف خاندان کے نام کی خاطر اپنا ایمان کیوں گنواؤں۔ نہیں اسجد! میں تم لوگوں کے ساتھ گمراہی کے اس راستے پر نہیں چل سکتی۔ مجھے وہ کرنے دو جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"مجھ سے اگر تم نے زبردستی شادی کر بھی لی تو بھی تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں تمہاری بیوی نہیں بنوں گی، میں تم سے وفا نہیں کروں گی۔ مجھے جب بھی موقع ملے گا، میں بھاگ جاؤں گی۔ تم آخر کتنے سال مجھے اس طرح قید کر کے رکھ سکو گے، کتنے سال مجھ پر پہرے بٹھاؤ گے۔۔۔۔۔ مجھے صرف چند لمحے چاہئیں ہوں گے تمہارے گھر، تمہاری قید سے بھاگ جانے کے لیے۔۔۔۔ اور میں۔۔۔۔ میں تمہارے بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ تم ساری عمر انہیں دوبارہ دیکھ نہیں سکو گے۔"

وہ اسے مستقبل کا نقشہ دکھا کر خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اگر میں تمہاری جگہ پر ہوتی تو میں کبھی امامہ ہاشم جیسی لڑکی سے شادی نہ کروں۔۔۔۔ یہ سراسر خسارے کا سودا ہو گا۔۔۔۔ حماقت اور بے وقوفی کی انتہا ہو گی۔۔۔۔ تم اب بھی سوچ لو۔۔۔۔ اب بھی پیچھے ہٹ جاؤ۔۔۔۔ تمہارے سامنے تمہاری ساری زندگی پڑی ہے۔۔۔۔ تم کسی بھی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے پُرسکون زندگی گزار سکتے ہو۔۔۔۔ کسی پریشانی۔۔۔۔ کسی بے سکونی کے بغیر مگر میرے ساتھ نہیں۔ میں تمہارے لیے بدترین بیوی ثابت ہوں گی، تم اس سارے معاملے سے الگ ہو جاؤ، شادی سے انکار کر دو، انکل اعظم سے کہہ دو کہ تم مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتے یا کچھ عرصے کے لیے گھر سے غائب ہو جاؤ۔ جب تمام معاملہ ختم ہو جائے تو پھر آ جانا۔"

"تم مجھے اس طرح کے احمقانہ مشورے مت دو، میں کسی بھی قیمت پر تم سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ کسی بھی قیمت پر۔ نہ میں انکار کروں گا، نہ اس معاملے سے الگ ہوں گا، نہ ہی گھر سے کہیں جاؤں گا۔۔۔۔ میں تم سے ہی شادی کروں گا امامہ! اب یہ ہمارے خاندان کی عزت اور ساکھ کا معاملہ ہے۔ یہ شادی نہ ہونے اور تمہارے گھر سے چلے جانے سے ہمارے پورے خاندان کو جتنا نقصان اٹھانا پڑے گا اس کا تمہیں بالکل اندازہ نہیں ورنہ تم مجھے کبھی یہ مشورہ نہ دیتیں۔ جہاں تک بُری بیوی ثابت ہونے یا گھر سے بھاگ جانے کا تعلق

ہے۔۔۔۔ تو یہ سب بعد کا مسئلہ ہے۔ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، تم اس طرح کے ٹمپرامنٹ کی مالک نہیں ہو کہ دوسروں کو بے جا پریشان کرتی رہو۔۔۔۔ اور وہ بھی مجھے ، جس سے تمہیں محبت ہے۔" اسجد بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہے، مجھے کبھی بھی تم سے محبت نہیں رہی۔۔۔۔ کبھی بھی۔۔۔۔ میں ذہنی طور پر تمہارے ساتھ اپنے تعلق اور رشتے کو اس وقت سے ذہن سے نکال چکی ہوں جب میں نے اپنا مذہب چھوڑا تھا۔ تم میری زندگی میں اب کہیں نہیں ہو، کہیں بھی نہیں۔۔۔۔ اگر میں اپنے گھر والوں کے لئے مسائل کھڑے کر سکتی ہوں تو کل تمہارے لیے کتنے مسائل کھڑے کروں گی تمہیں اس کا احساس ہونا چاہیئے اور اس غلط فہمی سے باہر

نکل آنا چاہیئے۔۔۔۔ ہم دونوں کبھی بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ میں تم لوگوں کے خاندان کا حصہ کبھی نہیں بنوں گی۔

نہیں اسجد! تمہارے اور میرے درمیان بہت فاصلہ ہے، اتنا فاصلہ کہ میں تمہیں دیکھ تک نہیں سکتی اور میں اس فاصلے کو کبھی ختم نہیں ہونے دوں گی۔ میں کبھی بھی تم سے شادی کے لئے تیار نہیں ہوں گی۔"

اسجد بدلتی ہوئی رنگت کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟"

"تمہارا کیا خیال ہے اب تک میں اس کے علاوہ کیا کر رہا ہوں۔" سالار نے پوچھا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی، پھر اس نے کہا۔ "کیا تم لاہور جا کر جلال سے مل سکتے ہو۔" سالار نے ایک لمحہ کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں۔

"کس لئے۔" اسے امامہ کی آواز بہت بھاری لگ رہی تھی۔ یوں جیسے اسے فلو تھا پھر اچانک اس کو خیال آیا کہ وہ یقیناً روتی رہی ہو گی۔ یہ اسی کا اثر تھا۔

"تم میری طرف سے اس سے ریکویسٹ کرو کہ وہ مجھ سے شادی کر لے۔۔۔۔۔ ہمیشہ کے لیے نہیں تو کچھ دنوں کے لیے ہی۔۔۔۔۔ میں اس گھر سے نکلنا چاہتی ہوں اور میں کسی کی مدد کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکتی۔۔۔۔۔ بس وہ مجھ سے نکاح کر لے۔"

"تمہارا تو اس سے فون پر رابطہ ہے تو پھر تم یہ سب خود اس سے فون پر کیوں نہیں کہہ دیتیں۔" سالار نے چپس کھاتے ہوئے بڑے اطمینان سے اسے مشورہ دیا۔

"میں کہہ چکی ہوں۔" اسے امامہ کی آواز پہلے سے زیادہ بھرائی ہوئی لگی۔

"پھر؟"

"اس نے انکار کر دیا ہے۔"

"ویری سیڈ۔" سالار نے افسوس کا اظہار کیا۔

"تو یہ ون سائیڈڈ لو افیئر تھا۔" اس نے کچھ تجسس کے عالم میں پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر اس نے انکار کیوں کر دیا؟"

"تم یہ جان کر کیا کرو گے۔" وہ کچھ چڑ کر بولی۔ سالار نے ایک اور چپس اپنے منہ میں ڈالا۔

"میرے وہاں جا کر اس سے بات کرنے سے کیا ہو گا، بہتر ہے تم ہی دوبارہ اس سے بات کر لو۔"

"وہ مجھ سے بات نہیں کر رہا، وہ فون نہیں اٹھاتا۔ ہاسپٹل میں بھی کوئی اسے فون پر نہیں بلا رہا۔ وہ جان بوجھ کر کترا رہا ہے۔" امامہ نے کہا۔

"تو پھر تم اس کے پیچھے کیوں پڑی ہو، جانے دو اسے۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔"

"تم یہ سب کچھ نہیں سمجھ سکتے، تم صرف میری مدد کرو، ایک بار جا کر اسے میری صورت حال کے بارے میں بتاؤ، وہ مجھ سے اس طرح نہیں کر سکتا۔"

"اور اگر اس نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا تو۔"

"پھر بھی تم اس سے بات کرنا، شاید۔۔۔۔۔ شاید کوئی صورت نکل آئے، میرا مسئلہ حل ہو جائے۔"

سالار کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی، اسے امامہ کے حال پر ہنسی آ رہی تھی۔

فون بند کرنے کے بعد چپس کھاتے ہوئے بھی وہ اس سارے معاملے کے بارے میں سوچتا رہا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اس سارے معاملے میں زیادہ سے زیادہ انوالو ہوتا جارہا تھا۔ یہ اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا ایڈونچر محسوس ہو رہا تھا۔ پہلے امامہ تک فون پہنچانا اور اب جلال سے رابطہ۔۔۔۔۔امامہ کا بوائے فرینڈ۔۔۔۔۔اس نے چپس کھاتے ہوئے زیرِ لب دُہرایا۔ امامہ نے اسے اس کے ہاسپٹل اور گھر کے تمام کوائف سے آگاہ کر دیا تھا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے جلال انصر سے مل کر کیا کہنا ہے۔



سالار نے اس شخص کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور وہ خاصا مایوس ہوا۔ سامنے کھڑا لڑکا بڑی عام سی شکل و صورت کا تھا۔ سالار کے لمبے قد اور خوبصورت جسم نے اسے صنفِ مخالف کے لئے کسی حد تک پر کشش بنا دیا تھا مگر سامنے کھڑا ہوا وہ شخص ان دونوں چیزوں سے محروم تھا۔ وہ نارمل قد و قامت کا مالک تھا۔ اس کے چہرے پر داڑھی نہ ہوتی تو وہ پھر بھی قدرے بہتر نظر آتا۔ سالار سکندر کو جلال انصر سے مل کر مایوسی سی ہوئی تھی۔ امامہ اب اسے پہلے سے زیادہ بے وقوف لگی۔

"میں جلال انصر ہوں، آپ ملنا چاہتے ہیں مجھ سے؟"

"میرا نام سالار سکندر ہے۔" سالار نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"معاف کیجئیے گا مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"ظاہر ہے آپ پہچان بھی کیسے سکتے ہیں۔ میں پہلی بار آپ سے مل رہا ہوں۔"

سالار اس وقت جلال کے ہاسپٹل میں اسے ڈھونڈتے ہوئے آیا۔ چند لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کرنے پر وہ اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس وقت وہ ڈیوٹی روم کے باہر کھڑے تھے۔

"کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟" جلال اب کچھ حیران نظر آیا۔

"بیٹھ کر بات۔۔۔۔۔مگر کس سلسلے میں۔"

"امامہ کے سلسلے میں۔"

جلال کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "آپ کون ہیں؟"

"میں اس کا دوست ہوں۔" جلال کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر بدل گیا۔ وہ چپ چاپ ایک طرف چلنے لگا۔ سالار اس کے ساتھ تھا۔

"پارکنگ میں میری گاڑی کھڑی ہے، وہاں چلتے ہیں۔" سالار نے کہا۔

گاڑی تک پہنچنے اور اس کے اندر بیٹھنے تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔

"میں اسلام آباد سے آیا ہوں۔" سالار نے کہنا شروع کیا۔

"امامہ چاہتی تھی کہ میں آپ سے بات کروں۔"

"امامہ نے کبھی مجھ سے آپ کا ذکر نہیں کیا۔" جلال نے کچھ عجیب سے انداز میں کہا۔

"آپ امامہ کو کب سے جانتے ہیں؟"

"تقریباً بچپن سے۔۔۔۔۔ ہم دونوں کے گھر ساتھ ساتھ ہیں۔ بڑی گہری دوستی ہے ہماری۔"

سالار نہیں جانتا اس نے آخری جملہ کیوں کہا۔ شاید یہ جلال کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ تھے جن سے وہ کچھ اور محفوظ ہونا چاہتا تھا۔ وہ جلال کے چہرے پر نمودار ہونے والی ناپسندیدگی دیکھ چکا تھا۔

"امامہ سے میری بہت تفصیلی بات ہو چکی ہے، اتنی تفصیلی بات کے بعد اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" جلال نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"امامہ چاہتی ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔" سالار نے جیسے نیوز بلیٹن پڑھتے ہوئے کہا۔

"میں اپنا جواب اسے بتا چکا ہوں۔"

"وہ چاہتی ہے آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"وہ اس گھر میں اپنے والدین اور گھر والوں کی قید میں ہے۔ وہ چاہتی ہے آپ اگر ہمیشہ کے لیے نہیں تو وقتی طور پر اس سے نکاح کریں اور پھر بیلف کی مدد سے اسے چھڑا لیں۔"

"یہ ممکن ہی نہیں ہے، وہ ان کی قید میں ہے تو نکاح ہو ہی کیسے سکتا ہے۔"

"فون پر۔"

"نہیں، میں اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا۔ میں ایسے معاملات میں انوالو ہونا ہی نہیں چاہتا۔" جلال نے کہا۔ "میرے والدین مجھے اس شادی کی اجازت نہیں دیں گے اور پھر وہ امامہ کو قبول کرنے پر تیار بھی نہیں ہیں۔"

جلال کی نظریں اب سالار کے بالوں کی پونی پر جمی ہوئی تھیں، یقیناً سالار کی طرح اس نے بھی اسے ناپسندیدہ قرار دیا ہو گا۔

"اس نے کہا کہ آپ وقتی طور پر اس سے صرف نکاح کر لیں تاکہ وہ اپنے گھر سے نکل سکے، بعد میں آپ چاہیں تو اسے طلاق دے دیں۔"

"میں نے کہا میں اس کی مدد نہیں کر سکتا اور پھر اس طرح کے معاملات۔۔۔۔۔آپ خود اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔۔۔۔۔اگر وقتی شادی کی بات ہے تو آپ کر لیں۔ آخر آپ اس کے دوست ہیں۔"

جلال نے کچھ چبھتے ہوئے انداز میں سالار سے کہا۔ "آپ اسلام آباد سے لاہور اس کی مدد کے لیے آ سکتے ہیں تو پھر یہ کام بھی کر سکتے ہیں۔"

"اس نے مجھ سے شادی کا نہیں کہا، اس لئے میں نے اس بارے میں نہیں سوچا۔" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا۔ "ویسے بھی وہ آپ سے محبت کرتی ہے، مجھ سے نہیں۔"

"مگر عارضی شادی یا نکاح میں تو محبت کا ہونا ضروری نہیں۔ بعد میں آپ بھی اسے طلاق دے دیں۔" جلال نے مسئلے کا حل نکال لیا تھا۔

"آپ کا مشورہ میں اسے پہنچا دوں گا۔" سالار نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر امامہ سے کہیں کہ وہ کوئی اور طریقہ اپنائے۔۔۔۔۔بلکہ آپ کسی نیوز پیپر کے آفس چلے جائیں اور انہیں امامہ کے بارے میں بتائیں کہ کس طرح اس کے خاندان نے اسے زبردستی قید کر رکھا ہے۔ جب میڈیا اس معاملے کو ہائی لائٹ کرے گا تو خود ہی وہ امامہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے یا پھر آپ پولیس کو اس معاملے کی اطلاع دیں۔"

سالار کو حیرانی ہوئی۔ جلال کی تجویز بری نہیں تھی۔ واقعی امامہ اس بارے میں کیوں نہیں سوچ رہی تھی۔ یہ راستہ زیادہ محفوظ تھا۔

"میں آپ کا یہ مشورہ بھی اسے پہنچا دوں گا۔"

"آپ دوبارہ میرے پاس نہ آئیں بلکہ امامہ سے بھی یہ کہہ دیں کہ وہ مجھ سے کسی بھی طریقے یا ذریعے سے دوبارہ رابطہ نہ کرے۔ میرے والدین ویسے بھی میری منگنی کرنے والے ہیں۔" جلال نے جیسے انکشاف کیا۔

""ٹھیک ہے، میں یہ ساری باتیں اس تک پہنچا دوں گا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔ جلال مزید کچھ کہے بغیر گاڑی سے اُتر گیا۔

اگرامامہ کو یہ توقع تھی کہ سالار جلال کو اس سے شادی کرنے کے لیے قائل کرے گا تو یہ اس کی سب سے بڑی بھول تھی۔ وہ امامہ سے کوئی ہمدردی رکھتا تھا نہ ہی کسی خوفِ خدا کے تحت اس سارے معاملے میں کودا تھا۔۔۔۔اس کے لئے یہ سب کچھ ایک ایڈونچر تھا اور ایڈونچر میں یقیناً جلال سے امامہ کی شادی شامل نہیں تھی۔ اگر جلال سے اس کی شادی کے لئے دلائل دینے بھی پڑتے تو وہ کیا دیتا۔ اس کے پاس صرف ایک دلیل کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں تھی کہ جلال اور امامہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور یہ وہ دلیل تھی جسے جلال پہلے ہی رد کر چکا تھا۔ وہ مذہبی یا اخلاقی حوالوں سے قائل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود ان دونوں چیزوں سے نابلد تھا۔ مذہب اور اخلاقیات سے اس کا دور دور سے بھی کوئی واسطہ نہیں تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آخر وہ امامہ کے لیے ایک دوسرے آدمی سے اتنی لمبی بحث کرتا کیوں۔ وہ بھی ایسا آدمی جسے دیکھتے ہی اس نے ناپسند کر دیا تھا۔

اور یہ تمام وہ باتیں تھیں جو وہ اسلام آباد سے لاہور آتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ وہ آیا اس لیے تھا کیونکہ وہ جلال سے ملنا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ امامہ کے پیغام پر اس کا ردِعمل کیا رہتا تھا۔ اس نے امامہ کا پیغام اسی کے لفظوں میں کسی اضافے یا ترمیم کے بغیر پہنچا دیا تھا اور اب وہ جلال کا جواب لے کر واپس جا رہا تھا اور خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔ آخر اس پیغام کے جواب میں وہ کیا کرے گی، کہے گی۔ اسجد سے شادی تو وہ نہیں کرے گی، جلال اس سے شادی کرنے پر تیار

نہیں، گھر سے وہ نکل نہیں سکتی، کوئی اور ایسا آدمی نہیں جو اس کی مدد کے لیے آسکے پھر آخر وہ آگے کیا کرے گی۔ عام طور پر لڑکیاں ان حالات میں خودکشی کرتی ہیں۔ اوہ یس۔۔۔۔وہ یقیناً اب مجھ سے زہر یا ریوالور پہنچانے کی خواہش کرے گی۔

سالار متوقع صورت حال کے بارے میں سوچ کر پُرجوش ہو رہا تھا۔ "خودکشی۔۔۔۔ویری ایکسائیٹنگ۔

"آخر اس کے علاوہ وہ اور کر بھی کیا سکتی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم مجھ سے شادی کرو گے؟" سالار کو جیسے شاک لگا۔ "فون پر نکاح؟" وہ کچھ دیر کے لئے بول نہیں سکا۔

لاہور سے واپس آنے کے بعد اس نے امامہ کو جلال کا جواب بالکل اسی طرح سے پہنچا دیا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ اب رونا دھونا شروع کرے گی اور پھر اس سے کسی ہتھیار کی فرمائش کرے گی، مگر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش رہی پھر اس نے سالار سے جو کہا تھا اس نے چند ثانیوں کے لئے سالار کے ہوش گم کر دیئے تھے۔

"مجھے صرف کچھ دیر کے لئے تمہارا ساتھ چاہیئے۔تاکہ میرے والدین اسجد کے ساتھ میری شادی نہ کر سکیں اور پھر تم بیلف کے ذریعے مجھے یہاں سے نکال لو۔اس کے بعد مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہے گی اور میں کبھی بھی اپنے والدین کو تمہارا نام نہیں بتاؤں گی۔" وہ اب کہہ رہی تھی۔

"اوکے کرلیتا ہوں۔۔۔۔۔مگر یہ بیلف والا کام تھوڑا مشکل ہے۔اس میں بہت سی legalities انوالو ہو جاتی ہیں۔وکیل کو ہائر کرنا۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔" امامہ نے دوسری طرف سے اس کی بات کاٹ دی۔"تم اپنے فرینڈز سے اس سلسلے میں مدد لے سکتے ہو۔ تمہارے فرینڈز تو اس طرح کے کاموں میں ماہر ہوں گے۔"

سالار کے ماتھے پر کچھ بل نمودار ہوئے۔"کس طرح کے کاموں میں۔"

"اسی طرح کے کاموں میں۔" "تم کیسے جانتی ہو۔"

"وسیم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری کمپنی اچھی نہیں ہے۔"

امامہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔یہ جملہ مناسب نہیں تھا۔

"میری کمپنی بہت اچھی ہے، کم از کم جلال انصر کی کمپنی سے بہتر ہے۔" سالار نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔وہ اس بار بھی خاموش رہی۔

"بہرحال میں دیکھتا ہوں، میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔" سالار کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد بولا۔"مگر تمہیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ کام بہت رسکی ہے۔"

"میں جانتی ہوں مگر ہو سکتا ہے میرے والدین صرف یہ پتا چلنے پر ہی مجھے گھر سے نکال دیں کہ میں شادی کر چکی ہوں اور مجھے بیلف کی مدد لینی نہ پڑے یا ہو سکتا ہے وہ میری شادی کو قبول کر لیں اور پھر میں تم سے طلاق لے کر جلال سے شادی کر سکوں۔"

سالار نے سر کو قدرے افسوس کے عالم میں جھٹکا۔اس نے دنیا میں اس طرح کا احمق پہلے کبھی نہیں دیکھا۔وہ احمقوں کی جنت کی ملکہ تھی یا شاید ہونے والی تھی۔

"چلو دیکھتا ہوں، کیا ہوتا ہے۔" سالار نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔" حسن نے سالار کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر بے اختیار ہنسا۔

"یہ اس سال کا نیا ایڈونچر ہے یا آخری ایڈونچر؟"

"آخری ایڈونچر۔" سالار نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ تبصرہ کیا۔ "یعنی تم شادی کر رہے ہو۔"

حسن نے برگر کھاتے ہوئے کہا۔

"شادی کا کون کہہ رہا ہے۔" سالار نے اسے دیکھا۔

"تو پھر؟"

"میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہوں۔ اس کو مدد کی ضرورت ہے، میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔" حسن اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"آج تم مذاق کے موڈ میں ہو؟"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔ میں نے تمہیں یہاں مذاق کرنے کے لئے تو نہیں بلایا۔"

"پھر کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔۔۔۔ نکاح۔۔۔۔ لڑکی کی مدد۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔" اس بار حسن نے قدرے ناگواری سے کہا۔ "محبت ہو گئی ہے تمہیں اس سے؟"

"مائی فٹ۔۔۔۔ میرا دماغ خراب ہے کہ میں کسی سے محبت کروں گا اور وہ بھی اس عمر میں۔" سالار نے تحقیر آمیز انداز میں کہا۔

"یہی تو۔۔۔۔ میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ پھر تم کیا کر رہے ہو۔"

سالار نے اس بار اسے تفصیل سے امامہ اور اس کے مسئلے کے بارے میں بتایا۔ اس نے احسن کو صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی وسیم کی بہن ہے کیونکہ حسن وسیم سے بہت اچھی طرح واقف تھا لیکن اس سے تفصیلات سننے کے بعد حسن نے پہلا سوال ہی یہ کیا تھا۔

"وہ لڑکی کون ہے؟" سالار نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

"وسیم کی بہن۔"

"واٹ۔" حسن بے اختیار اچھلا۔ "وسیم کی بہن۔۔۔۔ وہ جو میڈیکل کالج میں پڑھتی ہے۔"

"ہاں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، تم کیوں خوامخواہ اس طرح کی حماقت کر رہے ہو۔ وسیم کو بتا دو اس سارے معاملے کے بارے میں۔"

"میں تم سے مدد مانگنے آیا ہوں، مشورہ مانگنے نہیں۔" سالار نے ناگواری سے کہا۔

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" حسن نے کچھ اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم نکاح خواں اور کچھ گواہوں کا انتظام کرو، تاکہ میں اس سے فون پر نکاح کر سکوں۔" سالار نے فوراً ہی کام کی بات کی۔

"مگر تمہیں یہ نکاح کر کے کیا فائدہ ہوگا۔"

"کچھ بھی نہیں، مگر میں کسی فائدے کے بارے میں سوچ بھی کب رہا ہوں۔"

"دفع کرو سالار! اس سب کو۔۔۔۔۔ تم کیوں کسی دوسرے کے معاملے میں کود رہے ہو اور وہ بھی وسیم کی بہن کے معاملے میں۔۔۔۔۔ بہتر۔۔۔۔۔"

سالار نے اس بار درشتی سے اس کی بات کاٹی۔ "تم مجھے صرف یہ بتاؤ میری مدد کرو گے یا نہیں۔۔۔۔ باقی چیزوں کے بارے میں پریشان ہونا تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں مدد کرنے سے انکار نہیں کر رہا ہوں، مگر تم یہ سوچ لو کہ یہ سب بہت خطرناک ہے۔" حسن نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

"میں سوچ چکا ہوں، تم مجھے تفصیلات بتاؤ۔" سالار نے اس بار فرنچ فرائز کھاتے ہوئے کچھ مطمئن انداز میں کہا۔

"بس ایک بات۔۔۔۔۔ اگر انکل اور آنٹی کو پتا چل گیا تو کیا ہوگا۔"

"انہیں پتا نہیں چلے گا، وہ یہاں نہیں ہیں، کراچی گئے ہوئے ہیں اور ابھی کچھ دن وہاں رکیں گے۔ وہ یہاں ہوتے پھر میرے لیے یہ سب کچھ کرنا بہت مشکل ہوتا۔" سالار نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ وہ اپنا برگر تقریباً ختم کر چکا تھا۔ حسن اب اپنا برگر کھاتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آرہا تھا مگر سالار اس کے تاثرات کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حسن اس وقت اپنا لائحہ عمل طے کرنے میں مصروف ہے۔ اسے حسن سے کسی قسم کا خوف یا خطرہ نہیں تھا۔ وہ اس کا بہترین دوست تھا۔



حسن نے نکاح کے انتظامات بہت آسانی سے کر لیے تھے۔ سالار نے اسے کچھ رقم دی تھی جس سے اس نے تین گواہوں کا انتظام کر لیا تھا۔ چوتھے گواہ کے طور پر وہ خود موجود تھا۔ نکاح خواہ کو اندازہ تھا کہ اس نکاح میں کوئی غیر معمولی کہانی تھی۔ مگر اسے بھاری رقم کے ساتھ اتنی دھمکیاں بھی دے دی گئی تھیں کہ وہ خاموش ہو گیا۔

حسن سہ پہر کے وقت اس نکاح خواں اور تینوں گواہوں کو لے آیا تھا۔ وہ سب سالار کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہیں بیٹھ کر نکاح نامہ بھرا گیا تھا۔ سالار امامہ کو اس بارے میں

پہلے ہی انفارم کر چکا تھا۔ مقررہ وقت پر فون پر نکاح خواں نے ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا تھا۔ سالار نے ملازمہ کے ذریعے امامہ کو پیپرز بھجوا دیے تھے۔ امامہ نے پیپرز لیتے ہی برق رفتاری سے ان پر سائن کر کے ملازمہ کو واپس دے دیئے تھے۔ ملازمہ ان پیپرز کو واپس سالار کے پاس لے آئی تھی، مگر وہ بری طرح تجسس کا شکار تھی۔

آخر وہ لوگ کون تھے جو سالار کے کمرے میں تھے اور یہ پیپرز کیسے تھے جن پر امامہ نے سائن کیا تھا۔ اس کا ماتھا ٹھٹک رہا تھا اور اسے شبہ ہو رہا تھا کہ ہو نہ ہو وہ دونوں آپس میں شادی کر رہے تھے۔ سالار کو پیپرز واپس دیتے ہوئے وہ پوچھے بغیر رہ نہیں سکی تھی۔

"یہ کس چیز کے کاغذ ہیں سالار صاحب؟" اس نے بظاہر سادگی اور معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں اس سے کیا۔۔۔۔ جیسے بھی پیپرز ہوں۔۔۔۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔" سالار نے درشتی سے اسے جھڑک دیا۔

"اور ایک بات تم کان کھول کر سن لو، اس سارے معاملے کے بارے میں اگر تم اپنا منہ بند رکھو گی تو یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا بلکہ بہت بہتر ہو گا۔۔۔۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے جی کسی سے بھی اس بارے میں بات کرنے کی۔ میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا۔ آپ اطمینان رکھیں صاحب جی! میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

ملازمہ فوراً گھبرا گئی تھی۔ سالار ویسے بھی اتنا اکھڑ مزاج تھا کہ اسے اس سے بات کرتے ہوئے خوف آیا کرتا تھا۔ سالار نے کچھ نخوت بھرے انداز میں سر کو جھٹکا۔ اسے اس بات کا کوئی خوف نہیں تھا کہ ملازمہ یہ سب کسی کو بتا سکتی تھی۔ اگر بتا بھی دیتی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم ایک بار پھر جلال سے ملو، ایک بار پھر پلیز۔۔۔۔" وہ اس دن اس سے فون پر کہہ رہی تھی۔

سالار اس بات پر چڑ گیا۔ "وہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا امامہ! وہ کتنی بار کہہ چکا ہے۔ آخر تم سمجھتی کیوں نہیں ہو کہ دوبارہ بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کی کوئی منگنی وغیرہ کرنا چاہ رہے ہیں۔۔۔۔"

"وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" امامہ نے بے اختیار اس کی بات کاٹ دی۔ "صرف اس لیے کہ میں اس سے دوبارہ کانٹیکٹ نہ کروں، ورنہ اس کے پیرنٹس اتنی جلدی اس کی منگنی کر ہی نہیں سکتے۔"

"توجب وہ نہیں چاہتا تم سے شادی کرنا اور کانٹیکٹ کرنا۔۔۔۔۔تو تم کیوں خوار ہو رہی ہو اس کے پیچھے۔"

"کیونکہ میری قسمت میں خواری ہے۔" اس نے دوسری طرف سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" وہ اُلجھا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے۔ نہ تم سمجھ سکتے ہو۔۔۔۔۔تم بس اسے جا کر کہو کہ میری مدد کرے، وہ حضرت محمد ﷺ سے اتنی محبت کرتا ہے۔۔۔۔۔اس سے کہو کہ وہ آپ ﷺ کے لئے ہی مجھ سے شادی کر لے۔" وہ بات کرتے کرتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" وہ اس کے آنسوؤں سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔ "کیا یہ بات کہنے سے وہ تم سے شادی کر لے گا۔"

امامہ نے جواب نہیں دیا، وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ وہ بیزار ہو گیا۔

"تم یا تو رو لو۔۔۔۔۔یا پھر مجھ سے بات کر لو۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ سالار نے فوراً کال کی۔ کال ریسیو نہیں کی گئی۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد امامہ نے اسے دوبارہ کال کی۔ "اگر تم یہ وعدہ کرتی ہو کہ تم روؤ گی نہیں تو مجھ سے بات کرو، ورنہ فون بند کر دو۔" سالار نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"پھر تم لاہور جا رہے ہو۔" اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اس نے اس سے پوچھا۔ سالار کو اس کی مستقل مزاجی پر حیرانی ہوئی۔ وہ واقعی ڈھیٹ تھی۔ وہ اب بھی اپنی ہی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

"اچھا، میں چلا جاؤں گا۔ تم نے اپنے گھر والوں کو شادی کے بارے میں بتایا ہے۔" سالار نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"نہیں، ابھی نہیں بتایا۔" وہ اب خود پر قابو پا چکی تھی۔

"کب بتاؤ گی؟" سالار کو جیسے ڈرامے کے اگلے سین کا انتظار تھا۔

"پتا نہیں۔" وہ کچھ اُلجھی۔ "تم کب لاہور جاؤ گے؟"

"بس جلد ہی چلا جاؤں گا۔ ابھی یہاں مجھے کچھ کام ہے ورنہ فوراً ہی چلا جاتا۔"

اس بار سالار نے جھوٹ بولا تھا۔ نہ تو اسے کوئی کام تھا اور نہ ہی وہ اس بار لاہور جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"جب تم بیلف کے ذریعے اپنے گھر سے نکل آؤ گی تو اس کے بعد تم کیا کرو گی۔۔۔۔ آئی مین! کہاں جاؤ گی؟" سالار نے ایک بار پھر اسے اس موضوع سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "اس صورت میں جب جلال بھی تمہاری مدد کرنے پر تیار نہ ہوا تو۔۔۔۔"

"میں ابھی ایسا کچھ فرض نہیں کر رہی، وہ ضرور میری مدد کرے گا۔" امامہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پُرزور انداز میں کہا۔ سالار نے کندھے اُچکائے۔

"تم کچھ بھی فرض کرنے کو تیار نہیں ہو، ورنہ میں تم سے ضرور کہتا کہ شاید وہ نہ ہو جو تم چاہتی ہو پھر تم کیا کرو گی۔۔۔۔ تمہیں دوبارہ اپنے پیرنٹس کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔۔۔۔ تو زیادہ بہتر یہی ہے کہ تم ابھی یہاں سے نہ جانے کا سوچو۔۔۔۔۔ نہ ہی بیلف اور کورٹ کی مدد لو۔ بعد میں بھی تو تمہیں یہاں ہی آنا پڑے گا۔"

"میں دوبارہ کبھی یہاں نہیں آؤں گی، کسی صورت میں نہیں۔"

"یہ جذباتیت ہے۔" سالار نے تبصرہ کیا۔

"تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے۔" امامہ نے ہمیشہ کی طرح اپنا مخصوص جملہ دُہرایا۔ سالار کچھ جز بز ہوا۔

"اوکے۔۔۔۔ کرو جو کرنا چاہتی ہو۔" اس نے لاپرواہی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کل شام کو ہم لوگ اسجد کے ساتھ تمہارا نکاح کر رہے ہیں۔ تمہاری رخصتی بھی ساتھ ہی کر دیں گے۔"

ہاشم مبین نے رات کو اس کے کمرے میں آ کر اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بابا! میں انکار کر دوں گی۔۔۔۔ آپ کے لئے بہتر ہے آپ اس طرح زبردستی میری شادی نہ کریں۔"

"تم انکار کرو گی تو میں تمہیں اسی وقت شوٹ کر دوں گا، یہ بات تم یاد رکھنا۔" وہ سر اٹھائے انہیں دیکھتی رہی۔

"بابا! میں شادی کر چکی ہوں۔" ہاشم مبین کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ "میں اس لیے اس شادی سے انکار کر رہی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"نہیں، میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ میں چھ ماہ پہلے شادی کر چکی ہوں۔"

"کس کے ساتھ۔"

"میں یہ آپ کو نہیں بتا سکتی۔"

ہاشم مبین کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس اولاد کے ہاتھوں اتنا خوار ہوں گے۔ آگ بگولہ ہو کر وہ امامہ پر لپکے اور انہوں نے یکے بعد دیگرے اس کے چہرے پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے۔ وہ چہرے کے سامنے دونوں ہاتھ کرتے ہوئے خود کو بچانے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ اس میں بری طرح ناکام رہی۔ کمرے میں ہونے والا شور سن کر وسیم سب سے پہلے وہاں آیا تھا اور اسی نے ہاشم مبین کو پکڑ کر زبردستی امامہ سے دور کیا۔ وہ دیوار کے ساتھ پشت ٹکائے روتی رہی۔

"بابا! آپ کیا کر رہے ہیں، سارا معاملہ آرام سے حل کیا جا سکتا ہے۔" وسیم کے پیچھے گھر کے باقی لوگ بھی اندر چلے آئے تھے۔

"اس نے۔۔۔۔ اس نے شادی کر لی ہے کسی سے۔" ہاشم مبین نے غم و غصہ کے عالم میں کہا۔

"بابا! جھوٹ بول رہی ہے، شادی کیسے کر سکتی ہے۔ ایک بار بھی گھر سے نہیں نکلی۔" یہ وسیم تھا۔

"چھ ماہ پہلے شادی کر لی ہے اس نے۔" امامہ نے سر نہیں اٹھایا۔

"نہیں، میں نہیں مانتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا، یہ ایسا کر ہی نہیں سکتی۔" وسیم اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ امامہ نے دھندلائی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا اور کہا۔

"ایسا ہو چکا ہے۔"

"کیا ثبوت ہے۔۔۔۔ نکاح نامہ ہے تمہارے پاس؟" وسیم نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"یہاں نہیں ہے، لاہور میں ہے، میرے سامان میں۔"

"بابا! میں کل لاہور سے اس کا سامان لے آتا ہوں۔ دیکھ لیتے ہیں۔" وسیم نے ہاشم مبین سے کہا۔ امامہ بے اختیار پچھتائی۔ سامان سے کیا مل سکتا تھا۔

"شادی کر بھی لی ہے تو کوئی بات نہیں، طلاق دلوا کر تمہاری شادی اسجد سے کرواؤں گا اور اس آدمی نے طلاق نہ دی تو پھر اسے قتل کروا دوں گا۔" ہاشم مبین نے سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے جاتے ہوئے کہا۔ کمرہ آہستہ آہستہ خالی ہو گیا۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اسے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ جال میں پھنسنے کے بعد کے احساسات کیا ہوتے ہیں۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ نکاح نامے کی کاپی سالار نے اس کو نہیں بھجوائی تھی۔ اگر اس کے پاس ہوتی بھی تو تب بھی وہ اسے ہاشم مبین کو نہیں دے سکتی تھی ورنہ سالار سکندر کا نام نکاح نامے پر دیکھنے کے

بعد ان کے لئے اس تک پہنچنا اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا منٹوں کا کام تھا اور اس کے سامان سے نکاح نامہ نہیں ملے گا تو اس کے اس بیان پر کسی کو یقین نہ آسکتا کہ وہ نکاح کر چکی تھی۔

اس نے کمرے کے دروازے کو لاک کر دیا اور موبائل پر سالار کو کال کرنے لگی۔اس نے اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا۔

"تم ایک بار پھر لاہور جاؤ اور جلال کو میرے بارے میں بتاؤ۔۔۔۔۔میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔مجھے یہاں سے نکلنا ہے اور اس کے علاوہ میں کہیں نہیں جاسکتی۔تم میرے لئے ایک وکیل کو ہائر کرواور اس سے کہو کہ وہ میرے پیرنٹس کو میرے شوہر کی طرف سے مجھے حبس بے جا میں رکھنے کے خلاف ایک کورٹ نوٹس بھجوائے۔"

"تمہارے شوہر،یعنی میری طرف سے۔"

"تم وکیل کو اپنا نام مت بتانا بلکہ یہ بہتر ہے کہ اپنے کسی دوست کے ذریعے وکیل کو ہائر کرو اور میرے شوہر کا کوئی بھی فرضی نام دے سکتے ہو۔تمہارا نام وکیل کے ذریعے انہیں پتا چلے گا تو وہ تم تک پہنچ جائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتی۔"

امامہ نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اسے کیا خدشہ ہے اور نہ ہی سالار نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

اس سے بات کرنے کے بعد امامہ نے فون بند کر دیا۔اگلے روز دس گیارہ بجے کے قریب کسی وکیل نے فون کر کے ہاشم مبین سے امامہ کے سلسلے میں بات کی اور انہیں امامہ کو زبردستی اپنے گھر رکھنے کے بارے میں اس کے شوہر کی طرف سے کئے جانے والے کیس کے بارے میں بتایا۔ہاشم مبین کو مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔وہ غصے میں پھنکارتے ہوئے اس کے کمرے میں گئے اور اسے بری طرح مارا۔

"تم دیکھنا امامہ!تم کس طرح برباد ہو گی۔۔۔۔۔ایک ایک شے کے لیے ترسو گی تم۔۔۔۔۔جو لڑکیاں تمہاری طرح اپنے ماں باپ کی عزت کو نیلام کرتی ہیں ان کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔تم ہمیں کورٹ تک لے گئی ہو۔۔۔۔۔۔تم نے وہ سارے احسان فراموش کر دیئے،جو ہم نے تم پر کئے۔تمہارے جیسی بیٹیوں کو واقعی پیدا ہوتے ہی دفن کر دینا چاہئیے۔"

وہ بڑی خاموشی سے پٹتی رہی۔اپنے باپ کی کیفیات کو سمجھ سکتی تھی مگر وہ اپنی کیفیات اور اپنے احساسات انہیں نہیں سمجھا سکتی تھی۔

"تم نے ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا، کسی کو نہیں۔ ہمیں زندہ درگور کر دیا ہے تم نے۔"

سلمیٰ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھیں مگر انہوں نے ہاشم مبین کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود بھی بری طرح مشتعل تھیں، وہ جانتی تھیں کہ امامہ کا یہ قدم کس طرح ان کے پورے خاندان کو متاثر کرنے والا تھا اور خاص طور پر ان کے شوہر کو۔

"تم نے ہمارے اعتماد کا خون کیا ہے۔ کاش تم میری اولاد نہ ہوتیں۔ کبھی میرے خاندان میں پیدا نہ ہوئی ہوتیں۔ پیدا ہو ہی گئی تھی تو تب ہی مر جاتی۔۔۔۔۔ یا میں ہی تمہیں مار دیتا۔" امامہ آج ان کی باتوں اور پٹائی پر نہیں روئی تھی۔ اس نے مدافعت کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ صرف خاموشی کے ساتھ پٹتی رہی پھر ہاشم مبین احمد جیسے تھک سے گئے اور اسے مارتے مارتے رک گئے۔ ان کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ بالکل خاموشی سے ان کے سامنے دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔

"تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے، سب کچھ چھوڑ دو۔ اس لڑکے سے طلاق لے لو اور اسجد سے شادی کر لو۔ ہم اس سب کو معاف کر دیں گے، بھلا دیں گے۔" اس بار سلمیٰ نے تیز لہجے میں اس سے کہا۔

"نہیں، واپس آنے کے لئے اسلام قبول نہیں کیا، مجھے واپس نہیں آنا۔" امامہ نے مدھم مگر مستحکم آواز میں کہا۔ "آپ مجھے اس گھر سے چلے جانے دیں، مجھے آزاد کر دیں۔"

"اس گھر سے نکل جاؤ گی تو دنیا تمہیں بہت ٹھوکریں مارے گی۔۔۔۔۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ باہر کی دنیا میں کیسے مگرمچھ تمہیں ہڑپ کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ جس لڑکے سے شادی کر کے تم نے ہمیں ذلیل کیا ہے وہ تمہیں بہت خوار کرے گا۔ ہمارے خاندان کو دیکھ کر اس نے تمہارے ساتھ اس طرح چوری چھپے رشتہ جوڑا ہے، جب ہم تمہیں اپنے خاندان سے نکال دیں گے اور تم پائی پائی کی محتاج ہو جاؤ گی تو وہ بھی تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گا، تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی، کوئی ٹھکانہ نہیں ملے گا۔" سلمیٰ اب اسے ڈرا رہی تھیں۔ "ابھی بھی وقت ہے امامہ! تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے۔"

"نہیں امی! میرے پاس کوئی وقت نہیں ہے، میں سب کچھ طے کر چکی ہوں۔ میں اپنا فیصلہ آپ کو بتا چکی ہوں۔ مجھے یہ سب قبول نہیں۔ آپ مجھے جانے دیں، اپنے خاندان سے الگ کرنا چاہتے ہیں، کر دیں۔ جائیداد سے محروم کرنا چاہتے ہیں، کر دیں۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی مگر میں کروں گی وہی جو میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ میں اپنی زندگی کے راستے کا انتخاب کر چکی ہوں۔ آپ یا کوئی بھی اسے بدل نہیں سکتا۔"

"ایسی بات ہے تو تم اس گھر سے نکل کر دکھاؤ، میں تمہیں جان سے مار دوں گا لیکن اس گھر سے تمہیں جانے نہیں دوں گا۔۔۔۔اور اس وکیل کو تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گا۔ تمہیں اگر یہ خوش فہمی ہے کہ کوئی کورٹ یا عدالت تمہیں میری تحویل سے نکال سکتی ہے تو یہ تمہاری بھول ہے، میں تمہیں کبھی بھی کہیں بھی جانے نہیں دوں گا۔ میں بیلف کے آنے سے پہلے اس گھر سے کہیں اور منتقل کر دوں گا پھر میں دیکھوں گا کہ تم کس طرح اپنے فیصلے کو تبدیل نہیں کرتیں اور مجھے اگر وہ لڑکا نہ ملا جس سے تم نے شادی کی ہے تو پھر میں اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے اسجد سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ میں اس شادی کو سرے سے ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ تمہاری شادی صرف وہ ہو گی جو میری مرضی سے ہو گی، اس کے علاوہ نہیں۔" وہ مشتعل انداز میں کہتے ہوئے سلمیٰ کے ساتھ باہر نکل گئے۔ وہ وہیں دیوار کے ساتھ کھڑی خوفزدہ اور پریشان نظروں سے دروازے کو دیکھتی رہی۔ اس نے جس مقصد کے لیے شادی کی تھی اس کا کوئی فائدہ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہاشم مبین احمد اپنی بات پر چٹان کی طرح اڑے ہوئے تھے۔



"بے چاری امامہ بی بی!" ناصرہ نے سالار کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے اچانک بلند آواز میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ سالار نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی اسٹڈی ٹیبل پر پڑی ہوئی کتابوں کو سمیٹ رہا تھا۔ ناصرہ اسے متوجہ دیکھ کر تیزی سے بولی۔

"بڑی مار پڑی ہے جی کل رات کو۔"

"کس کو مار پڑی ہے؟" سالار نے کتابیں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"امامہ بی بی کو جی! اور کسے۔" وہ کتابیں ایک طرف کرتے کرتے رک گیا اور ناصرہ کو دیکھا جو کمرے میں موجود ایک شیلف کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی۔

"ہاشم مبین نے کل بہت مارا ہے اسے۔"

سالار بے حد محفوظ ہوا۔ "واقعی؟"

"ہاں جی، بہت زیادہ پٹائی کی ہے، میری بیٹی بتا رہی تھی۔" ناصرہ نے کہا۔

"ویری نائس۔" سالار نے بے اختیار تبصرہ کیا۔

"جی۔۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ناصرہ نے اس سے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ ناصرہ کو بڑی عجب لگی۔اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اس خبر پر مسکرائے گا۔اس کے ذاتی "قیافوں" اور "اندازوں" کے مطابق ان دونوں کے درمیان جیسے تعلقات تھے اس پر سالار کو بہت زیادہ افسردہ ہونا چاہیئے تھا مگر یہاں صورتِ حال بالکل برعکس تھی۔

"بے چاری امامہ بی بی کو پتا چل جائے کہ سالار صاحب اس خبر پر مسکرا رہے تھے تو وہ تو صدمے سے ہی مر جائیں۔" ناصرہ نے دل میں سوچا۔

"کس بات پر مارنا ہے جی! سنا ہے وہ اسجد صاحب سے شادی پر تیار نہیں ہیں کسی اور "لڑکے" سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔" ناصرہ نے لڑکے پر زور دیتے ہوئے معنی خیز انداز میں سالار کو دیکھا۔

"بس اس بات پر۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"یہ کوئی چھوٹی بات تھوڑی ہے جی، ان کے پورے گھر میں طوفان مچا ہوا ہے۔ شادی کی تاریخ طے ہو چکی ہے، کارڈ آ چکے ہیں اور اب امامہ بی بی بضد ہیں کہ وہ اسجد صاحب سے شادی نہیں کریں گی۔ بس اسی بات پر ہاشم صاحب نے ان کی پٹائی کی۔"

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ اس پر کسی کو مارا جائے۔" وہ اپنی کتابوں میں مصروف تھا۔

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں نا۔۔۔۔ان لوگوں کے لیے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔" ناصرہ نے اسی طرح صفائی کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "میں تو بڑی دکھی ہوں! امامہ بی بی کے لیے۔ بڑی اچھی ہیں، ادب لحاظ والی۔۔۔۔۔اور اب دیکھیں۔۔۔۔۔کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے ان پر۔ ہاشم صاحب نے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی ہے۔ میری بیٹی روز ان کا کمرہ صاف کرتی ہے۔۔۔۔۔۔اور وہ بتاتی ہے کہ ان کا تو چہرہ ہی اُتر کر رہ گیا ہے۔"

ناصرہ اسی طرح بول رہی تھی۔ شاید وہ شعوری طور پر یہ کوشش کر رہی تھی کہ سالار اسے اپنا اور امامہ کا حمایتی اور طرف دار سمجھتے ہوئے کوئی راز کہہ دے مگر سالار احمق نہیں تھا اور اسے ناصرہ کی اس نام نہاد ہمدردی سے کوئی دلچسپی تھی بھی نہیں۔ اگر امامہ کی پٹائی ہو رہی تھی اور اسے کچھ تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تو اس سے اس کا کیا تعلق تھا، مگر اسے اس صورتِ حال پر ہنسی ضرور آ رہی تھی۔ کیا اس دور میں بھی کوئی اس عمر کی اولاد پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے اور وہ بھی ہاشم مبین احمد جیسے امیر طبقے کا آدمی۔۔۔۔۔حیرانی کی بات تھی۔۔۔۔۔"

سوچ کی ایک ہی رُو میں بہت سے متضاد خیالات بہ رہے تھے۔

ناصرہ کچھ دیر اسی طرح بولتی اپنا کام کرتی رہی مگر پھر جب اس نے دیکھا کہ سالار اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا اور اپنے کام میں مصروف ہو چکا ہے تو وہ قدرے مایوس ہو کر خاموش ہو گئی۔ "یہ پہلے محبت کرنے والے تھے، جن کا رویہ بے حد عجیب تھا۔۔۔۔۔کوئی

اضطراب۔۔۔۔۔بے چینی اور پریشانی تو ان دونوں کے درمیان نظر ہی نہیں آرہی تھی۔۔۔۔۔ایک دوسرے کی تکلیف کا بھی سن کر۔۔۔۔۔شاید امامہ بی بی بھی ان کے بارے میں اس طرح کی کوئی بات سن کر اسی طرح مسکرائیں، کون جانتا ہے۔"

ناصرہ نے شیلف پر پڑی ایک تصویر اٹھا کر صاف کی۔



گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ اس کی زندگی کے سب سے مشکل اور تکلیف دہ فیصلوں میں سے ایک تھا مگر اس کے علاوہ اس کے پاس اب دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہاشم مبین احمد اسے کہاں لے جاتے اور پھر کس طرح اسے طلاق دلوا کر اس کی شادی اسجد سے کرتے، وہ نہیں جانتی تھی۔ واحد چیز جو وہ جانتی تھی وہ یہ حقیقت تھی کہ ایک بار وہ اسے کہیں اور لے گئے تو پھر اس کے پاس رہائی اور فرار کا کوئی راستہ نہیں بچے گا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اسے جان سے کبھی نہیں ماریں گے مگر زندہ رہ کر اس طرح کی زندگی گزارنا زیادہ مشکل ہو جاتا، جیسی زندگی کی وہ اس وقت توقع اور تصور کر رہی تھی۔

ہاشم مبین احمد کے چلے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک بیٹھ کر روتی رہی اور پھر اس نے پہلی بار اپنے حالات پر غور کرنا شروع کیا۔ اسے گھر سے صبح ہونے سے پہلے پہلے نکلنا تھا اور نکل کر کسی محفوظ جگہ پر جا کر پہنچنا تھا۔ محفوظ جگہ۔۔۔۔۔؟ اس کے ذہن میں ایک بار پھر جلال انصر کا خیال آیا، اس وقت صرف وہی شخص تھا جو اسے صحیح معنوں میں تحفظ دے سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اس کا فیصلہ اور رویہ بدل جائے، وہ اپنے فیصلے پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے، ہو سکتا ہے وہ مجھے سہارا اور تحفظ دینے پر تیار ہو جائے، اس کے والدین کو مجھ پر ترس آجائے۔

ایک موہوم سی اُمید اس کے دل میں اُبھر رہی تھی۔ وہ مدد نہیں بھی کرتے تب بھی کم از کم میں آزاد تو ہوں گی۔ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے گزار تو سکوں گی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں یہاں سے کیسے نکلوں گی اور جاؤں گی کہاں۔۔۔۔۔؟

وہ بہت دیر تک پریشانی کے عالم میں بیٹھی رہی، اسے ایک بار پھر سالار کا خیال آیا۔

"اگر میں کسی طرح اس کے گھر پہنچ جاؤں تو وہ میری مدد کر سکتا ہے۔"

اس نے سالار کے موبائل پر اس کا نمبر ملایا۔ موبائل آف تھا، کئی بار کال ملائی لیکن اس سے رابطہ نہ ہو سکا۔ امامہ نے موبائل بند کر دیا۔ اس نے ایک بیگ میں اپنے چند جوڑے، کپڑے

اور دوسری چیزیں رکھ لیں۔اس کے پاس کچھ زیورات اور رقم بھی تھی،اس نے انہیں بھی اپنے بیگ میں رکھ لیا پھر جتنی بھی قیمتی چیزیں اس کے پاس تھیں، جنہیں وہ آسانی سے ساتھ لے جاسکتی تھی اور بعد میں بیچ کر پیسے حاصل کر سکتی تھی وہ انہیں اپنے بیگ میں رکھتی گئی۔بیگ بند کرنے کے بعد اس نے اپنے کپڑے تبدیل کیے اور پھر دو نفل ادا کیے۔

اس کا دل بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔بے سکونی اور اضطراب نے اس کے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔آنسو بہا کر بھی اس کے دل کا بوجھ کم نہیں ہوا تھا۔نوافل ادا کرنے کے بعد جتنی آیات اور سورتیں اسے زبانی یاد تھیں اس نے وہ ساری پڑھ لیں۔

بیگ لے کر اپنے کمرے کی لائٹ بند کر کے وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔لاؤنج کی ایک لائٹ کے علاوہ ساری لائٹیں آف تھیں۔وہاں زیادہ روشنی نہیں تھی۔وہ محتاط انداز میں چلتے ہوئے سیڑھیاں اُتر کر نیچے آگئی اور پھر کچن کی طرف چلی گئی۔کچن تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔وہ محتاط انداز میں چیزوں کو ٹٹولتے ہوئے کچن کے اس دروازے کی طرف بڑھ گئی جو باہر لان میں کھلتا تھا۔عقبی لان کے اس حصے میں کچھ سبزیاں لگائی گئی تھیں اور اس گھر میں کچن کا وہ دروازہ واحد دروازہ تھا جسے لاک نہیں کیا جاتا تھا، صرف چٹخنی لگادی جاتی تھی۔دروازہ اس رات بھی لاک نہیں تھا۔وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔کچھ فاصلے پر سرونٹ کوارٹرز تھے، وہ بے حد محتاط انداز میں چلتے ہوئے لان عبور کر کے اپنے اور سالار کے گھر کی

درمیانی دیوار تک پہنچ گئی۔دیوار بہت زیادہ بلند نہیں تھی،اس نے آہستگی سے بیگ دوسری طرف پھینک دیا اور پھر کچھ جدوجہد کے بعد خود بھی دیوار پھلانگنے میں کامیاب ہو گئی۔



گہری نیند کے عالم میں سالار نے کھٹکے کی آواز سنی تھی پھر وہ آواز دستک کی آواز میں تبدیل ہو گئی تھی۔رُک رُک کر۔۔۔۔۔مگر مسلسل کی جانے والی دستک کی آواز۔۔۔۔۔وہ اوندھے منہ پیٹ کے بل سو رہا تھا۔دستک کی اس آواز نے اس کی نیند توڑ دی تھی۔

وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور بیڈ پر بیٹھے بیٹھے اس نے تاریکی میں اپنے چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کی۔خوف کی ایک لہر اس کے اندر سرایت کر گئی۔وہ آواز کھڑکیوں کی طرف سے آرہی تھی۔یوں جیسے کوئی ان کھڑکیوں کو بجا رہا تھا مگر بہت آہستہ آہستہ۔۔۔۔۔یا پھر شاید کوئی ان کھڑکیوں کو ٹٹولتے ہوئے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔سالار کے ذہن میں پہلا خیال کسی چور کا آیا تھا، وہ سلائیڈنگ ونڈوز تھیں اور بدقسمتی سے وہاں کوئی گرل نہیں تھی۔اس کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں کی گئی تھی کیونکہ وہ امپورٹڈ گلاس کی بنی ہوئی تھیں جنہیں آسانی سے توڑا یا کاٹا نہیں جاسکتا تھا اور انہیں صرف اندر سے کھولا جاسکتا تھا۔گھر کے چاروں

طرف موجود لان میں ویسے بھی رات کو کتے کھلے ہوتے تھے اور ان کے ساتھ تین گارڈز بھی ہوتے تھے۔۔۔۔۔ مگران تمام حفاظتی اقدامات کے باوجود اس وقت اس کھڑکی کے دوسری طرف موجود چھوٹے سے برآمدے میں کوئی موجود تھا جو اس کھڑکی کو کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

اپنے بیڈ سے دبے قدموں اٹھ کر وہ تاریکی میں ہی کھڑکی کی طرف آیا جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔ وہ اس کے بالکل مخالف سمت گیا اور بہت احتیاط کے ساتھ اس نے پردے کے ایک سرے کو تھوڑا سا اٹھاتے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ لان میں لگی روشنیوں میں اس نے کھڑکی کے سامنے جسے کھڑا دیکھا تھا اس نے اسے ہکا بکا کر دیا تھا۔

"یہ پاگل ہے۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ اس وقت اگر لان میں پھرتے چار غیر ملکی نسل کے کتے اسے دیکھ لیتے تو سالار یا کسی بھی دوسرے کے پہنچنے سے پہلے وہ اسے چیر پھاڑ چکے ہوتے اور اگر کہیں گارڈز میں سے کسی نے اسے وہاں دیکھا ہوتا تو بھی وہ تفتیش یا تحقیق پر وقت ضائع کرنے سے پہلے اسے شوٹ کر چکے ہوتے مگر وہ اس وقت بالکل محفوظ وہاں کھڑی تھی اور یقیناً اپنے گھر کی دیوار پھلانگ کر یہاں آئی تھی۔

ہونٹ بھینچے اس نے کمرے کی لائٹ آن کی۔ لائٹ آن ہوتے ہی دستک کی آواز رک گئی۔ کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی۔ پردے کھینچتے ہی اس نے سلائیڈنگ ونڈو کو ہٹا دیا۔

"اندر آؤ جلدی۔" سالار نے تیزی سے امامہ سے کہا۔ وہ کچھ نروس ہو کر کھڑکی سے اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیگ بھی تھا۔

پردے برابر کرتے ہی سالار نے مڑ کر اس سے کہا۔

"فار گاڈ سیک امامہ! تم پاگل ہو۔" امامہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنا بیگ اپنے پیروں میں رکھ رہی تھی۔

"تم دیوار کراس کر کے آئی ہو؟"

"ہاں۔"

"تمہیں گارڈز یا کتوں میں سے کوئی دیکھ لیتا تو۔۔۔۔۔ اس وقت باہر تمہاری لاش پڑی ہوتی۔"

"میں نے تمہیں بہت دفعہ رنگ کیا، تمہارا موبائل آف تھا، کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا میرے پاس۔"

سالار نے پہلی بار اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ بڑی سی سفید چادر لپیٹے ہوئے تھے مگر اس چادر اور اس کے کپڑوں پر جگہ جگہ مٹی کے داغ تھے۔

"تم مجھے لاہور چھوڑ کر آ سکتے ہو؟" وہ کمرے کے وسط میں کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"اس وقت؟" اس نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں، ابھی اسی وقت۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

سالار نے تعجب کے عالم میں وال کلاک پر ایک نظر ڈالی۔ "وکیل نے تمہارے گھر فون کیا تھا، تمہارا مسئلہ حل نہیں ہوا؟"

امامہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، وہ لوگ مجھے صبح کہیں بھجوا رہے ہیں۔ میں تمہیں اسی لیے سارا دن فون کرتی رہی مگر تم نے موبائل آن نہیں کیا۔ میں چاہتی تھی تم وکیل سے کہو کہ وہ بیلف کے ساتھ آ کر مجھے وہاں سے آزاد کرائے مگر تم سے کانٹیکٹ نہیں ہوا اور کل اگر تم سے کانٹیکٹ ہوتا بھی تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ لوگ اس سے پہلے ہی مجھے کہیں شفٹ کر دیتے اور یہ ضروری تو نہیں کہ مجھے یہ پتا ہوتا کہ وہ مجھے کہاں شفٹ کر رہے ہیں۔"

سالار نے جماہی لی۔ اسے نیند آ رہی تھی۔ "تم بیٹھ جاؤ۔" اس نے امامہ سے کہا۔ وہ ابھی تک کھڑی تھی۔

"تم اگر مجھے لاہور نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم بس اسٹینڈ تک پہنچا دو، میں وہاں سے خود لاہور چلی جاؤں گی۔" اس نے سالار کو نیند میں دیکھ کر کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تو کوئی گاڑی لاہور نہیں جا رہی ہو گی۔"

"میں تمہیں صبح۔۔۔۔۔" امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"نہیں، صبح نہیں۔ میں صبح تک یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔ اگر لاہور کی گاڑی نہیں ملی تو میں کسی اور شہر کی گاڑی میں بیٹھ جاؤں گی پھر وہاں سے لاہور چلی جاؤں گی۔"

"تم بیٹھو تو سہی۔" سالار نے اس سے ایک بار پھر کہا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے ہچکچائی پھر صوفہ پر جا کر بیٹھ گئی۔ سالار خود ہی اپنے بیڈ کی پائینتی پر بیٹھ گیا۔

"لاہور تم کہاں جاؤ گی؟" اس نے پوچھا۔

"جلال کے پاس۔"

"مگر وہ تو تم سے شادی سے انکار کر چکا ہے۔"

"میں پھر بھی اس کے پاس جاؤں گی، اسے مجھ سے محبت ہے۔ وہ مجھ کو اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس سے اور اس کے گھر والوں سے ریکویسٹ کروں گی۔ میں جانتی ہوں وہ میری بات مان لیں گے، وہ میری صورتِ حال کو سمجھ لیں گے۔"

"مگر تم تو مجھ سے شادی کر چکی ہو۔" امامہ چونک کر سالار کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"پیپر میرج ہے وہ۔۔۔۔۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں مجبوراً نکاح کر رہی ہوں، شادی تو نہیں ہے یہ۔"

وہ اسے پلکیں جھپکائے بغیر گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ "تم جانتی ہو، میں آج لاہور گیا تھا جلال کے پاس۔"

امامہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ "تم نے اسے میری پریشانی اور صورتِ حال کے بارے میں بتایا؟"

"نہیں۔" سالار نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"جلال نے شادی کر لی ہے۔" سالار نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ سانس لینا بھول گئی۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ کسی بت کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"تین دن ہو گئے ہیں اس کی شادی کو، کل پرسوں تک وہ سیر و تفریح کے لئے ناردرن ایریاز کی طرف جا رہا ہے۔ اس نے میری کوئی بات سننے سے پہلے ہی مجھے یہ سب کچھ بتانا شروع کر دیا تھا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ میں اب تمہارے بارے میں بات نہ کروں۔ اس کی بیوی بھی ڈاکٹر

ہے۔" سالار بات کرتے کرتے رُک گیا۔ "میرا خیال ہے کہ اُس کے گھر والوں نے تمہارے مسئلے کی وجہ سے ہی اس کی اس طرح اچانک شادی کی ہے۔" وہ یکے بعد دیگرے جھوٹ پر جھوٹ بولتا جا رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" جیسے کسی خلا سے آواز آئی تھی۔

"ہاں، مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ تمہیں بھی یقین نہیں آئے گا مگر یہ سچ ہے۔ تم فون کر کے اس سے بات کر سکتی ہو اس بارے میں۔" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

امامہ کو لگا وہ پہلی بار صحیح معنوں میں گھپ اندھیرے میں آ کھڑی ہوئی ہے۔ روشنی کی وہ کرن جس کے تعاقب میں وہ اتنا عرصہ چلتی آئی ہے، ایک دم گل ہو گئی ہے۔ راستہ تو ایک طرف، وہ اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھ پا رہی تھی۔

"اب تم خود سوچ لو کہ لاہور جا کر تم کیا کرو گی۔ وہ تو اب تم سے شادی کر سکتا ہے، نہ اس کے گھر والے تمہیں پناہ دے سکتے ہیں۔ بہتر ہے تم واپس چلی جاؤ، ابھی تمہارے گھر والوں کو پتا نہیں چلا ہو گا۔"

امامہ نے کہیں بہت دور سے سالار کی آواز آتی سنی۔ وہ کچھ نا سمجھنے والے انداز میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"مجھے لاہور چھوڑ آؤ۔" وہ بڑبڑائی۔

"جلال کے پاس جاؤ گی؟"

"نہیں، اس کے پاس نہیں جاؤں گی مگر میں اپنے گھر نہیں رہ سکتی۔"

وہ یک دم صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سالار نے ایک سانس لے کر اُلجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"یا پھر مجھے گیٹ تک چھوڑ آؤ، میں خود چلی جاتی ہوں۔ تم چوکیدار سے کہو وہ مجھے باہر جانے دے۔" اس نے بیگ اٹھالیا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ یہاں سے بس اسٹینڈ کتنی دور ہے۔ اتنی دھند اور سردی میں تم پیدل وہاں تک جا سکو گی۔"

"جب اور کچھ نہیں رہا میرے پاس تو دھند اور سردی سے مجھے کیا ہوگا۔" سالار نے اسے گیلی آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں کو رگڑ

رہی تھی۔ سالار اس کے ساتھ کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ لاہور تو بہت دور کی بات تھی، اسے ابھی بھی نیند آرہی تھی اور وہ سامنے کھڑی لڑکی کو ناپسند کرتا تھا۔

"ٹھہرو، میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" وہ نہیں جانتا اس کی زبان سے جملہ کیوں اور کیسے نکلا۔

امامہ نے اسے ڈریسنگ روم کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ کچھ دیر بعد باہر نکلا تو شب خوابی کے لباس کے بجائے ایک جینز اور سویٹر میں ملبوس تھا۔ اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اس نے کی چین اور گھڑی کے ساتھ ساتھ اپنا والٹ بھی اٹھایا۔ امامہ کے قریب آکر اس نے بیگ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں، میں خود اٹھا لوں گی۔"

"اٹھا لیتا ہوں۔" اس نے بیگ لے کر کندھے پر ڈال دیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے پورچ میں آگئے۔ سالار نے اس کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور بیگ کو پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔

گاڑی گیٹ کی طرف آتے دیکھ کر چوکیدار نے خود ہی گیٹ کھول دیا تھا مگر اس کے قریب سے گزرتے ہوئے سالار نے اس کی آنکھوں میں اس حیرت کو دیکھ لیا تھا جو اس کی نظروں

میں رات کے اس وقت فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی امامہ کو دیکھ کر آئی تھی۔ یقیناً وہ حیران ہوا ہو گا کہ وہ لڑکی اس وقت اس گھر میں کہاں سے آئی تھی۔

"تم مجھے بس اسٹینڈ پر چھوڑ دو گے ؟" مین روڈ پر آتے ہی امامہ نے اس سے پوچھا۔ سالار نے ایک نظر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"نہیں، میں تمہیں لاہور لے جا رہا ہوں۔" اس کی نظریں سڑک پر مرکوز تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی اس بڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی جو تقریباً سنسان تھی۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

اسٹیئرنگ پر دایاں ہاتھ رکھے اس نے بائیں ہاتھ کو منہ کے سامنے رکھ کر جماہی روکی اور نیند کے غلبے کو بھگانے کی کوشش کی۔ اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی امامہ بے آواز رو رہی تھی اور سالار اس بات سے باخبر تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے ہاتھ میں پکڑے رومال سے اپنی آنکھیں پونچھتی اور اپنی ناک رگڑ لیتی۔۔۔۔ اور پھر سامنے ونڈ اسکرین سے باہر سڑک پر نظریں جما کر رونا شروع کر دیتی۔

سالار وقفے وقفے سے اس پر اچٹتی نظر ڈالتا رہا۔ اس نے امامہ کو کوئی تسلی دینے یا چپ کروانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی کچھ دیر آنسو بہا کر خاموش ہو جائے گی، مگر جب آدھ گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی وہ اسی رفتار سے روتی رہی تو وہ کچھ اُکتانے لگا۔

"اگر تمہیں گھر سے اس طرح بھاگ آنے پر اتنا پچھتاوا ہونا تھا تو پھر تمہیں گھر سے بھاگنا ہی نہیں چاہئیے تھا۔"

سالار نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ امامہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، ابھی تو شاید تمہارے گھر میں کسی کو تمہاری غیر موجودگی کا پتا بھی نہیں چلا ہو گا۔" اس نے کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کے بعد اسے مشورہ دیا۔

"مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔" اس بار اس نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد قدرے بھرائی ہوئی مگر مستحکم آواز میں کہا۔

""تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟" سالار نے فوراً پوچھا۔

"تمہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ سالار نے گردن موڑ کر اسے غور سے دیکھا اور پھر گردن سیدھی کر لی۔

"لاہور میں کس کے پاس جاؤ گی؟"

"پتا نہیں۔" امامہ کے جواب پر سالار نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔ تمہیں پتا نہیں ہے کہ تم کہاں جا رہی ہو؟"

"فی الحال تو نہیں۔"

"تو پھر آخر تم لاہور جا ہی کیوں رہی ہو؟"

"تو پھر اور کہاں جاؤں؟"

"تم اسلام آباد میں ہی رہ سکتی تھیں۔"

"کس کے پاس؟"

"لاہور میں بھی تو کوئی نہیں ہے جس کے پاس تم رہ سکو۔۔۔۔ اور وہ بھی مستقل۔۔۔۔ جلال کے علاوہ۔" سالار نے آخری تین لفظوں پر زور دیتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"اس کے پاس جا رہی ہو تم۔" کچھ دیر بعد اس نے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں، جلال میری زندگی سے نکل چکا ہے" سالار اندازہ نہیں کر سکا کہ اس کی آواز میں مایوسی زیادہ تھی یا افسردگی۔ "اس کے پاس کیسے جا سکتی ہوں میں۔"

"تو پھر اور کہاں جاؤ گی؟" سالار نے ایک بار پھر تجسس کے عالم میں پوچھا۔

"یہ تو میں لاہور جانے پر ہی طے کروں گی کہ مجھے کہاں جانا ہے، کس کے پاس جانا ہے۔" امامہ نے کہا۔

سالار نے کچھ بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھا۔ کیا واقعی وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کہاں جانا تھا یا پھر وہ اسے بتانا نہیں چاہتی تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"تمہارا افیانسی۔۔۔۔ کیا نام ہے اس کا۔۔۔۔ ہاں اسجد۔۔۔۔ کافی اچھا، ہینڈسم آدمی ہے۔" ایک بار پھر سالار نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔ "اور یہ جو دوسرا آدمی تھا۔۔۔۔ جلال۔۔۔۔ اس کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔۔ کچھ زیادتی نہیں کر دی تم نے اسجد کے ساتھ؟"

امامہ نے اس کے سوال کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف سامنے سڑک کو دیکھتی رہی۔ سالار کچھ دیر گردن موڑ کر اس کے جواب کے انتظار میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا مگر پھر اسے احساس ہو گیا کہ وہ جواب دینا نہیں چاہتی۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں پایا۔۔۔۔جو کچھ تم کر رہی ہو، اسے بھی نہیں۔۔۔۔تمہاری حرکتیں بہت۔۔۔۔بہت عجیب ہیں۔۔۔۔اور تم اپنی حرکتوں سے زیادہ عجیب ہو۔" سالار نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

اس بار امامہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا تمہاری حرکتوں سے زیادہ عجیب ہیں میری حرکتیں۔۔۔۔اور کیا میں تم سے زیادہ عجیب ہوں۔۔۔۔" بڑے دھیمے مگر مستحکم لہجے میں پوچھے گئے اس سوال نے چند لمحوں کے لیے سالار کو لاجواب کر دیا تھا۔

"میری کون سی حرکتیں عجیب ہیں۔۔۔۔اور میں کس طرح عجیب ہوں؟" چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سالار نے کہا۔

"تم جانتے ہو، تمہاری کون سی حرکتیں عجیب ہیں۔" امامہ نے واپس ونڈ اسکرین کی طرف گردن موڑتے ہوئے کہا۔

"یقیناً میری خودکشی کی ہی بات کر رہی ہو تم۔" سالار نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ میں خودکشی نہیں کرنا چاہتا، نہ ہی میں خودکشی کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا۔"

"کیسا تجربہ۔"

"میں ہمیشہ لوگوں سے ایک سوال پوچھتا ہوں، مگر کوئی بھی مجھے اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا، اس لئے میں اس سوال کا جواب خود ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ بولتا رہا۔

"کیا پوچھتے ہو تم لوگوں سے؟"

"بہت آسان سا سوال ہے مگر ہر ایک کو مشکل لگتا ہے۔" What is next to ecstasy?" اس نے گردن موڑ کر امامہ سے پوچھا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے مدھم آواز میں کہا۔ "Pain"

"And what is next to pain?" سالار نے بلاتوقف ایک اور سوال کیا۔

"Nothingness"

"What is next to nothingness?" سالار نے اسی انداز میں ایک اور سوال کیا۔

"Hell" امامہ نے کہا۔

"And what is next to hell?" اس بار امامہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"What is next to hell?" سالار نے پھر اپنا سوال دُہرایا۔

"تمہیں خوف نہیں آتا۔" سالار نے امامہ کو قدرے عجیب سے انداز میں پوچھتے سنا۔

"کس چیز سے۔" سالار حیران ہوا۔

"Hell سے۔۔۔۔اس جگہ سے جس کے آگے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔۔۔۔سب کچھ اس کے پیچھے ہی رہ جاتا ہے۔۔۔۔ معتوب اور مغضوب ہو جانے کے بعد باقی بچتا کیا ہے جسے جاننے کا تمہیں تجسس ہے۔" امامہ نے قدرے افسوس سے کہا۔

"میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا۔۔۔۔سب کچھ میرے سر کے اوپر سے گزرا ہے۔" سالار نے جیسے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"فکر مت کرو۔۔۔۔آجائے گی۔۔۔۔ایک وقت آئے گا۔۔۔۔جب تمہیں ہر چیز کی سمجھ آجائے گی پھر تمہاری ہنسی ختم ہو جائے گی۔۔۔۔تب تمہیں خوف آنے لگے گا۔۔۔۔موت سے بھی اور دوزخ سے بھی۔۔۔۔اللہ تمہیں سب کچھ دکھا اور بتا دے

گا۔۔۔۔پھر تم کسی سے یہ کبھی نہیں پوچھا کرو گے۔۔۔۔"What is next to ecstasy?" امامہ نے بہت رسانیت سے کہا۔

"یہ تمہاری پیش گوئی ہے؟" سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" امامہ نے اسی انداز میں کہا۔

"تجربہ؟" سالار نے گردن سیدھی کر لی۔

"ہاں، یہ تمہارا تجربہ ہی ہو سکتا ہے۔۔۔۔کی تو تم نے خود کشی ہی ہے۔۔۔۔میرا مطلب ہے کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔۔میں نے اپنے طریقے سے یہ کوشش کی تھی۔۔۔۔تم نے اپنے طریقے سے کی ہے۔" سالار نے سرد مہری سے کہا۔

امامہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آگئے۔ گردن موڑ کر اس نے سالار کو دیکھا۔

"میں نے کوئی خود کشی نہیں کی ہے۔"

"کسی لڑکے کے لئے گھر سے بھاگنا ایک لڑکی کے لیے خود کشی ہی ہوتی ہے۔۔۔۔وہ بھی اس صورت میں جب وہ لڑکا شادی پر تیار ہی نہ ہو۔۔۔۔دیکھو، میں خود ایک لڑکا ہوں۔۔۔۔بہت براڈ مائنڈڈ اور لبرل ہوں اور میں بالکل برا نہیں سمجھتا اگر ایک لڑکی گھر

سے بھاگ کر کسی لڑکے کے ساتھ کورٹ میرج یا شادی کر لے۔۔۔۔ مگر وہ لڑکا اس کا ساتھ تو دے، ایک ایسے لڑکے کے لئے گھر سے بھاگ جانا جو شادی کر چکا ہو۔۔۔۔ پچ پچ ۔۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر تمہاری عمر میں بھاگنا۔۔۔۔ بالکل حماقت ہے۔"

"میں کسی لڑکے کے لیے نہیں بھاگی ہوں۔"

"جلال انصر!" سالار نے اس کی بات کاٹ کر اسے یاد دلایا۔

"میں اس کے لیے نہیں بھاگی ہوں۔" وہ بے اختیار بلند آواز میں چلائی۔ سالار کا پاؤں بے اختیار بریک پر جا پڑا۔ اس نے حیرانی سے امامہ کو دیکھا۔

"تو مجھ پر کیوں چلا رہی ہو، مجھ پر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" سالار نے ناراضی سے کہا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"یہ جو تمہاری مذہب والی تھیوری یا فلاسفی یا پوائنٹ یا جو بھی ہے I don't get it کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر کوئی کسی اور پیغمبر کو ماننا شروع ہو گیا۔۔۔۔ زندگی ان فضول بحثوں کے علاوہ بھی کچھ ہے۔۔۔۔ مذہب، عقیدے یا فرقے پر لڑنا۔۔۔۔ What rubbish۔"

امامہ نے گردن موڑ کر ناراضی کے عالم میں اسے دیکھا۔ "جو چیزیں تمہارے لیے فضول ہیں، ضروری نہیں وہ ہر ایک کے لیے فضول ہوں۔ میں اپنے مذہب پر قائم رہنا نہیں چاہتی اور نہ ہی اس مذہب کے کسی شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ تو یہ میرا حق ہے کہ میں ایسا کروں، میں تم سے ایسی چیزوں کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتی جسے تم نہیں سمجھتے۔۔۔۔ اس لیے تم ان معاملات کے بارے میں اس طرح کے تبصرے مت کرو۔"

"مجھے حق ہے کہ میں جو چاہے کہوں Freedom of expression (اظہار کی آزادی)" سالار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ امامہ نے جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ سالار بھی خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

"یہ جلال انصر۔۔۔۔ میں اس کی بات کر رہا تھا۔" وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ایک بار پھر اپنے اسی موضوع کی طرف آگیا۔

"اس میں کیا خاص بات ہے؟" اس نے گردن موڑ کر امامہ کو دیکھا۔ وہ اب ونڈ اسکرین سے باہر سڑک کو دیکھ رہی تھی۔

"جلال انصر اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے۔۔۔۔۔وہ بالکل بھی ہینڈ سم نہیں ہے۔ تم ایک خوبصورت لڑکی ہو، میں حیران ہوں تم اس میں کیسے دلچسپی لینے لگیں۔۔۔۔۔ کیا وہ بہت زیادہ۔۔۔۔۔intelligent ہے؟" اس نے امامہ سے پوچھا۔

امامہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "intelligent۔۔۔۔۔ کیا مطلب؟"

"دیکھو یا تو کسی کی شکل اچھی لگتی ہے۔۔۔۔۔ میں نہیں سمجھتا تمہیں جلال کی شکل اچھی لگی ہو گی یا پھر کسی کا فیملی بیک گراؤنڈ۔۔۔۔۔ پیسہ وغیرہ کسی میں دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔۔۔۔۔ اب جلال کا فیملی بیک گراؤنڈ یا مالی حالت کے بارے میں، میں نہیں جانتا مگر خود تمہارا فیملی بیک گراؤنڈ جتنا ساؤنڈ ہے، یہ بھی تمہارے لیے اس میں دلچسپی کا باعث نہیں بن سکتا۔۔۔۔۔ واحد بچ جانے والی وجہ کسی کی ذہانت، قابلیت وغیرہ ہے۔۔۔۔۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ کیا وہ بہت intelligent ہے۔۔۔۔۔ کیا بہت آؤٹ اسٹینڈنگ اور brilliant ہے؟"

"نہیں۔" امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔

سالار کو مایوسی ہوئی۔ "تو پھر۔۔۔۔۔ تم اس کی طرف متوجہ کیسے ہوئیں۔" امامہ ونڈ اسکرین سے بار ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نظر آنے والی سڑک دیکھتی رہی۔ سالار نے اپنا سوال

دُہرایا۔ صرف کندھے اچکاتے ہوئے وہ دوبارہ ڈرائیونگ پر توجہ دینے لگا۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"وہ نعت بہت اچھی پڑھتا ہے۔" تقریباً پانچ منٹ بعد خاموشی ٹوٹی تھی۔ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں امامہ یوں بڑبڑائی تھی جیسے خود کلامی کر رہی ہو۔ سالار نے اس کا جملہ سن لیا تھا مگر اسے وہ ناقابل یقین لگا۔

"کیا؟" اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

"جلال نعت بہت اچھی پڑھتا ہے۔" اسی طرح ونڈ اسکرین سے باہر جھانکتے ہوئے کہا مگر اس بار اس کی آواز کچھ بلند تھی۔

"بس آواز کی وجہ سے۔۔۔۔۔ سنگر ہے؟" سالار نے تبصرہ کیا۔

امامہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر؟"

"بس وہ نعت ہی پڑھتا ہے۔۔۔۔۔ اور بہت خوبصورت پڑھتا ہے۔"

سالار ہنسا۔ تم صرف اس کے نعت پڑھنے کی وجہ سے اس سے محبت میں گرفتار ہوئیں۔ میں کم از کم اس پر یقین نہیں کر سکتا۔"

امامہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "تو مت کرو۔۔۔۔۔ تمہارے یقین کی کس کو ضرورت ہے۔" اس کی آواز میں سرد مہری تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"فرض کرو یہ مان لیا جائے کہ تم واقعی اس کے نعت پڑھنے سے کچھ متاثر ہو کر اتنا آگے بڑھ گئیں۔۔۔۔۔ تو یہ تو کوئی زیادہ پریکٹیکل بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ باربرا کارٹ لینڈ کے ناول والا رومانس ہی ہو گیا یہ تو۔۔۔۔۔ اور تم ایک میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو کر اتنا ممیچیور ذہن رکھتی ہو۔" سالار نے بے رحمی سے تبصرہ کیا۔

امامہ نے ایک بار پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "میں بہت میچیور ہوں۔۔۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔۔۔ پچھلے دو چار سالوں میں مجھ سے زیادہ پریکٹیکل ہو کر کسی نے چیزوں کو نہیں دیکھا ہو گا۔"

"میری رائے محفوظ ہے۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے تمہارا پریکٹیکل ہونا میرے پریکٹیکل ہونے سے مختلف ہو۔ اینی وے میں جلال کی بات کر رہا تھا۔۔۔۔۔ وہ جو تم نعت وغیرہ کا ذکر کر رہی تھیں اس کی بات۔"

"بعض چیزوں پر اپنا اختیار نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ میرا بھی نہیں ہے۔" اس بار امامہ کی آواز میں شکستگی تھی۔

"میں پھر تم سے اتفاق نہیں کرتا۔ ہر چیز اپنے اختیار میں ہوتی ہے۔۔۔۔۔ کم از کم اپنی فیلنگز، ایموشنز اور ایکشن پر انسان کو کنٹرول ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ہمیں پتا ہوتا ہے کہ ہم کس شخص کے لیے کس طرح کی فیلنگز ڈویلپ کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ کیوں کر رہے ہیں، اس کا بھی پتا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور جب تک ہم باقاعدہ ہوش و حواس میں رہتے ہوئے ان فیلنگز کو ڈویلپ نہیں ہونے دیتے۔۔۔۔۔ وہ نہیں ہوتیں۔۔۔۔۔ اس لئے یہ نہیں مان سکتا کہ ایسی چیزوں پر اپنا کنٹرول ہی نہ رہے۔"

اس نے بات کرتے ہوئے دوسری بار امامہ کو دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ وہ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر ونڈ اسکرین کو دیکھ رہی تھی یا شاید ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں اور اس وقت بھی ان میں نمی نظر آ رہی تھی۔۔۔۔۔ وہ ذہنی طور پر کہیں اور موجود تھی۔۔۔۔۔ کہاں یہ وہ نہیں جان سکتا تھا۔ اسے وہ ایک بار پھر ابنارمل لگی۔

بہت دیر تک خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتے رہنے کے بعد سالار نے قدرے اکتا کر ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

"نعت پڑھنے کے علاوہ اس میں اور کون سی کوالٹی ہے؟" اس کی آواز بلند تھی۔ امامہ بے اختیار چونک گئی۔

"نعت پڑھنے کے علاوہ اس میں اور کیا کوالٹی ہے؟" سالار نے اپنا سوال دُہرایا۔

"ہر وہ کوالٹی جو ایک اچھے انسان۔۔۔۔۔اچھے مسلمان میں ہوتی ہے۔" امامہ نے کہا۔

"مثلاً۔" سالار نے بھوئیں اچکاتے ہوئے کہا۔

"اور اگر نہ بھی ہوتیں تو بھی وہ شخص حضرت محمد ﷺ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ میں اسے اسی ایک کوالٹی کی خاطر کسی بھی دوسرے شخص پر ترجیح دیتی۔"

سالار عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "what a logic ایسی باتوں کو میں واقعی ہی نہیں سمجھ سکتا۔"

اس نے گردن کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی پسند سے شادی کرو گے یا اپنے پیرنٹس کی پسند سے؟" امامہ نے اچانک اس سے پوچھا۔ وہ حیران ہوا۔

"آف کورس اپنی پسند سے۔۔۔۔۔پیرنٹس کی پسند سے شادی والا زمانہ تو نہیں ہے یہ۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"تم بھی تو کسی کوالٹی کی وجہ سے ہی کوئی لڑکی پسند کرو گے۔۔۔۔۔شکل و صورت کی وجہ سے۔۔۔۔۔یا پھر جس سے تمہاری انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے گی اس سے۔۔۔۔۔ایسا ہی ہو گا نا۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"یقیناً۔" سالار نے کہا۔

"میں بھی تو یہی کر رہی ہوں۔ اپنی اپنی ترجیحات کی بات ہوتی ہے۔ تم ان چیزوں کی بنا پر کسی سے شادی کرو گے، میں بھی ایسی ہی ایک وجہ کی بنا پر شادی کرنا چاہتی تھی جلال انصر سے۔۔۔۔۔" وہ رکی۔

"میری خواہش ہے، میری شادی اس سے ہو جو حضرت محمد ﷺ سے مجھ سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔ جلال انصر! آپ ﷺ سے مجھ سے زیادہ محبت کرتا تھا۔۔۔۔۔مجھے لگا، مجھے اسی شخص سے شادی کرنی چاہیئے۔۔۔۔۔میں نے تم سے کہا بعض چیزوں پر اختیار نہیں ہوتا۔۔۔۔۔بعض خواہشات۔۔۔۔۔بس ان سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں ہوتا۔" اس نے افسردگی سے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اور اب جب وہ شادی کر چکا ہے تو اب تم کیا کرو گی؟"

"پتا نہیں۔"

"تم ایسا کرو۔۔۔۔کہ تم کسی اور نعت پڑھنے والے کو ڈھونڈ لو، تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

امامہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔ وہ سفاکی کی حد تک بے حس تھا۔ "اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو تم۔۔۔۔میں مذاق کر رہا ہوں۔" وہ اب اپنی ہنسی پر قابو پا چکا تھا۔ امامہ نے کچھ کہنے کے بجائے گردن موڑ لی۔

"تمہیں تمہارے فادر نے مارا ہے۔" سالار نے پہلے کی طرح کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولنے کا معمول جاری رکھا۔

"تمہیں کس نے بتایا۔" امامہ نے اسے دیکھے بغیر کہا۔

"ملازمہ نے۔" سالار نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بیچاری یہ سمجھ رہی کے کہ تم جو یہ شادی سے انکار کر رہی ہو وہ میری وجہ سے کر رہی ہو۔ اس لئے اس نے مجھ تک تمہاری "حالتِ زار" بڑے دردناک انداز میں پہنچائی تھی۔۔۔۔مارا ہے تمہارے فادر نے؟"

"ہاں۔" اس نے بے تاثر انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے پوچھا نہیں۔۔۔۔شاید وہ ناراض تھے اس لئے۔"

"تم نے کیوں مارنے دیا۔"

امامہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "وہ میرے بابا ہیں، انہیں حق ہے، وہ مار سکتے ہیں مجھے۔"

سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا، وہ اس صورتِ حال میں یہی کرتا۔۔۔۔مجھے یہ قابلِ اعتراض نہیں لگا۔" وہ بڑے ہموار لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اگر مارنے کا حق ہے انہیں تو پھر تمہاری شادی کرنے کا بھی حق ہے۔۔۔۔اس پر اتنا ہنگامہ کیوں کھڑا کر رہی ہو تم۔" سالار نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کسی مسلمان سے کرتے۔۔۔۔اور چاہے جہاں مرضی کر دیتے۔۔۔۔میں کروا لیتی۔"

"چاہے وہ جلال انصر نہ ہوتا۔" استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔۔۔۔اب بھی آخر کون سا ہو گئی ہے اس سے۔" اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی جھلملا رہی تھی۔

"توتم ان سے یہ کہہ دیتیں۔"

"کہا تھا۔۔۔۔تم سمجھتے ہو میں نے نہیں کہا ہو گا۔"

"مجھے ایک بات پر بہت حیرانی ہے۔" سالار نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ "آخر تم نے مجھ سے مدد لینے کا فیصلہ کیوں کیا۔۔۔۔بلکہ کیسے کر لیا۔ تم مجھے خاصا ناپسند کرتی تھیں۔" اس نے امامہ کی بات کا جواب دیئے بغیر بات جاری رکھی۔

"میرے پاس تمہارے علاوہ دوسرا کوئی آپشن تھا ہی نہیں۔" امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔ "میری اپنی کوئی فرینڈ اس طرح میری مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی جس طرح کوئی لڑکا کر سکتا تھا۔ اسجد کے علاوہ میں صرف جلال اور تم سے واقف تھی۔۔۔۔اور سب سے قریب ترین صرف تم تھے جس سے میں فوری رابطہ کر سکتی تھی، اس لئے میں نے تم سے رابطہ کیا۔" وہ مدھم آواز میں رک رک کر بولتی رہی۔

"تمہیں یقین تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا؟"

"نہیں۔۔۔۔میں نے صرف ایک رسک لیا تھا۔ یقین کیسے ہو سکتا تھا مجھے کہ تم میری مدد کرو گے۔ میں نے تمہیں بتایا نا! میرے پاس تمہارے علاوہ اور کوئی آپشن تھا ہی نہیں۔"

"یعنی تم نے ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنالیا ہے۔" اس کے بے حد عجیب لہجے میں کئے گئے تبصرے نے یک دم امامہ کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ بات منہ پر مارنے میں ماہر تھا مگر اس نے غلط بھی نہیں کہا تھا۔

"ویری انٹرسٹنگ۔" اس نے امامہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا جیسے اپنے تبصرے پر خود ہی محظوظ ہوا تھا۔



"میں گاڑی کچھ دیر کے لئے یہاں روکنا چاہ رہا ہوں۔" سالار نے سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک سستے قسم کے ہوٹل اور سروس اسٹیشن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ذرا ٹائر چیک کروانا چاہ رہا ہوں۔ گاڑی میں دوسرا ٹائر نہیں ہے، رستے میں اگر کہیں ٹائر فلیٹ ہو گیا تو بہت مسئلہ ہو گا۔"

امامہ نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ گاڑی موڑ کر اندر لے گیا۔ اس وقت دور کہیں فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ ہوٹل میں کام کرنے والے دو چار لوگوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔

اسے گاڑی اندر لاتے دیکھ کر ایک آدمی باہر نکل آیا۔ شاید وہ گاڑی کی آواز سن کر آیا تھا۔ سالار گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

وہ کچھ دیر سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ اذان کی آواز کچھ زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ امامہ نے آنکھیں کھول دیں۔ کار کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر سالار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"یہاں کتنی دیر رکنا ہے؟" وہ سالار سے پوچھ رہی تھی۔

"دس پندرہ منٹ۔۔۔۔ میں انجن بھی ایک دفعہ چیک کروانا چاہتا ہوں۔"

"میں نماز پڑھنا چاہتی ہوں، مجھے وضو کرنا ہے۔" اس نے سالار سے کہا۔ اس سے پہلے کہ سالار کچھ کہتا۔

اس آدمی نے بلند آواز میں اسے پکارتے ہوئے کہا۔

"باجی! وضو کرنا ہے تو اس ڈرم سے پانی لے لیں۔"

"اور وہ نماز کہاں پڑھے گی؟" سالار نے اس آدمی سے پوچھا۔

"یہ سامنے والے کمرے میں۔۔۔۔ میں جائے نماز دے دیتا ہوں۔" وہ اب پائپ اتار رہا تھا۔

"پہلے جائے نماز دے دوں پھر انجن آ کر چیک کرتا ہوں۔" اس آدمی نے اس کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

سالار نے دور سے امامہ کو اس ڈرم کے پاس کچھ تذبذب کی حالت میں کھڑے دیکھا۔ وہ لاشعوری طور پر آگے چلا آیا۔ وہ تار کول کا ایک بہت بڑا خالی ڈرم تھا جسے ایک ڈھکن سے کور کیا گیا تھا۔

"اس میں سے پانی کیسے لوں؟" امامہ نے قدموں کی چاپ پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سالار نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ کچھ فاصلے پر ایک بالٹی پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس بالٹی کو اٹھا لایا۔

"میرا خیال ہے یہ اسی بالٹی کو پانی نکالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔" اس نے امامہ سے کہتے ہوئے ڈرم کا ڈھکن اٹھایا اور اس میں سے پانی بالٹی میں بھر لیا۔

"میں کرا دیتا ہوں وضو۔" سالار کو اس کے چہرے پر تذبذب نظر آیا مگر پھر کچھ کہنے کے بجائے وہ اپنی آستین اوپر کرنے لگی۔ اپنی گھڑی اتار کر اس نے سالار کی طرف بڑھا دی اور

پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔ سالار نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں پر کچھ پانی ڈالا۔ امامہ کو بے اختیار جیسے کرنٹ لگا۔ اس نے یک دم اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

"کیا ہوا؟" سالار نے کچھ حیرانی سے کہا۔

"کچھ نہیں، پانی بہت ٹھنڈا ہے۔۔۔۔۔ تم پانی ڈالو۔" وہ ایک بار پھر ہاتھ پھیلا رہی تھی۔

سالار نے پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ وضو کرنے لگی۔ پہلی بار سالار نے اس کے ہاتھوں کو کہنیوں تک دیکھا۔ کچھ دیر کے لئے وہ اس کی کلائیوں سے نظر نہیں ہٹا سکا، پھر اس کی نظر اس کی کلائیوں سے اس کے چہرے پر چلی گئی۔ وہ اپنی چادر کو ہٹائے بغیر بڑی احتیاط کے ساتھ سر، کانوں اور گردن کا مسح کر رہی تھی اور سالار کی نظریں اس کے ہاتھوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھیں۔ اس کی گردن میں موجود سونے کی چین اور اس میں لٹکنے والے موتی کو بھی اس نے پہلی بار دریافت کیا تھا۔ سالار نے اسے جتنی بار دیکھا تھا اسی طرح کی چادر میں دیکھا تھا۔ چادر کا رنگ مختلف ہوتا مگر وہ ہمیشہ اسے ایک ہی انداز میں لپیٹے ہوتی۔ وہ کبھی اس کے خدوخال پر غور نہیں کر سکا۔

"پاؤں پر پانی میں خود ڈال لیتی ہوں۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سالار کے ہاتھ سے اس بالٹی کو پکڑ لیا جو اب تقریباً خالی ہونے والی تھی۔ سالار چند قدم پیچھے ہٹ کر محویت سے دیکھنے لگا۔

وہ وضو کر چکی تو سالار کی محویت ختم ہوئی۔ اس نے گھڑی اس کی طرف بڑھا دی۔

آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ اس کمرے تک آئے جہاں وہ آدمی گیا تھا۔ وہ آدمی جب تک کمرے میں ایک طرف مصلیٰ بچھا چکا تھا۔ امامہ خاموشی سے جائے نماز کی طرف بڑھ گئی۔



لاہور کی حدود میں داخل ہوتے ہی امامہ نے اس سے کہا۔ "اب تم مجھے کسی بھی اسٹاپ پر اتار دو۔۔۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔"

"تم جہاں جانا چاہتی ہو، میں تمہیں وہاں چھوڑ دیتا ہوں۔ اتنی دھند میں کسی ٹرانسپورٹ کا انتظار کرتے تمہیں بہت وقت لگے گا۔" سڑکیں اس وقت تقریباً ویران تھیں، حالانکہ صبح ہو چکی تھی مگر دھند نے ہر چیز کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"مجھے نہیں پتا، مجھے کہاں جانا ہے پھر تمہیں میں کس جگہ کا پتا بتاؤں۔ ابھی تو شاید میں ہاسٹل جاؤں اور پھر وہاں۔۔۔۔" سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو پھر میں تمہیں ہاسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔" کچھ فاصلہ اسی طرح خاموشی سے طے ہوا پھر ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر امامہ نے اس سے کہا۔

"بس تم یہاں گاڑی روک دو، میں یہاں سے خود چلی جاؤں گی۔۔۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہاسٹل نہیں جانا چاہتی۔" سالار نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔

"پچھلے کچھ ہفتوں میں تم نے میری بہت مدد کی ہے، میں اس کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ تم میری مدد نہ کرتے تو آج میں یہاں نہ ہوتی۔" وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔ "تمہارا موبائل ابھی میرے پاس ہے، مگر مجھے ابھی اس کی ضرورت ہے، میں کچھ عرصہ بعد اسے واپس بھجوا دوں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں، تم اسے رکھ سکتی ہو۔"

"میں کچھ دنوں بعد تم سے دوبارہ رابطہ کروں گی پھر تم مجھے طلاق کے پیپرز بھجوا دینا۔" وہ رکی۔

"میں امید کرتی ہوں کہ تم میرے پیرنٹس کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔"

"یہ کہنے کی ضرورت تھی؟" سالار نے بھنوئیں اچکاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کچھ بتانا ہوتا تو میں بہت پہلے بتا چکا ہوتا۔" سالار نے قدرے سرد مہری سے کہا۔ "تم مجھے بہت برا لڑکا سمجھتی تھیں، کیا ابھی بھی تمہاری میرے بارے میں وہی رائے ہے یا تم نے اپنی رائے میں کچھ تبدیلی کی ہے۔" سالار نے اچانک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ میں دراصل بہت اچھا لڑکا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔ سالار کو اس کی بات پر جیسے شاک لگا۔

"ہو سکتا ہے۔" وہ بے یقینی سے مسکرایا۔ "ابھی بھی ہو سکتا ہے، تم بہت ناشکری ہو امامہ، میں نے تمہارے لئے اتنا کچھ کیا ہے جو اس زمانے میں کوئی لڑکا نہیں کرے گا اور تم پھر بھی مجھے اچھا ماننے پر تیار نہیں۔"

"میں ناشکری نہیں ہوں۔ مجھے اعتراف ہیں کہ تم نے مجھ پر بہت احسان کئے ہیں اور شاید تمہاری جگہ کوئی دوسرا کبھی نہ کرتا۔۔۔۔۔"

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تو میں اچھا ہوا نا۔"

وہ کچھ نہیں بولی صرف اسے دیکھتی رہی۔

"نہیں، مجھے پتا ہے تم یہی کہنا چاہتی ہو، حالانکہ مشرقی لڑکی کی خاموشی اس کا اقرار ہوتی ہے مگر تمہاری خاموشی تمہارا انکار ہوتی ہے۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔"

"ہم ایک فضول بحث کر رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" سالار نے کندھے اچکائے۔ "مگر مجھے حیرانی ہے کہ تم۔۔۔۔"

اس بار امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے میرے لئے یقیناً بہت کچھ کیا ہے۔۔۔۔ اور اگر میں تمہیں جانتی نہ ہوتی تو یقیناً میں تمہیں ایک بہت اچھا انسان سمجھتی اور کہہ بھی دیتی۔۔۔۔ مگر میں تمہیں اتنی اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ تم ایک اچھے انسان ہو۔۔۔۔"

وہ رکی۔ سالار پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"جو آدمی خودکشی کی کوشش کرتا ہو، شراب پیتا ہو، جس نے اپنا کمرہ عورتوں کی برہنہ تصویروں سے بھر رکھا ہو۔۔۔۔ وہ اچھا آدمی تو نہیں ہو سکتا۔" امامہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تم کسی ایسے آدمی کے پاس جاتیں جو یہ تینوں کام نہ کرتا مگر تمہاری مدد بھی نہ کرتا تو کیا تمہارے لئے وہ اچھا آدمی ہوتا؟" سالار نے تیز آواز میں کہا۔ "جیسے جلال انصر؟"

امامہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "ہاں، اس نے میری مدد نہیں کی، مجھ سے شادی نہیں کی مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ برا ہو گیا ہے۔ وہ اچھا آدمی ہے۔۔۔۔ ابھی بھی میرے نزدیک اچھا آدمی ہے۔"

"اور میں نے تمہاری مدد کی۔۔۔۔ تم سے شادی کی مگر یقیناً اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اچھا ہو گیا ہوں، میں برا آدمی ہوں۔" وہ عجیب سے انداز میں کہتے ہوئے مسکرایا۔ "تمہارا خود اپنے بارے میں کیا خیال ہے امامہ۔۔۔۔ کیا تم اچھی لڑکی ہو؟"

اس نے اچانک چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر کہنے لگا۔

"میرے نزدیک تم بھی اچھی لڑکی نہیں ہو، تم بھی ایک لڑکے کے لئے اپنے گھر سے بھاگی ہو۔۔۔۔ اپنے منگیتر کو دھوکا دیا ہے تم نے۔۔۔۔ اپنی فیملی کی عزت کو خراب کیا ہے تم نے۔۔۔۔" سالار نے ہر لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

امامہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آ گئی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو، میں واقعی اچھی لڑکی نہیں ہوں۔ ابھی مجھے یہ جملہ بہت سے لوگوں سے سننا ہے۔"

"میں تمہیں بہت لمبی چوڑی وضاحت دے سکتی ہوں مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں، تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"فرض کرو، میں تمہیں لاہور نہ لے کر آتا کہیں اور لے جاتا پھر۔۔۔۔۔ مگر میں تمہیں بحفاظت یہاں لے آیا۔۔۔۔۔ یہ میرا تم پر کتنا بڑا احسان ہے، تمہیں اندازہ ہے اس کا۔"

امامہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے یقین تھا تم مجھے کہیں اور نہیں لے جاؤ گے۔"

وہ اس کی بات پر ہنسا۔ "مجھ پر یقین تھا۔۔۔۔۔ کیوں؟ میں تو ایک برا لڑکا ہوں۔"

"مجھے تم پر یقین نہیں تھا۔۔۔۔۔ اللہ پر یقین تھا۔" سالار کے ماتھے پر کچھ بل پڑ گئے۔

"میں نے اللہ اور اپنے پیغمبر ﷺ کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا ہے، یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے تمہارے جیسے آدمی کے ہاتھوں رسوا کرتے، یہ ممکن ہی نہیں تھا۔"

"فرض کرو ایسا ہو جاتا۔" سالار مصر ہوا۔ "میں ایسی بات کیوں فرض کروں جو نہیں ہوئی۔" وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

"یعنی تم مجھے کسی قسم کا کوئی کریڈٹ نہیں دو گی۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

"اچھا فرض کرو میں اب تمہیں جانے نہیں دیتا تو تم کیا کرو گی۔ گاڑی کا دروازہ جب تک میں نہیں کھولوں گا، نہیں کھلے گا۔۔۔۔۔ یہ تم جانتی ہو۔۔۔۔۔ اب بتاؤ تم کیا کرو گی۔"

وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ "یا میں یہ کرتا ہوں۔" سالار نے ڈیش بورڈ پر پڑا ہوا اپنا موبائل اٹھایا اور اس پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "کہ تمہارے گھر فون کر دیتا ہوں۔" اس نے موبائل کی سکرین کو اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اس پر امامہ کے گھر کا نمبر تھا۔

"میں انہیں تمہارے بارے میں بتاتا ہوں کہ تم کہاں ہو، کس کے ساتھ ہو۔۔۔۔۔ پھر یہاں سے تمہیں سیدھا پولیس اسٹیشن لے جا کر ان کی تحویل میں دے دیتا ہوں۔۔۔۔۔ تو پھر تمہارے اعتقاد اور اعتبار کا کیا ہوا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

امامہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ سالار کو بے حد خوشی محسوس ہوئی۔ سالار نے موبائل آف کرتے ہوئے ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"کتنا بڑا احسان کر رہا ہوں میں تم پر کہ ایسا نہیں کر رہا۔" اس نے موبائل کو دوبارہ ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ تم بے بس ہو، کچھ بھی نہیں کر سکتیں، اسی طرح رات کو میں تمہیں کہیں اور لے جاتا تو تم کیا کر لیتیں۔"

"میں تمہیں شوٹ کر دیتی۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔

"کیا کر دیتیں۔ میں۔۔۔۔۔ تمہیں۔۔۔۔۔ شوٹ۔۔۔۔۔ کر۔۔۔۔۔ دیتی۔"

اس نے اسی انداز میں رک رک کر اسے کہا۔ وہ اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھلکھلا کر ہنسا۔

"کبھی زندگی میں پسٹل دیکھا بھی ہے تم نے۔" اس نے امامہ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

سالار نے اسے جھکتے اور اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھا۔ جب وہ سیدھی ہوئی تو اس نے سالار سے کہا۔ "شاید اسے کہتے ہیں۔"

سالار ہنسنا بھول گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں چھوٹے سائز کا ایک بہت خوبصورت اور قیمتی لیڈیز پستول تھا۔ سالار پستول پر اس کے ہاتھ کی گرفت دیکھ کر جان گیا تھا کہ وہ کسی اناڑی کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اس نے بے یقینی سے امامہ کو دیکھا۔

"تم مجھے شوٹ کر سکتی تھیں؟"

"ہاں، میں تمہیں شوٹ کر سکتی تھی مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ تم نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا۔"

اس نے مستحکم آواز میں کہا۔ اس نے پستول سالار کی طرف نہیں کیا تھا، صرف اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔

"گاڑی کا لاک۔۔۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے سالار سے کہا۔ سالار نے غیر ارادی طور پر اپنی طرف موجود بٹن دبا کر لاک کھول دیا۔ امامہ نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اب پستول اپنی گود میں موجود بیگ میں رکھ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ امامہ نے گاڑی سے باہر نکل کر اس کا دروازہ بند کر دیا۔ سالار نے اسے تیز قدموں کے ساتھ ایک قریب آتی ہوئی ویگن کی طرف جاتے اور پھر اس میں سوار ہوتے دیکھا۔

اس کی قوت مشاہدہ بہت تیز تھی۔۔۔۔۔ وہ کسی بھی شخص کے چہرے کو پڑھ سکتا تھا۔۔۔۔۔ اور اسے اس چیز پر بڑا زعم تھا۔۔۔۔۔ مگر وہاں اس دھند آلود سڑک پر گاڑی پر بیٹھے ہوئے اس نے اعتراف کیا۔ وہ امامہ ہاشم کو نہیں جان سکا تھا۔۔۔۔۔ وہ اگلے کئی منٹ اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھے بے یقینی کے عالم میں وہیں بیٹھا رہا تھا۔ امامہ ہاشم کے لئے اس کی ناپسندیدگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ واپسی پر دھند کی پرواہ کئے بغیر پوری رفتار سے گاڑی چلا کر آیا تھا۔ پورا رستہ اس کا ذہن اسی ادھیڑ بن میں لگا ہوا تھا کہ اس نے پستول آخر کہاں سے نکالا تھا۔ وہ پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ جس وقت وہ وضو کے لئے پاؤں دھو رہی تھی اس وقت وہ پستول اس کی پنڈل کے ساتھ نہیں تھا ورنہ وہ ضرور اسے دیکھ لیتا۔ بعد میں نماز پڑھنے کے دوران بھی وہ بغور اسے سر

سے پاؤں تک دیکھتا رہا تھا، پستول تب بھی اس کی پنڈل کے ساتھ بندھا ہوا نہیں تھا۔ وہ برگر کھانے اور چائے پینے کے بعد گاڑی میں آکر بیٹھ گئی تھی اور وہ کچھ دیر بعد گاڑی میں آیا تھا۔ وہ یقیناً گاڑی میں موجود اس کے بیگ میں ہی ہوگا۔ وہ اندازے لگاتا رہا۔

وہ جس وقت اپنے گھر پہنچا اس کا موڈ آف تھا۔ گیٹ سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے اس نے چوکیدار کو اپنی طرف بلایا۔ "رات کو میں جس لڑکی کے ساتھ یہاں سے گیا تھا تم اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گے بلکہ میں رات کو کہیں نہیں گیا، سمجھ میں آیا۔" اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"جی۔۔۔۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" چوکیدار نے فرمانبرداری سے سر ہلایا۔ وہ احمق نہیں تھا کہ ایسی چیزوں کے بارے میں کسی کو بتاتا پھرتا۔

اپنے کمرے میں آکر وہ اطمینان کے ساتھ سو گیا۔ اس کا اس دن کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اس وقت گہری نیند میں تھا، جب اس نے اچانک کسی کو اپنے کمرے کے دروازے کو زور زور سے بجاتے سنا۔ وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دروازہ واقعی بج رہا تھا۔ اس نے مندی ہوئی

نظروں سے وال کلاک کو دیکھا جو چار بجا رہا تھا۔ اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وہ اپنے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے دروازہ بجانے والے پر شدید غصہ آرہا تھا۔ اسی غصے کے عالم میں اس نے بڑبڑاتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ باہر ملازم کھڑا تھا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں۔۔۔۔۔ کیوں اس طرح دروازہ بجا رہے ہو؟ دروازہ توڑنا چاہتے ہو تم؟" وہ دروازہ کھولتے ہی ملازم پر چلایا۔

"سالار صاحب باہر پولیس کھڑی ہے۔" ملازم نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ سالار کا غصہ اور نیند ایک منٹ میں غائب ہو گئے۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں وہ پولیس کے وہاں آجانے کی وجہ جان گیا تھا اور اس ان کی اور امامہ کے گھر والوں کی اس مستعدی پر حیرت ہوئی۔ آخر چند گھنٹوں میں سیدھے اس تک کیسے پہنچ گئے تھے۔

"کس لئے آئی ہے پولیس؟" اس نے اپنی آواز کو پرسکون رکھتے ہوئے بے تاثر چہرے کے ساتھ پوچھا۔

"یہ تو جی پتا نہیں، وہ بس کہہ رہے ہیں کہ آپ سے ملنا ہے، مگر چوکیدار نے گیٹ نہیں کھولا۔ اس نے ان سے کہہ دیا ہے کہ آپ گھر پر نہیں ہیں مگر ان کے پاس آپ کے وارنٹ ہیں اور

وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر انہیں اندر نہیں آنے دیا گیا تو وہ زبردستی اندر آجائیں گے اور تمام لوگوں کو گرفتار کر کے لے جائیں گے۔"

سالار نے بے اختیار اطمینان بھرا سانس لیا۔ چوکیدار نے واقعی بڑی عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے یقیناً یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پولیس رات والی لڑکی کے معاملے میں ہی تفتیش کے لئے وہاں آئی تھی اس لئے اس نے نہ تو پولیس کو اندر آنے دیا نہ ہی انہیں یہ بتایا کہ سالار گھر پر موجود تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔" سالار نے ملازم سے کہا اور واپس اپنے بیڈ روم میں آگیا، وہ کسی عام شہری کا گھر ہوتا تو پولیس شاید دیواریں پھلانگ کر بھی اندر موجود ہوتی مگر اس وقت وارنٹ ہونے کے باوجود اس گھر کا سائز اور جس علاقے میں وہ واقع تھا انہیں خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔ اگر امامہ کا خاندان بھی اثر ورسوخ والا نہیں ہوتا تو شاید اس وقت پولیس اس سیکٹر میں آنے اور خاص طور پر وارنٹ کے ساتھ آنے کی جرات ہی نہ کرتی مگر اس وقت پولیس کے سامنے آگے کنواں پیچھے کھائی والی صورت تھی۔

سالار نے بیڈ روم کے اندر آتے ہی فون اٹھا کر کراچی سکندر عثمان کو فون کیا۔

"پاپا! ایک چھوٹا سا پرابلم ہو گیا ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"یہاں ہمارے گھر کے باہر پولیس کھڑی ہے اور ان کے پاس میرے گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔"

سکندر عثمان کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے بچا۔

"کیوں۔۔۔۔۔؟"

"یہ تو نہیں پتا پاپا۔۔۔۔۔ میں سو رہا تھا، ملازم نے جگا کر مجھے بتایا، کیا میں جا کر پولیس والوں سے پوچھوں کہ وہ کس سلسلے میں مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟" سالار نے بڑی فرمانبرداری اور معصومیت کے ساتھ سکندر عثمان سے پوچھا۔

"نہیں، باہر نکلنے یا پولیس کو اندر بلوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کمرے میں ہی رہو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں رنگ کرتا ہوں۔" سکندر عثمان نے عجلت کے عالم میں موبائل بند کر دیا۔ سالار نے مطمئن ہو کر فون رکھ دیا وہ جانتا تھا کہ اب کچھ دیر بعد پولیس وہاں نہیں ہو گی اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد ملازم نے آکر اسے پولیس کے جانے کے بارے میں بتایا۔ ملازم ابھی اس سے بات کر ہی رہا تھا جب سکندر نے دوبارہ کال کی تھی۔

"پولیس چلی گئی ہے؟" سکندر نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"ہاں چلی گئی ہے۔" سالار نے بڑے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

"اب تم میری بات ٹھیک طرح سنو۔ میں اور تمہاری ممی رات کو کراچی سے اسلام آباد پہنچ رہے ہیں۔ تم تب تک گھر سے کہیں نہیں نکلو گے۔۔۔۔۔سنا تم نے۔" سالار کو ان کے بات کرنے کا انداز بہت عجیب سا لگا۔ انہوں نے بہت اکھڑ انداز اور سرد مہری سے اس سے بات کی تھی۔

"سن لیا۔۔۔۔" وہ دوسری طرف سے فون بند کر چکے تھے۔

سالار ابھی فون بند کر رہا تھا جب اس کی نظر اپنے کمرے کے کارپٹ پر پڑی۔ وہاں جوتے کے نشانات تھے اور اس نے دیکھا کہ ملازم بھی قدرے حیرانی کے عالم میں ان نشانات کو دیکھ رہا تھا جو کھڑکی سے قطار کی صورت میں بڑھ رہے تھے۔

"جوتے کے ان نشانات کو صاف کر دو۔" سالار نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

ملازم کمرے سے باہر چلا گیا۔ سالار اٹھ کر کھڑکی کی طرف آگیا اور اس نے وہ سلائیڈنگ ونڈو پوری طرح کھول دی۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا۔ جوتے کے وہ مٹی والے نشانات باہر برآمدے میں بھی موجود تھے۔ امامہ اپنی کیاریوں سے گزر کر دیوار پھلانگ کر ان کی کیاریوں میں کودی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کے جوتے کے تلے مٹی سے بھر گئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے وہ مٹی کم اور کیچڑ زیادہ تھی اور اس کے برآمدے کے سفید ماربل پر وہ

نشانات بالکل ایک قطار کی صورت میں آرہے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لیتا ہوا اندر آگیا، ملازم کمرے میں ان نشانات کو صاف کرنے میں مصروف تھا۔

"باہر برآمدے میں بھی پیروں کے کچھ نشانات ہیں انہیں بھی صاف کر دینا۔" سالار نے اس سے کہا۔

"یہ کس کے نشان ہیں؟" ملازم زیادہ دیر اپنے تجسس پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"میرے۔۔۔۔۔" سالار نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ رات کو کھانا کھانے میں مصروف تھا جب سکندر عثمان اور طیبہ آگئے تھے۔ ان دونوں کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ سالار اطمینان سے کھانا کھاتا رہا۔ وہ دونوں اسے مخاطب کئے بغیر اس کے پاس سے گزر کر چلے گئے تھے۔

"کھانا ختم کر کے میرے کمرے میں آؤ۔" سکندر عثمان نے جاتے جاتے اس سے کہا تھا۔ سالار نے جواب دینے کے بجائے فروٹ ٹرائفل اپنی پلیٹ میں نکال لی۔

پندرہ منٹ بعد وہ جب ان کے کمرے میں گیا تو اس نے سکندر کو کمرے میں ٹہلتے ہوئے پایا جب کہ طیبہ فکر مندی کے عالم میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"پاپا! آپ نے بلوایا تھا؟" سالار نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو پھر تمہیں بتاتا ہوں کیوں بلایا ہے۔" سکندر عثمان نے اسے دیکھتے ہی ٹہلنا بند کر دیا۔ وہ بڑے اطمینان سے طیبہ کے برابر بیٹھ گیا۔

"امامہ کہاں ہے؟" سکندر نے لمحہ ضائع کئے بغیر پوچھا۔

"کون امامہ؟" اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے چہرے پر تھوڑی بہت گھبراہٹ ضرور ہوتی، مگر وہ اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

سکندر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تمہاری بہن۔۔۔۔" وہ غرّائے۔

"میری بہن کا نام انیتا ہے پاپا۔" سالار کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"تم مجھے صرف ایک بات بتاؤ۔ آخر تم مجھے اور کتنی بار اور کتنے طریقوں سے ذلیل کراؤ گے۔" اس بار سکندر عثمان دوسرے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں پاپا! میری سمجھ میں نہیں آرہا۔" سالار نے حیرانی سے کہا۔ "حالانکہ تمہاری سمجھ میں اب سب کچھ آرہا ہے۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "دیکھو، مجھے آرام سے بتادو کہ امامہ کہاں ہے۔ یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

"پاپا! آپ کس امامہ کی بات کر رہے ہیں۔ میں کسی امامہ کو نہیں جانتا۔"

"میں وسیم کی بہن کی بات کر رہا ہوں۔" سکندر عثمان اس بار غرّائے۔

"وسیم کی بہن؟" وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ "اچھا۔۔۔۔ یاد آیا۔۔۔۔ وہ جس نے مجھے ٹریٹمنٹ دیا تھا لاسٹ ایئر۔"

"ہاں وہی۔۔۔۔ اب چونکہ تمہاری یادداشت واپس آگئی ہے اس لئے مجھے یہ بھی بتادو کہ وہ کہاں ہے۔"

"پاپا! وہ اپنے گھر میں ہو گی یا میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں۔ میرا اس سے کیا تعلق؟" اس نے حیرانی سے سکندر سے کہا۔ "اس کے باپ نے تمہارے خلاف اپنی بیٹی کے اغوا کا کیس کروادیا ہے۔"

"میرے خلاف۔۔۔۔ I don’t believe it۔۔۔۔ میرا امامہ سے کیا تعلق ہے۔" اس نے پر سکون لہجے اور بے تاثر چہرے کے ساتھ کہا۔

"یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟"

"پاپا! میں اس کو جانتا تک نہیں ہوں۔ ایک دو بار کے علاوہ میں اس سے ملا تک نہیں۔ پھر اس کے اغوا سے میرا کیا تعلق اور مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ وہ اغوا ہو گئی ہے۔"

"سالار! اب یہ ایکٹنگ بند کرو۔ مجھے بتا دو کہ وہ بچی کہاں ہے۔ میں نے ہاشم مبین سے وعدہ کیا ہے کہ میں ان کی بیٹی کو ان تک پہنچاؤں گا۔"

"تو آپ اپنا وعدہ پورا کریں اگر ان کی بیٹی کو ان تک پہنچا سکتے ہیں تو ضرور پہنچائیے، مگر مجھے کیوں ڈسٹرب کر رہے ہیں۔" اس بار سالار نے ناگواری سے کہا۔

"دیکھو سالار! تمہاری اور امامہ کے درمیان اگر کسی بھی قسم کی انڈرسٹینڈنگ ہے تو ہم اس معاملے کو حل کر لیں گے۔ میں خود اس کے ساتھ تمہاری شادی کروا دوں گا۔ تم فی الحال یہ بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔" سکندر عثمان نے اس بار اپنے لب و لہجے میں تبدیلی لاتے ہوئے کہا۔

"فار گاڈ سیک پاپا۔۔۔۔ اسٹاپ اٹ۔۔۔۔ کون سی انڈرسٹینڈنگ، کیسی شادی۔۔۔۔ میری کسی کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ ہوتی تو میں اسے اغوا کروں گا اور میں انڈرسٹینڈنگ ڈویلپ کروں گا امامہ جیسی لڑکی کے ساتھ۔۔۔۔ وہ میری ٹائپ ہے؟" اس بار سالار نے بلند آواز میں کہا۔

"تو پھر وہ تم پر اس کے اغوا کا الزام کیوں لگا رہے ہیں؟"

"یہ آپ ان سے پوچھیں، مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے اسی ناگواری سے جواب دیا۔

"آج ہاشم مبین کہہ رہے ہیں کل کو کوئی اور آ کر کہے گا اور آپ پھر مجھ پر چلانا شروع کر دیں گے۔۔۔۔ میں نے آپ کو بتایا ہے میں سو رہا تھا جب پولیس آ کر باہر کھڑی ہو گئی اور اب آپ آ گئے ہیں اور آتے ہی مجھ پر۔۔۔۔ مجھے تو یہ تک نہیں پتا کہ وسیم کی بہن اغوا ہوئی ہے یا نہیں۔۔۔۔ آخر وہ لوگ مجھ پر الزام کیوں لگا رہے ہیں۔ کیا ثبوت ہے ان کے پاس کہ میں نے ان کی بیٹی کو اغوا کیا ہے اور بالفرض میں نے اغوا کیا بھی ہے تو کیا میں یہاں اپنے گھر بیٹھا رہوں گا۔ مجھے اس وقت اس لڑکی کے ساتھ ہونا چاہئیے۔" سالار تلخی سے بولتا رہا۔

"مجھے ایس پی سے تمہارے کیس کی تفصیلات کا پتا چلا ہے، پھر میں نے کراچی سے ہاشم مبین کو فون کیا، وہ مجھ سے بات کرنے پر تیار نہیں تھا۔ مجھے اس سے بات کرنے کے لئے منتیں کرنی پڑیں۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا ہے۔۔۔۔ اس کی بیٹی رات کو غائب ہوئی ہے۔۔۔۔ اور تم بھی رات کو گئے ہو اور صبح آئے ہو۔"

"تو پاپا! اس میں اغوا کہاں سے آ گیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں رات کو کہیں نہیں گیا اور دوسری بات یہ ہے کہ اغوا کرنے کے لئے کسی کے گھر جا کر لڑکی کو زبردستی لے جانا ضروری ہے اور میں کسی کے گھر نہیں گیا۔"

"ہاشم مبین کے چوکیدار نے رات کو تمہیں جاتے اور اور صبح آتے دیکھا ہے۔"

"اس کا چوکیدار جھوٹا ہے۔" سالار نے بلند آواز میں کہا۔

"میرے چوکیدار نے تمہیں رات کو ایک لڑکی کو کار میں لے جاتے دیکھا ہے۔" سکندر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ سالار چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ سکندر یقیناً گھر آتے ہی چوکیدار سے بات کر چکے تھے۔

"وہ میری ایک فرینڈ تھی جسے میں گھر چھوڑنے گیا تھا۔" اس نے طیبہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون ہے وہ فرینڈ؟ اس کا نام اور پتہ بتاؤ۔"

"سوری پاپا میں نہیں بتا سکتا۔ It's personal۔"

"یہاں اسلام آباد چھوڑنے گئے تھے؟"

"ہاں۔۔۔۔"

"تم اسے لاہور چھوڑ کر آئے ہو۔ ایس پی نے مجھے خود بتایا ہے۔ تم چار ناکوں سے گزرے ہو۔ چاروں پر تمہارا نمبر نوٹ کیا گیا ہے۔ راستے میں تم نے ایک سروس اسٹیشن پر رک کر گاڑی چیک کروائی ہے۔۔۔۔۔ اس لڑکی کے ساتھ وہاں کھانا کھایا ہے۔" سکندر نے اس سروس اسٹیشن اور ہوٹل کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ سالار کچھ دیر سکندر کو دیکھتا رہا مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ "ایس پی نے مجھے یہ سب کچھ خود بتایا ہے۔ اس نے ابھی ہاشم مبین کو یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تم سے بات کروں اور خاموشی کے ساتھ لڑکی کو واپس پہنچا دوں یا اس کے گھر والوں کو اس لڑکی کا پتا بتا دوں تاکہ یہ معاملہ خاموشی سے کسی مسئلے کے بغیر ختم ہو جائے مگر وہ کب تک ہاشم مبین کو نہیں بتائے گا۔ وہ دوستی کا لحاظ کر کے سب کچھ چھپا بھی گیا تب بھی ہاشم مبین کے اور بہت سے ذرائع ہیں۔ اسے وہاں سے پتا چل جائے گا اور پھر تمہاری پوری زندگی جیل میں گزرے گی۔"

سکندر نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔ وہ متاثر ہوئے بغیر انہیں دیکھتا رہا۔

"اب جھوٹ بولنا چھوڑ دو اور مجھے بتا دو کہ وہ لڑکی کہاں ہے۔"

"وہ لڑکی ریڈ لائٹ ایریا میں ہے۔" سکندر کو اس کی بات پر کرنٹ لگا۔

"واٹ۔۔۔۔۔؟"

"میں اسے وہاں سے لایا تھا، وہیں چھوڑ آیا ہوں۔"

وہ سفید چہرے کے ساتھ سالار کو دیکھتے رہے۔

"مگر وہ امامہ نہیں تھی، میں پرسوں لاہور گیا ہوا تھا وہاں سے میں رات گزارنے کے لئے اس لڑکی کو لایا تھا، آج میں اسے وہاں چھوڑ آیا۔ میرے پاس اس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر تو نہیں ہے، مگر آپ میرے ساتھ لاہور چلیں تو میں آپ کو اس لڑکی کے پاس لے جاتا ہوں یا پتا بتا دیتا ہوں آپ خود یا پولیس کو کہیں کہ وہ اس لڑکی سے تصدیق کر لیں۔"

کمرے میں یک دم خاموشی چھا گئی۔ طیبہ اور سکندر بے یقینی سے سالار کو دیکھ رہے تھے جب کہ وہ بڑے مطمئن انداز میں کھڑکیوں سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم۔۔۔۔ تم اس طرح کی حرکت کر سکتے ہو۔ تم ایسی جگہ جا سکتے ہو؟" ایک لمبی خاموشی کے بعد سکندر نے کہا۔

"آئی ایم سوری پاپا! مگر میں جاتا ہوں۔۔۔۔ اور اس بات کا امامہ کے بھائی وسیم کو بھی پتا ہے۔ میں کئی بار ویک اینڈ پر اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں جاتا رہا ہوں اور وسیم یہ بات جانتا ہے، آپ اس سے پوچھ لیں۔"

"ایڈریس دو اس لڑکی کا۔" وہ کچھ دیر بعد غرّائے۔

"میں اپنے کمرے سے لے کر آتا ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے موبائل اٹھایا اور لاہور میں رہنے والے اپنے ایک دوست کو فون کرنے لگا۔ اسے ساری صورتِ حال بتانے کے بعد اس نے کہا۔

"اکمل! میں اپنے پاپا کو ریڈ لائٹ ایریا کے اس گھر کا پتا دے رہا ہوں جہاں ہم جاتے رہتے ہیں۔ تم وہاں کسی بھی ایسی لڑکی کو جو مجھے جانتی ہے اس کو اس بارے میں بتا دو، میں ابھی کچھ دیر تک تمہیں دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

وہ کہتے ہوئے تیزی سے ایک چٹ پر ایک ایڈریس لکھنے لگا اور پھر اسے لے کر سکندر کے کمرے میں آ گیا۔ اس نے چٹ سکندر کے سامنے کر دی، جسے انہوں نے تقریباً چھین لیا۔ ایک نظر اس چٹ پر ڈال کر انہوں نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ اطمینان سے انداز میں وہاں سے آ گیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے اکمل کو دوبارہ فون کیا۔

"میں تمہیں وہاں پہنچ کر فون کرتا ہوں۔" اکمل نے اس سے کہا وہ بیڈ پر لیٹ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ پندرہ منٹ کے بعد اکمل نے اسے فون کیا۔

"سالار! میں نے سنعیہ کو تیار کیا ہے۔اسے میں نے سارا معاملہ سمجھا دیا ہے۔" اکمل نے اسے بتایا وہ سنعیہ کو جانتا تھا۔

"اکمل! اب تم ایک کاغذ اور پینسل لو اور میں کچھ چیزیں لکھوا رہا ہوں اسے لکھو۔" اس نے اکمل سے کہا اور پھر اسے اپنے گھر کے بیرونی منظر اور لوکیشن کی تفصیلات لکھوانے لگا۔

"یہ کیا، میں نے دیکھا ہوا ہے تمہارا گھر۔۔۔۔۔" اکمل نے کچھ حیرانی سے اس سے پوچھا۔

"تم نے دیکھا نے سنعیہ نے تو نہیں دیکھا۔ یہ ساری تفصیلات میں سنعیہ کے لئے لکھوا رہا ہوں اگر پولیس اس کے پاس آئی تو وہ یہ ساری چیزیں اس سے پوچھے گی صرف یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ کیا وہ واقعی میرے ساتھ یہاں اسلام آباد میں تھی۔ وہ گاڑی میں چھپ کر آئی تھی۔ اور رات کے وقت آئی تھی اس لئے اسے زیادہ تفصیل کا نہیں پتا، مگر گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے دائیں اور بائیں دونوں طرف لان ہے۔ میری گاڑی کا رنگ سرخ تھا۔ اسپورٹس کار اور نمبر۔۔۔۔۔" وہ اسے لکھواتا گیا۔

"ہم پولیس کے چار ناکوں سے گزرے تھے۔ اس نے سفید شلوار قمیص، سفید چادر اور سیاہ سویٹر پہنا ہوا تھا، رستے میں ہم اس نام کے سروس اسٹیشن پر بھی رکے تھے۔" سالار نے نام بتایا، سروس اسٹیشن اور ہوٹل، وہ دھند کی وجہ سے صحیح طرح نہیں دیکھ سکی۔" سالار یکے بعد

دیگرے ہر چیز کی تفصیل لکھواتا گیا۔ سروس اسٹیشن پر گاڑی ٹھیک کرنے والے آدمی سے لے کر چائے بنانے والے لڑکے کے حلیے اور اس کمرے کی تفصیلات۔۔۔۔۔ انہوں نے کیا کھایا تھا، سالار اور لڑکے کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے چھوٹی چھوٹی تفصیلات اسے لکھوائی تھیں۔ اس نے اپنے گھر کے پورچ سے لے کر اپنے کمرے تک کے راستے اور اپنے کمرے کا تمام حلیہ بھی اسے نوٹ کروا دیا تھا۔

"سنعیہ سے کہو یہ سب کچھ رٹ لے۔" اس نے اکمل کو آخری ہدایت دی اور فون بند کر دیا۔ فون بند کر کے وہ بیڈ پر بیٹھا ابھی کچھ سوچ رہا تھا جب سکندر عثمان اچانک دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آئے۔

"اس لڑکی کا کیا نام ہے؟"

"سنعیہ!" سالار نے بے اختیار کہا۔ سکندر عثمان مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئے۔



ان کے جانے کے بعد سالار کو اس وکیل کا خیال آیا جس کے ذریعے انہوں نے ہاشم مبین احمد سے رابطہ کیا تھا۔ اس وکیل کو ہائر کرنے والا بھی حسن ہی تھا اور سالار سکندر کے نام سے وہ

وکیل بھی واقف نہیں تھا، مگر سالار کے لئے قابل تشویش بات اس میں حسن کا انوالو ہونا تھا۔ ہاشم مبین احمد اس وکیل سے حسن اور حسن سے اس تک بہت آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔

اس نے اگلا فون حسن کو کیا اور حسن کو سارے معاملے کی نوعیت سے گاہ کیا۔

"میں تمہیں پہلے ہی اس سب سے منع کر رہا تھا۔" اس نے چھوٹتے ہی سالار سے کہا۔ "میں وسیم اور اس کی فیملی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور ان کے اثر ورثوخ سے بھی بخوبی واقف ہوں۔" وہ بولتا جا رہا تھا۔

سالار نے کچھ اکتاہٹ بھرے لہجے میں اسے ٹوکا۔ "میں نے تمہیں فون اپنے مستقبل کا حال جاننے کے لئے نہیں کیا۔ میں صرف ایک خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس خطرے سے؟" حسن چونکا۔ "تم نے جو وکیل ہائر کیا تھا وہ اس کے ذریعے تم تک اور پھر مجھ تک باآسانی پہنچ سکتے ہیں۔" سالار نے اس سے کہا۔

"نہیں، وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔" حسن نے اس کی بات پر قدرے لاپرواہی سے کہا۔

"کیوں۔۔۔۔؟"

"کیونکہ میں نے سارا کام پہلے ہی بہت محتاط ہو کر کیا ہے۔" وہ وکیل بھی میرے اصلی نام اور پتے سے واقف نہیں ہے۔ اسے جو ایڈریس اور فون نمبر میں نے دیا تھا وہ جعلی تھا۔

سالار بے اختیار مسکرایا۔ اسے حسن سے ایسی عقلمندی اور چالاکی کی توقع رکھنی چاہیئے تھی۔ وہ ہر کام بڑی صفائی سے سرانجام دینے کا ماہر تھا۔

"میں صرف اس کے پاس ایک بار گیا تھا پھر فون پر ہی رابطہ کیا اور اس ملاقات میں بھی میرا حلیہ بالکل مختلف تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ صرف حلیے سے ہاشم مبین احمد مجھ تک پہنچ سکتے ہیں؟"

"اور اگر وہ پہنچ گئے تو۔۔۔۔۔؟"

"تو۔۔۔۔۔پتا نہیں۔۔۔۔۔اس تو کے بارے میں، میں نے نہیں سوچا۔" حسن نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم کچھ دنوں کے لئے کہیں غائب ہو جاؤ اور یوں ظاہر کرو کہ جیسے تمہاری یہ غیر موجودگی کچھ ضروری کاموں کے لئے تھی۔" سالار نے اسے مشورہ دیا۔

"اس سے بہتر مشورہ بھی میرے پاس ہے۔ میں اس وکیل کو کچھ روپے پہنچا کر یہ ہدایت دے دیتا ہوں کہ ہاشم مبین یا پولیس کے پہنچنے پر وہ انہیں میرا غلط حلیہ بتائے۔ کم از کم اس طرح فوری طور پر میں کسی پریشانی کا شکار نہیں ہوں گا اور ان ہی دنوں میں ویسے بھی چند ہفتوں کے لئے انگلینڈ جا رہا ہوں۔"

حسن نے بتایا۔"پولیس اگر پہنچ بھی گئی تو تب بھی میں ان کی پہنچ سے بہت دور رہوں گا، مگر مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ وہ مجھ تک پہنچ سکیں گے۔اس لئے تم اطمینان رکھو۔"

"اگر تم واقعی اتنے بے فکر اور مطمئن ہو تو ٹھیک ہے، ہو سکتا ہے وہ تم تک نہ ہی آئیں، مگر میں نے پھر بھی سوچا کہ میں تمہیں بتادوں۔"سالار نے فون بند کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"ویسے تم اس لڑکی کو اب لاہور میں کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

"لاہور کی ایک سڑک پر چھوڑ آیا ہوں اس کے علاوہ اور کہاں چھوڑ سکتا تھا۔اس نے اپنے محل وقوع اور حدود اربعہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔وہ بس چلی گئی۔"

"عجیب بے وقوف ہو، کم از کم تم تو اس سے اس کا ٹھکانہ پوچھنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔"

"ہاں! مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑی۔"سالار نے دانستہ امامہ سے آخری بار ہونے والی اپنی گفتگو گول کر دی۔

"میں حیران ہوں کہ تم اب کس طرح کے معاملات میں نوالو ہونے لگے ہو، اپنی ٹائپ کی لڑکیوں کے ساتھ انوالو ہونا دوسری بات ہے مگر وسیم کی بہن جیسی لڑکیوں کے ساتھ انوالو ہو جانا۔۔۔۔تمہارا ٹیسٹ بھی دن بدن گرتا جا رہا ہے۔"

"میں "انوالو" ہوا ہوں۔۔۔۔۔"تم واقعی عقل سے پیدل ہو ورنہ کم از کم اس طرح کی بات مجھ سے نہ کرتے۔۔۔۔۔ایڈونچر اور انوالومنٹ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے حسن صاحب!"سالار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور آپ نے یہ فاصلہ ایک ہی چھلانگ میں طے کر لیا ہے سالار صاحب!"حسن نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔"

"اور تمہارا دماغ مجھ سے زیادہ خراب ہے ورنہ اس طرح کی حماقت کو ایڈونچر کبھی نہ کہتے۔"حسن بھی قدرے جھلایا ہوا تھا۔

"اگر تم نے میری مدد کی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہارے منہ میں جو آئے تم کہہ دو۔"سالار کو اس کی بات پر اچانک غصہ آگیا۔

"ابھی میں نے تمہیں کچھ بھی نہیں کہا ہے۔تم کس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔یہ ٹیسٹ والی بات کی طرف یا دماغ خراب ہونے والی بات کی طرف؟"حسن نے اسی انداز میں اس کی بات سے متاثر ہوئے بغیر پوچھا۔

"اچھا اب منہ بند کر لو۔فضول بحث مت کرو۔"

"اس وقت ان تمام باتوں کو کرنے کا مطلب گڑے مردے اکھاڑنا ہے۔" حسن اب سنجیدہ تھا۔

"فرض کرو پولیس کسی صورت ہم تک پہنچ جاتی ہے اور پھر وہ امامہ کا اتا پتا جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم کیا بتائیں گے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ کبھی بھی اس بات پر یقین کریں گے کہ امامہ کے بارے میں تمہیں کچھ پتا نہیں ہے۔ اس وقت تم کیا کرو گے؟"

"کچھ بھی نہیں کروں گا۔ میں ان سے بھی وہی کہوں گا جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"ہاں اور سارا مسئلہ تمہارے اس بیان سے ہی شروع ہو گا۔ میں امامہ کے بارے میں نہیں جانتا ہوں۔" حسن نے اس کا جملہ دہرایا۔ "تمہیں اچھی طرح اندازہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہر قیمت پر امامہ تک پہنچنا چاہیں گے۔"

"یہ بہت بعد کی بات ہے، میں امکانات اور ممکنات پر غور کر کے پریشان نہیں ہوتا۔ جب وقت آئے گا، دیکھا جائے گا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم سے مجھے صرف یہ مدد چاہیئے کہ تم اس سارے معاملے کو راز ہی رکھو اور پولیس کے ہتھے نہ لگو۔"

"تمہارے کہے بغیر بھی میں یہ ہی کرتا۔ ویسے بھی میں اگر پکڑا گیا تو وسیم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ اس بار تم نے مجھے واقعی بڑی embarrassing صورتِ حال سے دوچار کیا ہے۔"

"اوکے میں فون بند کر رہا ہوں کیونکہ تم پر پھر وہی دورہ پڑنے والا ہے۔ وہی نصیحتیں اور پچھتاوا۔۔۔۔"

"You are acting like my father"۔

سالار نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ اس کا ذہن پچھلی رات کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کے ماتھے کی تیوریاں اور بل بہت نمایاں تھے۔



"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اس حد تک گر جائے گا۔"

"ریڈ لائٹ ایریا، مائی فٹ، کبھی میرے خاندان کی پچھلی سات نسلوں سے بھی کوئی وہاں نہیں گیا اور یہ لڑکا۔۔۔۔ کیا ہے جو میں نے اسے نہیں دیا۔۔۔۔ کیا ہے جس کی کمی رہنے

دی ہے اور اسے دیکھو کبھی یہ خودکشی کی کوشش کرتا پھرتا ہے اور کبھی ریڈ لائٹ ایریا، میرے اللہ۔۔۔۔۔آخر کس حد تک جائے گا یہ؟" سکندر عثمان نے اپنا سر تھام لیا۔

"مجھے تو گھر کے ملازموں پر بھی بہت زیادہ اعتراض ہے۔آخر کیوں اس لڑکی کو انہوں نے اندر آنے دیا۔گھر کے معاملات پر نظر رکھنی چاہیئے انہیں۔" طیبہ نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"گھر کے معاملات اور مالک کے معاملات پر نظر رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہاں معاملہ گھر کا نہیں تھا، مالک کا تھا۔" سکندر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور پھر اس میں سے کسی نے بھی کسی لڑکی کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔وہ کہتا ہے وہ اسے اسی دن لایا تھا، چوکیدار کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہوا اس نے اس کے ساتھ کسی لڑکی کو آتے نہیں دیکھا۔ہاں! جاتے ضرور دیکھا ہے ملازموں کا بھی یہی کہنا ہے۔انہوں نے نہ تو کسی لڑکی کو آتے دیکھا ہے نہ ہی جاتے دیکھا ہے۔" سکندر نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ یقیناً اس لڑکی کو اچھی طرح چھپا کر لایا ہو گا۔"

"شیطانی دماغ ہے اس کا۔۔۔۔۔یہ تم جانتی ہو تم صرف یہ دعا کرو کہ یہ سارا معاملہ ختم ہو جائے۔ہاشم مبین کی بیٹی مل جائے اور ہماری جان چھوٹ جائے تاکہ ہم اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔" سکندر عثمان نے کہا۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مجھ سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی ہے، جس کی مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟" وہ بے حد بے بس نظر آرہے تھے۔



وہ اگلے روز صبح معمول کے مطابق اُٹھا اور کالج جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔ناشتہ کرنے کے لیے وہ ڈائیننگ ٹیبل پر آیا تو اس نے خلافِ معمول وہاں سکندر عثمان کو موجود پایا۔وہ عام طور پر اس وقت ناشتہ نہیں کیا کرتے تھے۔ذرا دیر سے فیکٹری جایا کرتے تھے۔سالار کو اس وقت انہیں وہاں موجود پا کر کچھ حیرت ہوئی، مگر ان کے ستے ہوئے چہرے اور سُرخ آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ ساری رات نہیں سو سکے۔

سالار کو صبح صبح باہر نکلنے کے لیے تیار دیکھ کر انہوں نے قدرے درشتی سے اس سے کہا۔ "تم کہاں جارہے ہو؟"

"کالج۔"

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔۔۔۔میرے گلے میں یہ مصیبت ڈال کر تم خود کالج جارہے ہو۔ جب تک یہ معاملہ ختم نہیں ہو جاتا تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ تمہیں پتا ہے تم کتنے خطرے میں ہو؟"

"کیسا خطرہ؟" وہ ٹھٹکا۔

"میں نہیں چاہتا ہاشم مبین تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔ اس لیے فی الحال تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم گھر پر رہو۔" سکندر عثمان نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "اس کی بیٹی مل جائے پھر تم دوبارہ کالج جانا شروع کر دینا۔"

"اس کی بیٹی اگر ایک سال نہیں ملے گی تو کیا میں ایک سال تک اندر بیٹھا رہوں گا۔ آپ نے اسے میرے بیان کے بارے میں بتایا نہیں ہے۔" سالار نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں اسے بتا چکا ہوں۔ سنعیہ نے بھی تمہاری بات کی تصدیق کر دی تھی۔" ان کے لہجے میں سنعیہ کا نام لیتے ہوئے تلخی تھی۔ "مگر ہاشم مبین ابھی بھی مصر ہے کہ اس کی بیٹی کو تم نے ہی اغوا کیا ہوا ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔۔۔۔۔اسے یقین نہیں آتا تو نہ آئے۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ سالار نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے ناشتہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تمہیں فرق نہیں پڑتا، مجھے پڑتا ہے۔ تم ہاشم مبین احمد کو نہیں جانتے۔ وہ کتنے اثر ورسوخ والا آدمی ہے اور کس حد تک جا سکتا ہے اس کا اندازہ صرف مجھے ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔ اس لیے ابھی تم گھر پر ہی ہو۔"

سکندر عثمان نے اس بار کچھ نرم لہجے میں کہا۔ شاید انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی سختی کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ وہ ان کی بات نہیں مانے گا۔

"پاپا! میری اسٹڈیز کا حرج ہو گا۔ سوری! میں گھر پر نہیں بیٹھ سکتا۔" سالار سکندر عثمان کے لہجے کی نرمی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہارا حرج ہوتا ہے یا نہیں، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف تمہیں گھر پر چاہتا ہوں۔ سمجھے تم۔" اس بار انہوں نے اچانک بھڑک کر بلند آواز میں اس سے کہا۔

"کم از کم آج تو مجھے جانے دیں۔ آج مجھے بہت سے ضروری کام نپٹانے ہیں۔" سالار یک دم ان کے غصے پر کچھ پزل ہوا۔

"تم وہ کام ڈرائیور کو بتادو، وہ کردے گا یا پھر کسی دوست سے فون پر بات کرلو۔" سکندر نے حتمی انداز میں کہا۔

"مگر پاپا۔۔۔۔ آپ مجھے اس طرح۔۔۔۔" سکندر عثمان نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ ڈائننگ روم سے نکل رہے تھے۔ وہ کچھ دیر بلند آواز میں بڑبڑاتا رہا پھر تنگ آکر خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر عثمان اسے باہر نکلنے نہیں دیں گے مگر اسے بات کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سنعیہ کو سامنے لانے پر اس کی اپنی فیملی کے ساتھ ہاشم مبین بھی مطمئن ہو جائیں گے اور کم از کم یہ مصیبت اس کے کندھوں سے اُتر جائے گی، مگر اس کے لیے سکندر عثمان کا یہ انکشاف حیران کن تھا کہ ہاشم مبین نے ابھی بھی اس کے بیان پر یقین نہیں کیا تھا۔

سالار وہاں بیٹھا ناشتہ کرتے ہوئے کچھ دیر ان تمام معاملات کے بارے میں سوچتا رہا۔ کالج نہ جانے کا مطلب گھر میں بند ہو جانا تھا اور وہ گھر میں بند نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس کا موڈ یک دم آف ہو گیا۔ ناشتہ کرتے کرتے اس نے اسے ادھورا چھوڑ دیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سکندر صاحب! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔" وہ لاؤنج میں بیٹھے تھے جب ملازمہ کچھ جھجکتے ہوئے ان کے پاس آئی۔

"ہاں کہو۔۔۔۔ پیسوں کی ضرورت ہے؟" سکندر عثمان نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا۔ وہ اس معاملے میں خاصے فراخ دل تھے۔

"نہیں صاحب جی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں آپ سے۔"

"بولو۔۔۔۔" وہ ہنوز اخبار میں منہمک تھے۔ ملازمہ کچھ پریشان ہونے لگی۔ ناصرہ نے بہت سوچ سمجھ کر سالار اور امامہ کے بارے میں سکندر عثمان کو بتانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اسے یہ سب کچھ اب بہت پریشان کن لگ رہا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ جلد یا بدیر یہ پتا چل جائے کہ ان دونوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ وہ تھی اور پھر اسے اور اس کے پورے خاندان کو پولیس کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی لیے اپنے شوہر سے مشورے کے بعد اس نے سکندر عثمان کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ کم از کم وہ دونوں گھر والوں میں سے کسی ایک کی ہمدردی اپنے ساتھ رکھے۔

" چپ کیوں ہو، بولو۔۔۔۔" سکندر عثمان نے اسے خاموش پا کر ایک بار پھر اس سے کہا۔ان کی نظریں ابھی بھی اخبار پر جمی ہوئی تھیں۔

"سکندر صاحب! میں آپ کو سالار صاحب کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" ناصرہ نے بالآخر ایک طویل توقف کے بعد کہا۔

سکندر عثمان نے بے اختیار اخبار اپنے چہرے کے سامنے سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"سالار کے بارے میں۔۔۔۔؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟" انہوں نے اخبار کو سامنے سینٹر ٹیبل پر پھینکتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"سالار صاحب اور امامہ بی بی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" سکندر عثمان کا دل بے اختیار اچھل کر حلق میں آگیا۔

"کیا۔۔۔۔؟"

"بہت دن پہلے ایک دن سالار صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان کا موبائل اپنی بیٹی کے ہاتھ امامہ بی بی کو پہنچا دوں۔" سکندر عثمان کو لگا وہ دوبارہ کبھی ہل نہیں سکیں گے۔ تو ہاشم مبین احمد کا خیال اور اصرار ٹھیک تھا،ان کے بدترین قیاس اور اندازے درست تھے۔

"پھر۔۔۔۔؟" انہیں اپنی آواز کسی کھائی سے آتی لگی۔ "میں نے انکار کر دیا کہ یہ کام میں نہیں کر سکتی مگر انہوں نے مجھے بہت دھمکایا۔انہوں نے کہا کہ وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ جس پر مجبوراً میں وہ موبائل امامہ بی بی تک پہنچانے کے لیے تیار ہو گئی۔"

اپنی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کے لیے ناصرہ نے اپنے بیان میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے کہا۔ "پھر اس کے کچھ دن بعد ایک دن سالار صاحب نے کہا کہ میں کچھ کاغذات امامہ بی بی تک پہنچاؤں اور پھر اسی وقت ان کاغذات کو واپس لے آؤں۔ میں نے اپنی بیٹی کے ذریعے وہ کاغذات بھی امامہ بی بی کے پاس پہنچا کر واپس منگوا لیے اور سالار صاحب کو دے دیئے۔ میں نے سالار صاحب سے ان کاغذات کے بارے میں پوچھا مگر انہوں نے نہیں بتایا مگر مجھے شک تھا کہ شاید وہ نکاح نامہ تھا کیونکہ اس وقت سالار صاحب کے کمرے میں پانچ لوگ موجود تھے۔ان میں سے ایک کوئی مولوی بھی تھا۔"

سکندر عثمان کو وہاں بیٹھے بیٹھے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ "اور یہ کب کی بات ہے؟"

"امامہ بی بی کے جانے سے چند دن پہلے۔" ناصرہ نے کہا۔

"تم نے مجھے اس بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" سکندر عثمان نے درشت لہجے میں کہا۔

"میں بہت خوفزدہ تھی صاحب جی۔۔۔۔۔سالار صاحب نے مجھے دھمکیاں دی تھیں کہ اگر میں نے آپ کو یا کسی اور کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتایا تو وہ مجھے یہاں سے باہر پھینکوا دیں گے۔" ناصرہ نے کہا۔

"وہ کون لوگ تھے، انہیں پہچانتی ہو؟" سکندر عثمان نے بے حد اضطراب کے عالم میں کہا۔

"بس ایک کو۔۔۔۔۔حسن صاحب تھے۔" اس نے سالار کے ایک دوست کا نام لیا۔ "باقی اور کسی کو میں نہیں پہچانتی۔" ناصرہ نے کہا۔

"میں بہت پریشان تھی۔ آپ کو بتانا چاہتی تھی مگر ڈرتی تھی کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچیں گے مگر اب مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔"

"اور کون کون اس کے بارے میں جانتا ہے؟" سکندر عثمان نے کہا۔

"کوئی بھی نہیں۔ بس میں، میری بیٹی اور میرا شوہر۔" ناصرہ نے جلدی سے کہا۔

"ملازموں میں سے کسی اور کو کچھ پتا ہے؟"

"توبہ کریں جی! میں کیوں کسی کو کچھ بتاتی۔۔۔۔۔میں نے کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"تم نے جو کچھ کیا اس کے بارے میں تو میں بعد میں طے کروں گا مگر فی الحال تم ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو تم کسی کو بھی اس سارے معاملے کے بارے میں نہیں بتاؤ گی۔ اپنا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر لو۔ ورنہ اس بار میں نہ صرف تمہیں واقعی اس گھر سے نکال دوں گا بلکہ میں ہاشم مبین اور پولیس سے کہہ دوں گا کہ یہ سب کچھ تم نے کروایا ہے۔ تم نے ہی ان دونوں کو گمراہ کیا تھا اور تم ہی ان دونوں کے پیغامات ایک دوسرے تک پہنچاتی رہیں، پھر پولیس تمہارے ساتھ اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کرے گی تمہیں یاد رکھنا چاہئیے۔ تمہاری ساری عمر جیل کے اندر ہی گزر جائے گی۔" وہ غصے کے عالم میں اسے دھمکا رہے تھے۔

"نہیں صاحب جی! میں کیوں کسی کو کچھ بتاؤں گی۔ آپ میری زبان کٹوا دیجئیے گا۔ اگر میرے منہ سے دوبارہ اس کے بارے میں کچھ سنیں۔"

ناصرہ گھبرا گئی مگر سکندر عثمان نے رکھائی کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔

"بس کافی ہے۔ اب تم جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔" انہوں نے اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سکندر عثمان پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔اس وقت ان کے سر پر واقعی آسمان ٹوٹ پڑا تھا اور اس وقت انہیں پہلی بار سالار کے ہاتھوں بے وقوف بننے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کس ڈھٹائی، مہارت اور بے ہودگی سے ان سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا اور انہیں دھوکا دیتا گیا تھا اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہو سکا تھا اور اگر ملازمہ انہیں یہ سب کچھ نہ بتاتی تو وہ ابھی بھی ٹانگ پر ٹانگ رکھے مطمئن بیٹھے ہوتے۔ یہی سوچ کر کہ سالار امامہ کے ساتھ انوالو نہیں ہے اور نہ ہی اس کی گمشدگی میں اس کا کوئی حصہ تھا۔ وہ چند دن گھر پر رہ کر ایک بار پھر کالج جانا شروع کر چکا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ سالار کی نگرانی کروائی جا رہی تھی اور ہاشم مبین احمد کو سب کچھ پتا چلنے کا مطلب کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کا کچھ دیر پہلے کا اطمینان یک دم ختم ہو گیا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ وہ کاغذات کیسے تھے۔ ان پانچ آدمیوں کی موجودگی کا مطلب کیا تھا، سالار اور امامہ کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا تھی اور اس وقت ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کا گلا دبا دیں یا پھر اسے شوٹ کر دیں مگر وہ جانتے تھے وہ یہ دونوں کام نہیں کر سکتے تھے۔ سالار سکندر ان کا وہ بیٹا تھا جس سے وہ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور اس طرح بے وقوف بننے کے بعد پہلی بار وہ سوچ رہے تھے کہ وہ اب سالار سکندر کی کسی

بات پر یقین نہیں کریں گے۔ وہ اسے مکمل طور پر ہر معاملے کے بارے میں اندھیرے میں رکھیں گے ویسے ہی جیسے وہ کر رہا تھا۔

" اس کی امامہ سے جان پہچان کیسے ہوئی؟" سکندر عثمان نے اپنے گھر میں بے چینی سے ٹہلتے ہوئے طیبہ سے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا کہ اس کی جان پہچان امامہ سے کیسے ہوئی۔ کوئی بچہ تو ہے نہیں کہ میری انگلی پکڑ کر چلتا ہو۔" طیبہ نے قدرے خفگی سے کہا۔

"میں نے تم سے بہت بار کہا تھا کہ اس پر نظر رکھا کرو مگر تم۔۔۔۔ تمہیں اپنی ایکٹیوٹیز سے فرصت ملے تو تم کسی اور کے بارے میں سوچو۔"

"اس پر توجہ دینا صرف میرا ہی فرض کیوں ہے۔" طیبہ یک دم بھڑک اٹھیں۔ "آپ کو بھی تو اپنی ایکٹیوٹیز چھوڑ دینی چاہئیں۔ سارا الزام میرے ہی سر کیوں۔"

"میں تم کو کوئی الزام نہیں دے رہا اور اس بحث کو ختم کرو۔ امامہ کے ساتھ شادی۔۔۔۔ تم اندازہ کر سکتی ہو کہ ہاشم مبین کو جب اس تعلق کا پتا چلے گا تو وہ کیا تماشا کھڑا کریں گے۔ مجھے یہ سوچ کر شاک لگ رہا ہے کہ اس نے ایسی حرکت کرنے کا سوچ کیسے لیا۔ اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوا کہ ہماری اور ہماری فیملی کی سوسائٹی میں کتنی عزت ہے۔" سکندر عثمان طیبہ

کے قریب صوفے پر بیٹھے ہوئے بولے۔"ایک پرابلم ختم ہوتی ہے تو ہمارے لئے دوسری پرابلم شروع کر دیتا ہے۔یہ سارا چکر اسی وقت شروع ہوا ہو گا جب پچھلے سال اس نے خود کشی کی کوشش کے بعد اس کی جان بچائی تھی۔ہم بے وقوف تھے کہ ہم نے اس معاملے پر نظر نہیں رکھی،ورنہ شاید یہ سب بہت پہلے سامنے آجاتا۔"سکندر عثمان اپنی کنپٹی مسلتے ہوئے کہنے لگے۔

"اور یقیناً یہ لڑکی بھی اس کے ساتھ اپنی مرضی سے انوالو ہوئی ہو گی ورنہ اس طرح کوئی کسی کے ساتھ مرضی کے خلاف تو نکاح نہیں کر سکتا اور ہاشم مبین احمد کو دیکھیں،وہ یوں شور مچا رہا ہے جیسے اس کی بیٹی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے،جو کیا ہے سالار نے ہی کیا ہے۔انہوں نے تو ایف آئی آر بھی اغواء کی درج کروائی ہے۔"طیبہ نئے سرے سے سلگنے لگیں۔

" جو بھی ہے قصور تمہارے بیٹے کا ہے۔نہ وہ ایسے کاموں میں پڑتا نہ اس طرح پھنستا۔اب تو تم صرف یہ سوچو کہ تمہیں اس صورت حال سے کس طرح بچنا ہے۔"

"ابھی ہم اتنی بری طرح نہیں پھنسے،جس طرح آپ سوچ رہے ہیں۔اس پر یہ جرم ثابت نہیں ہوا۔پولیس یا ہاشم مبین احمد کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اور ثبوت کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔"

"اور جس دن ان تک کوئی ثبوت پہنچ گیا اس دن کیا ہو گا۔تم نے یہ سوچا ہے۔"سکندر عثمان نے کہا۔

"آپ پھر امکانات کی بات کر رہے ہیں۔ایسا ہوا تو نہیں ہے اور ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ہو بھی نا۔"

"اس نے اگر ہمیں اتنا بڑا دھوکا دے دیا ہے تو ہو سکتا ہے ایک اور دھوکا یہ ہو کہ اس کا رابطہ اس لڑکی کے ساتھ نہیں ہے۔ممکن ہے یہ ابھی بھی اس لڑکی کے ساتھ رابطے میں ہو۔"سکندر عثمان کو خیال آیا۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔پھر کیا کیا جائے۔"

"میں اس سے بات کروں گا تو سمجھو پتھر کے ساتھ اپنا سر پھوڑوں گا،وہ پھر جھوٹ بول دے گا،جھوٹ بولنے میں تو ماہر ہو چکا ہے۔"انہوں نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔

"بس چند ماہ میں اس کا بی اے مکمل ہو جائے گا پھر میں اسے باہر بھجوا دوں گا۔کم از کم ہر وقت ہاشم مبین احمد کی طرف سے جن اندیشوں کا میں شکار رہتا ہوں وہ تو ختم ہوں گے۔"انہوں نے سگریٹ کا ایک کش لگایا۔

"مگر آپ ایک چیز بھول رہے ہیں سکندر!" طیبہ نے بڑی سنجیدگی سے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

"کیا؟" سکندر نے انہیں چونک کر دیکھا۔

"سالار کی امامہ کے ساتھ خفیہ شادی۔۔۔۔اس شادی کے بارے میں جو کچھ بھی کرنا ہے وہ آپ کو خود ہی کرنا ہے۔ آپ کیا کریں گے، اس شادی کے بارے میں۔"

"طلاق کے علاوہ اس شادی کا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔" سکندر عثمان نے قطعی لہجے میں کہا۔

"وہ شادی ماننے پر تیار نہیں ہے تو طلاق دینے پر رضامند ہو جائے گا۔"

"جب میں اسے ثبوت پیش کروں گا تو اسے اپنی شادی کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔"

"اور اگر شادی کا اعتراف کرنے کے بعد بھی اس نے امامہ کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تو۔"

"کوئی نہ کوئی راستہ نکالنا پڑے گا اور وہ میں نکال لوں گا۔ چاہے وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے یا پھر مجھے زبردستی کرنا پڑے۔ میں یہ معاملہ ختم کر دوں گا، اس طرح کی شادی انسان کو ساری عمر خوار کرتی ہے۔ اس سے تو پیچھا چھڑانا ہی پڑے گا، ورنہ میں اسے اس بار مکمل طور پر اپنی جائیداد سے عاق کر دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" سکندر عثمان نے دوٹوک انداز میں کہا۔



☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حسن کچھ دیر پہلے اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں تھا، جب اچانک اسے اپنے والد کی کال ملی، وہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ ان کا لہجہ بے حد عجیب تھا مگر حسن نے توجہ نہیں دی، لیکن جب پندرہ منٹ بعد اپنے گھر پہنچا تو پورچ میں کھڑی سکندر عثمان کی گاڑی دیکھ کر چوکنا ہو گیا۔ وہ سالار کے گھر کی تمام گاڑیوں اور ان کے نمبرز کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

" سکندر انکل کو میرے اس معاملے میں انوالو ہونے کے حوالے سے کوئی ثبوت نہیں ملے ہیں اس لئے مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سالار کا دوست سمجھ کر پوچھ گچھ کے لئے آئے ہوں گے۔ میں بڑے اطمینان سے ان کی باتوں کا جواب دوں گا اور کسی بھی الزام کی تردید کر دوں گا لیکن میری پریشانی پاپا کے سامنے میری پوزیشن مشکوک کر دے گی، اس لئے انکل سکندر کو دیکھ کر مجھے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کرنا چاہئیے۔" اس نے پہلے اپنا لائحہ عمل طے کیا اور پھر بڑے اطمینان کے ساتھ اسٹڈی میں داخل ہو گیا۔ اس کے والد قاسم فاروقی اور سکندر عثمان کافی پی رہے تھے، لیکن ان کے چہرے کی غیر معمولی سنجیدگی اور اضطراب وہ ایک لمحے میں بھانپ گیا تھا۔

"کیسے ہیں انکل سکندر آپ! اس بار بہت دنوں کے بعد آپ ہماری طرف آئے۔" باوجود اس کے کہ سکندر یا قاسم نے اس کی ہیلو کا جواب نہیں دیا۔ حسن نے بہت بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ اسے اس بار بھی جواب نہیں ملا تھا۔ سکندر عثمان اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

"بیٹھو۔" قاسم فاروقی نے قدرے درشتی سے کہا۔

"سکندر تم سے کچھ باتیں پوچھنے آیا ہے تمہیں ہر بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہے۔ اگر تم نے جھوٹ بولا تو میں سکندر عثمان سے کہہ چکا ہوں کہ وہ تمہیں پولیس کے پاس لے جائے۔ میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ۔ میں تمہیں کسی بھی طرح بچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

قاسم فاروقی نے اس کے بیٹھتے ہی بلا تمہید کہا۔

"پاپا! آپ کیا کہہ رہے ہیں، میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔" حسن نے حیرت کا مظاہرہ کیا مگر اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔

"اوور سمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔ سکندر! پوچھو اس سے، کیا پوچھنا چاہتے ہو اور میں دیکھتا ہوں یہ کیسے جھوٹ بولتا ہے۔"

"امامہ کے ساتھ سالار کی شادی میں شرکت کی ہے تم نے؟"

"انکل۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ آپ کیا بات کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ کون سی شادی۔۔۔۔۔ کیسی شادی۔۔۔۔۔" حسن نے مزید حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"وہی شادی جو میری عدم موجودگی میں میرے گھر پر ہوئی جس کے لیے امامہ کو پیپرز بھجوائے گئے تھے۔"

"پلیز انکل! آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ آپ کے گھر میں ضرور آتا جاتا رہتا ہوں مگر مجھے سالار کی کسی شادی کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے اور نہ ہی میری معلومات کے مطابق اس نے شادی کی ہے۔۔۔۔۔۔ مجھے تو اس لڑکی کا بھی پتا نہیں ہے، جس کا آپ نام لے رہے ہیں۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے سالار کی کسی لڑکی کے ساتھ انوالومنٹ ہو، مگر میں اس کے بارے میں نہیں جانتا، وہ ہر بات مجھے نہیں بتاتا۔"

سکندر عثمان اور قاسم فاروقی خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔ وہ خاموش ہوا تو سکندر عثمان نے اپنے سامنے پڑا ہوا ایک لفافہ اٹھایا اور اس میں موجود چند کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ حسن کا رنگ پہلی بار اترا۔ وہ امامہ اور سالار کا نکاح نامہ تھا۔

" اس پر دیکھو۔۔۔۔۔۔تمہارے ہی signatures ہیں نا؟" سکندر نے سرد لہجے میں پوچھا۔ اگر یہ سوال انہوں نے قاسم فاروقی کے سامنے نہ کیا ہوتا تو وہ ان دستخط کو اپنے دستخط ماننے سے انکار کر دیتا مگر اس وقت وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ میرے signatures ہیں، مگر میں نے نہیں کیے۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"پھر کس نے کیے ہیں، تمہارے فرشتوں نے یا سالار نے؟" قاسم فاروقی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حسن کچھ بول نہیں سکا۔ وہ حواس باختہ سا باری باری انہیں دیکھنے لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سکندر عثمان اس طرح اس کے سامنے وہ نکاح نامہ نکال کر رکھ دیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے وہ نکاح نامہ کہاں سے حاصل کیا تھا، سالار سے یا پھر۔۔۔۔ اس کی ساری عقلمندی اور چالاکی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

"تم یہ نہیں مانو گے کہ سالار کا امامہ کے ساتھ نکاح تمہاری موجودگی میں ہوا ہے۔" قاسم فاروقی نے اکھڑے ہوئے لہجے میں اس سے کہا۔

"پاپا! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب سالار کی ضد پر ہوا تھا، اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔" حسن نے یک دم سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کچھ بھی چھپانے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ جھوٹ بولتا تو اپنی پوزیشن اور خراب کرتا۔

"میں نے اسے بہت سمجھایا تھا مگر۔۔۔۔۔"

قاسم فاروقی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس وقت تمہیں یہاں صفائیاں اور وضاحتیں پیش کرنے کے لئے نہیں بلایا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس لڑکی کو اس نے کہاں رکھا ہوا ہے؟"

"پاپا! مجھے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔" حسن نے تیزی سے کہا۔

"تم پھر جھوٹ بول رہے ہو۔"

"آئی سویر پاپا! مجھے واقعی کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ اسے لاہور چھوڑ آیا تھا۔"

"یہ جھوٹ تم کسی اور سے بولنا، مجھے صرف سچ بتاؤ۔" قاسم فاروقی نے ایک بار پھر اسی تند و تیز لہجے میں کہا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا پاپا!" حسن نے احتجاج کیا۔

"لاہور کہاں چھوڑ آیا تھا؟"

"کسی سڑک پر۔اس نے کہا تھا وہ خود چلی جائے گی۔"

"تم مجھے یا سکندر کو بے وقوف سمجھ رہے ہو،اس نے اس لڑکی سے شادی کی اور پھر اسے ایک سڑک پر چھوڑ دیا۔بے وقوف مت بناؤ ہمیں۔" قاسم فاروقی بھڑک اٹھے۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں پاپا!اس نے کم از کم مجھ سے یہی کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو سڑک پر چھوڑ آیا تھا۔"

"تم نے اس سے پوچھا نہیں کہ پھر اس نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کیوں کی،اگر اسے یہی کرنا تھا۔"

"پاپا!اس نے یہ شادی اس لڑکی کی مدد کے لیے کی تھی۔اس کے گھر والے زبردستی اس کی شادی کسی لڑکے سے کرنا چاہتے تھے وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس نے سالار سے رابطہ کیا اور مدد مانگی اور سالار اس کی مدد پر تیار ہو گیا۔وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ سالار وقتی طور پر اس سے نکاح کر لے تاکہ اگر اس کے والدین زبردستی اس کی شادی کرنا چاہیں تو وہ اس نکاح کا بتا کر انہیں روک سکے۔"

حسن اب سچائی پر پردہ نہیں ڈال سکتا تھا۔اس نے پوری بات بتانے کا فیصلہ کیا۔

"اور اگر ضرورت پڑے تو بیلف کے ذریعے اس کو رہائی دلوائی جا سکے مگر یہ کوئی محبت وغیرہ کی شادی نہیں تھی۔وہ لڑکی ویسے بھی کسی اور لڑکے کو پسند کرتی تھی۔آپ اس نکاح نامے کو دیکھیں تو اس میں بھی اس نے طلاق کا حق پہلے ہی لے لیا ہے،تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ سالار سے رابطہ کئے بغیر ہی طلاق حاصل کر لے۔"

"بس یا کچھ اور؟" قاسم فاروقی نے اس سے کہا۔حسن کچھ نہیں بولا۔خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"میں قطعاً تمہاری کسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔تم نے بہت اچھی کہانی بنائی ہے مگر میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ اس کہانی پر یقین کر لوں۔تمہیں اب امامہ تک پہنچنے میں سکندر کی مدد کرنی ہے۔" قاسم فاروقی نے قطعی لہجے میں کہا۔

"پاپا!یہ میں کیسے کر سکتا ہوں۔مجھے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔"حسن نے احتجاج کیا۔

"تم یہ کیسے کرو گے۔یہ تم خود جان سکتے ہو۔مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"پاپا پلیز!آپ مجھ پر یقین کریں،میں امامہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔نکاح کروانے کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کیا۔حسن نے کہا۔

"تم اس کے اتنے قریب ہو کہ اپنی خفیہ شادی میں وہ تمہیں گواہ کے طور پر لے رہا ہے مگر تمہیں یہ نہیں پتا کہ اس کی بیوی گھر سے بھاگنے کے بعد اب کہاں ہے۔ میں یہ ماننے پر تیار نہیں ہوں حسن! کسی صورت میں بھی نہیں۔" قاسم فاروقی نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تمہیں اگر پتا نہیں ہے تو بھی تم اس کا پتا کراؤ۔۔۔۔۔ کہ وہ کہاں ہے۔۔۔۔۔ سالار تم سے کچھ نہیں چھپائے گا۔"

"پاپا! وہ بہت سی باتیں مجھے بھی نہیں بتاتا۔"

"وہ سب باتیں تمہیں بتاتا ہے یا نہیں، میں فی الحال صرف ایک چیز میں دلچسپی رکھتا ہوں اور وہ امامہ کے بارے میں معلومات ہیں۔ تم ہر طریقے سے اس سے امامہ کا پتا حاصل کرو اور سالار کو کسی بھی طرح یہ پتا نہیں چلنا چاہئیے کہ سکندر کو اس کی شادی کی اطلاع مل چکی ہے یا اس نے اس سلسلے میں تم سے کوئی ملاقات کی ہے۔ اگر مجھے یہ پتا چلا کہ سالار یہ بات جان گیا ہے تو میں تمہارا کیا حشر کروں گا یہ تمہیں یاد رکھنا چاہئیے۔ میں سکندر کو تو پہلے ہی اجازت دے چکا ہوں کہ وہ ہاشم مبین کو تمہارا نام دے دے، اس کے بعد ہاشم مبین تمہارے ساتھ پولیس کے ذریعے نبٹے یا کسی اور طریقے سے، میں بالکل پرواہ نہیں کروں گا۔ اب تم یہ طے کر لو کہ تم نے سالار کے ساتھ دوستی نبھانی ہے یا پھر اس گھر میں رہنا ہے۔" قاسم فاروقی نے قطعیت سے کہا۔

"پاپا! میں کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح امامہ کے بارے میں کچھ معلومات مل جائیں۔ میں سالار سے اس کے بارے میں بات کروں گا۔ میں اسے یہ نہیں بتاؤں گا کہ سکندر انکل کو اس سارے معاملے کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔" وہ میکانیکی انداز میں دہراتا جارہا تھا۔

وہ اس بار واقعی بری طرح اور خلاف توقع پھنسا تھا۔



سالار چند دن گھر بیٹھا رہا تھا مگر پھر ضد کر کے اس نے کالج جانا شروع کر دیا۔ ہاشم مبین اور اس کے گھر والے امامہ کی تلاش میں زمین آسمان ایک کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ یہ سب کچھ بڑی رازداری کے ساتھ کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے ملازمین اور پولیس کے ذریعے سکندر کو ان کی کوششوں کی خبر مل رہی تھی۔ وہ لاہور میں بھی امامہ کی ہر سہیلی سے رابطہ کر رہے تھے جسے وہ جانتے تھے۔

سالار نے ایک دن اخبار میں بابر جاوید نامی ایک شخص کا خاکہ دیکھا۔ اس کے بارے میں معلومات دینے والے کے لئے انعام کا اعلان تھا۔ وہ اس نام سے اچھی طرح واقف تھا۔ یہی وہ فرضی نام تھا جو حسن نے وکیل کو امامہ کے شوہر کا دیا تھا اور وہ اشتہار یقیناً امامہ کے گھر والوں

کی طرف سے تھا حالانکہ نیچے دیا گیا فون نمبر امامہ کے گھر کا نہیں تھا، وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ پولیس اس وکیل کے پاس پہنچ گئی ہو گی اور اس کے بعد اس وکیل نے اس آدمی کے کوائف انہیں بتائے ہوں گے۔ اب یہ حقیقت صرف وہ وکیل، حسن اور خود وہ جانتا تھا کہ بابر جاوید سرے سے کوئی وجود نہیں رکھتا مگر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ ہاشم مبین کے گھر والوں کو کسی حد تک بھٹکانے میں کامیاب رہا تھا۔

اس پورے عرصے کے دوران سالار امامہ کی کال کا منتظر۔ اس نے کئی بار امامہ کو اس کے موبائل پر کال بھی کیا مگر اسے موبائل آف ملتا۔ اسے یہ تجسس ہو رہا تھا کہ وہ کہاں تھی۔ اس تجسس کو ہوا دینے میں کچھ ہاتھ حسن کا بھی تھا جو بار بار اس سے امامہ کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا، بعض دفعہ وہ چڑ جاتا۔

" مجھے کیا پتا کہ وہ کہاں ہے اور مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہی۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے اسے مجھ سے زیادہ تمہیں دلچسپی ہے۔"

اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ حسن کا یہ تجسس اور دلچسپی کسی مجبوری کی وجہ سے تھی۔ وہ بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ سالار کا خیال تھا کہ امامہ اب تک جلال کے پاس جا چکی ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے شادی بھی کر چکی ہو اگرچہ اس نے امامہ سے جلال کی شادی کے بارے میں جھوٹ بولا تھا مگر اسے یقین تھا کہ امامہ نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا ہو گا۔ وہ اس کے

پاس دوبارہ ضرور گئی ہو گی۔ خود سالار بھی چاہتا تھا کہ وہ خود جلال سے رابطہ قائم کرے یا پھر ذاتی طور پر جا کر ایک بار اس سے ملے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ امامہ اس کے ساتھ رہ رہی ہے یا نہیں، مگر فی الحال یہ دونوں کام اس کے لیے ناممکن تھے۔ سکندر عثمان مسلسل اس کی نگرانی کروا رہے تھے اور وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ وہ یہ نگرانی کروانے والے واحد نہیں ہیں۔ ہاشم مبین احمد بھی یہی کام کروا رہے تھے اور اگر وہ لاہور جانے کا ارادہ کرتا تو اول تو سکندر عثمان اسے جانے ہی نہ دیتے اور بالفرض جانے کی اجازت دے بھی دیتے تو شاید خود بھی اس کے ساتھ چل پڑتے اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سارے معاملے میں اس کی دلچسپی کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ اسے اب یہ سب کچھ ایک حماقت لگ رہا تھا۔ ایسی حماقت جو اسے کافی مہنگی پڑ رہی تھی۔ سکندر اور طیبہ اب ہمہ وقت گھر پر رہتے تھے اور اسے کہیں بھی جانے کے لیے اسے باقاعدہ اجازت لینی پڑتی تھی۔ حسن اب اس سے کم کم ملنے لگا تھا۔ وہ اس کی وجہ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس صورت حال سے وہ بہت بور ہو رہا تھا۔



وہ اس رات کمپیوٹر پر بیٹھا تھا جب اس کے موبائل پر ایک کال آئی تھی۔اس نے کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے ہوئے لاپرواہی سے موبائل اٹھا کر دیکھا اور پھر اسے ایک جھٹکا لگا تھا۔اسکرین پر موجود نمبر اس کے اپنے موبائل کا تھا۔امامہ اسے کال کر رہی تھی۔

"تو بالآخر آپ نے ہمیں یاد کر ہی لیا۔"اس نے بے اختیار سیٹی بجائی۔اس کا موڈ یک دم فریش ہو گیا تھا۔کچھ دیر پہلے والی بوریت یکسر غائب ہو گئی تھی۔

" میں تو سمجھ بیٹھا تھا کہ اب تم مجھے کبھی کال نہیں کرو گی۔اتنا لمبا عرصہ لگا دیا تم نے۔"رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔

" میں بہت دنوں سے تمہیں فون کرنا چاہ رہی تھی مگر کر نہیں پا رہی تھی۔"دوسری طرف سے امامہ نے کہا۔

"کیوں،ایسی کیا مجبوری آ گئی تھی۔فون تو تمہارے پاس موجود تھا۔"سالار نے کہا۔

"بس کوئی مجبوری تھی۔"اس نے مختصراً کہا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟"سالار نے کچھ تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

"بچکانہ سوال مت کرو سالار! جب تم جانتے ہو کہ میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گی تو پھر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرے گھر والے کیسے ہیں؟"

سالار کچھ حیران ہوا۔اسے امامہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"بالکل ٹھیک ہیں،خوش و خرم ہیں،عیش کر رہے ہیں۔"اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔"تم واقعی بہت اچھی بیٹی ہو،گھر سے جا کر بھی تمہیں گھر اور گھر والوں کا کتنا خیال ہے۔ہاؤ نائس۔"

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر امامہ نے کہا۔"وسیم کیسا ہے؟"

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا مگر میرا خیال ہے ٹھیک ہی ہو گا۔وہ خراب کیسے ہو سکتا ہے۔"اس کے انداز اور لہجے میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"انہیں یہ تو پتا نہیں چلا کہ تم نے میری مدد کی تھی؟"سالار کو امامہ کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔

"پتا لگا۔۔۔۔؟مائی ڈیئر امامہ! پولیس اسی دن میرے گھر پہنچ گئی تھی جس دن میں تمہیں لاہور چھوڑ کر آیا تھا۔"سالار نے کچھ استہزائیہ انداز میں کہا۔"تمہارے فادر نے میرے خلاف ایف آئی آر کٹوا دی تھی تمہیں اغوا کرنے کے سلسلے میں۔"وہ ہنسا۔"ذرا سوچو میرے جیسا بندہ کسی کو اغوا کر سکتا ہے اور وہ بھی تمہیں۔۔۔۔۔جو کسی بھی وقت کسی کو شوٹ کر سکتی ہے۔"

اس کے لہجے میں اس بار طنز تھا۔ "تمہارے فادر نے پوری کوشش کی ہے کہ میں جیل پہنچ جاؤں اور باقی کی زندگی وہاں گزاروں مگر بس میں کچھ خوش قسمت واقع ہوا ہوں کہ بچ گیا ہوں۔ گھر سے کالج تک میری نگرانی کی جاتی ہے۔ ڈمب کالز ملتی ہیں اور بھی بہت کچھ ہو رہا ہے۔ اب تمہیں کیا کیا بتاؤں۔ بہر حال تمہاری فیملی ہمیں خاصا زچ کر رہی ہے۔" اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ وہ تم تک پہنچ جائیں گے۔" اس بار امامہ کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ "میرا خیال تھا کہ انہیں کسی بھی طرح تم پر شک نہیں ہو گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اتنے پرابلمز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

" واقعی تمہاری وجہ سے مجھے بہت سے پرابلمز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میری کوشش تھی کہ میں پہلے خود کو محفوظ کر لوں پھر ہی تمہیں فون کروں اور اب میں واقعی محفوظ ہوں۔"

سالار نے کچھ تجسس آمیز دلچسپی کے ساتھ اس کی بات سنی۔ "تمہارا موبائل اب میں استعمال نہیں کروں گی اور میں اسے واپس بھیجنا چاہتی ہوں، مگر میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ

اسے بتا رہی تھی۔ "میں تمہیں کچھ پیسے بھی بھجواؤں گی۔ ان تمام اخراجات کے لئے جو تم نے میرے لئے کئے۔۔۔۔۔"

سالار نے اس بار اس کی بات کاٹی۔ "نہیں، پیسے رہنے دو۔ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ موبائل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس دوسرا ہے۔ تم چاہو تو اسے استعمال کرتی رہو۔"

"نہیں، میں اب اسے استعمال نہیں کروں گی۔ میری ضرورت ختم ہو چکی ہے۔"

اس نے کہا۔ کچھ دیر وہ خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم اب مجھے طلاق کے پیپرز بھجوا دو اور طلاق کے پیپرز کے ساتھ نکاح نامہ کی ایک کاپی بھی جو میں پہلے تم سے نہیں لے سکی۔"

"کہاں بھجواؤں؟" سالار نے اس کے مطالبے کا جواب کہا۔ اس کے ذہن میں یک دم ایک جھماکا ہوا تھا۔ وہ اگر اب طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اس نے ابھی تک کسی سے شادی نہیں کی تھی نہ ہی طلاق کے اس حق کو استعمال کیا تھا، جو نکاح نامہ میں وہ اس کی خواہش پر اسے تفویض کر چکا تھا۔

"تم اسی وکیل کے پاس وہ پیپرز بھجوا دو جس کو تم نے ہائر کیا تھا اور مجھے اس کا نام اور پتا لکھوا دو ، میں وہ پیپرز اس سے لے لوں گی۔"

سالار مسکرایا۔ وہ بے حد محتاط تھی۔ "مگر میرا تو اس وکیل کے ساتھ ڈائریکٹ کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں تو اسے جانتا بھی نہیں ہوں پھر پیپرز اس تک کیسے پہنچاؤں؟"

"جس دوست کے ذریعے تم نے اس وکیل سے رابطہ کیا تھا اسی دوست کے ذریعے وہ پیپرز اس تک پہنچا دو۔" یہ تو طے تھا کہ وہ اسے کسی بھی طرح اپنا کوئی اتا پتا نہ دینے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اس پر پوری طرح قائم تھی۔

"تم طلاق لینا کیوں چاہتی ہو؟" وہ اس وقت بہت موڈ میں تھا۔

دوسری طرف یک دم خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ اس سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"طلاق کیوں لینا چاہتی ہوں؟ تم کتنی عجیب بات کر رہے ہو۔ یہ تو پہلے ہی طے تھا کہ میں تم سے طلاق لوں گی پھر اس سوال کی کیا تک بنتی ہے"۔ امامہ کے لہجے میں حیرانی تھی۔

"وہ تب کی تھی، اب تو خاصا لمبا وقت گزر گیا ہے اور میں تمہیں طلاق دینا نہیں چاہتا۔" سالار نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ دوسری طرف اس وقت امامہ کے پیروں کے نیچے سے حقیقتاً زمین نکل گئی ہو گی۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں امامہ ڈیئر! میں تمہیں طلاق دینا نہیں چاہتا، نہ ہی دوں گا۔" اس نے ایک اور دھماکہ کیا۔

"تم۔۔۔۔ تم طلاق کا حق پہلے ہی مجھے دے چکے ہو۔" امامہ نے بے اختیار کہا۔

"کب کہاں۔۔۔۔۔ کس وقت۔۔۔۔۔ کس صدی میں۔" سالار نے اطمینان سے کہا۔

"تمہیں یاد ہے، میں نے نکاح سے پہلے تمہیں کہا تھا کہ نکاح نامے میں طلاق کا حق چاہتی ہوں میں۔ اگر تم طلاق نہیں بھی دیتے تو میں خود ہی وہ حق استعمال کر سکتی ہوں۔ تمہیں یہ یاد ہونا چاہئیے۔" وہ جتا رہی تھی۔

"اگر میں تمہیں یہ حق دیتا تو تم یہ حق استعمال کر سکتی تھی مگر میں نے تو تمہیں ایسا کوئی حق دیا ہی نہیں۔ تم نے نکاح نامہ دیکھا وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ خیر تم نے دیکھا ہی ہو گا ورنہ آج طلاق کی بات کیوں کر رہی ہوتیں۔"

دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ سالار نے ہوا میں تیر چلایا تھا مگر وہ نشانے پر بیٹھا تھا۔ امامہ نے یقیناً پیپرز سائن کرتے ہوئے انہیں دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سالار بے حد محفوظ ہو رہا تھا۔

"تم نے مجھے دھوکا دیا۔" بہت دیر بعد اس نے امامہ کو کہتے سنا۔

"ہاں، بالکل اسی طرح جس طرح تم نے پسٹل دکھا کر مجھے دھوکا دیا۔" وہ برجستگی سے بولا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم اور میں بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہم دونوں میں اتنی برائیاں اور خامیاں ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو مکمل طور پر Complement کرتے ہیں۔" وہ اب ایک بار پھر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"زندگی۔۔۔۔۔ سالار! زندگی اور تمہارے ساتھ۔۔۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔" امامہ نے تند لہجے میں کہا۔

"مجھے نپولین کی بات دُہرانی چاہئیے کہ میری ڈکشنری میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے یا مجھے تم سے یہ ریکویسٹ کرنی چاہئیے کہ آؤ! اس ناممکن کو مل کر ممکن بنائیں۔" وہ اب مذاق اڑا رہا تھا۔

"تم نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں، ایک احسان اور کرو۔ مجھے طلاق دے دو۔"

"نہیں، میں تم پر احسان کرتے کرتے تھک گیا ہوں، اب اور نہیں کر سکتا اور یہ والا احسان یہ تو ناممکن ہے۔" سالار ایک بار پھر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"میں تمہارے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں سالار! تمہارا اور میرا لائف اسٹائل بہت مختلف ہے ،ورنہ شاید میں تمہاری پیشکش پر غور کرتی مگر اب اس صورت میں یہ ممکن نہیں ہے۔ تم پلیز ،مجھے طلاق دے دو۔" وہ اب نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ سالار کا دل بے اختیار ہنسنے کو چاہا۔

"تم اگر میری پیش کش پر غور کرنے کا وعدہ کرو تو میں اپنا لائف اسٹائل بدل لیتا ہوں۔" سالار نے اسی انداز میں کہا۔

"تم سمجھنے کی کوشش کرو، تمہاری اور میری ہر چیز مختلف ہے۔ زندگی کی فلاسفی ہی مختلف ہے۔ ہم دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔" اس بار وہ جھنجلائی۔

"نہیں۔۔۔۔۔ نہیں میری اور تمہاری فلاسفی آف لائف بہت ملتی ہے۔ تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ ملتی نہ بھی ہوئی تو بھی ذرا سے ایڈجسٹمنٹ کے بعد ملنے لگے گی۔" وہ اس طرح بولا جیسے اپنے بہترین دوست سے گفتگو کر رہا ہو۔

"ویسے بھی مجھ میں کمی کیا ہے۔ میں تمہارے پُرانے منگیتر اسجد سے خوبصورت نہ سہی مگر جلال انصر جیسا معمولی شکل وصورت کا بھی نہیں ہوں۔ میری فیملی کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔ کیرئیر میرا کتنا برائٹ ہوگا، اس کا تمہیں اندازہ ہے۔ میں ہر لحاظ سے جلال سے بہتر ہوں۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ وہ امامہ کو بری طرح زچ کر رہا تھا اور وہ ہو رہی تھی۔

" میرے لیے کوئی بھی شخص جلال جیسا نہیں ہو سکتا اور تم۔۔۔۔۔ تم تو کسی صورت بھی نہیں۔" اس کی آواز میں پہلی بار نمایاں خفگی تھی۔

"کیوں؟" سالار نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

"تم مجھے اچھے نہیں لگتے ہو۔ آخر تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے۔ دیکھو، تم نے اگر مجھے طلاق نہ دی تو میں کورٹ میں چلی جاؤں گی۔" وہ اب اسے دھمکا رہی تھی۔ سالار اس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔

"یو آر موسٹ ویلکم۔ جب چاہیں جائیں۔ کورٹ سے اچھی جگہ میں ملاقات کے لیے اور کون سی ہو گی۔ آمنے سامنے کھڑے ہو کر بات کرنے کا مزہ ہی اور ہو گا۔" وہ محفوظ ہو رہا تھا۔

"ویسے تمہیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ کورٹ میں صرف میں نہیں پہنچوں گا، بلکہ تمہارے پیرنٹس بھی پہنچیں گے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

" سالار! میرے لیے پہلے ہی بہت سے پرابلمز ہیں تم ان میں اضافہ نہ کرو۔ میری زندگی بہت مشکل ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید مشکل ہوتی جارہی ہے۔ کم از کم تم تو میری مشکلات کو نہ بڑھاؤ۔" اس بار امامہ کے لہجے میں رنجیدگی و بے چارگی تھی۔ وہ کچھ اور محفوظ ہوا۔

"میں تمہارے مسائل میں اضافہ کر رہا ہوں۔۔۔۔؟ مائی ڈیئر! میں تو تمہاری ہمدردی میں گھل رہا ہوں، تمہارے مسائل کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو، میرے ساتھ رہ کر تم کتنی اچھی اور محفوظ زندگی گزار سکتی ہو۔" وہ بظاہر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"تم جانتے ہو نا، میں نے اتنی مشکلات کس لیے سہی ہیں۔ تم سمجھتے ہو، میں ایک ایسے شخص کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جاؤں گی جو ہر وہ کبیرہ گناہ کرتا ہے جسے میرے پیغمبر ﷺ ناپسند کرتے ہیں۔ نیک عورتیں نیک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور بری عورتیں برے مردوں کے لیے۔ میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں مگر میں اتنی بری نہیں ہوں کہ تمہارے جیسا برا مرد میری زندگی میں آئے۔ جلال مجھے نہیں ملا مگر میں تمہارے ساتھ بھی زندگی نہیں گزاروں گی۔" اس نے بے حد تلخ انداز میں تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"شاید اسی لیے جلال نے بھی تم سے شادی نہیں کی، کیونکہ نیک مردوں کے لیے نیک عورتیں ہوتی ہیں، تمہارے جیسی نہیں۔" سالار نے اسی ٹکڑا توڑ انداز میں جواب دیا۔

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اتنی لمبی خاموشی کہ سالار کو اسے مخاطب کرنا پڑا۔ "ہیلو۔۔۔۔ تم سن رہی ہو؟"

"سالار! مجھے طلاق دے دو۔" اسے امامہ کی آواز بھرائی ہوئی لگی۔ سالار کو ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔

"تم کورٹ میں جا کر لے لو، جیسے تم مجھ سے کہہ چکی ہو۔" سالار نے ترکی بہ ترکی کہا اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

حسن نے ان چند ماہ میں سالار سے امامہ کے بارے میں جاننے کی بے حد کوشش کی تھی (حسن کے اپنے بیان کے مطابق) مگر وہ ناکام رہا تھا۔ وہ اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے کہ سالار اور امامہ کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ سالار کی طرح خود انہوں نے موبائل پر بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔

سکندر نے سالار کو امریکہ میں مختلف یونیورسٹیز میں اپلائی کرنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا اکیڈیمک ریکارڈ ایسا تھا کہ کوئی بھی یونیورسٹی اسے لینے میں خوشی محسوس کرے گی

امامہ نے سالار کو دوبارہ فون نہیں کیا تھا حالانکہ سالار کا خیال تھا کہ وہ اسے دوبارہ فون کرے گی اور تب وہ اسے بتا دے گا کہ وہ اسے نکاح نامے میں پہلے ہی طلاق کا حق دے چکا ہے اور وہ نکاح نامے کی کاپی بھی اس کے حوالے کر دے گا۔ وہ اس سے یہ بھی کہہ دے گا کہ

اس نے اس کے ساتھ صرف ایک مذاق کیا تھا مگر امامہ نے اس سے دوبارہ رابطہ قائم نہیں کیا، نہ ہی سالار نے اپنے پیپرز میں اس نکاح نامے کو دوبارہ دیکھنے کی زحمت کی، ورنہ وہ بہت پہلے وہاں اس کی عدم موجودگی سے واقف ہو جاتا۔

جس دن وہ آخری پیپر دے کر واپس گھر آیا۔ سکندر عثمان کو اس نے اپنا منتظر پایا۔

"تم اپنا سامان پیک کر لو، آج رات کی فلائٹ سے تم امریکہ جا رہے ہو، کامران کے پاس۔"

"کیوں پاپا! اس طرح اچانک۔۔۔۔۔ سب کچھ ٹھیک تو ہے؟"

"تمہارے علاوہ سب کچھ ٹھیک ہے۔" سکندر نے تلخی سے کہا۔

"مگر پھر آپ مجھے اس طرح اچانک کیوں بھیج رہے ہیں؟"

"یہ میں تمہیں رات کو ائیر پورٹ چھوڑنے کے لیے جاتے ہوئے بتاؤں گا۔ فی الحال تم جا کر اپنا سامان پیک کرو۔"

"پاپا پلیز! آپ مجھے بتائیں آپ اس طرح مجھے کیوں بھجوا رہے ہیں؟" سالار نے کمزور احتجاج کیا۔

"میں نے کہا نا میں تمہیں بتا دوں گا۔ تم جا کر اپنا سامان پیک کرو، ورنہ میں تمہیں سامان کے بغیر ہی ائیر پورٹ چھوڑ آؤں گا۔"

سکندر نے اسے دھمکایا۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اپنا سامان پیک کرتے ہوئے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ سکندر عثمان کے اس اچانک فیصلے کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اچانک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس نے اپنی دراز کھول کر اپنے پیپرز نکالنے شروع کر دیئے۔ وہاں نکاح نامہ نہیں تھا۔ اسے ان کے اس فیصلے کی سمجھ آ گئی تھی اور اسے پچھتاوا ہوا کہ اس نے نکاح نامے کو اتنی لاپرواہی سے وہاں کیوں رکھا تھا۔ وہ نکاح نامہ سکندر عثمان کے علاوہ کسی اور کے پاس ہو نہیں سکتا تھا کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور اس کمرے میں آنے اور اس کی دراز کھولنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں اب کوئی الجھن نہیں تھی۔ اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا سامان پیک کیا۔ وہ اب صرف یہ سوچ رہا تھا سکندر عثمان سے ائیر پورٹ جاتے ہوئے کیا بات کرے گا۔

رات کو ائیر پورٹ چھوڑنے کے لیے صرف سکندر اس کے ساتھ آئے تھے، طیبہ نہیں۔ ان کا لہجا اور انداز بے حد روکھا اور خشک تھا۔ سالار نے بھی اس بار کوئی سوال نہیں

کیا۔ ائیر پورٹ جاتے ہوئے سکندر عثمان نے اپنا بریف کیس کھول کر ایک سادہ کاغذ اور قلم نکالا اور بریف کیس کے اوپر رکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس پر سائن کر دو۔"

"یہ کیا ہے؟" سالار نے حیرانی سے اس سادہ کاغذ کو دیکھا۔

"تم صرف سائن کرو، سوال مت کرو۔" انہوں نے بے حد روکھے انداز میں کہا۔ سالار نے مزید کچھ کہے بغیر ان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا قلم لے کر اس کاغذ پر سائن کر دیے۔ سکندر نے اس کاغذ کو تہہ کر کے بریف کیس میں رکھا اور بریف کیس کو دوبارہ بند کر دیا۔

"جو کچھ تم کر چکے ہو، اس کے بعد تم سے کچھ کہنا یا کوئی بات کرنا بے کار ہے۔ تم مجھ سے ایک کے بعد دوسرا، اور دوسرے کے بعد تیسرا جھوٹ بولتے رہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے تو کبھی حقیقت کا پتا ہی نہیں چلے گا۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں امریکہ بھیجنے کی بجائے ہاشم مبین کے حوالے کر دوں تا کہ تمہیں اندازہ ہو اپنی حماقت کا، مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں تمہارا باپ ہوں، مجھے تمہیں بچانا ہی ہے۔ تم میری اس مجبوری کا آج تک فائدہ اٹھاتے رہے ہو مگر آئندہ نہیں اٹھا سکو گے۔ میں تمہارا نکاح نامہ امامہ کے حوالے کر دوں گا اور اگر مجھے دوبارہ یہ پتا چلا کہ تم نے اس سے رابطہ کیا ہے یا رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو میں اس

بار جو کروں گا تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ تم میرے لیے کافی مصیبتیں کھڑی کر چکے ہو ،اب ان کا سلسلہ بند ہو جانا چاہیئے سمجھے تم۔"

انہوں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ جواب میں کچھ کہنے کی بجائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں عجیب طرح کی لاپرواہی اور اطمینان تھا۔ سکندر عثمان بے اختیار سلگا۔ یہ ان کا وہ بیٹا تھا جو 150+ کا آئی کیو رکھتا تھا۔ کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ وہ سرے سے کوئی آئی کیو رکھتا بھی تھا یا نہیں۔



اگلے چند ماہ جو اس نے امریکہ میں گزارے تھے وہ اس کی زندگی کے مشکل ترین دن تھے۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار سیر و تفریح کے لیے اپنی فیملی کے ساتھ اور ان کے بغیر امریکہ اور یورپ جاتا رہا تھا مگر اس بار جس طریقے سے سکندر نے اسے امریکہ بھجوایا تھا اس نے جہاں ایک طرف اسے مشتعل کیا تھا تو دوسری طرف اس کے لیے بہت سے دوسرے پرابلمز بھی پیدا کر دیئے تھے۔ اس کے جو دوست اے لیول کے بعد امریکہ آ گئے تھے۔ وہ امریکہ کی مختلف یونیورسٹیز میں پڑھ رہے تھے۔ وہ کسی ایک اسٹیٹ میں نہیں تھے۔ کچھ یہی

حال اس کے رشتہ داروں اور کزنز کا تھا۔ خود اس کے اپنے بہن بھائی بھی ایک جگہ پر نہیں تھے۔ وہ اپنی فیملی سے اتنا اٹیچ نہیں تھا کہ ان کی کمی محسوس کرتا یا ہوم سکنیس کا شکار ہوتا۔ یہ صرف اس طرح اچانک وہاں بھجوائے جانے کا نتیجہ تھا کہ وہ اس طرح اضطراب کا شکار ہو رہا تھا۔

کامران سارا دن یونیورسٹی میں ہوتا اور اگر وہ گھر آتا بھی تو اپنی اسٹڈیز میں مصروف ہو جاتا۔ اس کے ایگزامز قریب تھے جبکہ سالار سارا دن یا تو اپارٹمنٹ میں بیٹھا فلمیں دیکھتا رہتا یا پھر چینلز گھمانے میں مصروف رہتا اور جب وہ ان دونوں کاموں سے بیزار ہو جاتا تو آوارہ گردی کے لیے نکل جاتا۔ اس نے وہاں اپنے قیام کے دوران نیویارک میں اس علاقے کا چپہ چپہ چھان مارا تھا جہاں کامران رہ رہا تھا۔ وہاں کا کوئی نائٹ کلب، ڈسکو، پب، بار، تھیٹر، سینما یا میوزیم اور آرٹ گیلری ایسی نہیں تھی جہاں وہ نہ گیا ہو۔

اس کا اکیڈیمک ریکارڈ ایسا تھا کہ جن تین levy league کی یونیورسٹیز میں اس نے اپلائی کیا تھا ان تینوں میں رزلٹ آنے سے پہلے ہی اس کی ایڈمیشن کی درخواستیں قبول کی جا چکی تھیں۔ وہ تینوں یونیورسٹیز ایسی تھیں جن میں اس کے دور یا قریب کا کوئی رشتے دار نہیں تھا اور یہ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر عثمان اپنی پوری کوشش کریں گے کہ اسے کسی ایسی یونیورسٹی میں ایڈمٹ کروائیں جہاں اس کے بہن بھائیوں میں سے

نہیں تو کم از کم اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی ضرور موجود ہوتا کہ وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں۔ سالار کی جگہ ان کا کوئی دوسرا بیٹا levy league کی کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا تو سکندر عثمان فخر میں مبتلا ہوتے اور اس چیز کو اپنے اور اپنی پوری فیملی کے لئے اعزاز سمجھتے مگر یہاں وہ اس خوف میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وہ سالار پر نظر کیسے رکھ سکیں گے۔ سالار نے ان یونیورسٹیز میں سے Yale کو چُنا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ صرف Yale میں ان کا کوئی شناسا اور واقف کار نہیں تھا، بلکہ New Haven میں بھی سکندر عثمان کا کوئی رشتہ دار اور دوست نہیں تھا۔

رزلٹ آنے کے بعد اسے یونیورسٹی سے میرٹ اسکالرشپ بھی مل گیا تھا۔ اپنے باقی بھائیوں کے برعکس اس نے ضد کر کے ہوسٹل میں رہنے کے بجائے ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ سکندر عثمان اسے اپارٹمنٹ میں رکھنے کے لیے تیار نہیں تھے، مگر اسکالرشپ ملنے کی وجہ سے اس کے پاس اتنی رقم آگئی تھی کہ وہ خود ہی کوئی اپارٹمنٹ لے لیتا کیونکہ یونیورسٹی کے اخراجات کے لیے سکندر اس کے کاؤنٹ میں پہلے ہی ایک لمبی چوڑی رقم جمع کروا چکے تھے حالانکہ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا بھی اسکالرشپ لے رہا تھا مگر سالار سکندر کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان سے ہر وہ "کام" اور "مطالبہ" کرنے کے لئے بنایا تھا جو اس سے

پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔ وہ زمین پر خاص طور پر انہیں تنگ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا جس چیز کو ان کے دوسرے بچے مشرق کہتے وہ اسے مغرب کہتا۔ جسے دوسرے زمین قرار دیتے وہ اس کے آسمان ہونے پر دلائل دینا شروع کر دیتا۔ وہ اس کی باتوں، حرکتوں اور ضد پر زیادہ سے زیادہ اپنا بلڈ پریشر اور کولیسٹرول لیول ہائی کر سکتے تھے اور کچھ نہیں۔

New Haven جانے سے پہلے سکندر اور طیبہ اس کے لیے خاص طور پر پاکستان سے امریکہ آئے تھے۔ وہ کئی دن تک اسے سمجھاتے رہے تھے، جنہیں وہ اطمینان سے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتا رہا تھا۔ وہ کئی سالوں سے نصیحتیں سننے کا عادی تھا اور عملی طور پر وہ نصیحتیں اب اس پر قطعاً کوئی اثر نہیں کرتی تھیں۔ دوسری طرف سکندر اور طیبہ واپس پاکستان جاتے ہوئے بے حد فکر مند بلکہ کسی حد تک خوفزدہ بھی تھے۔

وہ Yale سے فنانس میں ایم بی اے کرنے آیا تھا اور اس نے وہاں آنے کے چند ہفتوں کے اندر ہی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔

پاکستان میں جن اداروں میں وہ پڑھتا رہا تھا اگرچہ وہ بھی بہت اچھے تھے مگر وہاں تعلیم اس کے لیے کیک واک تھی۔ Yale میں مقابلہ بہت مشکل تھا وہاں بے حد قابل لوگ اور ذہین اسٹوڈنٹ موجود تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت جلد نظروں میں آنے لگا تھا۔

اس میں اگر ایک طرف اس کی غیر عمولی ذہنی صلاحیتوں کا دخل تھا تو دوسری طرف اس کے رویے کا بھی۔ ایشین اسٹوڈنٹس والی روایتی ملنساری اور خوش اخلاقی اس میں مفقود تھی۔ اس میں لحاظ و مروت بھی نہیں تھی اور نہ ہی وہ احساسِ کمتری اور مرعوبیت تھی جو ایشین اسٹوڈنٹس امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیز میں فطری طور پر لے کر آتے ہیں۔ اس نے بچپن ہی سے بہترین اداروں میں پڑھا تھا۔ ایسے ادارے جہاں پڑھانے والے زیادہ تر غیر ملکی تھے اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ بھی کوئی علم کے بہتے ہوئے سرچشمے نہیں ہوتے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ Yale نے اسکالرشپ دے کر اس پر کوئی احسان نہیں کیا وہ اگر باقی دونوں یونیورسٹیز میں سے کسی کا انتخاب کرتا تو اسکالرشپ اسے وہاں سے بھی مل جاتا اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے ماں باپ کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ وہ جہاں چاہتا ایڈمیشن لے سکتا تھا۔ اگر اپنے فیملی بیک گراؤنڈ اسٹیٹس اور قابلیت کا زعم نہ ہوتا تب بھی سالار سکندر اس قدر تلخ اور الگ تھلگ نیچر رکھتا تھا کہ وہ کسی کو اپنی خوش اخلاقی کے جھوٹے مظاہرہ سے متاثر نہیں کر سکتا تھا۔ رہی سہی کسر اس کے آئی کیو لیول نے پوری کر دی تھی۔

شروع کے چند ہفتوں میں ہی اس نے اپنے پروفیسرز اور کلاس فیلوز کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی اور یہ بھی پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ وہ بچپن سے تعلیمی اداروں میں اسی قسم کی

توجہ حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ ایسا اسٹوڈنٹ نہیں تھا، جو فضول باتوں پر بحث برائے بحث کرتا۔ اس کے سوال ہی اس طرح کے ہوتے تھے کہ اس کے اکثر پروفیسرز کو فوری طور پر ان کا جواب دینے میں دشواری ہوتی۔ جواب غیر تسلی بخش بھی ہوتا، تب بھی وہ جتاتا نہیں تھا صرف خاموش ہو جاتا تھا، مگر وہ یہ تاثر بھی نہیں دیتا تھا کہ وہ مطمئن ہو گیا تھا یا اس جواب کو تسلی کر رہا تھا۔ وہ بحث صرف ان پروفیسرز سے کرتا تھا، جن کے بارے میں اسے یہ یقین ہوتا کہ وہ ان سے واقعی کچھ نہ کچھ سیکھے گا یا جب کے پاس روایتی یا کتابی علم نہیں تھا۔

پڑھائی وہاں بھی اس کے لیے بہت مشکل نہیں تھی، نہ ہی اس کا سارا وقت پڑھائی میں گزرتا تھا۔ پہلے کی نسبت اسے کچھ زیادہ وقت دینا پڑتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے لئے اور اپنی سرگرمیوں کے لئے وقت نکال لیا کرتا تھا۔

وہ وہاں کسی ہوم سکنیس کا شکار نہیں تھا کہ چوبیس گھنٹے پاکستان کو یاد کرتا رہتا یا پاکستان کے ساتھ اس طرح کے عشق میں مبتلا ہوتا کہ ہر وقت اس کے کلچر کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرتا نہ ہی امریکہ اس کے لیے کوئی نئی اور اجنبی جگہ تھی اس لیے اس نے وہاں موجود پاکستانیوں کو تلاش کرنے اور ان کے ساتھ روابط بڑھانے کی دانستہ طور پر کوئی کوشش نہیں کی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود وہاں موجود کچھ پاکستانیوں سے اس کی شناسائی ہو گئی۔

یونیورسٹی کی دوسری بہت سی سوسائٹیز، ایسوسی ایشنز اور کلبز میں اس کی دلچسپی تھی اور اس پاس ان کی ممبر شپ بھی تھی۔

پڑھائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنا زیادہ تر وقت بے کار پھرنے میں ضائع کرتا تھا۔ خاص طور پر ویک اینڈز۔۔۔۔۔ سینما، کلبز، ڈسکوز، تھیٹرز۔۔۔۔۔ اس کی زندگی ان ہی چاروں کے درمیان تقسیم شدہ تھی۔ ہر نئی فلم، ہر نیا اسٹیج پلے، ہر نیا کنسرٹ، اور کوئی بھی نئی انسٹرومینٹل پرفارمنس وہ نہیں چھوڑتا تھا یا پھر ہر نیا چھوٹا، بڑا ریسٹورنٹ، مہنگے سے مہنگا اور سستے سے سستا۔۔۔۔۔ اسے ہر ایک کے بارے میں مکمل معلومات تھیں۔

اور سب کے درمیان وہ ایڈونچر اس کے ذہن میں اب تک تھا جس کی وجہ سے وہ امریکہ میں موجود تھا۔ سکندر کو اس کے نکاح کا پتا کب چلا تھا، کیسے چلا تھا، سالار نے جاننے کی کوشش نہیں کی مگر وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سکندر عثمان کو اس کے بارے میں کیسے پتا چلا ہو گا۔ یہ حسن یا ناصرہ نہیں تھے جنہوں نے سکندر عثمان کو سالار اور امامہ کے بارے میں بتایا ہو گا۔ وہ ان کی طرف سے مطمئن تھا یہ خود امامہ ہی ہو گی، جس نے اس سے فون پر بات کرنے کے بعد یہ سوچا ہو گا کہ اس کے بجائے سکندر عثمان سے ساری بات کی جائے اور اس نے یقیناً ایسا ہی کیا ہو گا، اسی لیے اس نے دوبارہ سالار سے رابطہ نہیں کیا۔ سکندر نے اس سے رابطہ کرنے کے بعد ہی اس کے کمرے کی تلاشی لے کر وہ نکاح نامہ برآمد کر لیا تھا۔

مگر یہ سب کب ہوا تھا۔۔۔۔۔؟ یہ وہ سوال تھا، جس کا جواب وہ نہیں ڈھونڈ پا رہا تھا۔

جو بھی تھا امامہ کے لیے اس کی ناپسندیدگی میں پاکستان سے امریکہ آتے ہوئے کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ یکے بعد دیگرے وہ اس کے ہاتھوں زک اٹھانے پر مجبور ہوا تھا اور اب وہ پچھتاتا تھا کہ اس نے اس تمام معاملے میں امامہ کی مدد کیسے کی۔ بعض دفعہ اسے حیرانی ہوتی تھی کہ آخر وہ امامہ جیسی لڑکی کی مدد کرنے پر تیار کیسے ہو گیا تھا اور اس حد تک مدد کہ۔۔۔۔۔

وہ اب ان تمام واقعات کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی کوفت محسوس کرتا تھا۔ آخر میں نے اس کی مدد کیوں کی جبکہ مجھے جو کرنا چاہیئے تھا کہ اس کے رابطہ کرنے پر میں وسیم کو، اس کے والدین کو یا خود اپنے والدین کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتا دیتا یا پھر جلال کے بارے میں انہیں بتا دیتا یا پھر اس کے کہنے پر اس کے ساتھ سرے سے نکاح کرتا ہی نہ یا اسے گھر سے فرار ہونے میں تو کبھی اس طرح مدد نہ کرتا۔

بعض دفعہ اسے لگتا کہ جیسے وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح اس کے ہاتھوں میں استعمال ہوا تھا۔ اتنی فرنبرداری، اتنی تابعداری آخر کیوں۔۔۔۔۔؟ جبکہ وہ اس کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہیں رکھتی تھی اور وہ کسی طرح سے بھی اس کی مدد کرنے پر مجبور نہیں تھا۔

اب اسے وہ سب کچھ ایک ایڈونچر سے زیادہ حماقت لگتا۔ وہ کسی سائیکالوجسٹ کی طرح امامہ کے بارے میں اپنے رویے کا تجزیہ کرتا اور مطمئن ہو جاتا۔

" جوں جوں وقت گزرتا جائے گا وہ مکمل طور پر میرے ذہن سے نکل جائے گی نہ بھی نکلی تب بھی مجھے کیا فرق پڑے گا۔" وہ سوچتا۔



وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں اس کے حلقہ احباب میں اضافہ ہونے لگا اور اسی حلقہ احباب میں ایک نام سعد کا تھا۔ اس کا تعلق کراچی سے تھا۔ سالار کی طرح وہ بھی امیر کبیر گھرانے سے تعلق تھا مگر سالار کے برعکس اس کا گھرانہ خاصا مذہبی تھا۔ یہ سالار کا اندازہ تھا۔ سعد کی حس مزاح بہت اچھی تھی اور وہ بہت ہینڈسم بھی تھا۔ نیوہیون میں ایک امریکی دوست کے توسط سے اس کی ملاقات سعد سے ہوئی تھی اور اس کی طرف دوستی میں پہل کرنے والا سعد ہی تھا۔ سالار نے اس دوستی کو قبول کرنے میں قدرے تامل کیا کیونکہ اسے یوں لگتا تھا جیسے سعد اور اس کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ سعد وہاں سے ایم فل کر رہا تھا۔ سالار کے برعکس وہ پڑھائی کے ساتھ جاب بھی کرتا تھا۔ اس کا حلیہ اس کی مذہب

سے جذباتی وابستگی بتانے کے لیے کافی تھا۔ اس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اور مذہب کے بارے میں اس کا علم بہت زیادہ تھا۔ سالار نے زندگی میں پہلی بار کسی ایسے شخص سے دوستی کی تھی جو مذہبی تھا۔

سعد پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا اور دوسروں کو بھی اس کے لیے کہتا رہتا۔ وہ مختلف آرگنائزیشنز اور کلبز میں بھی بہت ایکٹو تھا۔ سالار کے برعکس امریکہ میں اس کا کوئی قریبی رشتے دار نہیں تھا، صرف ایک دور کے چچا تھے جو کسی دوسری اسٹیٹ میں رہتے تھے۔ شاید اسی لیے اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لیے وہ بہت زیادہ سوشل تھا۔ سالار کے برعکس وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور شاید یہ لاڈ اور پیار ہی تھا جس نے اس کے والدین کو اسے اتنی دور تعلیم کے لیے بھیج دیا تھا ورنہ اس کے باقی دونوں بھائی سعد کے والد کے ساتھ گریجویشن کے بعد بزنس میں شریک ہو گئے تھے۔

وہ بھی ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے کر رہتا تھا مگر اس کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں چار اور لوگ بھی رہتے تھے۔ ان چار میں سے دو عرب اور ایک بنگلہ دیشی کے علاوہ ایک اور پاکستانی تھا۔ وہ تمام اسٹوڈنٹس تھے۔

سعد پہلی ہی ملاقات میں سالار سے بہت بے تکلف ہو گیا تھا۔ سالار کے امریکی دوست جیف نے جب سعد کو سالار کی اکیڈیمک کامیابیوں کے بارے میں بتایا تو ہر ایک کی طرح سعد بھی متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکا۔

سالار کو سعد کا چہرہ دیکھ کر اور خاص طور پر اس کی داڑھی دیکھ کر ہمیشہ جلال کا خیال آتا۔ داڑھی کی وجہ سے دونوں میں عجیب سی مماثلت اور مشابہت نظر آتی۔ کئی بار دوسرے دوستوں کے علاوہ سعد بھی ویک اینڈ پر اس کے ساتھ ہوتا۔

" تم مسلمان ہو لیکن مذہب کی سرے سے پابندی نہیں کرتے۔" سعد نے ایک دفعہ سالار سے کہا تھا۔

"اور تم ضرورت سے زیادہ مذہبی ہو۔" سالار نے جواباً کہا۔

" کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جس طرح تم پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے رہتے ہو اور ہر وقت اسلام کی بات کرتے رہتے ہو یہ کچھ اوور ایکٹنگ ٹائپ چیز ہو جاتی ہے۔" سالار نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ کہا۔ "تم تھکتے نہیں ہو ہر وقت نمازیں پڑھ کر۔"

" یہ فرض ہے۔ اللہ کی طرف سے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں، اسے ہر وقت یاد رکھیں۔" سعد نے زور دیتے ہوئے کہا۔ سالار نے ایک جماہی لی۔

" تم بھی عبادت کیا کرو، آخر تم بھی مسلمان ہو۔" سعد نے اس سے کہا

"میں جانتا ہوں اور عبادت نہ کرنے سے کیا میں مسلمان نہیں رہوں گا۔" اس نے کچھ تیکھے لہجے میں سعد سے کہا۔

"صرف نام کا مسلمان بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہو تم؟"

"سعد! پلیز اس قسم کے فضول ٹاپک پر بات مت کرو۔ میں جانتا ہوں تمہیں مذہب میں دلچسپی ہے مگر مجھے نہیں ہے۔ بہتر ہے ہم ایک دوسرے کی رائے اور جذبات کا خیال رکھیں اور ایک دوسرے پر کچھ ٹھونسنے کی کوشش نہ کریں۔ جیسے میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم نماز چھوڑ دو، اس طرح تم بھی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں نماز پڑھوں۔" سالار نے انتہائی صاف گوئی سے کہا تو سعد خاموش ہو گیا۔

مگر کچھ دنوں بعد وہ اس کے اپارٹمنٹ پر آیا۔ سالار اس کی تواضع کے لیے کچھ لانے کے لیے کچن میں گیا تو سعد بھی اس کے پیچھے ہی آگیا۔ اس نے باتوں کے دوران فریج کھول لیا اور

اس میں موجود کھانے کی چیزوں پر نظر دوڑانے لگا۔ سالار پچھلی رات ایک فاسٹ فوڈ outlet سے اپنا پسندیدہ برگر لے کر آیا تھا۔ وہ فریج میں پڑا تھا۔ سعد نے اسے نکال لیا۔

"اسے رکھ دو، یہ تم نہ کھانا۔" سالار نے جلدی سے کہا۔

"کیوں؟" سعد نے مائیکروویو کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں پورک (سؤر کا گوشت) ہے۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"مذاق مت کرو۔" سعد ٹھٹک گیا۔

"اس میں مذاق والی کون سی بات ہے۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ سعد نے جیسے پھینکنے والے انداز میں پلیٹ شیلف پر رکھ دی۔

"تم پورک کھاتے ہو؟"

"میں پورک نہیں کھاتا۔ میں صرف یہ برگر کھاتا ہوں کیونکہ یہ مجھے پسند ہے۔" سالار نے برنر جلاتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو، یہ حرام ہے؟"

"اسلام میں؟"

"ہاں" !

"اور پھر بھی؟"

"اب تم پھر وہی تبلیغی وعظ شروع مت کرنا، میں صرف پورک ہی نہیں کھاتا، ہر قسم کا گوشت کھالیتا ہوں۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔ وہ اب فریج کی طرف جارہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"خیر اس میں ایسی بے یقینی والی کیا بات ہے۔ یہ کھانے کے لیے ہی ہوتا ہے۔" وہ اب فریج میں پڑے دودھ کے پیکٹ کو نکال رہا تھا۔

"ہر چیز کھانے کے لیے نہیں ہوتی۔" سعد کچھ تلملایا۔ "ٹھیک ہے تم زیادہ مذہبی نہ سہی مگر مسلمان تو ہو اور اتنا تو تم جانتے ہی ہو گے کہ پورک اسلام میں حرام ہے، کم از کم ایک مسلمان کے لیے۔" سالار خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا۔

"میرے لئے کچھ مت بنانا، میں نہیں کھاؤں گا۔" سعد یک دم کچن سے نکل گیا۔

"کیوں؟" سالار نے مڑ کر اسے دیکھا۔ سعد واش بیسن کے سامنے کھڑا صابن سے ہاتھ دھو رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" سالار نے اس سے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

سعد نے جواب میں کچھ نہیں کہا وہ اسی طرح کلمہ پڑھتے ہوئے ہاتھ دھوتا رہا۔ سالار چبھتی ہوئی نظروں سے ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ ہاتھ دھونے کے بعد اس نے سالار سے کہا۔

"میں تو اس فریج میں رکھی کوئی چیز نہیں کھا سکتا، بلکہ تمہارے برتنوں میں بھی نہیں کھا سکتا۔ اگر تم یہ برگر کھا لیتے ہو تو اور بھی کیا کچھ نہیں کھا لیتے ہو گے۔ چلو باہر چلتے ہیں، وہیں جا کر کچھ کھاتے ہیں۔"

"یہ بہت انسلٹنگ ہے۔" سالار نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"نہیں، انسلٹ والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں یہ حرام گوشت نہیں کھانا چاہتا اور تم اس معاملے میں پرہیز کے عادی نہیں ہو۔" سعد نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ گوشت کھلانے کی کوشش نہیں کی۔ تم نہیں کھاتے، اس لیے میں نے وہ برگر پکڑتے ہی تمہیں منع کر دیا۔" سالار نے کہا۔ "مگر تم کو تو شاید کوئی فوبیا ہو گیا ہے۔ تم اس طرح ری ایکٹ کر رہے ہو جیسے میں نے اپنے پورے فلیٹ میں اس جانور کو پالا ہوا ہے اور رات دن ان ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔" سالار ناراض سا ہو گیا۔

"چلو باہر چلتے ہیں۔" سعد نے اس کی ناراضی کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

"باہر چل کر کچھ کھائیں گے تو میں بل پے نہیں کروں گا، تم کرو گے۔" سالار نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں کر دوں گا، نو پرابلم۔ تم چلو۔" سعد نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اور اگلی دفعہ تم میرے اپارٹمنٹ پر آتے ہوئے گھر سے کچھ کھانے کے لیے لے کر آنا۔" سالار نے قدرے طنزیہ لہجے میں اس سے کہا۔

"اچھا لے آؤں گا۔" سعد نے کہا۔



وہ اس ویک اینڈ پر جھیل کے کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی طرح بہت سے لوگ وہاں پھر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد ایک بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔ بہت لاپرواہی سے ایک آئس کریم اسٹک کھاتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے میں مصروف تھا جب اس کی توجہ تین سال کے ایک بچے نے اپنی طرف مبذول کر لی۔ وہ بچہ ایک فٹ بال کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر سیاہ حجاب اوڑھے ایک لڑکی کھڑی تھی جو مسکراتے ہوئے اس بچے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ وہاں موجود بہت سے ایشین میں سے ایک تھی مگر حجاب میں ملبوس واحد لڑکی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر اسے دیکھے گیا۔ وہ بچہ فٹ بال کو پاؤں سے ٹھوکر

لگاتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی بینچ کی طرف آگیا تھا۔ ایک اور ٹھوکر نے بال کو سیدھا سالار کی طرف بھیج دیا۔ کسی غیر ارادی عمل کے تحت سالار نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے اپنے دائیں پاؤں میں پہنے ہوئے جاگر کی مدد سے اس بال کو روکا اور پھر پاؤں ہٹایا نہیں بلکہ اسی طرح فٹ بال پر ہی رکھا مگر اس بار اس کی نظر اس لڑکی کی بجائے اس بچے پر تھی جو تیز رفتاری سے اس بال کے پیچھے اس کی طرف آیا تھا۔

اس کے بالکل پاس آنے کی بجائے وہ کچھ دُور رک گیا۔ شاید وہ توقع کر رہا تھا کہ سالار بال کو اس کی طرف لڑھکا دے گا مگر سالار اسی طرح فٹ بال پر ایک پاؤں رکھے بائیں ہاتھ سے آئس کریم کھاتے ہوئے دور کھڑی اس لڑکی کو دیکھتا رہا۔ شاید اسے توقع تھی کہ اب وہ قریب آئے گی۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ کچھ دیر تک اسے فٹ بال نہ چھوڑتے دیکھ کر وہ لڑکی کچھ حیرانی سے آگے اس کی طرف آئی تھی۔

"یہ فٹ بال چھوڑ دیں۔"

اس نے قریب آکر بڑی شائستگی سے کہا۔ سالار چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے فٹ بال سے اپنا پاؤں اٹھایا اور وہیں بیٹھے بیٹھے فٹ بال کو ایک زوردار کک لگائی۔

فٹ بال اڑتے ہوئے بہت دور جا گری۔ کک لگانے کے بعد اس نے اطمینان سے اس لڑکی کو دیکھا۔ اس کا چہرا اب سُرخ ہو رہا تھا جبکہ وہ بچہ ایک بار پھر اس فٹ بال کی طرف بھاگتا جا رہا تھا جو اب کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لڑکی نے زیرِ لب اس سے کچھ کہا اور پھر واپس مڑ گئی۔ سالار اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کو سن یا سمجھ نہیں سکا مگر اس کے سُرخ چہرے اور تاثرات سے وہ یہ اندازہ بخوبی لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی خوشگوار الفاظ نہیں تھے۔ اسے اپنی حرکت پر شرمندگی بھی ہوئی مگر جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی وہ لڑکی امامہ سے مشابہت رکھتی تھی۔

وہ لمبے سے سیاہ کوٹ میں سیاہ حجاب اوڑھے ہوئے تھی۔ دراز قد اور بہت دُبلی پتلی تھی۔ بالکل امامہ کی طرح۔ اس کی سفید رنگت اور سیاہ آنکھیں بھی اسے امامہ جیسی ہی محسوس ہوئی تھیں۔ امامہ بہت لمبی چوڑی چادر میں خود کو چھپائے رکھتی تھی۔ وہ حجاب نہیں لیتی تھی مگر اس کے باوجود اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے اسے اس کا خیال آیا تھا اور لاشعوری طور پر اس نے وہ نہیں کیا جو وہ لڑکی چاہتی تھی۔ شاید اسے کسی حد تک یہ تسکین ہوئی تھی کہ اس نے امامہ کی بات نہیں مانی مگر۔۔۔۔۔ وہ امامہ نہیں تھی۔

" آخر کیا ہو رہا ہے مجھے، اس طرح تو۔۔۔۔۔" اس نے حیران ہوتے ہوئے سوچا۔ وہ جیب میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ سگریٹ کے کش لیتے ہوئے وہ ایک بار پھر

اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو اپنے بچے کو فٹ بال کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ سالار اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے علاوہ ہر شے سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔



اس رات وہ کافی دیر تک امامہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اس کے اور جلال انصر کے بارے میں اسے یقین تھا اب تک وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے، کیونکہ اپنا نکاح نامہ سکندر سے حاصل کرنے کے بعد وہ یہ جان چکی ہو گی کہ طلاق کا حق پہلے ہی اس کے پاس تھا۔ اسے اس سلسلے میں سالار کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ جلال انصر اس کے کہنے پر بھی امامہ سے شادی پر تیار نہیں ہوا تھا اسے پھر بھی نہ جانے کیوں یہ یقین تھا کہ جلال انصر ایک بار امامہ کے پاس پہنچ جانے پر اسے انکار نہیں کر سکا ہو گا۔ اس کی منت سماجت پر وہ مان گیا ہو گا۔

امامہ اس کے مقابلے میں بہت خوبصورت تھی اور امامہ کا خاندان ملک کے طاقت ور ترین خاندانوں میں سے ایک تھا۔ کوئی احمق ہی ہو گا جو جلال انصر جیسی حیثیت رکھتے ہوئے امامہ کو سونے کی چڑیا نہ سمجھتا ہو یا پھر ہو سکتا ہے وہ واقعی امامہ کی محبت میں مبتلا ہو جو بھی تھا

اسے یقین تھا کہ وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے اور پتا نہیں کس طرح ہاشم مبین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر چھپنے میں کامیاب ہوئے ہوں گے یا یہ بھی ممکن ہے کہ ہاشم مبین نے اب تک انہیں ڈھونڈ نکالا ہو۔

" مجھے پتا تو کرنا چاہیئے اس بارے میں۔" اس نے سوچا اور پھر اگلے ہی لمحے خود کو جھڑکا۔ "فار گاڈ سیک سالار! دفع کرو اسے، جانے دو، کیوں خوامخواہ اس کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ یہ جان کر آخر کیا مل جائے گا کہ ہاشم مبین اس تک پہنچے ہیں یا نہیں۔" اس نے بے اختیار خود کو جھڑکا مگر اس کا تجسس ختم نہیں ہوا۔

" واقعی میں نے یہاں آنے کے بعد یہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ ہاشم مبین اب تک اس تک پہنچے ہیں یا نہیں۔" اسے حیرانی ہو رہی تھی۔



" میرا نام وینس ایڈورڈ ہے۔"

وہ لڑکی اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی تھی۔ وہ اس وقت لائبریری کی بک شیلف سے ایک کتاب نکال رہا تھا، جب وہ اس کے قریب آئی تھی۔

"سالار سکندر!" اس نے وینس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

" میں جانتی ہوں، تمہیں تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔"

وینس نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔ سالار نے اسے یہ نہیں کہا کہ اسے بھی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی کلاس کے پچاس کے پچاس لوگوں کو ان کے نام سے جانتا اور پہچانتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ بریف بائیوڈیٹا بھی بغیر اٹکے کسی غلطی کے بتا سکتا تھا۔ جیسے وہ اس وقت وینس کو یہ بتا کر حیران کر سکتا تھا کہ وہ نیو جرسی سے آئی تھی۔ وہاں وہ سال ایک ہیوریج کمپنی میں کام کرتی رہی تھی۔ اس کے پاس مارکیٹنگ میں ایک ڈگری تھی اور وہ اب دوسری ڈگری کے لیے وہاں آئی تھی اور وہ اس سے کم از کم چھ سات سال بڑی تھی۔ اگرچہ اپنے قد و قامت سے سالار اس سے بہت بڑا لگتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت اپنے بیچ میں سب سے کم عمر تھا۔ اپنے بیچ میں صرف وہی تھا جو کسی قسم کی جاب کیے بغیر سیدھا ایم بی اے کے لیے آیا تھا۔ باقی سب کے پاس کہیں نہ کہیں کچھ سال کام کرنے کا تجربہ تھا مگر اس وقت وینس کو یہ سب کچھ بتانا اسے خوش فہمی کا شکار کرنے کے مترادف تھا۔

" اگر میں آپ کو کافی کی دعوت دوں تو؟" وینس نے اپنا تعارف کروانے کے بعد کہا۔

"تو میں اسے قبول کر لوں گا۔"

وہ اس کی بات پر ہنسی۔ "تو پھر چلتے ہیں، کافی پیتے ہیں۔" سالار نے کندھے اُچکائے اور کتاب کو دوبارہ شیلف میں رکھ دیا۔

کیفے ٹیریا میں بیٹھ کر وہ دونوں تقریباً آدھ گھنٹہ تک ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ یہ وینس کے ساتھ اس کی شناسائی کا آغاز تھا۔ سالار کے لیے کسی لڑکی کے ساتھ تعلقات بڑھانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ یہ کام بہت آسانی سے کر لیا کرتا تھا۔ اس بار مزید آسانی یہ تھی کہ پہل وینس کی طرف سے ہوئی تھی۔

تین چار ملاقاتوں کے بعد اس نے ایک رات وینس کو اپنے فلیٹ پر رات گزارنے کے لیے انوائٹ کر لیا تھا اور وینس نے کسی تامل کے بغیر اس کی دعوت قبول کر لی۔ وہ دونوں یونیورسٹی کے بعد اکٹھے بہت ہی جگہوں پر پھرتے رہے۔ سالار کے فلیٹ پر ان کی واپسی لیٹ نائٹ ہوئی تھی۔

وہ کچن میں اپنے اور اس کے لیے گلاس تیار کرنے لگا جبکہ وینس نے بے تکلفی سے اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے اس کے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے رہی تھی پھر وہ اس کے قریب آکر کاؤنٹر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "بہت اچھا اپارٹمنٹ ہے تمہارا۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم اکیلے رہتے ہو تو اپارٹمنٹ کا حلیہ خاصا خراب ہو گا مگر تم نے تو ہر چیز بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی ہے۔ تم ایسے ہی رہتے ہو یا یہ اہتمام خاص میرے لیے کیا گیا ہے۔"

سالار نے ایک گلاس اس کے آگے رکھ دیا۔ "میں ایسے ہی رہتا ہوں، قرینے اور طریقے سے۔" اس نے گھونٹ بھرا اور گلاس دوبارہ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے وہ وینس کے قریب چلا آیا اس نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ وینس مسکرا دی۔ سالار نے اسے اپنے کچھ اور قریب کیا اور پھر یک دم ساکت ہو گیا۔ اس کی نظریں وینس کی گردن کی زنجیر میں جھولتے اس موتی پر پڑی تھیں، جسے آج اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ سردی کے موسم کی وجہ سے وینس بھاری بھر کم سویٹرز اور جیکٹس پہنا کرتی تھی۔ اس نے ایک دوبار اس کے کھلے کالر سے نظر آنے والی اس زنجیر کو دیکھا تھا مگر اس زنجیر میں لٹکا ہوا وہ موتی آج پہلی بار اس کی نظروں میں آیا تھا کیونکہ آج پہلی بار وینس ایک گہرے گلے کی شرٹ میں ملبوس تھی۔ وہ اس شرٹ کے اوپر ایک سویٹر پہنے ہوئے تھی جسے اس نے سالار کے اپارٹمنٹ میں آکر اُتار دیا تھا۔

اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ ایک جھماکے کے ساتھ وہ موتی اسے کہیں
اور۔۔۔۔ کہیں بہت پیچھے۔۔۔۔ کسی اور کے پاس لے گیا تھا۔۔۔۔ مسح کرتے ہاتھ اور
انگلیاں۔۔۔۔ ہاتھ اور کلائی۔۔۔۔ کلائی سے کہنی تک کا سفر کرتی
انگلیاں۔۔۔۔ آنکھوں سے پیشانی۔۔۔۔ پیشانی سے سفید چادر کے نیچے سیاہ بالوں پر
پھسلتے ہوئے ہاتھ۔۔۔۔

امامہ کی گردن کے گرد موجود زنجیر تنگ تھی۔ اس میں لٹکنے والا موتی اس کی ہنسلی کی ہڈی کے بالکل ساتھ جھولتا تھا۔ زنجیر تھوڑی سی بھی لمبی ہوتی تو وہ اسے دیکھ نہ پاتا۔ اس رات وہ بہت تنگ گلے کی شرٹ اور سویٹر میں ملبوس تھی۔ اس موتی کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے مفلوج ہو گیا۔

وہ اسے کس وقت یاد آئی تھی۔ اس نے موتی سے نظریں چُرانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی رات خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے وینس کو دیکھ کر دوبارہ مسکرانے کی کوشش کی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"مجھے تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت لگتی ہیں۔"

"مجھے تمہاری آنکھوں سے گھن آتی ہے۔"

کسی آواز نے اسے ایک چابک مارا تھا اور اس کے چہرے کی مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی۔ وینس کے وجود سے اپنے بازو ہٹاتے ہوئے وہ چند قدم پیچھے مڑا اور کاؤنٹر پر پڑا ہوا گلاس اٹھا لیا۔ وینس ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔

" کیا ہوا؟" وہ چند قدم آگے بڑھ آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ تشویش سے پوچھا۔

سالار نے کچھ کہے بغیر ایک ہی سانس میں خالی کیا۔ وینس اس کے جواب نہ دینے پر اب کچھ اُلجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

وینس میں اس کی دلچسپی ختم ہونے میں صرف چند منٹ لگے تھے۔ وہ نہیں جانتا اسے کیوں اس کے وجود سے اُلجھن ہونے لگی تھی۔ وہ پچھلے دو گھنٹے ایک نائٹ کلب میں اس کے ساتھ ڈانس کرتا رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ بے حد خوش تھا اور اب چند منٹوں میں۔۔۔۔۔"

سالار نے اپنے کندھے جھٹکے اور سنک کی طرف چلا گیا۔ وہ اپنا گلاس دھونے لگا۔ وینس دوسرا گلاس لے کر اس کے پاس چلی آئی۔ سالار نے اس سے گلاس لے لیا۔ وہ اپنے سینے پر دونوں بازو لپیٹے اس کے بالکل پاس کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ سالار کو اس کی نظروں سے جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔

" میں۔۔۔۔۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

گلاس کو شیلف پر رکھتے ہوئے اس نے وینس سے کہا۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بالواسطہ طور پر اسے وہاں سے جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ وینس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ سالار کا رویہ بے حد توہین آمیز تھا۔ وہ چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر تیزی کے ساتھ اپنا

سویٹر اور بیگ اٹھا کر اپارٹمنٹ کا دروازہ دھماکے سے بند کر کے باہر نکل گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر صوفہ پر بیٹھ گیا۔

وینس اور امامہ میں کہیں کسی قسم کی کوئی مشابہت نہیں تھی۔ دونوں کی گردنوں میں موجود موتی بھی بالکل ایک جیسا نہیں تھا اس کے باوجود اس وقت اس کی گردن میں جھولتے اس موتی کو دیکھ کر بے اختیار وہ یاد آئی تھی۔ کیوں۔۔۔۔۔؟ اب پھر کیوں۔۔۔۔۔؟ آخر اس وقت کیوں۔۔۔۔۔؟ وہ بے حد مشتعل ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی رات خراب ہو گئی تھی، اس نے سینٹر ٹیبل پر پڑا ہوا ایک کرسٹل کا گلدان اُٹھایا اور پوری قوت سے اسے دیوار پر دے مارا۔

ویک اینڈ کے بعد وینس سے اس کی دوبارہ ملاقات ہوئی، لیکن وہ اس سے بڑے روکھے اور اکھڑے ہوئے انداز میں ملا۔ یہ اس سے تعلقات شروع کرنے سے پہلے ہی ختم کرنے کا واحد راستہ تھا۔ اسے ہر اس عورت سے جھنجلاہٹ ہوتی تھی جو اسے کسی بھی طرح سے امامہ کی یاد دلاتی اور وینس ان عورتوں میں شامل ہو گئی تھی۔ وینس جو اس کی طرف سے کسی معذرت اور اگلی دعوت کا انتظار کر رہی تھی وہ اس کے اس رویے سے بری طرح دلبر داشتہ ہوئی تھی۔ Yale میں یہ اس کا پہلا افیئر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے چند ماہ وہ پڑھائی میں بے حد مصروف رہا، اتنا مصروف کہ امامہ کو یاد رکھنے اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کو کل پر ٹالتا رہا شاید یہ سلسلہ ابھی چلتا رہتا اگر اس شام اچانک اس کی ملاقات جلال انصر سے نہ ہو جاتی۔

وہ ویک اینڈ پر بوسٹن گیا ہوا تھا جہاں اس کے چچا رہتے تھے وہ وہاں اپنے ایک کزن کی شادی اٹینڈ کرنے آیا تھا۔

اس شام سالار اپنے کزن کے ہمراہ تھا جو ایک ریسٹورنٹ چلا رہا تھا۔ وہ وہاں کھانا کھانے آیا ہوا تھا۔ اس کا کزن آرڈر دینے کے بعد کسی کام سے اٹھ کر گیا تھا۔ سالار کھانے کا انتظار کر رہا تھا جب کسی نے اس کا نام لے کر پکارا۔

"ہیلو۔۔۔۔!" سالار نے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ سالار ہیں؟" اس آدمی نے پوچھا۔

وہ جلال انصر تھا۔ اسے پہچاننے میں لحظہ بھر کے لیے دقت اس لیے ہوئی تھی کیونکہ اس کے چہرے سے اب داڑھی غائب تھی۔

سالار نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔ ایک سال پہلے کا ایڈونچر ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے جلال کو رسماً کھانے کی دعوت دی۔

" نہیں، مجھے ذرا جلدی ہے۔ بس آپ پر اتفاقاً نظر پڑ گئی تو آ گیا۔" جلال نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

" امامہ کیسی ہے؟" جلال نے بات کرتے کرتے اچانک کہا۔ سالار کو لگا وہ اس کا سوال ٹھیک سے سن نہیں سکا۔

" سوری۔۔۔۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں استفسار کیا۔ جلال نے اپنا سوال دُہرایا۔

"میں امامہ کا پوچھ رہا تھا۔ وہ کیسی ہے؟"

سالار پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ امامہ کے بارے میں اس سے کیوں پوچھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا یہ تو آپ کو پتا ہونا چاہیئے۔" اس نے کچھ اُلجھتے ہوئے انداز میں کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

اس بار جلال حیران ہوا۔ "مجھے کس لئے؟"

"کیونکہ وہ آپ کی بیوی ہے۔"

"میری بیوی؟" جلال کو جیسے کرنٹ لگا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری بیوی کیسے ہو سکتی ہے وہ۔ میں نے اس سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایک سال پہلے آپ ہی تو آئے تھے اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنے کے لیے۔" جلال نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔ "میں نے تو آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ خود اس سے شادی کر لیں۔"

سالار بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں تو یہ سوچ کر آپ کے پاس آیا تھا کہ شاید آپ نے اس سے شادی کر لی ہو گی۔" وہ اب وضاحت کر رہا تھا۔

" آپ نے اس سے شادی نہیں کی؟" سالار نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔ آپ سے تو ساری بات ہوئی تھی میں نے انکار کر دیا پھر اس سے میری شادی کیسے ہو سکتی تھی؟ پھر میں نے سنا کہ وہ گھر سے چلی گئی۔ میں نے سوچا آپ کے ساتھ کہیں چلی گئی ہو گی۔ اسی لیے تو آپ کو دیکھ کر آپ کی طرف آیا تھا۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ میں تو پچھلے سات آٹھ ماہ سے یہیں ہوں۔" سالار نے کہا۔

"اور مجھے یہاں آئے دو ماہ ہوئے ہیں۔" جلال نے بتایا۔

"مجھ سے ملاقات کے بعد کیا اس نے دوبارہ آپ سے رابطہ یا ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی؟"

سالار نے کچھ اُلجھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔" وہ مجھ سے نہیں ملی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لاہور جا کر اس نے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔" سالار کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

" مجھ سے رابطہ کرنے سے کیا ہوتا؟"

"آپ کے لیے وہ گھر سے نکلی تھی۔ اسے آپ کے پاس جانا چاہیئے تھا۔"

"نہیں۔۔۔۔ وہ میرے لیے گھر سے نہیں نکلی تھی۔ آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ پھر آپ یہ مت کہیں کہ وہ میرے لیے گھر سے نکلی تھی۔" جلال کے لہجے میں اچانک کچھ تبدیلی آگئی۔ "ساری بات آپ ہی سے تو ہوئی تھی۔"

"کیا آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں کہ وہ دوبارہ آپ کے پاس نہیں گئی؟"

"میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ ہوتی تو میں آپ کے پاس اس کے بارے میں پوچھنے کیوں آتا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" جلال کے لہجے میں اب بے نیازی تھی۔

" آپ مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے سکتے ہیں؟" سالار نے کہا۔

"نہیں۔۔۔۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو مجھ سے اور مجھے آپ سے دوبارہ رابطے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" جلال نے بڑی صاف گوئی سے کہا اور واپس مڑ گیا۔

سالار کچھ الجھے ہوئے انداز میں اس کی پشت پر نظریں جمائے رہا، یہ ناقابل یقین بات تھی کہ وہ جلال سے نہیں ملی۔ کیوں۔۔۔۔؟ کیا اس نے میری اس بات پر واقعی یقین کر لیا تھا کہ جلال نے شادی کر لی ہے؟ سالار کو اپنا جھوٹ یاد آیا مگر یہ کیسے ممکن ہے وہ مزید اُلجھا۔۔۔۔ میری بات پر اسے یقین کیسے آ سکتا ہے جبکہ وہ کہہ بھی رہی تھی کہ اسے میری بات پر یقین نہیں ہے۔

وہ کرسی کھینچ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

اور اگر جلال کے پاس نہیں گئی تو پھر وہ کہاں گئی۔ کیا کسی اور شخص کے پاس؟ جس سے اس نے مجھے بے خبر رکھا، مگر یہ ممکن نہیں ہے اگر کوئی اور ہوتا تو وہ مجھے اس سے بھی رابطہ کرنے کے لیے کہتی۔ اگر وہ فوری طور پر جلال کے پاس نہیں بھی گئی تھی تو سکندر سے نکاح نامہ لینے اور طلاق کے حق کے بارے میں جاننے کے بعد اسے اسی کے پاس جانا چاہیئے تھا، وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے جلال کی اس فرضی شادی کے بارے میں اسے کیوں بتایا۔ شاید وہ اسے پریشان کرنا چاہتا تھا یا پھر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اب کیا کرے گی یا پھر شاید وہ بار بار اس کے اس مطالبے سے تنگ آ گیا تھا کہ وہ پھر جلال کے پاس جائے، پھر جلال سے رابطہ کرے، وہ ایسا کرنے کی وجہ نہیں جانتا تھا، جو بھی تھا بہر حال اسے یقین تھا! امامہ جلال کے پاس جائے گی۔

مگر سالار کو اب پتا چلا تھا کہ اس کی توقع یا اندازے کے برعکس وہ وہاں گئی ہی نہیں۔

ویٹر اب کھانا سرو کر رہا تھا، اس کا کزن آ چکا تھا، وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کھانا کھاتے رہے مگر سالار کھانا کھاتے اور باتیں کرتے ہوئے بھی مسلسل امامہ اور جلال کے بارے میں سوچتا رہا۔ کئی ماہ بعد یک دم وہ اس کے ذہن میں پھر تازہ ہو گئی تھی۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دوبارہ اپنے گھر واپس چلی گئی ہو؟" کھانا کھاتے کھاتے اسے اچانک خیال آیا۔

"ہاں یہ ممکن ہے۔۔۔۔۔"اس کا ذہن متواتر ایک ہی جگہ اٹکا ہوا تھا۔مجھے پاپا سے بات کرنی چاہئیے۔انہیں یقیناًاس کے بارے میں کچھ نہ کچھ پتا ہو گا۔"سکندر عثمان بھی ان دنوں شادی میں شرکت کی غرض سے وہیں تھے۔

واپس گھر آنے کے بعد رات کے قریب جب اس نے سکندر کو تنہا دیکھا تو اس نے ان سے امامہ کے بارے میں پوچھا۔

"پاپا! کیا امامہ واپس اپنے گھر آگئی ہے؟"اس نے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا۔

اور اس کے سوال نے کچھ دیر کے لیے سکندر کو خاموش رکھا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"چند لمحوں کے بعد انہوں نے درشتی سے کہا۔

"بس ایسے ہی۔"

"اس کے بارے میں اتنا غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔تم اپنی اسٹڈیز پر اپنا دھیان رکھو تو بہتر ہے۔"

"پاپا! پلیز آپ میرے سوال کا جواب دیں۔"

"کیوں جواب دوں۔۔۔۔۔تمہارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے؟"سکندر کی ناراضی میں اضافہ ہو گیا۔

"پاپا! اس کا ایک بوائے فرینڈ مجھے آج ملا ہے یہاں، وہی جس کے ساتھ وہ شادی کرنا چاہتی تھی۔"

"تو پھر۔۔۔۔۔؟"

"تو پھر یہ کہ ان دونوں نے شادی نہیں کی۔وہ بتا رہا تھا کہ امامہ اس کے پاس گئی ہی نہیں۔جب کہ میں سمجھ رہا تھا کہ لاہور جانے کے بعد وہ اسی کے پاس گئی ہو گی۔"

سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔"وہ اس کے پاس گئی یا نہیں۔اس نے اس شادی کی یا نہیں۔یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔نہ ہی تمہیں اس میں انوالو ہونے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے مگر میں جاننا چاہتا ہوں کیا امامہ آپ کے پاس آئی تھی؟ آپ نے اسے شادی کے پیپرز کیسے بھجوائے تھے۔میرا مطلب کس کے ذریعے۔"سالار نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا کہ اس نے مجھ سے رابطہ کیا تھا؟"

وہ ان کے سوال پر حیران ہوا۔"میں نے خود اندازہ لگایا۔"

"اس نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا وہ رابطہ کرتی تو میں ہاشم مبین کو اس کے بارے میں بتا دیتا۔"

سالار ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔ "میں نے تمہارے کمرے کی تلاشی لی تھی اور میرے ہاتھ وہ نکاح نامہ لگ گیا۔"

"مجھے یہاں بھجواتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ آپ وہ پیپرز امامہ تک بھجوا دیں گے۔"

"ہاں۔۔۔۔ یہ اس صورت میں ہوتا اگر وہ مجھ سے رابطہ کرتی مگر اس نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ تمہیں یہ یقین کیوں ہے کہ اس نے مجھ سے ضرور رابطہ کیا ہو گا۔" اس بار سکندر نے سوال کر ڈالا۔

سالار کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے پوچھا۔

"پولیس کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا؟"

"نہیں، پولیس کو پتا چلتا تو اب تک وہ ہاشم مبین کے گھر واپس آچکی ہوتی مگر پولیس ابھی بھی اس کی تلاش میں ہے۔" سکندر نے کہا۔

" ایک بات تو طے ہے سالار کہ اب تم دوبارہ امامہ کے بارے میں کوئی تماشا نہیں کرو گے۔ وہ جہاں ہے جس حال میں ہے تمہیں اپنا دماغ تھکانے کی ضرورت نہیں، تمہارا اس کے

ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ پولیس جیسے ہی اسے ڈھونڈے گی میں وہ پیپرز ہاشم مبین تک پہنچا دوں گا، تاکہ تمہاری جان ہمیشہ کے لیے اس سے چھوٹ جائے۔"

"پاپا! کیا اس نے واقعی کبھی گھر فون نہیں کیا مجھ سے بات کرنے کے لیے۔" سالار نے ان کی بات پر غور کیے بغیر کہا۔

"کیا وہ تمہیں فون کیا کرتی تھی؟"

وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "گھر سے چلے جانے کے بعد اس نے صرف ایک بار فون کیا تھا پھر میں یہاں آ گیا۔ ہو سکتا ہے اس نے دوبارہ فون کیا ہو جس کے بارے میں آپ مجھے نہیں بتا رہے۔"

"اس نے تمہیں فون نہیں کیا۔ اگر کرتی تو میں تمہاری اور اس کی شادی کے بارے میں بہت سے معاملات کو ختم کر دیتا۔ میں تمہاری طرف سے اسے طلاق دے دیتا۔"

"یہ سب آپ کیسے کر سکتے ہیں۔"

سالار نے بہت پُر سکون انداز میں کہا۔

"یہاں تمہیں بھجوانے سے پہلے میں نے ایک پیپر پر تمہارے signatures لیے تھے، میں طلاق نامہ تیار کروا چکا ہوں۔" سکندر نے جتاتے ہوئے کہا۔

(fake document "جعلی ڈاکومنٹ)۔" سالار نے اسی انداز میں تبصرہ کیا۔ "میں تو نہیں جانتا تھا کہ آپ طلاق نامہ تیار کروانے کے لیے مجھ سے سائن کروا رہے ہیں۔"

"تم پھر اس مصیبت کو میرے سر پر لانا چاہتے ہو؟" سکندر کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے ساتھ رشتہ کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ آپ میری طرف سے یہ رشتہ ختم نہیں کر سکتے۔ یہ میرا معاملہ ہے میں خود ہی اسے ختم کروں گا۔"

" تم صرف یہ شکر کرو کہ تم اس وقت یہاں اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو، ورنہ تم نے جس خاندان کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا وہ خاندان قبر تک بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑتا اور یہ بھی ممکن ہے وہ یہاں بھی تمہاری نگرانی کروا رہے ہوں۔ یا انتظار کر رہے ہوں کہ تم مطمئن ہو کر دوبارہ امامہ کے ساتھ رابطہ کرو اور وہ تم دونوں کے لیے ایک کنواں تیار کر لیں۔"

"آپ خوامخواہ مجھے خوفزدہ کر رہے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں یہ ماننے پر تیار نہیں ہوں کہ یہاں امریکہ میں کوئی میری نگرانی کر رہا ہو گا اور وہ بھی اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اور دوسری بات یہ کہ میں امامہ کے ساتھ تو کوئی رابطہ نہیں کر رہا کیونکہ میں واقعی نہیں جانتا وہ کہاں ہے، پھر رابطے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو پھر تمہیں اس کے بارے میں اس قدر کانشس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جہاں ہے جیسی ہے، رہنے دو اسے۔" سکندر کو کچھ اطمینان ہوا۔

"آپ میرے موبائل کے بل چیک کریں۔ وہ موبائل اس کے پاس ہے۔ ہو سکتا ہے پہلے نہیں تو اب وہ اس سے کالز کر لیتی ہو۔"

"وہ اس سے کالز نہیں کرتی۔ موبائل مستقل طور پر بند ہے۔ جو چند کالز اس نے کی تھیں وہ سب میڈیکل کالج میں ساتھ پڑھنے والی لڑکیوں کو ہی کی تھیں اور پولیس پہلے ہی انہیں انویسٹی گیٹ کر چکی ہے۔ لاہور میں وہ ایک لڑکی کے گھر گئی تھی مگر وہ لڑکی پشاور میں تھی اور اس کے واپس نے سے پہلے ہی وہ اس کے گھر سے چلی گئی، کہاں گئی، یہ پولیس کو پتا نہیں چل سکا۔"

سالار چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "آپ کو حسن نے میرے اور اس کے بارے میں بتایا تھا؟"

سکندر کچھ بول نہیں سکے۔ موبائل کے امامہ کے پاس ہونے کے بارے میں صرف حسن ہی جانتا تھا۔ کم از کم یہ ایسی بات تھی جو سکندر عثمان صرف اس کے کمرے کی تلاشی لے کر نہیں جان سکتے تھے۔ اسے ان سے بات کرتے ہوئے پہلی بار اچانک حسن پر شبہ ہوا تھا کیونکہ

سکندر عثمان کو اتنی چھوٹی موٹی باتوں کا پتا تھا جو صرف اسے پتا تھیں یا پھر حسن کو۔۔۔۔ کوئی تیسرا ان سے واقف نہیں تھا۔اس نے سکندر عثمان کو کچھ نہیں بتایا تھا تو یقینی طور پر یہ حسن ہی ہو سکتا تھا جس نے انہیں ساری تفصیلات سے آگاہ کیا تھا۔

" اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ مجھے حسن نے بتایا ہے یا کسی اور نے۔۔۔۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ اس بات کے بارے میں مجھے پتا نہ چلتا۔یہ صرف میری حماقت تھی کہ میں نے ہاشم مبین کے الزامات کو سنجیدگی سے نہیں لیا اور تمہارے جھوٹ پر یقین کر لیا۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا، وہ صرف ماتھے پر تیوریاں لئے انہیں دیکھتا اور ان کی بات سنتا رہا۔ "اب جب میں نے تمہیں اس سارے معاملے سے بچا لیا ہے تو تمہیں دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہئیے جس سے۔۔۔۔"

سکندر عثمان نے قدرے نرم لہجے میں کہنا شروع کیا مگر اس سے پہلے کہ ان کی بات مکمل ہوتی سالار ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سکندر عثمان کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بعد وہ ساری رات اس تمام معاملے کے بارے میں سوچتا رہا۔پہلی بار اسے ہلکا سا افسوس اور پچھتاوا ہوا تھا۔اسے امامہ ہاشم کو اس کے کہنے پر فوراً طلاق دے دینی چاہئیے تھی پھر شاید وہ جلال کے پاس چلی جاتی اور وہ دونوں شادی کر لیتے۔امامہ کے لیے بے حد ناپسندیدگی رکھنے کے باوجود اس نے پہلی بار اپنی غلطی تسلیم کی۔

" اس نے دوبارہ مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔وہ طلاق لینے کے لیے کورٹ نہیں گئی۔اس کے خاندان والے بھی ابھی تک اسے ڈھونڈ نہیں سکے۔وہ جلال انصر کے پاس بھی نہیں گئی تو پھر آخر وہ گئی کہاں، کیا اس کے ساتھ کوئی حادثہ۔۔۔۔؟"

وہ پہلی بار بہت سنجیدگی سے، کسی ناراضی یا غصے کے بغیر اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ مجھ سے اتنی شدید نفرت اور ناپسندیدگی رکھنے کے بعد میری بیوی کے طور پر کہیں خاموشی کی زندگی گزار رہی ہو، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ امامہ کسی کے ساتھ بھی دوبارہ رابطہ نہیں کر رہی۔اب تک جب ایک سال سے زیادہ گزر گیا ہے کیا وہ واقعی حادثے کا شکار ہو گئی ہے؟ کیا حادثہ پیش آ سکتا ہے اسے۔۔۔۔؟

اس کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کی ذہنی رو ایک بار پھر بھٹکنے لگی۔

"اگر کوئی حادثہ پیش آگیا ہے تو میں کیا کروں۔۔۔۔۔وہ اپنے رسک پر گھر سے نکلی تھی اور حادثہ تو کسی کو کسی بھی وقت پیش آسکتا ہے پھر مجھے اس کے بارے میں اتنا فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پاپا ٹھیک کہتے ہیں جب میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مجھے اس کے بارے میں اتنا تجسس بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔خاص طور پر ایک ایسی لڑکی کے بارے میں جو اس حد تک احسان فراموش ہو جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتی ہو اور جو مجھے اتنا گھٹیا سمجھتی ہو اس کے ساتھ جو بھی ہوا ہو گا ٹھیک ہی ہوا ہو گا وہ اسی قابل تھی۔"

اس نے اس کے بارے میں ہر خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔

کچھ دیر پہلے کی تاسف آمیز سنجیدگی وہ اب محسوس نہیں کر رہا تھا نہ ہی اسے کسی قسم کے پچھتاوے کا احساس تھا۔وہ ویسے بھی چھوٹی موٹی باتوں پر پچھتانے کا عادی نہیں تھا۔اس نے سکون کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں اس کے ذہن میں اب دور دور تک کہیں امامہ ہاشم کا تصور موجود نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" کبھی Van dame گئے ہو؟"اس دن یونیورسٹی سے نکلتے ہوئے مائیک نے سالار سے پوچھا۔

"ایک دفعہ۔"

"کیسی جگہ ہے؟"مائیک نے سوال کیا۔

"بری نہیں ہے۔"سالار نے تبصرہ کیا۔

"اس ویک اینڈ پر وہاں چلتے ہیں۔"

"کیوں۔۔۔۔؟"میری گرل فرینڈ کو بہت دلچسپی ہے اس جگہ میں۔۔۔۔۔وہ اکثر جاتی ہے۔"مائیک نے کہا۔

"تو تمہیں تو پھر اس کے ساتھ ہی جانا چاہیئے۔"سالار نے کہا۔

"نہیں سب لوگ چلتے ہیں، زیادہ مزہ آئے گا۔"مائیک نے کہا۔

"سب لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"اس بار دانش نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"جتنے دوست بھی ہیں۔۔۔۔۔سب۔۔۔۔۔" !

"میں، سالار، تم، سیٹھی اور سعد۔"

"سعد کو رہنے دو۔۔۔۔۔۔وہ نائٹ کلب کے نام پر کانوں کو ہاتھ لگانے لگے گا یا پھر ایک لمبا چوڑا وعظ دے گا۔" سالار نے مداخلت کی۔

"تو پھر ٹھیک ہے ہم لوگ ہی چلتے ہیں۔" دانش نے کہا۔

"سینڈرا کو بھی انوائیٹ کر لیتے ہیں۔" سالار نے اپنی گرل فرینڈ کا نام لیا۔

اس ویک اینڈ پر سب وہاں گئے اور تین چار گھنٹوں تک انہوں نے وہاں خوب انجوائے کیا۔ اگلے روز سالار صبح دیر سے اٹھا۔ وہ ابھی لنچ کی تیاری کر رہا تھا جب سعد نے اسے فون کیا۔

"ابھی اٹھے ہو؟" سعد نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"ہاں دس منٹ پہلے۔۔۔۔۔"

"رات کو دیر تک باہر رہے ہو گے۔ اس لئے۔۔۔۔۔" سعد نے اندازہ لگایا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ہم لوگ باہر گئے ہوئے تھے۔" سالار نے دانستہ طور پر نائٹ کلب کا نام نہیں لیا۔

"ہم لوگ کون۔۔۔۔؟ تم اور سینڈرا؟"

"نہیں پورا گروپ ہی۔" سالار نے کہا۔

"پورا گروپ۔۔۔۔؟ مجھے لے کر نہیں گئے۔ میں مر گیا تھا؟" سعد نے چڑ کر کہا۔

"تمہارا خیال ہی نہیں آیا ہمیں۔" سالار نے اطمینان سے کہا۔

"بہت گھٹیا آدمی ہو تم سالار، بہت ہی گھٹیا۔۔۔۔۔یہ دانش بھی گیا تھا؟"

"ہم سب مائی ڈیئر، ہم سب۔۔۔۔۔" سالار نے اسی اطمینان کے ساتھ کہا۔

"مجھے کیوں نہیں لے کر گئے تم لوگ!" سالار کی خفگی میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

"تم ابھی بچے ہو۔۔۔۔۔ہر جگہ بچوں کو لے کر نہیں جا سکتے۔" سالار نے شرارت سے کہا۔

"میں ابھی آکر تمہاری ٹانگیں توڑتا ہوں، پھر تمہیں اندازہ ہو گا کہ یہ بچہ بڑا ہو گیا ہے۔"

"مذاق نہیں کر رہا یار۔۔۔۔۔ہم نے تمہیں ساتھ جانے کو اس لیے نہیں کہا کیونکہ تم جاتے ہی نہیں۔" اس بار سالار واقعی سنجیدہ ہوا۔

"کیوں تم لوگ دوزخ میں جا رہے تھے کہ میں وہاں نہ جاتا۔" سعد کے غصے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"کم از کم تم اسے دوزخ ہی کہتے ہو۔ ہم لوگ نائٹ کلب گئے ہوئے تھے اور تم کو وہاں نہیں جانا تھا۔"

"کیوں مجھے وہاں کیوں نہیں جانا تھا۔" سعد کے جواب نے سالار کو کچھ حیران کیا۔

"تم ساتھ چلتے؟"

"آف کورس۔۔۔۔"

مگر تمہیں وہاں جا کر کیا کرنا تھا۔ نہ تم ڈرنک کرتے ہو، نہ ڈانس کرتے ہو۔۔۔۔ پھر وہاں جا کر تم کیا کرتے۔۔۔۔ ہمیں نصیحتیں کرتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے ڈرنک اور ڈانس نہیں کرتا، مگر آؤٹنگ تو ہو جاتی ہے۔ میں انجوائے کرتا۔" سعد نے کہا۔

"مگر ایسی جگہوں پر جانا اسلام میں جائز نہیں ہے؟" سالار نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ سعد چند لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔

"میں وہاں کوئی غلط کام کرنے تو نہیں جا رہا تھا۔ تم سے کہہ رہا ہوں صرف آؤٹنگ کی غرض سے جاتا۔" چند لمحوں بعد اس نے قدرے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"اوکے! اگلی بار ہمارا پروگرام بنے گا تو تمہیں بھی ساتھ لے لیں گے بلکہ مجھے پہلے پتہ ہوتا تو کل رات بھی تمہیں ساتھ لے لیتا ہم سب نے واقعی بہت انجوائے کیا۔" سالار نے کہا۔

"چلو اب میں کر بھی کیا کر سکتا ہوں۔ خیر آج کیا کر رہے ہو؟" سعد اب اس سے معمول کی باتیں کرنے لگا۔ دس پندرہ منٹ تک ان دونوں کے درمیان

گفتگو ہوتی رہی پھر سالار نے فون بند کر دیا۔



"تم اس ویک اینڈ پر کیا کر رہے ہو؟ اس دن سعد نے سالار سے پوچھا۔ وہ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں موجود تھے۔

"میں اس ویک اینڈ پر نیویارک جا رہا ہوں، سینڈرا کے ساتھ۔" سالار نے اپنا پروگرام بتایا۔

"کیوں۔۔۔۔؟" سعد نے وچھا۔

"اس کے بھائی کی شادی ہے۔ مجھے انوائٹ کیا ہے اس نے۔"

"واپس کب آؤ گے؟"

"اتوار کی رات کو۔"

"تم ایسا کرو کہ اپنے اپارٹمنٹ کی چابی مجھے دے جاؤ۔ میں دو دن تمہارے اپارٹمنٹ پر گزاروں گا۔ کچھ اسائنمنٹس ہیں جو مجھے تیار کرنے ہیں اور اس ویک اینڈ پر وہ چاروں ہی گھر ہوں گے۔ وہاں بڑا رش ہو گا میں تمہارے اپارٹمنٹ میں اطمینان سے پڑھ لوں گا۔" سعد نے کہا۔

"او کے تم میرے اپارٹمنٹ میں رہ لینا۔" سالار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

اسے سینڈرا کے ساتھ جمعہ کی رات کو نکلنا تھا۔ سالار کا بیگ اس کی گاڑی کی ڈگی میں تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ سینڈرا کو عین آخری وقت میں چند کام نبٹانے پڑ گئے اور وہ جو سر شام نکلنے کا ارادہ کئے بیٹھے تھے ان کا پروگرام ہفتے کی صبح تک ملتوی ہو گیا۔ سینڈرا پے انگ گیسٹ کے طور پر کہیں رہتی تھی اور وہ اس کے پاس رات نہیں گزار سکتا تھا۔ اسے اپنے پارٹمنٹ واپس آنا پڑا۔

رات کو تقریباً گیارہ بجے سینڈرا کو اس کی رہائش گاہ پر ڈراپ کرنے کے بعد اپارٹمنٹ چلا آیا۔ اس نے سعد کو ایک چابی دی تھی۔ دوسری چابی اس کے پاس ہی تھی وہ جانتا تھا کہ سعد اس وقت بیٹھا پڑھ رہا ہو گا مگر اس نے اسے ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ اپارٹمنٹ کا

بیرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا، لونگ روم کی لائٹ آن تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا وہ اپنے بیڈ روم میں جانا چاہتا تھا مگر بیڈ روم کے دروازے پر ہی رُک گیا۔

بیڈ روم کا دروازہ بند تھا مگر اس کے باوجود اندر سے اُبھرنے والے قہقہے اور باتوں کی آوازیں سن سکتا تھا۔ سعد کے ساتھ اندر کوئی عورت تھی۔ وہ جامد ہو گیا۔ اس کے گروپ میں صرف سعد تھا جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ کسی لڑکی کے ساتھ اس کے تعلقات نہیں تھے۔ وہ جتنا مذہبی آدمی تھا اس سے یہ توقع کی ہی نہیں جا سکتی تھی وہ اندر داخل نہیں ہوا۔ قدرے بے یقینی سے واپس مڑ گیا اور تب اس کی نظر لونگ روم کی ٹیبل پر رکھی بوتل اور گلاس پر پڑی، وہاں سے کچن کاؤنٹر جہاں کھانے کے برتن ابھی تک پڑے تھے۔ وہ مزید وہاں رُکے بغیر اسی طرح خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔

اس کے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی کہ سعد وہاں کسی لڑکی کے ساتھ رہنے کے لئے آیا تھا۔ بالکل ناقابل یقین۔ جو شخص حرام گوشت نہ کھاتا ہو۔ شراب نہ پیتا ہو پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہ،وہر وقت اسلام کی بات کرتا رہتا ہو، دوسروں کو اسلام کی تبلیغ کرتا ہو، وہ کسی لڑکی کے ساتھ۔۔۔۔۔ اپارٹمنٹ کے دروازے کو باہر سے بند کیے ہوئے اسی طرح شاک کے عالم میں تھا۔ بوتل اور گلاس ظاہر کر رہے تھے کہ اس نے پی بھی ہوئی ہے اور شاید کھانا وغیرہ

بھی کھایا ہوگا۔اسی فریزر اور کچن میں جہاں کا وہ پانی تک پینے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔اسے ہنسی آرہی تھی جو اپنے آپ کو جتنا اچھا اور سچا مسلمان ظاہر کرنے یا بننے کی کوشش کرتا دکھائی دیتا ہے وہ اتنا بڑا افراڈ ہوتا ہے ایک یہ شخص تھا جو یوں ظاہر کرتا تھا جیسے پورے امریکہ میں ایک ہی مسلمان ہے اور ایک لڑکی امامہ تھی۔جو ٹینٹ جتنی بڑی چادر اوڑھتی تھی اور کردار اس کا یہ تھا کہ ایک لڑکے کے لئے گھر سے بھاگ گئی۔۔۔۔۔اور بنتے پھرتے ہیں سچے مسلمان۔" نیچے اپنی گاڑی میں آکر بیٹھتے ہوئے اس نے کچھ تنفر سے سوچا۔"منافقت اور جھوٹ کی حد ان پر ختم ہو جاتی ہے۔"

وہ گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا اس وقت وہ سینڈرا کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے دانش کے پاس واپس جانے کا فیصلہ کیا وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا۔سالار نے بہانہ بنا دیا کہ وہ بور ہو رہا تھا اس لئے اس نے دانش کے پاس آنے اور رات وہاں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ دانش مطمئن ہو گیا۔

اتوار کی رات کو جب وہ واپس نیو ہیوں اپنے اپارٹمنٹ آیا تو سعد وہاں نہیں تھا،اس کے فلیٹ میں کہیں بھی ایسے آثار نہیں تھے جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ وہاں کوئی عورت آئی تھی،وائن کی وہ بوتل بھی اسے کہیں نہیں ملی۔وہ زیر لب مسکراتا ہوا پورے اپارٹمنٹ کا تفصیلی جائزہ لیتا

رہا۔وہاں موجود ہر چیز ویسے ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔سالار نے اپنا سامان رکھنے کے بعد سعد کو فون کیا۔کچھ دیر رسمی باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ موضوع پر آگیا۔

"پھر اچھی رہی تمہاری اسٹڈیز۔۔۔۔۔اسائمنٹ بن گئے۔؟

"ہاں یار! میں تو دو دن اچھا خاصا پڑھتا رہا،اسائنمنٹس تقریباً مکمل کر لی ہیں۔تم بتاؤ تمہارا ٹرپ کیسا رہا؟"سعد نے جواباً پوچھا۔

"بہت اچھا۔۔۔۔۔"

"کتنی دیر میں پہنچ گئے تھے وہاں،رات کو سفر کرتے ہوئے کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی؟"

سعد نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں رات کو سفر نہیں کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کے فرائیڈے کی رات کو نہیں سیٹرڈے کی صبح گئے تھے ہم لوگ وہاں۔"

سالار نے بتایا۔

"تم پھر سینڈرا کی طرف رہے تھے۔؟"

"نہیں دانش کے پاس۔"

"کیوں یہاں آجاتے اپنے اپارٹمنٹ پر۔"

"آیا تھا۔" سالار نے بڑے اطمینان سے کہا۔

دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ سالار دل ہی دل میں ہنسا۔ سعد کے پیروں نیچے سے یقیناً اس وقت زمین نکل گئی تھی۔

"آئے تھے۔۔۔۔؟ کب۔۔۔۔؟ اس بار وہ بے اختیار ہکلایا۔

"گیارہ بجے کے قریب۔۔۔۔ تم اس وقت کسی لڑکی کے ساتھ مصروف تھے۔ میں نے تم لوگوں کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے وہاں سے واپس آگیا۔"

وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سعد پر اس وقت سکتہ طاری ہو چکا ہو گا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ سالار اس طرح اس کا بھانڈا پھوڑ دے گا۔

"ویسے تم نے کبھی اپنی گرل فرینڈ سے ملوایا نہیں۔" اس نے مزید کہا۔ سعد کو سانس لینے میں جتنی دقت ہو رہی ہو گی وہ اندازہ کر سکتا تھا۔

"بس ویسے ہی ملوادوں گا۔" اس نے دوسری طرف سے بے حد مدھم اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"مگر تم کسی اور سے اس کا ذکر مت کرنا۔" اس نے ایک ہی سانس میں کہا۔

"میں کیوں ذکر کروں گا، تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

سالار اس کی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔ اسے اس وقت سعد پر کچھ ترس آرہا تھا۔

اس رات سعد نے چند منٹوں بعد ہی فون رکھ دیا۔ سالار کو اس کی شرمندگی کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

اس واقعے کے بعد سالار کا خیال تھا کہ سعد دوبارہ کبھی اس کے سامنے اپنی مذہبی عقیدت اور وابستگی کا ذکر نہیں کرے گا مگر اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ سعد میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اب بھی اسی شدومد سے مذہب پر بات کرتا۔ دوسروں کو ٹوک دیتا۔ نصیحتیں کرتا۔ نماز پڑھنے کی ہدایت دیتا۔ صدقہ، خیرات دینے کے لئے کہتا۔ اللہ سے محبت کے بارے میں گھنٹوں بولنے کے لئے تیار رہتا اور، مذہب کے بارے میں بات کر رہا ہوتا تو کسی آیت یا حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھی آجاتے۔

اس کے گروپ کے لوگوں کے ساتھ اور بہت سے لوگ سعد سے بہت متاثر تھے اور اسکے کردار سے بہت مرعوب۔۔۔۔۔اور اللہ سے اس کی محبت پر رشک کا شکار، ایک مثالی مسلم۔۔۔۔۔جوانی کی مصروف زندگی میں بھی۔۔۔۔۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سعد بات کرنا جانتا تھا اس کا انداز بیاں بے حد متاثر کن تھا۔اور اس کے شناسا لوگوں میں صرف سالار تھا، جس پر اس کی نصیحت کوئی اثر نہیں کرتی تھی جو اس سے ذرہ برابر متاثر نہیں تھا اور نہ ہی کسی رشک کا شکار۔ جسے سعد کی داڑھی اس کے دین لئے استقامت کا یقین دلانے میں کامیاب ہوئی تھی نہ ہی دوسروں کے لئے اس کا ادب واحترام اس کا نرم انداز گفتگو۔

امامہ سے مذہبی لوگوں کے لئے اس کی ناپسندیدگی کا آغاز ہوا تھا۔جلال سے اسے آگے بڑھایا تھا اور سعد نے اسے انتہا پر پہنچا دیا تھا۔اس کا خیال تھا کہ مذہبی لوگوں سے بڑھ کر منافق کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔داڑھی رکھنے والا مرد اور پردہ کرنے والی عورت کسی بھی قسم کی بلکہ ہر قسم کی برائی کا شکار ہوتے ہیں اور ان لوگوں سے زیادہ جو خود کو مذہبی نہیں کہتے۔

اتفاق سے ملنے والے تینوں لوگوں نے اس یقین کو مستحکم کیا۔امامہ ہاشم پردہ کرنے والی لڑکی اور ایک لڑکے کے لئے اپنے منگیتر، اپنے خاندان اپنے گھر کو چھوڑ کر رات میں فرار ہو جانے والی لڑکی۔

جلال انصر۔۔۔۔۔ڈاڑھی والا مرد، حضور ﷺ کی محبت میں سرشار ہو کر نعتیں پڑھنے والا اور ایک لڑکی سے افئیر چلانے والا اور پھر اسے بیچ راستے میں چھوڑ کر ایک طرف ہو جانے والا، پھر دین الگ دنیا الگ کر بات کرنے ولا۔ سعد ظفر کے بارے میں اس کی رائے ایک اور واقعہ سے اور خراب ہوئی۔

وہ ایک دن اس کے اپارٹمنٹ پر آیا ہوا تھا۔ سالار اس وقت کمپیوٹر آن کئے اپنا کام کرتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگا۔ پھر اسے کچھ چیزیں لانے کے لئے اپارٹمنٹ سے قریبی مارکیٹ جانا پڑا اور اسے پیدل وہاں آنے جانے اور شاپنگ کرنے میں تیس منٹ لگے تھے۔ سعد اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ جب سالار واپس آیا تو سعد کمپیوٹر پر چیٹنگ میں مصروف تھا۔ وہ کچھ دیر مزید اس کے پاس بیٹھا گپ شپ کرتا رہا پھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سالار نے لنچ کیا اور ایک بار پھر کمپیوٹر پر آ کر بیٹھ گیا۔

وہ بھی کچھ دیر چیٹنگ کرنا چاہتا تھا اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس نے لاشعوری طور پر کمپیوٹر چلاتے ہوئے اس کی ہسٹری دیکھی۔ وہاں ان ویب سائٹس اور پیجز کی کچھ تفصیلات تھیں جو کچھ دیر پہلے اس نے یا سعد نے دیکھی تھیں۔

سعد نے جن چند ویب سائٹس کو دیکھا تھا وہ پورنوگرافی سے متعلق تھیں۔ اسے اپنے یا کسی دوسرے دوست کے ان پیجز دیکھنے یا ان ویب سائٹس کو وزٹ کرنے پر حیرت نہ ہوتی نہ

اعتراض۔ وہ خود ایسی ویب سائٹس کا وزٹ کرتا رہتا تھا مگر سعد کے ان ویب سائٹس کو وزٹ کرنے پر اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس کی نظروں میں وہ کچھ اور نیچے آ گیا تھا۔



"پھر تمہاری کیا پلاننگ ہے؟ پاکستان آنے کا ارادہ ہے"

وہ اس دن فون پر سکندر سے بات کر رہا تھا۔ سکندر نے اسے بتایا تھا کہ وہ طیبہ کے ساتھ کچھ ہفتوں کے لئے آسٹریلیا جا رہے ہیں۔ انہیں وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ہونے والی شادی کی کچھ تقریبا میں شرکت کرنی تھی۔

آپ دونوں وہاں نہیں ہوں گے تو میں پاکستان آ کر کیا کروں گا۔" اسے مایوسی ہوئی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ تم بہن بھائیوں سے ملنا، انیتا تمہیں بہت مس کر رہی ہے۔ سکندر نے کہا۔

پاپا! میں ادھر ہی چھٹیاں گزاروں گا۔ پاکستان آنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہمارے ساتھ آسٹریلیا چلو، معیز بھی جا رہا ہے۔" انہوں نے اس کے بڑے بھائی کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ میں اس طرح منہ اٹھا کر آپ کے ساتھ آسٹریلیا چلوں۔ معیز کے ساتھ میری کون سی انڈراسٹینڈنگ ہے، جو آپ مجھے اس کے جانے کا بتا رہے ہیں۔" اس نے خاصی بیزاری کے ساتھ کہا۔

"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا اگر تم وہیں رہنا چاہتے ہو تو ایسا ہی سہی بس اپنا خیال رکھنا اور دیکھو سالار کوئی غلط کام مت کرنا۔"

انہوں نے اسے تنبیہ کی۔ وہ اس غلط کام کی نوعیت کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا اور وہ یہ جملہ سننے کا عادی ہو چکا تھا کہ اب اگر سکندر ہر بار فون بند کرنے سے پہلے اس سے یہ جملہ نہ کہتے تو اسے حیرت ہوتی۔

سکندر سے بات کرنے کے بعد اس نے فون کر کے اپنی سیٹ کینسل کروا دی۔ فون کا ریسیور رکھنے کے بعد صوفے پر چت لیٹا چھت کو گھورتے ہوئے وہ یونیورسٹی بند ہونے کے بعد کے کچھ ہفتوں کی مصروفیات کے بارے میں سوچتا رہا۔

"مجھے چند دن سکینگ کے لئے کہیں جانا چاہیے یا پھر کسی دوسری اسٹیٹ کو وزٹ کرنا چاہیے۔" وہ منصوبہ بنانے لگا۔ "ٹھیک ہے میں کل یونیورسٹی سے آ کے کسی آپریٹر سے ملوں گا۔ باقی کا پروگرام وہیں طے کروں گا۔" اس نے فیصلہ کیا۔

اگلے دن اس نے ایک دوست کے ساتھ مل کر سکینگ کے لئے جانے کا پروگرام طے کر لیا۔ اس نے سکندر اور اپنے بڑے بھائی کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتادیا۔

چھٹیاں شروع ہونے سے ایک دن پہلے اس نے ایک انڈین ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا وہ کھانا کھانے کے بعد بھی کافی دیر وہاں بیٹھا رہا پھر وہ ایک قریبی پب میں چلا گیا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے دوران اس نے وہاں کچھ پیگ پیئے۔

رات دس بجے کے قریب ڈرائیونگ کرتے ہوئے اسے اچانک متلی ہونے لگی۔ گاڑی روک کر وہ کچھ دیر کے لئے سڑک کے گرد پھیلے ہوئے سبزے پر چلنے لگا سرد ہوا اور خنکی نے کچھ دیر کے لیے اسے نارمل کر دیا مگر چند منٹوں کے بعد ایک بار پھر اسے متلی ہونے لگی۔ اسے اب اپنے سینے اور پیٹ میں ہلکا ہلکا درد بھی محسوس ہو رہا تھا۔

یہ کھانے کا اثر تھا یا پیگ کا۔ فوری طور پر اسے کچھ اندازہ نہیں ہوا۔ اب اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ یک دم جھکتے ہوئے اس نے بے اختیار قے کی اور پھر چند منٹ اسی طرح جھکا رہا۔ معدہ خالی ہو جانے کے بعد بھی اس کو اپنی حالت بہتر محسوس نہیں ہوئی۔ سیدھا کھڑے رہنے کی کوشش میں اس کے پیر لڑکھڑا گئے۔ اس نے مڑ کر اپنی گاڑی کی طرف جانے کی کوشش کی مگر اس کا سر اب پہلے سے زیادہ چکرا رہا تھا۔ چند گز دور کھڑی گاڑی کو دیکھنے میں بھی اسے دقت ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل چند قدم اٹھائے مگر گاڑی کے قریب پہنچنے سے

پہلے ہی وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ مکمل طور پر ہوش کھونے سے پہلے اس نے کسی کو اپنے آپ کو جھنجھوڑتے محسوس کیا۔ کوئی بلند آواز میں اس کے قریب کچھ کہہ رہا تھا۔ آوازیں ایک سے زیادہ تھیں۔

سالار نے اپنے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ پورے سر کو حرکت نہیں دے سکا۔ اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ وہ اب مکمل طور پر تاریکی میں جا چکا تھا۔



اس نے دو دن ہاسپٹل میں گزارے تھے۔ وہاں سے گاڑی میں گزرنے والے کسی جوڑے نے اسے گرتے دیکھا تھا اور وہی سے اُٹھا کر ہاسپٹل لے آئے تھے۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ فوڈ پوائزن کا شکار ہوا تھا۔ وہ ہاسپٹل آنے کے چند گھنٹوں کے بعد ہوش میں آگیا تھا اور وہاں سے چلے جانے کی خواہش رکھنے کے باجود وہ جسمانی طور پر اپنے آپ کو اتنی بری حالت میں محسوس کر رہا تھا کہ وہاں سے جا نہیں سکا۔

اگلے دن شام تک اس کی حالت کچھ بہتر ہونے لگی مگر ڈاکٹرز کی ہدایت پر سالار نے وہ رات بھی وہیں گزار دی۔ اتوار کو سہ پہر وہ گھر آگیا تھا اور گھر آتے ہی اس نے ٹور آپریٹر کے ساتھ

طے پایا جانے والا پروگرام چند دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ اسے پیر کی صبح نکلنا تھا اور اس نے طے کیا تھا کہ جانے سے پہلے وہ ایک بار پھر سینڈرا کو کال کرے گا لیکن اب پروگرام کینسل کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اس کو یا بلکہ کسی بھی دوست کو کال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ایک ہلکے سینڈوچ کے ساتھ کافی کا ایک کپ پینے کے بعد اس نے سکون آور دوالی اور سونے کے لئے چلا گیا۔

اگلے دن جب اس کی آنکھ کھلی اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ سالار کو نیند سے بیدار ہوتے ہی سر میں شدید درد کا احساس ہوا۔ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس نے اپنا ماتھا اور جسم چھوا، اس کا ماتھا بہت زیادہ گرم تھا۔

"کم آن!" وہ بیزاری سے بڑبڑایا۔ پچھلے دو دن کی بیماری کے بعد وہ اگلے دو دن بستر پر پڑے ہوئے نہیں گزارنا چاہتا تھا اور اس وقت اسے اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔

جوں توں بیڈ سے نکل کر وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر ایک بار پھر کچن میں آ گیا کافی بننے کے لئے رکھ کر وہ آ کر answerphone پر ریکارڈ کالز سننے لگا۔ چند کالز سعد کی تھیں جس نے

واپس پاکستان جانے سے پہلے اس سے ملنے کے لئے بار بار اسے رنگ کیا تھا اور پھر آخری کال میں اس کے اس طرح غائب ہونے پر اسے اچھی خاصی صلواتیں سنائی تھیں۔

سینڈرا کا اندازہ تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر سکینگ کے لئے چلا گیا تھا۔ یہی خیال سکندر اور کامران کا تھا۔ انہوں نے بھی اسے چند کالز کی تھیں۔ چند کالز اس کے کچھ کلاس فیلوز کی تھیں۔ وہ بھی چھٹیاں گزارنے کے لیے اپنے گھروں کو جانے سے پہلے کی گئی تھیں۔ ہر ایک نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ انہیں جوابی کال کرے مگر اب وہ جانتا تھا کہ اب وہ سب واپس جا چکے ہوں گے البتہ وہ سکندر اور کامران اور سعد کو پاکستان میں کال کر سکتا تھا مگر اس وقت وہ یہ کام کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

کافی کے ایک مگ کے ساتھ دو سلائس کھانے کے بعد اس نے گھر پر موجود چند میڈیسنز لیں اور پھر دوبارہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بخار کے لئے اتنا ہی کافی تھا اور شام تک وہ اگر مکمل طور نہیں تو کافی حد تک ٹھیک ہو چکا ہو گا۔

اس کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ شام کے وقت میڈیسن کے زیر اثر آنے والی نیند سے بیدار ہوا تو اس کا جسم بری طرح بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس کی زبان اور ہونٹ خشک تھے اور اسے اپنا حلق کانٹوں سے بھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پورے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا سر درد بھی

شدید درد کی گرفت میں تھااور شاید اس کے اس طرح بیدار ہونے کی وجہ یہ شدید بخار اور تکلیف ہی تھی۔

اس بار وہ اوندھے منہ بیڈ پر لیٹے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ تکیے پر ماتھے کے نیچے رکھتے ہوئے ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے سر میں اُٹھنے والی درد کی ٹیسوں کو کم کرنے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ چہرہ تکیے میں چھپائے وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔

تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش میں وہ کب دوبارہ نیند کی آغوش میں گیا اسے اندازہ نہیں ہوا۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور صرف کمرہ ہی نہیں پورا گھر تاریک تھا وہ پہلے سے زیادہ تکلیف میں تھا۔ چند منٹوں تک بیڈ سے اٹھنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے ذہن کو تاریکی میں ڈوبتے محسوس کیا مگر اس بار یہ نیند نہیں تھیں۔ وہ غنودگی کی کسی درمیانی کیفیت میں گزر رہا تھا۔ وہ اب خود کو کراہتے ہوئے سن رہا تھا مگر وہ اپنی آواز کا گلا نہیں گھونٹ پا رہا تھا۔ سینٹرل ہیٹنگ ہونے کے باوجود اسے بے تحاشا سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور کمبل اس کی کپکپاہٹ کو ختم کرنے میں ناکام تھا وہ جسمانی طور پر خود

کو اٹھ کر کچھ بھی پہننے یا اوڑھنے کے قابل نہیں تھا۔ اسے اپنے سینے اور پیٹ میں ایک بار پھر درد محسوس ہونے لگا۔

اس کی کراہوں میں اب شدت آتی جا رہی تھی۔ ایک بار پھر متلی محسوس کرنے پر اس نے اٹھنے اور تیزی سے واش روم تک جانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ چند لمحوں کے لئے وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کرتا اسے ایک زور کی ابکائی آئی۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اندر رہ جانے والی تھوڑی بہت خوراک بھی باہر آ گئی تھی۔ وہ غشی کے عالم میں بھی اپنے کپڑوں اور کمبل سے بے نیاز نہیں تھا مگر وہ مکمل طور پر گندگی سے لتھڑے ہوئے بے بس تھا اسے اپنا پورا وجود مفلوج محسوس ہو رہا تھا۔ بے جان سی حالت میں وہ اسی طرح دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ارد گرد کے ماحول سے مکمل طور بے نیاز ہو چکا تھا۔ غشی کی کیفیت میں کراہوں کے ساتھ اس کے منہ میں جو کچھ آ رہا تھا وہ بولتا جا رہا تھا۔

غشی کا یہ سلسلہ کتنے گھنٹے جاری رہا تھا اسے یاد نہیں۔ ہاں البتہ اسے یہ ضرور یاد تھا اس کی کیفیت کے دوران اسے ایک بار یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ مر رہا ہے اور اسی وقت زندگی میں پہلی بار موت سے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا وہ کسی نہ کسی طرح فون تک پہنچنا چاہتا تھا وہ

کسی کو بلانا چاہتا تھا مگر وہ بستر سے نیچے نہیں اتر سکا۔شدید بخار نے اسے مکمل طور مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

اور پھر بالآخر وہ خود ہی اس کیفیت سے باہر آ گیا تھا اس وقت رات کا پچھلا پہر تھا جب وہ اس غنودگی سے باہر نکلا تھا۔آنکھیں کھولنے پر اس نے کمرے میں وہی تاریکی دیکھی تھی مگر اس کا جسم اب پہلے کی طرح گرم نہیں تھا۔کپکپی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی اس کے سر اور جسم میں ہونے والا درد بھی بہت ہلکا تھا۔

کمرے کی چھت کو کچھ دیر گھورنے کے بعد اس نے لیٹے لیٹے اندھیرے میں سائیڈ لیمپ کو ڈھونڈ کر آن کر دیا۔روشنی نے کچھ دیر کے لئے اس کی آنکھوں کو چندھیا کر بند ہو جانے پر مجبور کر دیا۔اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر آنکھوں کے بند پپوٹوں کو چھوا۔وہ سوجے ہوئے تھے۔آنکھوں میں چبھن ہو رہی تھی۔سوجے ہوئے تمام پپوٹوں کو بمشکل کھلے رکھتے ہوئے وہ اب ارد گرد کی چیزوں پر غور کرتا رہا تھا اور اپنے ساتھ ہونے والے تمام واقعات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ہلکے ہلکے جھماکوں کے ساتھ اسے سب کچھ یاد آتا جا رہا تھا۔

اسے بے اختیار اپنے آپ سے گھن آئی بیڈ پر بیٹھے بیٹھے اس نے اپنی شرٹ کے بٹن کھول کر اسے اتار کر پھینک دیا۔پھر لڑکھڑاتے ہوئے بیڈ سے اتر گیا اور کمبل اور بیڈ شیٹ بھی کھینچ کر اس نے بیڈ سے اتار کر فرش پر ڈال دیئے۔

ان ہی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ سوچے سمجھے بغیر باتھ روم میں گھس گیا۔

باتھ روم میں موجود بڑے آئینے کے سامنے اپنے چہرے پر نظر پڑتے ہی اسے جیسے شاک لگا تھا۔اسکی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں اور ان کے گرد پڑنے والے حلقے بہت نمایاں تھے اور چہرہ بالکل زرد تھا۔اس کے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔اسے اس وقت دیکھنے والا یہی سوچتا کہ وہ کسی لمبی بیماری سے اٹھا ہے۔

"چوبیس گھنٹوں میں اتنی شیو بڑھ گئی ہے؟"اس نے حیرانی کے عالم میں اپنے گالوں کو چھوتے ہوئے کہا۔"اتنی بری شکل تو میری فوڈ پوائزننگ کے بعد ہاسپٹل میں رہ کر بھی نہیں ہوئی تھی جتنی ایک دن کے اس بخار نے کر دی ہے۔"

وہ بے یقینی کے عالم میں اپنے حلقوں کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ٹب میں پانی بھر کر وہ اس میں لیٹ گیا۔اسے حیرانی ہو رہی تھی کہ بخار کی حالت میں بھی اس نے فوری طور اسی وقت اپنے کپڑے کیوں نہیں بدل لئے وہ کیوں وہیں پڑا رہا۔

باتھ روم سے نکلنے کے بعد بیڈ روم میں رہنے کے بجائے وہ کچن میں چلا گیا۔اسے بے تحاشا بھوک لگ رہی تھی۔اس نے نوڈلز بنائے اور انہیں کھانے لگا۔"مجھے صبح ڈاکٹر کے پاس جا کر اپنا تفصیلی چیک اپ کروانا چاہیئے۔"اس نے نوڈلز کھاتے ہوئے سوچا۔تھکن ایک بار پھر اس

کے اعصاب پر سوار ہو رہی تھی۔ نہانے کے بعد اسے اگرچہ اپنا وجود بہت ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا مگر اس کی نقاہت ختم نہیں ہوئی تھی۔

نوڈلز کھانے کے دوران اس نے ٹی وی آن کر دیا اور چینل سرچ کرنے لگا۔ ایک چینل پر آنے والا ٹاک شو دیکھتے ہوئے اس نے ریموٹ رکھ دیا اور پھر نوڈلز کے پیالے پر جھک گیا۔ اس نے ابھی نوڈلز کا دوسرا چمچ منہ میں رکھا ہی تھا کہ وہ بے اختیار رک گیا۔ الجھی ہوئی نظروں سے ٹاک شو کو دیکھتے ہوئے اس نے ریموٹ کو ایک بار پھر اٹھا لیا۔ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے وہ ایک بار پھر چینل سرچ کرنے لگا مگر اس بار وہ ہر چینل کو پہلے سے زیادہ ٹھہر ٹھہر کر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ بڑبڑایا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا وہ جمعہ کی رات کو سڑک پر بے ہوش ہونے کے بعد ہاسپٹل گیا تھا۔ ہفتہ کا سارا دن اس نے وہیں گزارا تھا اور اتوار کی سہ پہر کو وہ واپس آیا تھا۔ اتوار کی سہ پہر کو سونے کے بعد وہ اگلے دن گیارہ بجے کے قریب اٹھا تھا۔ پھر اسی رات اسے بخار ہو گیا تھا۔ شاید اس نے منگل کا سارا دن بخار کی حالت میں گزارا تھا اور اب یقیناً منگل کی رات تھی مگر ٹی وی چینلز اسے کچھ اور بتا رہے تھے وہ ہفتہ کی رات تھی اور اگلا طلوع ہونے والا دن اتوار کا تھا۔

اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر دوڑائی جو لونگ روم کی میز پر پڑی تھی۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے نوڈلز کا پیالہ میز پر رکھ دیا یک لخت ہی جیسے اس کی بھوک اڑ گئی تھی۔ وہاں موجود تاریخ نے اسے جیسے ایک اور جھٹکا دیا تھا۔

"کیا مطلب ہے، کیا میں پانچ دن بخار میں مبتلا رہا ہوں۔ پانچ دن ہوش و حواس سے بے خبر رہا ہوں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ بڑابڑا رہا تھا۔

"پانچ دن، پانچ دن تو بہت ہوتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھے، مجھے پانچ دن گزرنے کا پتہ ہی نہ چلے۔۔۔۔۔ میں پانچ دن تک اس طرح بے ہوش کیسے رہ سکتا ہوں۔"

وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ تیزی سے answer phone کی طرف بڑھ گیا، فون پر اس کے لئے کوئی ریکارڈ پیغام نہیں تھا۔

"پاپا نے مجھے کوئی کال نہیں کی اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ سعد سب کو کیا ہو گیا۔۔۔۔ کیا میں انہیں یاد نہیں رہا۔"

اسے جیسے کوئی پیغام نہ پا کر شاک لگا تھا۔ وہ بہت دیر تک بالکل ساکت فون کے پاس بیٹھا رہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاپا کو میرا خیال ہی نہ رہا ہو، یا کسی اور فرینڈ کو۔۔۔۔ یا پھر کسی اور کو۔۔۔۔ اس طرح مجھے کیسے چھوڑ دیا انہوں نے۔ اور اس وقت اسے پہلی بار احساس ہوا کہ

اس کے ہاتھ ایک بار پھر کپکپا رہے تھے۔ وہ نقاہت یا کمزوری نہیں تھی پھر وہ کیا تھا جو اسے کانپنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ اٹھ کر واپس صوفے کی طرف چلا آیا۔

نوڈلز کے پیالے کو ہاتھ میں لے کر وہ ایک بار پھر انہیں کھانے لگا اس بار نوڈلز میں چند منٹ پہلے کا ذائقہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اسے لگا وہ بے ذائقہ ربڑ کے چند نرم ٹکڑوں کو چبا رہا ہے۔ چند چمچے لینے کے بعد اس نے پیالہ دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہ اسے کھا نہیں پا رہا تھا۔ وہ اب بھی عجیب سی بے یقینی کی گرفت میں تھا۔ کیا واقعی وہ پانچ دن یہاں اکیلا اس طرح پڑا رہا تھا کہ اسے خود اپنے بارے میں پتا تھا اور نہ ہی کسی اور کو۔

وہ ایک بار پھر واش روم میں چلا گیا۔ اس کا چہرہ کچھ دیر پہلے جیسا نہیں لگ رہا تھا۔ نہانے سے وہ کچھ بہتر ہو گیا تھا مگر اس کی شیو اور آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے حلقے اب بھی اسی طرح موجود تھے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کچھ دیر تک اپنی آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے حلقوں کو چھوتا رہا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ واقعی وہاں موجود تھے یا پھر اس کا وہم ہے۔ اسے یک دم اپنے چہرے پر موجود بالوں سے وحشت ہونے لگی تھی۔

وہیں کھڑے کھڑے اس نے شیونگ کٹ نکالی اور شیو کرنے لگا۔ شیو کرتے ہوئے اسے ایک بار پھر احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ یکے بعد دیگرے اسے تین کٹ لگے۔ اس نے شیو کے بعد اپنا چہرہ دھویا اور اس کے بعد تولیے سے آئینے میں اپنے آپ کو

دیکھتے ہوئے اسے خشک کرنے لگا۔ جب اسے ان زخموں سے رستے ہوئے خون کا احساس ہوا تو اس نے چہرے کو تولیے سے تھپتھپانا بند کر دیا۔ خالی الذہنی کے عالم میں وہ آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھنے لگا۔

اس کے گالوں پر آہستہ آہستہ ایک بار پھر خون کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ گہرا سرخ رنگ، وہ پلکیں جھپکائے بغیر ان قطروں کو دیکھتا رہا۔ تین ننھے ننھے سرخ قطرے۔

"What is next to estacy?"

"Pain"

سرد اور مدھم آواز آئی۔ وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گیا۔

"What is next to pain?"

"Nothingness"

اسے ایک ایک لفظ یاد تھا

"Nothingness"

وہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔اس کے گالوں کی حرکت سے خون کے قطرے اس کے گالوں پر پھسلنے لگے۔

"And what comes next to nothingness"

"Hell"

سالار کو یک دم ابکائی آئی۔وہ واش بیسن پر بے اختیار دوہرا ہو گیا۔چند منٹ پہلے کھائی گئی خوراک ایک بار پھر باہر آگئی تھی۔اس نے نل کھول دیا۔اس نے اس کے بعد کیا پوچھا تھا۔ اس نے اس کے جواب میں کیا کہا تھا اسے یاد تھا۔

"ابھی تمہیں کوئی چیز سمجھ میں نہیں آرہی۔آئے گی بھی نہیں۔ایک وقت آئے گا جب تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ہر شخص پر ایک وقت آتا ہے جب وہ سب کچھ سمجھنے لگتا ہے۔جب کوئی معمہ،معمہ نہیں رہتا۔میں اس دور سے گزر رہی ہوں۔تم پر وہ دور آئندہ کبھی آئے گا۔ اس کے بعد تم دیکھنا۔کیا تمہیں ہنسی آتی ہے۔"

سالار کو ایک اور ابکائی آئی،اسے اپنی آنکھوں سے پانی بہتا ہوا محسوس ہوا۔

"زندگی میں ہم کبھی نہ کبھی اس مقام پر آجاتے ہیں جہاں سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہاں صرف ہم ہوتے ہیں اور اللہ ہوتا ہے۔کوئی ماں باپ،کوئی بہن بھائی،کوئی دوست نہیں

ہوتا۔پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہمارے پیروں کے نیچے زمین ہے نہ ہمارے سر کے اوپر کوئی آسمان،بس صرف ایک اللہ ہے جو ہمیں اس خلا میں بھی تھامے ہوئے ہے۔پھر پتا چلتا ہے ہم زمین پر پڑی مٹی کے ڈھیر میں ایک ذرے یا درخت پر لگے ہوئے ایک پتے سے زیادہ کی وقعت نہیں رکھتے۔پھر پتا چلتا ہے کہ ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے صرف ہمیں فرق پڑتا ہے۔صرف ہمارا کردار ختم ہو جاتا ہے۔کائنات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کسی چیز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

سالار کو اپنے سینے میں عجیب سا درد محسوس ہو رہا تھا۔اس نے بہتے ہوئے پانی کو منہ میں ڈالا اسے ایک بار پھر ابکائی آئی۔

"اس کے بعد ہماری عقل ٹھکانے آجاتی ہے۔"

وہ اس آواز کو اپنے ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔اسے حیرانی ہو رہی تھی وہ اسے اس وقت کیوں یاد آئی تھی۔

اس نے پانی کے چھینٹے اپنے چہرے پر مارنے شروع کر دیئے۔چہرے کو ایک بار پھر پونچھنے لگا۔آفٹر شیو کی بوتل کھول کر اس نے گالوں پر موجود ان زخموں پر لگانا شروع کر دیا جہاں اب اسے پہلی بار تکلیف ہو رہی تھی۔

واش روم سے باہر نکلتے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے ہیں۔

"مجھے ڈاکٹر کے پاس چلے جانا چاہیئے۔" وہ اپنی مٹھیاں بھینچنے لگا۔ "مجھے مدد کی ضرورت ہے اپنا چیک اپ کروانا ہے۔"

وہ نہیں جانتا تھا اسے یک دم وہاں وحشت کیوں ہونے لگی تھی۔ اسے اپنا سانس وہاں بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے کوئی اس کی گردن پر پاؤں رکھے آہستہ آہستہ دباؤ ڈال رہا تھا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ سب لوگ مجھے اس طرح بھول جائیں۔ اس طرح۔۔۔۔"

اس نے اپنی وارڈروب سے نئے کپڑے نکال کر ایک بار پھر کچھ دیر پہلے کا پہنا ہوا لباس بدلنا شروع کر دیا۔ وہ جلد از جلد ڈاکٹر کے پاس جانا چاہتا تھا اسے اپنے اپارٹمنٹ سے یک دم خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

اس رات گھر آ کر وہ تقریباً ساری رات جاگتا رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت نے اسے اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اس کا ذہن یہ تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ اسے اس طرح بھلا دیا گیا ہے۔ وہ ماں باپ کی ضرورت سے زیادہ توجہ ہمیشہ حاصل کرتا رہا تھا۔ کچھ اس کی حرکتوں کی وجہ سے بھی سکندر عثمان اور طیبہ کو اس کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط ہونا پڑا تھا۔ وہ ہمیشہ ہی اس کے بارے میں فکر مند رہے تھے، مگر اب یک دم چند دنوں کے لئے وہ جیسے سب کی زندگی

سے نکل گیا تھا۔ دوستوں کی، بہن بھائیوں کی، ماں باپ کی۔ وہ اگر اس بیماری کے دوران وہاں اس اپارٹمنٹ میں مر جاتا تو کسی کو پتا تک نہیں چلتا شاید تب تک جب تک اس کی لاش گلنے سڑنے نہ لگتی اور اس موسم میں ایسا ہونے میں کتنے دن لگتے۔

وہ اس رات ایک ایک گھنٹے کے بعد اپنے answer phone کو چیک کرتا رہا۔ اگلا پورا ہفتہ اس نے اسی بے یقینی کے عالم میں اپنے اپارٹمنٹ میں گزارا، پورے ہفتے کے دوران اسی کہیں سے کوئی کال نہیں ملی۔

"کیا یہ سب لوگ مجھے بھول گئے ہیں؟"

وہ وحشت زدہ ہو گیا۔ ایک ہفتہ تک بے وقوفوں کی طرح کسی کی کال کا انتظار کرتے رہنے کے بعد اس نے خود سب سے رابطہ کی کوشش کی۔

وہ انہیں فون پر بتانا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ کس کیفیت سے گزرا تھا۔ وہ ان کے ساتھ شکوہ کرنا چاہتا تھا، مگر ہر ایک سے رابطہ کرنے پر اسے پہلی بار یوں محسوس ہوا جیسے کسی کو اس میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ ہر ایک کے پاس اپنی مصروفیات کی تفصیلات تھیں۔

سکندر اور طیبہ اسے اسٹریلیا میں اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہے۔ وہ وہاں کیا کر رہے تھے، کتنا انجوائے کر رہے تھے۔ وہ کچھ غائب دماغی کے عالم میں ان کی باتیں سنتا رہا۔

"تم انجوائے کر رہے ہو اپنی چھٹیاں؟"

بہت لمبی چوڑی بات کے بعد طیبہ نے بالآخر اس سے پوچھا۔

"میں؟ ہاں، بہت۔۔۔۔" وہ صرف تین لفظ بول سکا۔

وہ واقعی نہیں جنتا تھا کہ اسے طیبہ سے کیا کہنا، کیا بتانا چاہیئے۔"

باری باری سب سے بات کرتے ہوئے وہ پہلی بار اس قسم کی صورت حال اور کیفیت سے دوچار ہوا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کو بنیادی طور پر صرف اپنی زندگی سے دلچسپی تھی۔ شاید وہ انہیں اپنے ساتھ ہونے والے واقعات بتاتا تو وہ اس کے لئے تشویش کا اظہار کرتے۔ پریشان ہو جاتے مگر وہ سب بعد میں ہوتا۔ اس کے بتانے کے بعد، اس سے پہلے ان کی زندگی کے دائرے میں اس کی زندگی کہاں آتی تھی۔ کس کو دلچسپی تھی یہ سننے میں کہ اس کے چند دن کس طرح غائب ہو گئے۔

اور شاید تب ہی اس نے پہلی بار سوچا اگر میری زندگی ختم بھی ہو گئی تو کسی دوسرے کو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دنیا میں کیا تبدیلی آئے گی؟ میرا خاندان کیا محسوس کرے گا؟ کچھ بھی نہیں۔ چند دنوں کے دکھ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں اور دنیا میں تو شاید چند لمحوں کے لئے بھی کوئی تبدیلی نہ آئے۔

سالار سکندر اگر غائب ہو جائے تو واقعی کسی دوسرے کو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ چاہے اس کا آئی کیو لیول 150+ ہو۔ وہ اپنی سوچوں کو جھٹکنے کی کوشش کرتا مگر ایسی مایوسی اور اس طرح کی ذہنی حالت۔۔۔۔ آخر مجھے ہو کیا گیا ہے اگر سب لوگ کچھ دنوں کے لئے مجھے بھول بھی گئے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے میں بھی تو بہت بار بہت سے لوگوں کے ساتھ رابطہ نہیں رکھ پاتا۔ پھر اگر میرے ساتھ ایسا ہو گیا تو۔

مگر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اور اگر واقعی میں، میں اس بے ہوشی سے واپس نہ آتا تو۔۔۔۔ اگر میرا بخار کم نہ ہوتا اگر سینے یا پیٹ کا وہ درد ختم نہ ہوتا۔۔۔۔ اپنے ذہن سے وہ یہ سب کچھ جھٹکنے کی کوشش کرتا لیکن ناکام رہتا یہ تکلیف سے زیادہ خوف تھا جس کا شکار وہ اس اچانک بیماری کے دوران ہوا تھا۔ "شاید میں کچھ زیادہ حساس ہوتا جا رہا ہوں۔" وہ سوچتا ورنہ ایک معمولی سی بے ہوشی کو خواہ مخواہ ہوا بنا کر سر پر کیوں سوار کر رہا ہوں۔

وہ جھنجھلاتا۔

"کم از کم اب تو ٹھیک ہو چکا ہوں پھر آخر اب مجھے کیا تکلیف ہے کہ میں اس طرح موت کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ آخر پہلے بھی تو کئی بار بیمار ہو چکا ہوں۔ خودکشی کی کوشش کر چکا ہوں، جب مجھے کسی خوف نے تنگ نہیں کیا تو اب کیوں مجھے اس طرح کے خوف تنگ کرنے لگے ہیں۔"

اس کی الجھن اور اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"اور پھر مجھے تو بخار کی وہ تکلیف ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔ میرے لئے تو یہ صرف خواب یا کوما کی طرح ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں"۔ وہ مسکرانے کی کوشش کرتا۔

"کیا چیز ہے جو مجھے پریشان کر رہی ہو۔ کیا بیماری؟ یا پھر یہ بات کہ کسی کو میری ضرورت نہیں پڑی۔ کسی کو میری یاد نہیں آئی۔ خیال تک نہیں، میرے اپنے لوگوں کو بھی، میرے فیملی ممبرز کو، دوستوں کو۔۔۔۔"

"مائی گاڈ۔۔۔۔ تمہیں کیا ہوا ہے سالار؟" یونیورسٹی کھلتے ہی پہلے ہی دن سینڈرا نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔" سالار نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"تم بیمار رہے ہو؟" اسے تشویش ہوئی۔

"ہاں تھوڑا بہت۔"

"مگر مجھے تو نہیں لگتے کہ تم تھوڑے بہت بیمار رہے ہو۔ تمہارا وزن کم ہو گیا ہے اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا بیماری تھی تمہیں؟"

"کچھ نہیں۔ تھوڑا سا بخار اور فوڈ پوائزننگ۔۔۔۔" وہ پھر مسکرایا۔

"تم پاکستان گئے ہوئے تھے؟"

"نہیں، یہیں تھا۔"

"مگر میں نے تو تمہیں نیویارک جانے سے پہلے کئی بار رنگ کیا۔ ہمیشہ answer phone ہی ملا۔ تم یہ ریکارڈ کروا دیتے کہ تم پاکستان جا رہے ہو۔"

"جسٹ سٹاپ اٹ!" وہ بے اختیار جھنجھلایا۔ "سوال پر سوال کرتی جا رہی ہو تم۔"

سینڈرا حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "تم میری بیوی تو نہیں ہو کہ اس طرح بات کر رہی ہو مجھ سے؟"

"سالار کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں ہوا، بس تم ختم کرو یہ ساری بات۔ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کہاں رہے؟ کیوں رہے، ربش۔"

سینڈرا چند لمحے بول نہیں سکی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح ری ایکٹ کرے گا۔

سینڈرا اس دن اس سے یہ سارے سوال پوچھنے والی اکیلی نہیں تھی۔ اس کے تمام دوستوں اور جاننے والوں نے اسے دیکھتے ہی کچھ اس طرح کے سوال، تبصرے یا تاثرات دیئے تھے۔

وہ دن ختم ہونے تک بری طرح جھنجھلاہٹ کا شکار ہو چکا تھا اور کسی حد تک مشتعل بھی۔ وہ کم از کم ان سوالوں کو سننے کے لئے یونیورسٹی نہیں آیا تھا۔ اس طرح کے تبصرے اسے بار بار یاد دہانی کروا رہے تھے کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہو چکا ہے اور وہ ان احساسات سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مووی دیکھنے کا پروگرام ہے اس ویک اینڈ پر، چلو گے؟" دانش اس دن اس کے پاس آیا ہوا تھا۔

"ہاں چلوں گا۔" سالار تیار ہو گیا۔

"پھر تم تیار رہنا، میں تمہیں پک کر لوں گا۔" دانش نے پروگرام طے کیا۔

دانش پروگرام کے مطابق اسے لینے کے لئے آ گیا تھا۔ وہ کئی ہفتوں کے بعد کسی سینما میں مووی دیکھنے کے لئے آیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کم از کم اس رات وہ ایک اچھی تفریح میں

کچھ وقت گزار سکے گا مگر مووی شروع ہونے کے دس منٹ بعد اسے وہاں بیٹھے بیٹھے اچانک شدید قسم کی گھبراہٹ ہونے لگی۔ سامنے اسکرین پر نظر آنے والے کردار اسے کٹھ پتلیاں نظر آنے لگے جن کی حرکات اور آوازوں کو وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر بہت آہستگی کے ساتھ اٹھ کر باہر آ گیا۔ وہ پارکنگ میں بہت دیر تک دانش کی گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا رہا، پھر ایک ٹیکسی لے کر اپنے اپارٹمنٹ پر واپس آ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پروفیسر روبنسن اپنا لیکچر شروع کر چکے تھے۔ سالار نے اپنے سامنے پڑے پیپر پر تاریخ اور ٹاپک لکھا۔ وہ اکنامک Recession کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ سالار ہمیشہ کی طرح ان پر نظریں جمائے ہوئے تھا مگر اس کا ذہن غیر حاضر تھا اور یہ اس کے ساتھ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے کہیں اور پہنچ گیا تھا۔ کہاں، وہ یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ ایک امیج سے دوسرے امیج، دوسرے سے تیسرے۔۔۔۔۔ ایک سین سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے۔۔۔۔۔ ایک آواز سے دوسری، دوسری سے تیسری۔۔۔۔۔ اس کا سفر کہاں سے شروع ہوا، کہاں نہیں۔

"سالار، چلنا نہیں ہے؟" سینڈرا نے اس کا کندھا ہلایا۔

وہ چونک گیا، کلاس خالی تھی، صرف سینڈرا اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بے یقینی سے خالی کلاس کو اور پھر وال کلاک کو دیکھا پھر اپنی رسٹ واچ کو۔

"پروفیسر روبنسن کہاں گئے؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"کلاس ختم ہو گئی، وہ چلے گئے۔" سینڈرا نے کچھ حیران ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

"کلاس ختم ہو گئی؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا۔

"ہاں!" سالار نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو مسلا اور پھر اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ واحد چیز جو اسے پروفیسر روبنسن کے لیکچر کے بارے میں یاد تھی، وہ صرف ٹاپک تھا۔ اس کے بعد وہ نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔

"تم کچھ اپ سیٹ ہو؟" سینڈرا نے پوچھا۔

"نہیں، کچھ نہیں، میں کچھ دیر کے لئے یہاں اکیلا بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"اوکے۔" سینڈرا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی چیزیں اٹھا کر باہر چلی گئی۔

وہ اپنے سینے پر بازو باندھے سامنے نظر آنے والے رائیٹنگ بورڈ کو دیکھنے لگا۔ آج یہ تیسری کلاس تھی جس میں اس کے ساتھ یہ ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا یونیورسٹی دوبارہ جوائن کرنے کے بعد سب کچھ معمول پر آجائے گا، وہ ڈیپریشن کے اس فیز سے باہر آجائے گا جس کا وہ تب تک شکار تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ یونیورسٹی میں بھی مکمل طور پر اس ذہنی انتشار کا شکا تھا جس میں وہ اتنے دنوں سے تھا پہلی بار اس کا دل پڑھائی سے بھی اچاٹ ہو رہا تھا۔ وہاں ہر چیز اسے مصنوعی لگ رہی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار صحیح معنوں میں ڈیپریشن کا شکار ہوا تھا۔ اسٹڈیز، یونیورسٹی، فرینڈز، کلب، پارٹیز، ریسٹورنٹس، سیر و تفریح ہر چیز اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے دوستوں سے ملنا یک دم چھوڑ دیا۔ answer phone پر اکثر اس کا پیغام ہوا کرتا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ وہ فرینڈز کے اصرار پر ان کے ساتھ کہیں جانے کا پروگرام بنا لیتا تھا اور پھر ایک دم جانے سے انکار کر دیتا۔ چلا بھی جاتا تو کسی وقت بھی بغیر بتائے اٹھ کر واپس آجاتا۔ وہ یونیورسٹی میں بھی یہی کر رہا تھا۔ ایک دن جاتا، دو دن غائب رہتا۔ ایک پیریڈ لیتا، اگلے دو پیریڈ چھوڑ دیتا۔

اپنے اپارٹمنٹ میں کبھی کبھار وہ سارا دن بیڈ پر لیٹے ہوئے گزار دیتا، بعض دفعہ وہ فلم دیکھنا شروع کرتا اور ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد بھی اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ ٹی وی چینلز گھماتے ہوئے وہ اسی کیفیت کا شکار رہتا۔ اس کی بھوک ختم ہو گئی تھی۔ وہ کوئی چیز

کھاناشروع کرتااور پھریک دم اس کادل ڈوب جاتا۔ وہ اسی طرح اسے چھوڑ دیتا۔ بعض دفعہ وہ پوراپورادن کچھ بھی نہیں کھاتا تھا۔ صرف یکے بعد دیگرے کافی کے کپ اپنے اندر انڈیلتا رہتا۔

وہ چین سموکر نہیں تھا مگران دنوں بن گیا تھا۔ وہ اپنی چیزیں بہت قرینے سے رکھنے کا عادی تھا مگران دنوں اس کا اپارٹمنٹ گندگی کی مثال تھا اور اسے ان بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھ کر کوئی الجھن نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے بھی گفتگو بہت مختصر کر دی تھی۔ وہ فون پر بولتے رہتے، وہ دوسری طرف کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے سنتا رہتا یا ہوں ہاں میں جواب دے دیتا۔ اس کے پاس انہیں بتانے کے لئے، ان کے ساتھ شئیر کرنے کے لئے یک دم سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور اسے ان میں سے ایک بات کی بھی وجہ معلوم نہیں تھی۔

اور اسے یہ بات بھی معلوم تھی کہ اس کی ان تمام کیفیات اور حالت کا تعلق امامہ ہاشم سے ہے۔ نہ وہ اس کی زندگی میں آتی نہ اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا۔ پہلے وہ اسے ناپسند کرتا تھا اب اسے امامہ سے نفرت ہونے لگی تھی۔ پچھتاوے کا جو ہلکا سا احساس کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہا تھا وہ غائب ہو گیا تھا۔

"اس کے ساتھ جو ہوا، ٹھیک ہوا۔ میں نے اس کے ساتھ جو کیا، ٹھیک کیا۔ اس کے ساتھ اس سے زیادہ برا ہونا چاہئیے تھا۔"

وہ خود بخود ہی اپنے آپ سے کہتا رہتا۔ اسے امامہ ہاشم کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ، ہر حرف، ہر جملے سے نفرت تھی۔ اسے اس کی باتیں یاد آتیں اور اس کی نیند غائب ہو جاتی۔ ایک عجیب سی وحشت اسے گھیر لیتی۔ اس نے اس رات جن باتوں کا مذاق اڑایا تھا، وہ اب ہر وقت اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔

"کیا میں پاگل ہو رہا ہوں، کیا میں اپنے ہوش و حواس آہستہ آہستہ کھوتا جا رہا ہوں، کیا میں شیزوفرینیا کا شکار ہوں۔" بعض دفعہ اسے بیٹھے بٹھائے خوف محسوس ہونے لگتا۔

ہر چیز کی بے معنویت بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر چیز کی بے مقصدیت اور عیاں ہو رہی تھی۔ وہ کہاں تھا، کیا تھا، کیوں تھا، کہاں کھڑا تھا، کیوں کھڑا تھا؟ اسے ہر وقت یہ سوالات تنگ کرنے لگے۔ کیا ہو گا اگر میں Yale سے ایک ایم بی اے کی ڈگری لے لوں گا۔ بہت اچھی جاب مل جائے گی، کوئی فیکٹری شروع کو لوں گا پھر۔۔۔۔ کیا یہ وہ کام تھا جس کے لئے مجھے زمین پر اتارا گیا۔۔۔۔ 150+ آئی کیو لیول کے ساتھ۔۔۔۔ کہ میں چند اور ڈگریاں لوں، شاندار سا بزنس کروں، شادی کروں، بچے پیدا کروں، عیش کروں پھر مر جاؤں، بس۔۔۔۔

اس نے زندگی میں چار دفعہ صرف اپنے تجسس کے لئے موت کے تجربے سے گزرنے کی کوشش کی تھی مگر اب شدید ڈپریشن کے عالم میں بھی وہ خودکشی کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ چوبیس گھنٹے موت کے بارے میں سوچنے کے باوجود بھی وہ اسے چھونا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اگر اس سے کوئی یہ پوچھ لیتا کہ کیا وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو وہ ہاں میں جواب دینے میں بھی تامل کرتا۔ وہ زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ زندگی کے مفہوم کو نہیں جانتا تھا۔

وہ مرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ موت کے مفہوم سے بھی واقف نہیں تھا۔

وہ کسی خلا میں معلق تھا، کسی درمیان والی جگہ میں، کسی بیچ والی کیفیت میں۔ زندہ رہتے ہوئے مردہ، مردہ ہوتے ہوئے زندہ۔۔۔۔ وہ سرشاری کی انتہا پر پہنچ رہا تھا لمحہ بہ لمحہ۔ 150+ آئی کیو لیول رکھنے والا وہ شخص جو اپنے سامنے کہی اور سنی جانے والی کوئی بھی چیز نہیں بھلا سکتا تھا۔ سگریٹ کا دھواں اڑاتے، بیئر کے گھونٹ لیتے، نائٹ کلب میں رقص کرتے، مہنگے ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے، اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ رات گزارتے، وہ صرف ایک بات سوچتا رہتا۔

"کیا زندگی کا مقصد یہی ہے؟"

"عیش اور آسائش۔۔۔۔؟ شاندار لباس، بہترین خوراک، اعلیٰ ترین سہولتیں۔ ساٹھ ستر سال کی ایک زندگی اور پھر؟"

اس کے بعد اس پھر کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ مگر اس "پھر" کی وجہ سے اس کی زندگی کے معمولات بگڑ گئے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ بے خوابی کا شکار ہو رہا تھا اور یہ ان ہی دنوں تھا کہ اس نے اچانک مذہب میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ڈپریشن سے نجات کے لئے وہ بہت سے لوگوں کو یہی کام کرتے دیکھتا تھا۔ اس نے بھی یہی کام شروع کر دیا۔ اس نے اسلام کے بارے میں کچھ کتابیں پڑھنے کی کوشش کی۔ تمام کتابیں اس کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ کوئی لفظ، کوئی بات اسے اپنی طرف نہیں کھینچ رہی تھی۔ وہ خود پر جبر کر کے چند صفحات پڑھتا اور ان کتابوں کو رکھ دیتا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد پھر اٹھاتا پھر رکھ دیتا۔

"نہیں، شاید مجھے عملی طور پر عبادت شروع کرنی چاہئیے۔ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجھے کچھ فائدہ ہو۔"

وہ اپنے آپ کو خود ہی سمجھاتا اور ایک دن جب وہ سعد کے پاس تھا تو اس نے یہی کیا۔

"میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" اس نے سعد کو باہر نکلتے دیکھ کر کہا۔

"مگر میں تو عشاء کی نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔" سعد نے اسے یاد دہانی کروائی۔

"میں جانتا ہوں۔" اس نے اپنے جاگرز کے تسمے کستے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ مسجد چلو گے؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"نماز پڑھنے کے لئے؟"

"ہاں!" سالار نے کہا۔ "اس طرح دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، میں کافر تو نہیں ہوں۔"

"کافر تو نہیں ہو مگر۔۔۔۔ چلو خیر، پڑھ لینا آج۔" سعد نے کچھ کہتے کہتے بات بدل دی۔

"میں تو تمہیں پہلے ہی کتنی بار ساتھ چلنے کے لئے کہہ چکا ہوں۔"

سالار نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے چلتے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گیا۔

"اب اگر آج مسجد جا ہی رہے ہو تو پھر جاتے رہنا۔ یہ نہ ہو کہ بس آج پہلا اور آخری وزٹ ہی ہو۔" سعد نے عمارت سے باہر نکلتے ہوئے اس سے کہا۔ باہر اس وقت برف باری ہو رہی تھی۔ مسجد، رہائش کی عمارت سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ ایک مصری خاندان کا گھر تھا جس کا نچلا حصہ مسجد کے طور پر ان لوگوں نے استعمال کے لئے دیا ہوا تھا جبکہ اوپر والے حصے میں وہ

لوگ خود رہتے تھے۔ بعض دفعہ وہاں نمازیوں کی تعداد دس پندرہ کے درمیان ہی رہتی تھی۔

سعد مسجد تک پہنچنے تک سالار کو ان تفصیلات سے آگار کرتا رہا۔ سالار خاموشی اور کچھ لاتعلقی کے عالم میں سڑک پر احتیاط سے پھسلتی گاڑیوں اور ہر طرف موجود برف کے ڈھیر پر نظریں دوڑاتا اس کے ساتھ چلتا رہا۔

پانچ سات منٹ چلتے رہنے کے بعد ایک موڑ مڑ کر سعد ایک گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ بند تھا مگر لاک نہیں تھا اور سعد نے دروازے پر دستک دی تھی نہ ہی کسی سے اجازت مانگی تھی۔ بڑے مانوس سے انداز میں اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ سالار نے اس کی پیروی کی۔

"تم وضو کر لو۔" سعد نے اچانک اسے مخاطب کیا اور پھر اسے ساتھ لے کر ایک دروازہ کھول کر ایک باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

سعد کی زیر نگرانی جب تک وہ وضو کے آخری حصے تک پہنچتا، ٹھنڈا پانی گرم میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اپنے بالوں کا مسح کرتے کرتے وہ ایک بار پھر ٹھٹکا۔ سعد سمجھا اسے صحیح طریقہ نہیں پتا،

اس نے ایک بار پھر اسے ہدایت دی۔ وہ خالی الذہنی کے عالم میں اپنے ہاتھوں کو ایک بار پھر حرکت دینے لگا۔

گدی تک ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا ہاتھ گردن میں موجود زنجیر سے ٹکرایا تھا۔ اس کی نظر بے اختیار سامنے آئینے میں گئی۔ وہ ایک بار پھر کہیں اور پہنچ چکا تھا۔ سعد نے اس سے کچھ کہا تھا۔ اس بار اس نے نہیں سنا۔

کمرے میں موجود دس افراد دو صفوں میں کھڑے ہو رہے تھے۔ وہ سعد کے ساتھ پچھلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ امام صاحب نے امامت شروع کر دی، سب کے ساتھ اس نے بھی نیت کی۔

"نماز سے واقعی سکون ملتا ہے؟" اس نے کوئی دو ہفتے پہلے ایک لڑکے کو نامز کے مسئلے پر سعد کے ساتھ بحث میں الجھا پایا تھا۔

"مجھے تو ملتا ہے۔" سعد نے کہا۔

"میں تمہاری بات نہیں کر رہا، میں سب کی بات کر رہا ہوں، سب کو ملتا ہے؟" اس لڑکے نے کہا تھا۔ "یہ منحصر ہے کہ سب کتنا انوالو ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔"

سالار بڑے اکتائے ہوئے انداز میں ان کی بحث کسی مداخلت یا تبصرے کے بغیر سنتا رہا تھا۔ اس وقت وہ لاشعوری طور پر نماز میں انہماک پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سکون؟ میں واقعی دیکھنا چاہتا ہوں کہ نماز سے سکون کیسے ملتا ہے۔" اس نے رکوع میں جاتے ہوئے اپنے دل میں سوچا پھر اس نے پہلا سجدہ کیا۔ اس کے اضطراب اور بے چینی میں یک بہ یک اضافہ ہو گیا۔ جن الفاظ کو وہ امام صاحب کی زبان سے سن رہا تھا، وہ بہت نامانوس لگ رہے تھے، جو لوگ اس کے ارد گرد کھڑے تھے وہ اسے ناآشنا لگ رہے تھے، جس ماحول میں وہ موجود تھا وہ اسے غیر فطری لگ رہا تھا اور جو کچھ وہ کر رہا تھا وہ اسے منافقت محسوس ہو رہی تھی۔

ہر سجدے کے ساتھ اس کے دل و دماغ کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے پہلی چار رکعتیں بمشکل ختم کیں۔ سلام پھیرنے کے دوران اس نے اپنے دائیں جانب والے ادھیڑ عمر شخص کے گالوں پر آنسو دیکھے، اس کا دل وہاں سے بھاگ جانے کو چاہا۔ وہ جی کڑا کر کے ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک بار پھر نماز میں پوری طرح منہمک ہونے کی کوشش کی۔

"اس بار میں پڑھی جانے والی آیات کے ہر لفظ پر غور کروں گا۔ شاید اس طرح۔۔۔۔" اس کی سوچ کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ نیت کی جا رہی تھی۔ اس کا دل مزید اچاٹ ہو گیا۔ سر کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے آیات کے مفہوم پر غور کرنے کی کوشش کی۔

"الحمدللہ رب العالمین۔"سورۃ فاتحہ کی تلاوت شروع ہوئی۔

"الرحمٰن الرحیم۔"اس نے توجہ مرکوز رکھنے کی پوری کوشش کی۔

"مالک یوم الدین۔"توجہ بھٹکی۔

"ایاک نعبد وایاک نستعین۔"اسے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ آتا تھا۔اس نے چند دن پہلے ہی پڑھا تھا۔

"اھدنا الصراط المستقیم۔"(سیدھا راستہ)اس نے ذہن میں دہرایا۔

"الصراط المستقیم۔۔۔۔۔سیدھا راستہ؟"اس کا دل چاہا وہاں سے بھاگ جائے۔اس نے وہاں نماز جاری رکھنے کی ایک آخری کوشش کی۔

"صراط الذین انعمت۔"اس کا ذہن ایک بار پھر پیچھے گیا۔

"علیہم غیر المغضوب علیہم والضالین۔"اس نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ کھولے،وہ آخری صف میں کھڑا تھا،بہت آہستگی سے چند قدم پیچھے گیا اور صف سے نکل گیا۔

"یہ کام میں نہیں کر سکتا،میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔"اس نے جیسے اعتراف کیا۔بہت خاموشی کے ساتھ وہ پیچھے ہوتا گیا۔باقی لوگ اب رکوع میں جارہے تھے،وہ مڑ کر دبے قدموں مگر تیز رفتاری سے باہر نکل گیا۔

مسجد سے نکلتے ہوئے اس کے جاگرز اس کے ہاتھ میں تھے۔غائب دماغی کے عالم میں وہ باہر سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔اس کے بعد وہ سیڑھیاں اتر گیا۔ پاؤں میں جرابیں اور ہاتھ میں جاگرز پکڑے وہ خالی الذہنی کے عالم میں عمارت کی عقبی دیوار کی طرف آگیا۔وہاں بھی ایک دروازہ اور کچھ سیڑھیاں نظر آرہی تھیں مگر وہ سیڑھیاں برف سے اٹی ہوئی تھیں۔دروازے پر موجود لائٹ بھی روشن نہیں تھی۔اس نے جھک کر سب سے اوپر والی سیڑھی کو اپنے جاگرز کے ساتھ صاف کیا اور برف صاف کرنے کے بعد وہاں بیٹھ گیا۔کچھ دیر پہلے ہونے والی برف باری اب ختم ہو چکی تھی۔اس نے سیڑھی پر بیٹھ کر اپنے جاگرز پہن لئے۔تسمے کسنے کے بعد وہ ایک بار پھر سیدھا ہو کر دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔اس کے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں تھے۔جیکٹ سے ساتھ لگے ہوئے hoed کو وہ سر پر چڑھا چکا تھا۔سامنے سڑک پر اِکادُکا گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی۔

وہ سیڑھیوں پر اپنی ٹانگیں پھیلائے اپنی پشت دروازے سے ٹکائے ان اِکادُکا گاڑیوں اور فٹ پاتھ پر چلنے والے لوگوں کو دیکھنے لگا۔وہاں اس سرد اور کہر آلود رات میں کھلے آسمان کے نیچے

بیٹھے ہوئے وہ کچھ دیر پہلے مسجد کے گرم کمرے میں زیادہ سکون محسوس کر رہا تھا یا کم از کم بہتر ضرور محسوس کر رہا تھا۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر لائیٹر نکال لیا اور اسے جلا کر اپنے پیروں کے قریب سیڑھیوں پر پڑی برف کو پگھلانے لگا، کچھ دیر تک وہ اسی سر گرمی میں مشغول رہا پھر جیسے اس نے اکتا کر لائیٹر دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ جس وقت وہ سیدھا ہوا اس نے اپنے بالکل سامنے ایک عورت کو کھڑا پایا۔ وہ یقیناً اس وقت وہاں آ کر کھڑی ہوئی تھی جس وقت وہ سیڑھیوں پر جھکا اپنے دونوں پاؤں کے درمیان موجود برف کو لائیٹر سے پگھلا رہا تھا۔ وہ نیم تاریکی میں بھی اس کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ منی اسکرٹ اور ایک مختصر بلاؤز میں ملبوس تھی۔ اس نے فر کوٹ پہنا ہوا تھا مگر وہ فر کوٹ آگے سے دانستہ طور پر کھلا چھوڑا گیا تھا۔

وہ فر کوٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے سالار کے بالکل سامنے بڑے سٹائل سے کھڑی تھی۔ سالار نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے دیکھا۔ اس کی لمبی ٹانگیں اس سردی میں بھی برہنہ تھیں۔ اس کے عقب میں موجود دو کانوں کی روشنیوں کے بیک گراؤنڈ میں اس کی ٹانگیں یک دم بہت نمایاں ہو رہی تھیں اور اس کی ٹانگیں بہت خوبصورت تھیں۔ کچھ دیر تک وہ ان سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ اس عورت کے پیروں میں بوٹ نما ہائی ہیل کے جوتے

تھے۔ سالار حیران تھا وہ برف کے اس ڈھیر پر ان جوتوں کے ساتھ کس طرح چلتی ہو گی۔ "I charge 50 for one hour"

اس عورت نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔ سالار نے اس کی ٹانگوں سے نظریں ہٹا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر اس کی ٹانگوں پر گئیں۔ کئی سالوں میں پہلی بار اسے کسی پر ترس آیا۔ کیا مجبوری تھی کہ وہ اس برف باری میں بھی اس طرح برہنہ پھرنے پر مجبور تھی، جبکہ وہ اس موٹی جینز میں بھی سردی کو اپنی ہڈیوں میں گھستے محسوس کر رہا تھا۔ "Ok 40 dollars"۔

اس خاموش دیکھ کر اس عورت کو اندیشہ ہوا کہ شاید وہ قیمت اس کے لئے قابل قبول نہیں تھی، اس لئے اس نے فوراً اس میں کمی کر دی۔ سالار جانتا تھا چالیس ڈالرز بھی زیادہ تھے۔ وہ سڑک پر بیس ڈالرز میں بھی ایک گھنٹہ کے لئے کسی لڑکی کو حاصل کر سکتا تھا وہ پینتیس چالیس سال کی تھی اور بات کرتے ہوئے محتاط نظروں سے سڑک پر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ سالار جانتا تھا یہ احتیاط کسی پولیس کار یا پولیس والے کے لئے تھی۔

"Ok 30.... No more bargaining"۔

"Take it or leave it"

سالار کی خاموشی نے اس کی قیمت کو کچھ اور کم کیا۔ سالار نے اس بار کچھ بھی کہے بغیر اپنی جیکٹ کی اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہاں موجود چند کرنسی نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ اس کے پاس اس وقت والٹ نہیں تھا۔ اس عورت نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر ان نوٹوں کو اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ وہ پہلا گاہک تھا، جو اسے ایڈوانس پے منٹ کر رہا تھا اور وہ بھی پچاس ڈالرز، جبکہ وہ اپنی قیمت کم کر چکی تھی۔

"تم میرے ساتھ چلو گے، یا میں تمہارے ساتھ۔" وہ اب بڑی بے تکلفی سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا، نہ تم میرے ساتھ۔ بس تم یہاں سے جاؤ۔" سالار نے ایک بار پھر سڑک کے دوسری طرف موجود دکانوں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

وہ عورت بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

"واقعی؟"

"ہاں۔" سالار نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم نے یہ کیوں دیئے ہیں؟" اس عورت نے اپنے ہاتھ میں پکڑے نوٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

"تاکہ تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، میں سڑک کے اس پار دکانیں دیکھنا چاہتا ہوں اور تم اس میں رکاوٹ بن گئی ہو۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔

عورت بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسی۔ "تم اچھا مذاق کر لیتے ہو، کیا میں واقعی چلی جاؤں؟'

"ہاں۔"

وہ عورت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ "اوکے، تھینک یو ہنی۔" سالار نے اسے مڑ کر سڑک پار کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ لاشعوری طور پر اسے جاتا دیکھتا رہا۔ وہ سڑک پار کر کے ایک دوسرے کونے کی طرف جا رہی تھی، وہاں ایک اور آدمی کھڑا تھا۔

سالار نے دوبارہ نظریں ان دوکانوں پر جما لیں، برف باری ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔ وہ پھر بھی اطمینان سے وہیں بیٹھا رہا۔ برف اب اس کے اوپر بھی گر رہی تھی۔

وہ رات کے ڈھائی بجے تک وہیں بیٹھا رہا جب سڑک کے پار دوکانوں کے اندر کی لائیٹس اس نے یک بعد دیگرے بند ہوتے دیکھیں تو وہ اپنی جیکٹ اور جینز سے برف جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر وقفے وقفے سے وہ اپنی ٹانگیں ہلا نہ رہا ہوتا تو اس وقت تک وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے باوجود کھڑا ہو کر قدم اٹھانے میں اسے کچھ دقت ہوئی۔ چند منٹ وہیں کھڑا اپنے پیروں کو جھٹکتا رہا اور پھر اسی طرح جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ

ڈال کر واپس اپارٹمنٹ کی طرف جانے لگا۔ وہ جانتا تھا سعد نے اسے مسجد سے نکل کر بہت ڈھونڈا ہو گا اور اس کے بعد وہ واپس چلا گیا ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کہاں چلے گئے تھے تم؟" سعد اسے دیکھتے ہی چلایا۔ وہ کچھ کہے بغیر اندر چلا آیا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" سعد دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آگیا۔ سالار اپنی جیکٹ اتار رہا تھا۔

"کہیں نہیں گیا تھا۔" اس نے جیکٹ لٹکاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے کہ میں نے تمہیں کتنا تلاش کیا ہے، کہاں کہاں فون کئے ہیں اور اب تو میں اتنا پریشان ہو چکا تھا کہ پولیس کو فون کرنے والا تھا۔۔۔۔ تم آخر اس طرح نماز چھوڑ کر گئے کہاں تھے؟"

سالار کچھ کہے بغیر اپنے جاگرز اتارنے لگا۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے، کہیں نہیں۔"

"تو پھر اب تک کہاں تھے؟" سعد اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"وہیں تھا، مسجد کے پچھلے حصے میں فٹ پاتھ پر۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"واٹ! اتنے گھنٹے تم وہاں فٹ پاتھ پر برف میں بیٹھے رہے ہو۔" سعد دم بخود رہ گیا۔

"ہاں"!

"کوئی تک بنتی ہے اس حرکت کی۔" وہ جھلایا۔

"نہیں، کوئی تک نہیں بنتی۔" سالار نے اسی طرح سیدھا بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"کچھ کھایا ہے؟"

"نہیں۔"

"تو کھانا کھالو۔"

"نہیں، بھوک نہیں ہے۔" وہ اب چھت پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ سعد اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟ بتا سکتے ہو مجھے۔" سالار نے گردن کو ہلکی سی حرکت سے کر اسے دیکھا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" بے تاثر لہجے میں کہا گیا۔ "میں سمجھا، تم اپنے اپارٹمنٹ چلے گئے ہو، مگر وہاں بار بار رنگ کرنے پر بھی تم نہ ملے۔" سعد بڑبڑا رہا تھا۔ سالار کی نظریں چھت پر ہی تھیں۔

"اس سے بہتر تھا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نماز پڑھنے لے کر ہی نہ جاتا۔ آئندہ میرے ساتھ مت جانا تم۔" سعد نے ناراضی سے کہا۔ وہ اب اس کے بیڈ سے اٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے کام نبٹاتا رہا پھر وہ نائٹ بلب آن کر کے اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس نے ابھی آنکھیں بند کی تھیں، جب اس نے سالار کی آواز سنی۔

"سعد"!

"ہاں!" اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"یہ "صراطِ مستقیم" کیا ہوتا ہے؟"

سادہ لہجے میں پوچھے گئے سوال نے سعد کو حیران کر دیا۔ اس نے گردن موڑ کر بائیں جانب بیڈ پر سیدھا لیٹے ہوئے سالار کو دیکھا۔

"صراطِ مستقیم۔۔۔۔۔ سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔"

"جانتا ہوں مگر سیدھا راستہ کیا ہوتا ہے؟" اگلا سوال آیا۔

سعد نے اس کی طرف کروٹ لے لی۔ "سیدھا راستہ۔۔۔۔۔ مطلب نیکی کا راستہ۔۔۔۔"

"نیکی کیا ہوتی ہے؟" لہجہ ابھی بھی بے تاثر تھا۔

"اچھے کام کو نیکی کہتے ہیں۔"

"اچھا کام۔۔۔۔۔ کوئی ایسا کام جو کسی دوسرے کے لئے کیا گیا ہو۔ کسی کی مدد کی گئی ہو، کسی پر مہربانی کی گئی ہو، وہ اچھا کام ہوتا ہے اور ہر اچھا کام نیکی ہوتی ہے۔"

"ابھی کچھ گھنٹے پہلے میں نے فٹ پاتھ پر ایک hooker کو پچاس ڈالر دیئے، جبکہ وہ صرف تیس ڈالر مانگ رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے یہ نیکی ہوئی؟"

سعد کا دل چاہا وہ ایک گھونسا اس کے منہ پر کھینچ مارے، وہ عجیب آدمی تھا۔

"بکواس بند کرو اور سو جاؤ، مجھے بھی سونے دو۔" اس نے کمبل لپیٹ لیا۔

سالار کو حیرت ہوئی، وہ کس بات پر حیران ہوا تھا۔ "تو یہ نیکی نہیں ہوئی؟"

"میں نے تم سے کہا ہے، اپنا منہ بند کرو اور سو جاؤ۔" سعد ایک بار پھر دھاڑا۔

"اتنا ناراض ہونے کی ضرورت تو نہیں ہے، میں نے تم سے ایک بہت معمولی سا سوال کیا ہے۔" سالار نے بڑے تحمل سے کہا۔

سعد یک دم کچھ مشتعل ہوتے ہوئے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔اس نے لیمپ آن کر دیا۔

"تمہارے جیسے آدمی کو میں کیا صراطِ مستقیم سمجھاؤں۔کیا تم پاگل ہو یا جاہل ہو۔۔۔۔یا غیر مسلم ہو۔۔۔۔کیا ہو۔۔۔۔کچھ بھی نہیں ہو تمہیں خود پتا ہونا چاہیئے کہ صراطِ مستقیم کیا ہوتا ہے مگر تم جیسا آدمی جو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے نماز درمیان میں چھوڑ کر چلا آتا ہے،وہ کیسے جان سکتا ہے یہ۔"

"میں نماز اس لئے چھوڑ کر چلا آیا کیونکہ تم کہتے ہو اس میں سکون ملے گا،مجھے سکون نہیں ملا،میں چھوڑ آیا۔"اس کے پر سکون انداز میں کہے ہوئے جملے نے سعد کو مزید مشتعل کر دیا۔

"تمہیں نماز میں اس لئے سکون نہیں ملا،کیونکہ مسجد تمہاری جگہ نہیں ہے،تمہارے لئے سکون کی جگہیں سینما،تھیٹر،بار اور کلب ہیں۔مسجد تمہارے لئے نہیں ہے۔تمہیں نماز میں سکون کہاں سے مل جاتا۔۔۔۔اور تم چاہتے ہو میں تمہیں بتاؤں صراطِ مستقیم کیا ہوتا ہے۔"

وہ بیڈ پر سیدھا لیٹا پلکیں جھپکائے بغیر سعد کو دیکھتا رہا۔

"تمہارے جیسا شخص جو نماز سے بھاگ جاتا ہے،شراب پیتا ہے اور زنا کرتا ہے۔وہ صراطِ مستقیم کے مطلب کو سمجھ سکتا ہے نہ اس پر آ سکتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے جو شراب پیتے ہیں اور زنا کرتے ہیں مگر نماز سے بھاگتے نہیں،نماز بھی پڑھ لیتے ہیں،وہ صراطِ مستقیم کا مطلب سمجھتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔"

سعد کچھ بول نہیں سکا۔مدھم آواز اور بے تاثر لہجے میں کئے گئے ایک ہی سوال نے اسے خاموش کر دیا تھا۔سالار اب بھی اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے سالار!"اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔سالار کے کانوں میں ایک جھماکے کے ساتھ ایک دوسری آواز گونج اٹھی تھی۔

"ہاں،میں واقعی نہیں سمجھ سکتا۔لائٹ آف کر دو،مجھے نیند آ رہی ہے۔"اس نے مزید کچھ کہے بغیر آنکھیں بند کر لیں۔



مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم اپنے اپارٹمنٹ پر ہی ہو گے،صرف تم نے جان بوجھ کر answer phone لگا دیا ہو گا۔"

سعد اگلے دن دس بجے سالار کے اپارٹمنٹ پر موجود تھا۔سالار نے نیند میں اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"تم اس طرح بغیر بتائے بھاگ کیوں آئے میرے اپارٹمنٹ سے۔" سعد نے اندر آتے ہوئے جھاڑا۔

"بھاگا تو نہیں، تم سو رہے تھے، میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" سالار نے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا۔

"کس وقت آئے تھے تم؟"

"شاید چار پانچ بجے۔"

"یہ جانے کا کون سا وقت تھا؟" سعد نے تنک کر کہا۔

"اور تم اس طرح آئے کیوں؟" سالار کچھ کہنے کے بجائے لونگ روم کے صوفہ پر جا کر اوندھے منہ لیٹ گیا۔

"شاید میری باتوں سے تم ناراض ہو گئے تھے، میں اسی لئے ایکسکیوز کرنے آیا ہوں۔" سعد نے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کون سی باتوں سے؟" سالار نے گردن کو ہلکا سا ترچھا کرتے ہوئے اسی طرح لیٹے سعد سے پوچھا۔

"وہی سب کچھ جو میں نے کچھ غصے میں آ کر رات کو تم سے کہہ دیا۔" سعد نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"نہیں، میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو ناراض نہیں ہو سکتا۔ تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس پر تمہیں ایکسکیوز کرنے کے لئے یہاں آنا پڑتا۔" سالار نے اسی کے انداز میں کہا۔

"پھر تم اس طرح اچانک میرے اپارٹمنٹ سے کیوں آ گئے؟" سعد بضد ہوا۔

"بس میرا دل گھبرایا اور میں یہاں آ گیا اور چونکہ سونا چاہتا تھا اس لئے answer phone لگا دیا۔"

سالار نے پر سکون انداز میں کہا۔ "پھر بھی میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ مجھے تم سے اس طرح سے بات نہیں کرنی چاہئیے تھی۔ میں صبح سے بہت پچھتا رہا ہوں۔"

"جانے دو اسے۔" اس نے اسی طرح چہرہ صوفے پر چھپائے کہا۔

"سالار! تمہارے ساتھ آج کل کیا پرابلم ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"نہیں، کچھ نہ کچھ تو ہے۔ کچھ عجیب سے ہوتے جا رہے ہو تم۔"

اس بار سالار ایک دم کروٹ بدلتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔ چت لیٹے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"مثلاً کون سی بات عجیب سی ہوتی جا رہی ہے مجھ میں۔"

"بہت ساری ہیں، تم بہت چپ چپ رہنے لگے ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھنے لگے ہو۔ عباد مجھے بتا رہا تھا کہ یونیورسٹی جانا بھی چھوڑا ہوا ہے تم نے اور سب سے بڑی بات کہ مذہب میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس کے آخری جملے سے سالار کے ماتھے پر تیوریاں آ گئیں۔

"مذہب میں دلچسپی؟ یہ تمہیں غلط فہمی ہے۔ میں مذہب میں دلچسپی لینے کی کوشش نہیں کر رہا، میں صرف سکون حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ میں بہت ڈپریس ہوں۔ مجھے زندگی میں کبھی اس طرح کا۔۔۔۔ اور اس حد تک ڈپریشن نہیں ہوا جس کا شکار میں آج کل ہوں اور میں صرف اس ڈپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لئے رات نماز پڑھنے کے لئے گیا تھا۔" اس نے بہت ترشی سے کہا۔

"ڈپریشن کیوں ہے تمہیں؟" سعد نے پوچھا۔

"اگر یہ مجھے پتا ہوتا تو مجھے یقیناً ڈپریشن نہ ہوتا۔ میں اب تک اس کا کچھ نہ کچھ کر چکا ہوتا۔"

"پھر بھی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی، یوں بیٹھے بٹھائے ڈپریشن تو نہیں ہو جاتا۔" سعد نے تبصرہ کیا۔

سالار جانتا تھا، وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، مگر اسے وجہ بتا کر خود پر ہنسنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کسی دوسرے کے بارے میں تو مجھے پتا نہیں، مگر مجھے تو بیٹھے بٹھائے ہی ہو جاتا ہے۔" سالار نے کہا۔

"تم کوئی اینٹی ڈیپریسنٹ لے لیتے۔" سعد نے کہا۔

"میں ان کا ڈھیر کھا چکا ہوں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔"

"تو تم کسی سائیکاٹرسٹ سے مل لیتے۔"

"میں یہ کام تو کبھی نہیں کروں گا، میں تنگ آ چکا ہوں ان لوگوں سے ملتے ملتے۔ کم از کم اب تو میں نہیں ملوں گا۔" سالار نے بے اختیار کہا۔

"پہلے کس سلسلے میں ملتے رہے ہو تم؟" سعد نے کچھ چونک کر تجسس کے عالم میں پوچھا۔

بہت سی باتیں تھیں، تم انہیں رہنے دو۔" وہ اب چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔

"توپھر تم ایسا کیا کرو کہ عبادت کیا کرو، نماز پڑھا کرو۔"

"میں نے کوشش کی تھی مگر میں نماز نہیں پڑھ سکتا نہ تو مجھے وہاں کوئی سکون ملا نہ ہی میں یہ جانتا تھا کہ میں جو پڑھ رہا ہوں وہ کیا ہے، کیوں پڑھ رہا ہوں۔"

"تو تم یہ جاننے کی کوشش کرو کہ۔۔۔۔۔"

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب پھر رات والی بحث شروع ہو جائے گی، صراطِ مستقیم والی اور پھر تمہیں غصہ آئے گا۔"

"نہیں، مجھے غصہ نہیں آئے گا۔" سعد نے کہا۔

"جب مجھے یہ ہی نہیں پتا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے تو پھر میں نماز کیسے پڑھ سکتا ہوں۔"

"تم نماز پڑھنا شروع کرو گے تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔"

"کیسے؟"

"تم خود ہی غلط کاموں سے بچنے لگو گے، اچھے کام کرنے لگو گے۔" سعد نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"مگر میں کوئی غلط کام نہیں کرتا اور نہ ہی مجھے اچھے کام کرنے کی خواہش ہے۔ میری زندگی نارمل ہے۔"

"تمہیں یہ احساس ہو بھی نہیں سکتا کہ تمہارا کون سا کام صحیح ہے اور کون سا غلط۔ جب تک کہ۔۔۔۔۔" سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔

"صحیح اور غلط کام میرا مسئلہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ ابھی تو مجھے بس بے سکونی رہتی ہے اور اس کا تعلق میرے کاموں سے نہیں ہے۔"

"تم وہ تمام کام کرتے ہو جو انسان کی زندگی کو بے سکون کر دیتے ہیں۔"

"مثلاً۔" سالار نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم پورک کھاتے ہو۔"

"کم آن۔" وہ بے اختیار بلبلایا۔ "پورک یہاں کہاں آگیا، تم مجھے ایک بات بتاؤ۔" سالار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تم تو بڑی باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہو، بڑی عبادت کرتے ہو، نماز نے تمہاری زندگی میں کون سی تبدیلیاں کر دیں؟"

"مجھے بے سکونی نہیں ہے۔"

"حالانکہ تمہارے فارمولے کے مطابق تمہیں بھی بے سکونی ہونی چاہئیے، کیونکہ تم بھی بہت سے غلط کام کرتے ہو۔" سالار نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"مثلاً۔۔۔۔ میں کیا غلط کام کرتا ہوں؟"

"تم جانتے ہو، میرے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں۔۔۔۔ میں نہیں جانتا، تم دہراؤ۔" سعد نے جیسے اسے چیلنج کیا۔

سالار اسے کچھ دیر دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "میں نہیں سمجھتا سعد کہ صرف عبادت کرنے سے زندگی میں کوئی بہت نمایاں تبدیلی لائی جاسکتی ہے، اچھے کاموں یا کردار کا تعلق عبادت کرنے یا نہ کرنے سے نہیں ہوتا۔"

سعد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اسی لئے تم سے کہتا ہوں کہ اپنے مذہب میں کچھ دلچسپی لو اور اسلام کے بارے میں کچھ علم حاصل کرو تاکہ اپنی اس غلط قسم کی فلاسفی اور سوچ کو بدل سکو۔"

"میری سوچ غلط نہیں ہے، میں نے مذہبی لوگوں سے زیادہ چھوٹا، منافق اور دھوکے باز کسی کو نہیں پایا۔ میں امید کرتا ہوں تم برا نہیں مانو گے، مگر میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ابھی تک مجھے

تین ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا جو بہت مسلمان بنتے ہیں اور اسلام کی بات کرتے ہیں اور تینوں (fake منافق) ہیں۔" وہ بڑی تلخی سے کہہ رہا تھا۔

"سب سے پہلے میں ایک لڑکی سے ملا، وہ بھی بڑی مذہبی بنتی تھی، پردہ کرتی تھی، بڑی پارسا اور پاک باز ہونے کا ڈرامہ کرتی تھی اور ساتھ میں ایک لڑکے کے ساتھ افئیر چلا رہی تھی، اپنے منگیتر کے ہوتے ہوئے اس کے لئے گھر سے بھاگ بھی گئی۔ اسے ضرورت پڑی تو اس نے ایک ایسے شخص کی بھی مدد لی جسے وہ برا سمجھتی تھی یعنی اسے اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھا، ان محترمہ پارسا خاتون نے۔" اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

"اس کے بعد میں ایک اور آدمی سے ملا جس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ بڑا پکا اور سچا قسم کا مسلمان تھا وہ بھی لیکن اس نے اس لڑکی کی مدد نہیں کی، جس نے اس سے بھیک مانگنے کی حد تک مدد مانگی تھی۔ اس نے اس لڑکی سے شادی نہیں کی جسے وہ محبت کے نام پر بے وقوف بناتا رہا اور ابھی کچھ عرصہ پہلے میں یہاں امریکہ میں اس سے ملا تو اس کی داڑھی بھی غائب ہو چکی تھی، شاید اس کے اسلام کے ساتھ۔"

وہ ہنسا۔ "اور تیسرے تم ہو۔۔۔۔ تم پورک نہیں کھاتے صرف یہ ایک حرام کام ہے جو تم نہیں کرتے، باقی سب تمہارے لئے جائز ہے۔ جھوٹ بولنا، شراب پینا، زنا کرنا، کلب میں

جانا۔۔۔۔غیبت کرنا، دوسروں کا مذاق اڑانا، حالانکہ ویسے تم بڑے نیک ہو، تم نے داڑھی رکھی ہوئی ہے، تم ہمارا دماغ کھا جاتے ہو اسلام کی باتیں کر کر کے۔ زبردستی نماز پڑھانے پر تلے رہتے ہو، ہر بات میں مذاہب کا حوالہ لے آتے ہو۔ یہ آیت اور وہ حدیث۔۔۔۔۔وہ آیت اور یہ حدیث۔۔۔۔۔اس کے علاوہ تمہاری زبان پر اور کچھ ہوتا ہی نہیں اور جب میں تمہارا عمل دیکھتا ہوں تو میں ذرہ بھر بھی تم سے متاثر نہیں ہوتا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے اسلام کے بارے میں تمہارا لیکچر سننا، میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ مجھ میں اور تم میں زیادہ فرق تو نہیں ہے۔ تم داڑھی رکھ کر اور اسلام کر کر کے وہ سارے کام کرتے ہو جو میں ڈارھی کے اور اسلام کی بات کئے بغیر کرتا ہوں۔ عبادت نے کیا انقلاب برپا کیا ہے تمہاری زندگی میں، سوائے اس کے کہ تمہیں ایک خوش فہمی ہو گئی ہے کہ تم توسیدھے جنت میں جاؤ گے اور ہم سارے دوزخ میں۔ تمہارے قول اور فعل میں اگر یہ تضاد نہ ہو تو میں کبھی تم سے یہ سب نہ کہتا مگر میں ریکویسٹ کرتا ہوں کہ تم دوسروں کو مذہب کی طرف راغب کرنے کی کوشش نہ کیا کرو، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ تم خود بھی مذہب کے صحیح مفہوم سے واقف نہیں ہو۔

اب میری ان ساری باتوں کو مائنڈ مت کرنا۔"

سالار اب ٹیبل پر پڑا ایک سگریٹ سلگا رہا تھا۔ سعد تقریباً گونگا ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے، مجھ سے کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں، مگر اللہ انسان کو معاف کر دیتا ہے اور میں نے کبھی یہ تو نہیں کہا کہ میں بہت ہی اچھا مسلمان ہوں اور میں ضرور جنت میں جاؤں گا لیکن میں اگر ایک اچھا کام کرتا ہوں اور دوسروں کو اس کی ہدایت کرتا ہوں تو یہ اللہ کی طرف سے مجھ پر فرض ہے۔"

سعد نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس سے کہا۔

"سعد! تم خواہ مخواہ دوسروں کی ذمہ داری اپنے سر پر مت لو۔ پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرو، پھر دوسروں کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرو تاکہ کوئی تمہیں منافق نہ کہہ سکے اور جہاں تک اللہ کے معاف کر دینے کا تعلق ہے تو اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ تمہاری غلطیوں کو معاف کر سکتا ہے تو پھر وہ ہمیں بھی معاف کر سکتا ہے۔ ہمارے گناہوں کے لئے تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے سے تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہو گا اور تم اپنے گناہوں سمیت اللہ کے قریب ہو جاؤ گے تو ایسا نہیں ہو گا۔ بہتر ہے تم اپنا ٹریک ریکارڈ ٹھیک کرو، صرف اپنے آپ کو دیکھو، دوسروں کو نیک بنانے کی کوشش نہ کرو، ہمیں برا ہی رہنے دو۔"

اس نے ترشی سے کہا۔ اس لمحے اس کے دل میں جو آیا اس نے سعد سے کہہ دیا۔ جب وہ خاموش ہوا تو سعد اٹھ کر چلا گیا۔

اس دن کے بعد اس نے دوبارہ کبھی سالار کے سامنے اسلام کی بات نہیں کی۔



وہ اس ویک اینڈ پر بہت دنوں کے بعد کسی ریسٹورنٹ گیا تھا۔ اپنا آرڈر ویٹر کو نوٹ کروانے کے بعد وہ ریسٹورنٹ کے شیشوں سے باہر سڑک کو دیکھنے لگا۔ وہ جس میز پر بیٹھا تھا وہ کھڑکی کے قریب تھی اور قد آدام کھڑکیوں کے شیشوں کے پاس بیٹھ کر اسے یونہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ باہر فٹ پاتھ پر بیٹھا ہوا تھا۔

کسی لڑکی کی سسکیوں نے اس کی محویت کو توڑا تھا، اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا۔ اس سے پچھلی میز پر ایک لڑکا اور لڑکی بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی کسی بات پر روتے ہوئے سسکیاں لے رہی تھی اور ٹشو کے ساتھ اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ لڑکا اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے شاید اسے تسلی دے رہا تھا۔ ریسٹورنٹ اتنا چھوٹا اور ٹیبلز اتنی قریب قریب تھیں کہ وہ بڑی آسانی سے ان کی گفتگو سن سکتا تھا مگر وہ وہاں اس کام کے لئے نہیں آیا تھا، وہ سیدھا ہو گیا۔ ناگواری کی ایک لہر سی اس کے اندر سے اٹھی تھی۔ اسے اس طرح کے تماشے اچھے نہیں لگتے تھے۔ اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا، وہ وہاں سکون سے کچھ وقت گزارنے آیا تھا اور یہ سب

کچھ۔ اس کا دل اچاٹ ہونے لگا۔ وہ دونوں رشین تھے اور اسی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مگر غیر محسوس طور پر اس کی سماعتیں ابھی بھی ان ہی سسکیوں کی طرف مرکوز تھیں۔ اس نے کچھ دیر بعد مڑ کر ایک بار پھر اس لڑکی کو دیکھا۔ اس بار اس کے مڑنے پر لڑکی نے بھی انظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چند لمحوں کے لئے ان دونوں کی نظریں مل تھیں اور وہ چند لمحے اس پر بہت بھاری گزرے تھے۔ اس کی آنکھیں متورم اور سرخ ہو رہی تھیں۔ اسے یک دم ایک اور چہرہ یاد آیا۔ امامہ ہاشم کا چہرہ، اس کی متورم آنکھیں۔

ویٹر اس کا آرڈر لے کر آ چکا تھا اور وہ اسے سرو کرنے لگا۔ اس نے پانی کے چند گھونٹ پیتے ہوئے اپنے ذہن سے اس چہرے کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ اس نے چند گہرے سانس لئے۔ ویٹر نے اپنا کام کرتے کرتے اسے غور سے دیکھا مگر سالار کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

"آج موسم بہت اچھا ہے اور میں یہاں اچھے لمحے گزارنے آیا ہوں، ایک اچھا کھانا کھانے آیا ہوں، اس کے بعد میں یہاں سے ایک فلم دیکھنے جاؤں گا، مجھے اس لڑکی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیئے، کسی بھی طرح نہیں۔ وہ پاگل تھی، وہ بکواس کرتی تھی اور مجھے اس کے حوالے سے کسی قسم کا کوئی پچھتاوا نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے کیا پتا وہ کہاں گئی، کہاں مری، یہ سب اس

نے خود کیا تھا۔ میں نے صرف مذاق کیا تھا اس کے ساتھ۔ وہ مجھ سے رابطہ کرتی تو میں اسے طلاق دے دیتا۔"

لاشعوری طور پر خود کو سمجھاتے سمجھاتے ایک بار پھر اس کا پچھتاوا اس کے سامنے آنے لگا تھا۔ پیچھے بیٹی ہوئی لڑکی کی سسکیاں اب اس کے دماغ میں نیزے کی انی کی طرح چبھ رہی تھیں۔

"میں اپنی ٹیبل تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے بہت کھر درے انداز میں ویٹر کو مخاطب کیا۔ ویٹر حیران ہو گیا۔

"کس لئے سر؟"

"یا تو ان دونوں کی ٹیبل تبدیل کر دو یا میری۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ ویٹر نے ایک نظر اس جوڑے کو دیکھا پھر وہ سالار کا مسئلہ سمجھا یا نہیں مگر اس نے کونے میں لگی ہوئی ایک ٹیبل پر سالار کو بٹھا دیا۔ سالار کو چند لمحوں کے لئے وہاں آکر واقعی سکون ملا تھا۔ سسکیوں کی آواز اب وہاں نہیں آرہی تھی مگر اب اس لڑکی اک چہرہ بالکل اس کے سامنے تھا۔ چالوں کا پہلا چمچ منہ میں ڈالتے ہی اس کی نظر اس لڑکی پر دوبارہ پڑی۔

وہ ایک بار پھر بدمزہ ہو گیا اسے ہر چیز یک دم بے ذائقہ لگنے لگی۔ یہ یقیناً اس کی ذہنی کیفیت تھی، ورنہ وہاں کا کھانا بہت اچھا ہوتا تھا۔

"انسان نعمتوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ یہ میری زبان پر ذائقہ چکھنے کی حس ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ میں اگر کوئی چیز کھاتی ہوں تو اس میں اس کا ذائقہ محسوس کر سکتی ہوں۔ اچھا کھانا کھا کر خوشی محسوس کر سکتی ہوں۔ بہت سے لوگ اس نعمت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔"

اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی تھی اور یہ شاید انتہا ثابت ہوئی۔ وہ کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ اس نے پوری قوت سے چمچ اپنی پلیٹ میں پٹخا اور بلند آواز میں دھاڑا۔

"شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔" ریسٹورنٹ میں یک دم خاموشی چھا گئی۔

"یو بچ۔۔۔۔۔ باسٹرڈ، جسٹ شٹ اپ۔" وہ اب اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"تم میرے ذہن سے نکل کیوں نہیں جاتیں؟"

دونوں کنپٹیوں پر ہاتھ رکھے ہوئے وہ چلایا۔

"میں تمہیں مار ڈالوں گا، اگر تم مجھے دوبارہ نظر آئیں۔"

وہ ایک بار پھر چلایا اور پھر اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پیا اور اس وقت پہلی بار اسے ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگوں، ان کی نظروں کا احساس ہوا، وہ سب اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک ویٹر اس کی طرف آرہا تھا، اس کے چہرے پر تشویش تھی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے سر"!

سالار نے کچھ بھی کہے بغیر اپنا والٹ نکالا اور چند کرنسی نوٹ ٹیبل پر رکھ دیئے۔ ایک لفظ بھی مزید کہے بغیر وہ ریسٹورنٹ سے نکل گیا۔

وہ امامہ نہیں تھی، ایک بھوت تھا جو اسے چمٹ گیا تھا۔ وہ جہاں جاتا وہ وہاں ہوتی۔ کہیں اس کا چہرہ، کہیں اس کی آواز اور جہاں یہ دونوں چیزیں نہ ہوتیں وہاں سالار کا پچھتاوا ہوتا۔ وہ ایک چیز بھولنے کی کوشش کرتا تو دوسری چیز اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی، بعض دفعہ وہ اتنا مشتعل ہو جاتا کہ اس کا دل چاہتا وہ اسے دوبارہ ملے تو وہ اس کا گلا دبا دے یا اسے شوٹ کر دے۔ اسے اس کی ہر بات سے نفرت تھی۔ اس رات اس کے ساتھ سفر میں گزارے ہوئے چند گھنٹے اس کی پوری زندگی کو تباہ کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مگر آپ کیوں آرہے ہیں؟" وہ دونوں فون پر بات کر رہے تھے اور اس نے سالار کو چند دنوں بعد نیو ہیون آنے کی اطلاع دی تھی۔ سالار اس قت روٹین کی زندگی گزار رہا ہوتا تو وہ اس اطلاع پر یقیناً خوش ہوتا مگر وہ اس وقت ذہنی ابتری کے جس دور سے گزر رہا تھا اس میں کامران کا آنا اسے بے حد ناگوار گزر رہا تھا اور وہ یہ ناگواری چھپا بھی نہیں سکا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا، کیوں آرہے ہیں۔ تم سے ملنے کے لئے آرہا ہوں۔" کامران اس کے لہجے پر کچھ حیران ہوا۔ "اور پاپا نے بھی کہا ہے کہ میں تم سے ملنے کے لئے جاؤں۔" وہ ہونٹ بھینچے اس کی بات سنتا رہا۔

"تم مجھے ائیر پورٹ سے پک کر لینا، میں تمہیں ایک دن پہلے اپنی فلائٹ کی ٹائمنگ کے بارے میں بتا دوں گا۔"

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

چار دن کے بعد اس نے کامران کو ائیر پورٹ سے ریسیو کیا۔ وہ سالار کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تم بیمار ہو؟" اس نے چھوٹتے ہی سالار سے پوچھا۔

"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" سالار نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"لگ تو نہیں رہے ہو۔" کامران کی تشویش میں کچھ اور اضافہ ہونے لگا۔ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیا کرتا تھا، آج خلاف معمول وہ آنکھیں چرا رہا تھا۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی وہ بہت غور سے سالار کو دیکھتا رہا۔ وہ بے حد احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ کامران کو حیرانی ہوئی وہ اس قدر ریش ڈرائیو کرتا تھا کہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے بڑے سے بڑا جی دار آدمی ڈرتا تھا۔ کامران کو یہ ایک مثبت تبدیلی لگی تھی مگر یہ واحد مثبت تبدیلی تھی جو اس نے محسوس کی تھی، باقی تبدیلیاں اس کو پریشان کر رہی تھیں۔

"اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں تمہاری؟"

"ٹھیک ہیں۔"

اسے سفر کے دوران بھی اسی طرح کے جواب ملتے رہے تھے۔ یہ اس کے اپارٹمنٹ کی حالت تھی جس نے کامران کے اضطراب کو اتنا بڑھایا تھا کہ وہ کچھ مشتعل ہو گیا تھا۔

"یہ تمہارا اپارٹمنٹ ہے سالار۔۔۔۔۔۔مائی گاڈ۔" سالار کے پیچھے اس کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ چلا اٹھا تھا۔ سالار اپنی چیزوں کو جس طرح منظم رکھنے کا عادی تھا وہ نظم و ضبط وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہاں ہر چیز ابتر حالت میں نظر آ رہی تھی۔ جگہ جگہ اس کے کپڑے، جرابیں اور جوتے بکھرے پڑے تھے۔ کتابوں، اخباروں اور میگزینز کا بھی یہی حال

تھا۔ کچن کی حالت سب سے بری تھی اور باتھ روم کی اس سے بھی زیادہ۔ کامران نے کچھ شاک کی حالت میں پورے اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا۔

"کتنے ماہ سے تم نے صفائی نہیں کی ہے؟"

"میں ابھی کر دیتا ہوں۔" سالار نے سرد مہری کے عالم میں چیزیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم اس طرح رہنے کے عادی تو نہیں تھے اب کیا ہوا ہے؟" کامران بہت پریشان تھا۔ کامران نے اچانک ایک میز پر سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری ایش ٹرے کے پاس جا کر سگریٹ کو ٹکڑوں کو سونگھنا شروع کر دیا۔ سالار نے چبھتی ہوئی تیز نظروں سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ کامران نے چند لمحوں کے بعد وہ ایش ٹرے نیچے پٹخ دیا۔

"Salar! What are you up to this time? "

"مجھے صاف صاف بتاؤ، مسئلہ کیا ہے۔ ڈرگز استعمال کر رہے ہو تم؟"

"نہیں، میں کچھ استعمال نہیں کر رہا۔" اس کے جواب نے کامران کو خاصا مشتعل کر دیا۔ وہ اسے کندھے سے پکڑ کر تقریباً کھینچتے ہوئے باتھ روم کے آئینے کے سامنے لے آیا۔

"شکل دیکھو اپنی، ڈرگ ایڈکٹ والی شکل ہے یا نہیں اور حرکتیں تو بالکل ویسی ہی ہیں۔ دیکھو، نظریں اٹھاؤ اپنی، چہرہ دیکھو اپنا۔"

وہ اب اسے کالر سے کھینچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سالار آئینے میں اپنے آپ کو دیکھے بغیر بھی جانتا تھا کہ وہ اس وقت کیسا نظر آرہا ہوگا۔ گہرے حلقوں اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ کیسا نظر آ سکتا تھا۔ رہی سہی کسر ان مہاسوں اور ہونٹوں پر جمی ہوئی پپڑیوں نے پوری کر دی تھی جو بے تحاشا کافی اور سگریٹ پینے کا نتیجہ تھے۔ مہاسوں کی وجہ سے اس نے روز شیو کرنی بند کر دی تھی۔ کچھ ناراضی کے عالم میں اس نے کامران سے اپنا کالر چھڑایا اور آئینے پر نظریں دوڑائے بغیر باتھ روم سے نکلنے کی کوشش کی۔

"لعنت برس رہی ہے تمہاری شکل پر۔"

لعنت وہ لفظ تھا جو کامران اکثر استعمال کیا کرتا تھا سالار نے پہلے کبھی اس لفظ کو محسوس نہیں کیا تھا مگر اس وقت کامران کے منہ سے یہ جملہ سن کر وہ جیسے بھڑک اٹھا تھا۔

"ہاں، لعنت برس رہی ہے میری شکل پر تو؟" وہ قدرے بپھرے ہوئے انداز میں کامران کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں ڈرگز نہیں لے رہا تو میں نہیں لے رہا۔ آپ کو میرا یقین کرنا چاہیئے۔"

"تم پر یقین۔۔۔۔"

کامران نے طنزیہ لہجے میں اس کے پیچھے باتھ روم سے باہر آتے ہوئے کہا۔ اس نے ہونٹ بھینچ لئے اور کمرے کی چیزیں سمیٹنے کا کام جاری رکھا۔

"یونیورسٹی جا رہے ہو تم؟" سعد کو اچانک ایک اور اندیشہ ہوا۔

"جا رہا ہوں۔" وہ چیزیں اٹھاتا رہا، کامران کو تسلی نہیں ہوئی۔

"میرے ساتھ ہاسپٹل چلو، میں تمہارا چیک اپ کروانا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ یہ سب کرنے آئے ہیں تو بہتر ہے واپس چلے جائیں میں کوئی کنڈر گارٹن کا بچہ نہیں ہوں۔ میں اپنا خیال رکھ سکتا ہوں۔" کامران نے اس بار کچھ کہنے کے بجائے اس کے ساتھ مل کر چیزیں اٹھانی شروع کر دیں۔ سالار نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ اس معاملے پر دوبارہ بحث نہیں کرے گا مگر اس کا یہ اندازہ غلط تھا۔ کامران نے اس کے پاس اپنے قیام کو لمبا کر دیا۔ دو تین دن کے بجائے وہ پورا ایک ہفتہ وہاں رہا۔ سالار اس کے قیام کے دوران باقاعدگی سے یونیورسٹی جاتا رہا مگر کامران اس دوران اس کے دوستوں اور پروفیسرز سے ملتا رہا۔ سمسٹر میں فیل ہونے کی خبر بھی اسے سالار کے دوستوں سے ہی ملی تھی اور کامران کے لئے یہ ایک شاک تھا۔ سالار سے کچھ بھی توقع کی جاسکتی تھی، مگر سمسٹر

میں فیل ہونا وہ بھی اس بری طرح سے جبکہ وہ کچھ عرصہ پہلے تک یونیورسٹی کے پچھلے ریکارڈ بریک کرتے ہوئے ٹاپ کر رہا تھا۔

اس بار اس نے سالار سے اس معاملے کو ڈسکس نہیں کیا بلکہ پاکستان سکندر عثمان کو فون کر کے اس سارے معاملے سے آگاہ کر دیا۔ سکندر عثمان کے پیروں تلے سے ایک بار پھر زمین نکل گئی تھی۔ سالار نے اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھا تھا۔ وہ ایک ڈیڑھ سال کے بعد ان کے لئے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ کھڑا کرتا رہتا تھا اور ہاشم مبین والے معاملے کو بھی اتنا ہی عرصہ ہونے والا تھا۔

"آپ ابھی اس سے اس معاملے پر بات نہ کریں۔ یونیورسٹی میں کچھ چھٹیاں ہونے والی ہیں، آپ اسے پاکستان بلا لیں، کچھ عرصے کے لئے وہاں رکھیں پھر ممی سے کہیں کہ وہ اس کے ساتھ واپسی پر یہاں آجائیں اور جب تک اس کی تعلیم ختم نہیں ہوتی اس کے ساتھ رہیں۔" کامران نے سکندر عثمان کو سمجھایا۔

سکندر نے اس بار ایسا ہی کیا تھا۔ وہ بغیر بتائے چھٹیاں شروع ہونے سے پہلے نیو ہیون پہنچ گئے۔

اس کا حلیہ دیکھ کر سکندر عثمان کے پیٹ میں گرہیں پڑنے لگی تھیں مگر انہوں نے کامران کی طرح اس سے بحث نہیں کی۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ پاکستان چلنے کے لئے کہا۔ اس کے احتجاج اور تعلیمی مصروفیات کے بہانے کو نظرانداز کرتے ہوئے انہوں نے زبردستی اس کی سیٹ بک کرادی اور اسے پاکستان لے آئے۔



وہ رات ایک بجے پاکستان پہنچے۔ سکندر اور طیبہ سونے کے لئے چلے گئے۔ وہ اپنے کمرے میں آگیا۔ وہ تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد اپنے کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ لائٹ آف کر کے اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ فلائٹ کے دوران سوتا رہا تھا، اس لئے اس وقت اسے نیند محسوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ جغرافیائی تبدیلی تھی جس کی وجہ سے وہ سو نہیں پا رہا تھا۔

"میں واقعی آہستہ آہستہ بے خوابی کا شکار ہو جاؤں گا۔"

اس نے تاریکی میں کمرے کی چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر اسی طرح بیڈ پر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی کھڑکیوں کی طرف جاتے ہوئے اس نے پردوں

کو ہٹادیا۔اس کی کھڑکیوں کے پار وسیع سائیڈ لان کے دوسرے طرف ہاشم مبین کا گھر نظر آ رہا تھا۔اس نے اتنے سالوں اس کھڑکی کے پردے آگے پیچھے کرتے کبھی ہاشم مبین کے گھر پر غور نہیں کیا تھا، مگر اس وقت وہ بہت دیر تک تاریکی میں اس گھر کے اوپر والے فلور کی لائٹس میں نظر آنے والی اس عمارت کو دیکھتا رہا۔بہت ساری باتیں اسے یک دم یاد آنے لگی تھیں۔اس نے پردے ایک بار پھر برابر کر دیئے۔

"وسیم کے گھر والوں کو امامہ کا پتا چلا؟"

اس نے اگلے دن ناصرہ کو بلا کر پوچھا۔ناصرہ نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں جی، کہاں پتا چلا۔انہوں نے تو ایک ایک جگہ چھان ماری ہے، مگر کہیں سے کچھ پتا نہیں چلا۔انہیں شک ابھی بھی آپ پر ہی ہے۔ سلمیٰ بی بی تو بہت گالیاں دیتی ہیں آپ کو۔"

سالار اسے دیکھتا رہا۔

"گھر کے نوکروں سے بھی پولیس نے بڑی پوچھ گچھ کی تھی مگر میں نے تو مجال ہے ذرا بھی کچھ بتایا ہو۔انہوں نے مجھے کام سے بھی نکال دیا تھا۔مجھے بھی، میری بیٹی کو بھی، پھر بعد میں دوبارہ رکھ لیا۔آپ کے بارے میں، مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں۔شاید رکھا بھی ان لوگوں نے

دوبارہ اسی لئے ہے کہ یہاں کی خبریں میں وہاں دیتی رہوں۔میں بھی آئیں بائیں شائیں کر کے ٹال دیتی ہوں۔"وہ بات کو کہاں سے کہاں لے جارہی تھی۔

سالار نے فوراً مداخلت کی۔"پولیس ابھی بھی ڈھونڈ رہی ہے؟"

"ہاں جی، ابھی بھی تلاش کر رہے ہیں۔مجھے زیادہ تو پتا نہیں، وہ لوگ ہر چیز چھپاتے ہیں نوکروں سے۔امامہ بی بی کی بات بھی نہیں کرتے ہمارے سامنے مگر پھر بھی کبھی کبھار کوئی اڑتی اڑتی خبر مل جاتی ہے ہمیں۔سالار صاحب! کیا آپ کو بھی امامہ بی بی کا پتا نہیں ہے؟"

ناصرہ نے بات کرتے کرتے اچانک اس سے پوچھا۔

"مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟"سالار نے ناصرہ کو گھورا۔

"ایسے ہی پوچھ رہی ہوں جی! آپ کے ساتھ ان کی دوستی تھی، اس لئے میں نے سوچا شاید آپ کو پتا ہو۔وہ جو ایک بار آپ نے میرے ہاتھ کچھ کاغذات بھجوائے تھے، وہ کس لئے تھے؟"اس کا تجسس اب تشویش ناک حد تک بڑھ چکا تھا۔

"اس گھر کے کاغذات تھے، میں نے یہ گھر اس کے نام کر دیا تھا۔"ناصرہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا پھر وہ کچھ سنبھلی۔

"پر جی! یہ گھر تو سکندر صاحب کے نام پر ہے۔"

"ہاں، مگر یہ مجھے تب پتا نہیں تھا۔ یہ بات تم نے ان لوگوں کو بتائی ہے کہ تم یہاں سے کوئی کاغذ لے کے اس کے پاس گئی تھی۔" ناصرہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"توبہ کریں جی! میں نے کیوں بتانا تھا۔ میں نے تو سکندر صاحب کو نہیں بتایا۔"

"اور یہ ہی بہتر ہے کہ تم اپنا منہ اسی طرح ہمیشہ کے لئے بند رکھو، اگر یہ بات ان کو پتا چلی تو پاپا تمہیں سامان سمیت اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیں گے۔ تم ان کے غصے کو جانتی ہو، جاؤ اب یہاں سے۔"

سالار نے ترشی سے کہا۔ ناصرہ خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ویک اینڈ پر کبھی کبھار ہائکنگ کے لئے مارگلہ کی پہاڑیوں پر جایا کرتا تھا۔ وہ ویک اینڈ نہیں تھا مگر اچانک ہی اس کا موڈ وہاں جانے کا بن گیا۔

ہمیشہ کی طرح گاڑی نیچے پارک کر کے وہ ایک بیگ اپنی پشت پر ڈالے ہائکنگ کرتا رہا۔ واپسی کا سفر اس نے تب شروع کیا جب سائے لمبے ہونے لگے۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اسے اپنی گاڑی تک پہنچنے میں دو گھنٹے لگیں گے۔ واپسی کے سفر کو کچھ تیزی سے طے کرنے کے لئے وہ

سڑک پر آ گیا جہاں سے عام طور پر لوگ گزرتے تھے۔ اس نے ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا جب اسے اپنے پیچھے تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ سالار نے ایک نظر مڑ کر دیکھا۔ وہ دو لڑکے تھے جو اس سے کافی پیچھے تھے، مگر بہت تیزی سے آگے آ رہے تھے۔

سالار نے گردن واپس موڑ لی اور اسی طرح اپنا نیچے کا سفر جاری رکھا۔ اسے اپنے حلیے سے وہ لڑکے مشکوک نہیں لگے تھے۔ جینز اور شرٹس میں ملبوس ان کا حلیہ عام لڑکوں جیسا تھا مگر پھر چلتے چلتے اسے یک دم کوئی اپنے بالکل عقب میں محسوس ہوا۔ وہ برق رفتاری سے پلٹا اور ساکت ہو گیا۔ ان دونوں لڑکوں کے ہاتھ میں ریوالور تھے اور وہ اس کے بالکل سامنے تھے۔

"اپنے ہاتھ اوپر کرو ورنہ ہم تمہیں شوٹ کر دیں گے۔"

ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔ سالار نے بے اختیار اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ ان میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور بہت تیزی سے اس نے اسے کھینچتے ہوئے دھکا دیا۔ سالار لڑکھڑایا مگر سنبھل گیا۔

"ادھر چلو۔" سالار نے کسی قسم کی مزاحمت کئے بغیر اس طرف جانا شروع کر دیا جہاں وہ اسے سڑک سے ہٹانا چاہتے تھے، تاکہ کوئی یک دم وہاں نہ آ جائے۔ ان میں سے ایک تقریباً اسے دھکیلتے ہوئے اس راستے سے ہٹا کر جھاڑیوں اور درختوں کے بہت اندر تک لے گیا۔

"گھٹنوں کے بل بیٹھو۔" ایک نے درشتی سے اس سے کہا۔

سالار نے خاموشی سے اس کے حکم پر عمل کیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ اس کی چیزیں چھینیں گے اور پھر اسے چھوڑ دیں گے اور وہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا، جس پر وہ دونوں مشتعل ہو کر اسے نقصان پہنچاتے۔ ان میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور اس نے اس کی پشت پر لٹکا ہوا چھوٹا سا بیگ اتار لیا۔ اس بیگ میں ایک کیمرہ، چند فلم رول، بیٹری، ٹیلی اسکوپ، فرسٹ ایڈ کٹ، والٹ، پانی کی بوتل اور چند کھانے کی چیزیں تھیں جس لڑکے نے بیگ اتارا تھا وہ بیگ کھول کر اندر موجود چیزوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے والٹ کھول کر اس کے اندر موجود کرنسی نوٹ اور کریڈٹ کارڈز کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد اس نے بیگ میں سے ٹشو کا پیکٹ نکال لیا اور پھر فرسٹ ایڈ کٹ بھی نکال لی۔

"اب تم کھڑے ہو جاؤ۔" اس لڑکے نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ سالار اس طرح ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے کھڑا ہو گیا۔ اس لڑکے نے اس کی پشت پر جا کر اس کی شارٹس کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر انہیں ٹٹولا اور اس میں موجود گاڑی کی چابی نکال لی۔

"گڈ! کار ہے؟" سالار کو پہلی بار کچھ تشویش ہوئی۔

"تم لوگ میرا بیگ لے جاؤ مگر کار کو رہنے دو۔" سالار نے پہلی بار انہیں مخاطب کیا۔

"کیوں؟ کار کو کیوں رہنے دیں۔ تم ہماری خالہ کے بیٹے ہو کہ کار کو رہنے دیں۔" اس لڑکے نے درشت لہجے میں کہا۔

"تم لوگ اگر کار لے جانے کی کوشش کرو گے تو تمہیں بہت سے پرابلمز ہوں گے۔ صرف کار کی چابی مل جانے سے تم کار نہیں لے جاسکو گے۔ اس میں اور بھی بہت سے لاکس ہیں۔" سالار نے ان سے کہا۔

"وہ ہمارا مسئلہ ہے، تمہارا نہیں۔" اس لڑکے نے اس سے کہا اور پھر آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں سے گلاسز کھینچ لئے۔

"اپنے جاگرز اتار دو۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"جاگرز کس لئے؟" اس بار اس لڑکے نے جواب دینے کے بجائے پوری وقت سے ایک تھپڑ سالار کے منہ پر مارا۔ وہ لڑکھڑا گیا، چند لمحوں کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔

"دوبارہ کوئی سوال مت کرنا، جاگرز اتارو۔"

سالار خشمگیں نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ دوسرے لڑکے نے اس پر تانے ہوئے ریوالور کے چیمبر کو ایک بار جتانے والے انداز میں حرکت دی۔ پہلے لڑکے نے ایک اور تھپڑ اس بار سالار کے دوسرے گال پر دے مارا۔

"اب دیکھو اس طرح۔۔۔۔۔ جاگرز اتارو۔" اس نے سختی سے کہا۔ سالار نے اس بار اس کی طرف دیکھے بغیر نیچے جھک کر آہستہ آہستہ اپنے دونوں جاگرز اتار دیئے۔ اب اس کے پیروں میں صرف جرابیں رہ گئی تھیں۔

"اپنی شرٹ اتارو۔" سالار ایک بار پھر اعتراض کرنا چاہتا تھا مگر وہ دوبارہ تھپڑ کھانا نہیں چاہتا تھا۔ اگر ان دونوں کے پاس ریوالور نہ ہوتے تو وہ جسمانی طور پر ان سے بہت بہتر تھا اور یقیناً اس وقت ان کی ٹھکائی کر رہا ہوتا، مگر ان کے پاس ریوالور کی موجودگی نے یک دم ہی اسے ان کے سامنے بے بس کر دیا تھا۔ اس نے اپنی شرٹ اتار کر اس لڑکے کی طرف بڑھائی۔

"نیچے پھینکو۔" اس لڑکے نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ سالار نے شرٹ نیچے پھینک دی۔ اس لڑنے نے اپنے بائیں ہاتھ کو جیب میں ڈال کر کوئی چیز نکالی۔ وہ پلاسٹک کی باریک ڈوری کا ایک گچھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سالار کی سمجھ میں آگیا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بے اختیار پریشان ہوا، شام ہو رہی تھی، کچھ ہی دیر میں وہاں اندھیرا چھا جاتا اور وہ وہاں سے رہائی کس طرح حاصل کرتا۔

"دیکھو، مجھے باندھو مت، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم میرا بیگ اور میری کار لے جاؤ۔" اس بار اس نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

اس لڑکے نے کچھ بھی کہے بغیر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں ایک گھونسہ مارا۔ سالار درد سے دہرا ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی تھی۔

"کوئی مشورہ نہیں۔"

اس لڑنے نے جیسے اسے یاد کروایا اور زور سے ایک طرف دھکیلا۔ درد سے بلبلاتے ہوئے سالار نے اندھوں کی طرح اس کی پیروی کی۔ ایک درخت کے تنے کے ساتھ بٹھا کر اس لڑکے نے بڑی مہارت کے ساتھ اس کے دونوں بازوؤں کو پتلے سے تنے کے پیچھے لے جا کر اس کی کلائیوں پر وہ ڈوری لپیٹنا شروع کر دی۔ دوسرا لڑکا سالار سے ذرا فاصلے پر ادھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے سالار پر ریوالور تانے رہا۔

اس کے ہاتھوں کو اچھی طرح باندھنے کے بعد اس لڑکے نے سامنے آکر اس کے پیروں کی جرابیں اتاریں اور پھر فرسٹ ایڈ کٹ میں موجود قینچی سے اس نے سالار کی شرٹ کی پٹیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ ان میں سے کچھ پٹیوں کو اس نے ایک بار پھر بڑی مہارت کے ساتھ

اس کے ٹخنوں کے گرد لپیٹ کر گرہ لگادی پھر اس نے ٹشو کا پیکٹ کھولا اور اس میں موجود سارے ٹشو باہر نکال لئے۔

منہ کھولو۔" سالار جانتا تھا، وہ اب کیا کرنے والا ہے۔ وہ جتنی گالیاں اسے دل میں دے سکتا تھا اس وقت دے رہا تھا۔ اس لڑکے نے یکے بعد دیگرے وہ سارے ٹشو اس کے منہ میں ٹھونس دیئے اور پھر شرٹ کی واحد بچ جانے والی پٹی کو گھوڑے کی لگام کی طرح اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے درخت کے تنے کے پیچھے اسے باندھ دیا۔

دوسرا لڑکا اب اطمینان سے بیگ بند کر رہا تھا، پھر چند منٹوں کے بعد وہ دونوں وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ ان کے وہاں سے جاتے ہی سالار نے اپنے آپ کو آزاد کرنے کی کوشش شروع کر دی، مگر جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اس لڑکے نے بڑی مہارت کے ساتھ اسے باندھا تھا، وہ صرف ہلنے جلنے کی کوشش سے خود کو آزاد نہیں کر سکتا تھا، نہ ہی ڈوری ڈھیلی کر سکتا تھا۔ وہ ڈوری اس کے حرکت کرنے پر اس کے گوشت کے اندر گھستی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی حالت اس وقت بے حد خراب تھی۔ وہ نہ کسی کو آواز دے سکتا تھا نہ دوسرے طریقے سے خود اپنی طرف کسی کو متوجہ کر سکتا تھا۔

اس کے ارد گرد قد آدم جھاڑیاں تھیں اور شام کے ڈھلتے سایوں میں ان جھاڑیوں میں اس کی طرف کسی کا متوجہ ہو جانا کوئی معجزہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے جسم پر اس وقت لباس کے نام پر صرف گھٹنوں سے کچھ نیچے تک لٹکنے والی برمودا شارٹس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا اور شام ہونے کے ساتھ ساتھ خنکی بڑھ رہی تھی۔ گھر میں کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ہائکنگ کے لئے آیا ہوا ہے اور جب گھر نہ پہنچنے پر اس کی تلاش شروع ہو گی تب بھی یہاں اس تاریکی میں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان بندھے ہوئے اس کے وجود تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

آدھے گھنٹے کی جدوجہد کے بعد جب اپنے پیروں کے گرد موجود پٹیوں کو ڈھیلا کرنے اور پھر انہیں کھولنے میں کامیاب ہوا، اس وقت سورج مکمل غروب ہو چکا تھا اگر چاند نہ نکلا ہوتا تو شاید وہ اپنے ہاتھ پاؤں اور ارد گرد کے ماحول کو بھی نہ دیکھ پاتا۔ اِکاڈُکا گزرنے والی گاڑیوں اور لوگوں کا شور اب نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کے ارد گرد جھینگروں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور وہ گردن سے کمر تک اپنی پشت پر درخت کے تنے کی وجہ سے آنے والی رگڑ اور خراشوں کو بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ درخت کے دوسری طرف اس کے ہاتھوں کی کلائیوں میں موجود ڈوری اب اس کے گوشت میں اتری ہوئی تھی۔ وہ ہاتھوں کو مزید حرکت دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ کلائیوں سے اٹھتی ٹیسیں برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے منہ کے اندر موجود ٹشوز اب گل چکے تھے اور ان کے گلنے کی وجہ سے وہ منہ میں لگام کی طرح

کسی ہوئی پٹی کو حرکت دینے لگا تھا مگر وہ گلے سے آواز نکالنے میں اب بھی بری طرح ناکام تھا کیونکہ وہ ان گلے ہوئے ٹشوز کو نہ نگل سکتا تھا، نہ اگل سکتا تھا۔ وہ اتنے زیادہ تھے کہ وہ انہیں چیونگم کی طرح چبانے میں بھی ناکام تھا۔

اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو رہی تھی۔ وہ صبح تک اس حالت میں وہاں یقیناً ٹھٹھر کر مر جاتا اگر خوف یا کسی زہریلے کیڑے کے کاٹنے سے نہ مرتا تو۔ اس کے جسم پر اب چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگ رہے تھے اور بار بار وہ اسے کاٹ رہے تھے۔ وہ اپنی برہنہ ٹانگوں پر چلنے اور کاٹنے والے کیڑوں کو جھٹک رہا تھا مگر باقی جسم پر رینگنے والے کیڑوں کو جھٹکنے میں ناکام تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ ان چھوٹے کیڑوں کے بعد اسے اور کن کیڑوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر وہاں بچھو اور سانپ ہوتے تو۔۔۔۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔ "آخر یہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا ہے؟ آخر میں نے کیا کیا ہے؟" وہ بے چارگی سے سوچنے میں مصروف تھا۔ "اور میں یہاں مر گیا تو۔۔۔۔ تو میری لاش تک دوبارہ کسی کو نہیں ملے گی۔ کیڑے مکوڑے اور جانور مجھے کھا جائیں گے۔"

اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ ایک عجیب طرح کے خوف نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ تو کیا میں اس طرح مروں گا، یہاں۔۔۔۔ اس حالت میں۔۔۔۔ بے لباس۔۔۔۔ بے

نشان۔۔۔۔ گھر والوں کو پتا تک نہیں ہو گا میرے بارے میں۔ کیا میرا انجام یہ ہونا ہے۔۔۔۔ اس کے دل کی دھڑکن رکنے لگی۔ اسے اپنی موت سے یک دم خوف آیا اتنا خوف کہ اسے سانس لینا مشکل لگنے لگا۔ اسے یوں لگا جیسے موت اس کے سامنے اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو۔ اس کے انتظار میں۔ یہ دیکھنے کہ وہ کس طرح سسک سسک کر مرتا ہے۔

وہ درد کی پرواہ کئے بغیر ایک بار پھر اپنی کلائیوں کی ڈوری کو توڑنے یا ڈھیلی کرنے کی کوشش کرنے لگا، اس کے بازو شل ہونے لگے۔

پندرہ منٹ بعد اس نے ایک بار پھر اپنی جدوجہد چھوڑ دی اور اس وقت اسے احساس ہوا کہ اس کے منہ کی پٹی ڈھیلی ہو گئی تھی، وہ گردن کو ہلاتے ہوئے اسے منہ سے نکال سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے ٹشوز نکال دیئے تھے۔ اگلے کئی منٹ وہ گہرے سانس لیتا رہا پھر وہ بلند آواز میں اپنی مدد کے لئے آوازیں دینے لگا۔ اتنی بلند آواز میں جتنی وہ کوشش کر سکتا تھا۔

اس کا انداز بالکل ہذیانی تھا۔ آدھے گھنٹے تک مسلسل آوازیں دیتے رہنے کے بعد اس کی ہمت اور گلا دونوں جواب دے گئے۔ اس کا سانس پھول رہا تھا، یوں جیسے وہ کئی میل دوڑتا رہا ہو مگر اب بھی کوئی اس کی مدد کے لئے نہیں آیا تھا۔ کلائی کے زخم اب اس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہے تھے اور کیڑے اب اس کے چہرے اور گردن پر بھی کاٹ رہے تھے۔ وہ

نہیں جانتا تھا یک دم اسے کیا ہوا، بس وہ بلند آواز میں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

وہ زندگی میں پہلی بار بری طرح رو رہا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے اپنی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا اور اس وقت درخت کے اس تنے کے ساتھ بندھے سسکتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ مرنا نہیں چاہتا ہے۔ وہ موت سے اسی طرح خوف زدہ ہو رہا تھا جس طرح، نیو ہیون میں ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا وہ کتنی دیر اسی طرح بے بسی کے عالم میں بلند آواز میں روتا رہا پھر اس کے آنسو خشک ہونے لگے۔ شاید وہ اتنا تھک چکا تھا کہ اب رونا بھی اس کے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔ نڈھال سا ہو کر اس نے درخت کے تنے سے سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے کندھوں اور بازوؤں میں اتنا درد ہو رہا تھا کہ اسے لگ رہا تھا وہ کچھ دیر میں مفلوج ہو جائیں گے پھر وہ کبھی انہیں حرکت نہیں دے سکے گا۔

"میں نے کبھی کسی کے ساتھ اس طرح نہیں کیا پھر میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوا؟" اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے۔

"سالار! میرے لئے پہلے ہی بہت پرابلمز ہیں، تم اس میں اضافہ نہ کرو، میری زندگی پہلے بہت مشکل ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اور مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ کم از کم تم تو میری سچویشن کو سمجھو، میری مشکلات کو مت بڑھاؤ۔" درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے

سالار نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ نیچے، بہت نیچے، بہت دور۔۔۔۔۔ اسلام آباد کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

"میں تمہارے مسائل میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں؟ میں۔۔۔ مائی ڈیئر امامہ! میں تو تمہاری مدد میں گھل رہا ہوں۔ تمہارے مسائل ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو، میرے ساتھ رہ کر تم کتنی اچھی اور محفوظ زندگی گزار سکتی ہو۔" سالار نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

"سالار! مجھے طلاق دے دو۔" بھرائی ہوئی لجاجت آمیز آواز۔

"سویٹ ہارٹ! تم کورٹ میں جا کر لے لو۔ جیسا کہ تم کہہ چکی ہو۔"

وہ اب چپ چاپ خود سے بہت دور نظر آنے والی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی اس کے سامنے جیسے آئینہ لے کر کھڑا ہو گیا تھا جس میں وہ اپنا عکس دیکھ سکتا تھا اور اپنے ساتھ ساتھ کسی اور کا بھی۔

"میں نے امامہ کے ساتھ صرف مذاق کیا تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"میں۔۔۔ میں اسے کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔" اسے اپنے الفاظ کھوکھلے لگے۔

وہ پتا نہیں کس کو وضاحت دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح اسلام آباد کی روشنیوں کو دیکھتا رہا پھر اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔

"میں مانتا ہوں، مجھ سے کچھ غلطیاں ہو گئیں۔"

اس بار اس کی آواز بھرائی ہوئی سرگوشی تھی۔ "میں نے جانتے بوجھتے اس کے لئے مسائل کھڑے کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے دھوکا دیا مگر مجھ سے غلطی ہو گئی اور مجھے پچھتاوا بھی ہے۔ میں جانتا ہوں میرے طلاق نہ دینے سے اور جلال کے بارے میں جھوٹ بول دینے سے اسے بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ مجھے واقعی پچھتاوا ہے اس سب کے لئے مگر اس کے علاوہ تو میں نے کسی اور کو کبھی دھوکا نہیں دیا، کسی کے لئے پریشانی کھڑی نہیں کی۔"

وہ ایک بار پھر رونے لگا۔

"میرے خدا۔۔۔۔ اگر ایک بار میں یہاں سے بچ گیا، میں یہاں سے نکل گیا تو میں امامہ کو ڈھونڈوں گا، میں اسے طلاق دے دوں گا، میں جلال کے بارے میں بھی اسے سچ بتا دوں گا۔ بس ایک بار آپ مجھے یہاں سے جانے دیں۔"

وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہو رہا تھا کہ امامہ نے اس کے طلاق دینے سے انکار پر کیا محسوس کیا ہو گا۔ شاید اسی طرح اس نے بھی اپنے ہاتھ بندھے ہوئے محسوس کئے ہوں گے جس طرح وہ کر رہا تھا۔

وہاں بیٹھے ہوئے پہلی بار وہ امامہ کی بے بسی، خوف اور تکلیف کو محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے جلال انصر کی شادی کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا تھا اور اس کے جھوٹ پر امامہ کے چہرے کا تاثر اسے اب بھی یاد تھا۔ اس وقت وہ اس تاثر سے بے حد محظوظ ہوا تھا۔ وہ اسلام آباد سے لاہور تک تقریباً پوری رات روتی رہی تھی اور وہ بے حد مسرور تھا۔

وہ اس وقت اس کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ اس اندھیری رات میں اس گاڑی میں سفر کرتے ہوئے اسے اپنے آگے اور پیچھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہو گا۔ واحد پناہ گاہ، جس کا وہ سوچ کر نکلی تھی وہ جلال انصر کا گھر تھا اور سالار سکندر نے اسے وہاں جانے نہیں دیا تھا۔ وہ رات کے اس پہر وہاں اعصاب میں اترنے والی تاریکی میں بیٹھ کر ان اندیشوں اور خوف کا اندازہ کر سکتا تھا جو اس رات امامہ کو رلا رہے تھے۔

"مجھے افسوس ہے، مجھے واقعی افسوس ہے لیکن۔۔۔۔ لیکن میں کیا کر سکتا ہوں۔ اگر۔۔۔۔ اگر وہ مجھے دوبارہ ملی تو میں اس سے ایکسکیوز کر لوں گا۔ میں جس حد تک ممکن ہوا اس کی مدد کروں گا مگر اس وقت۔۔۔۔ اس وقت تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

اگر۔۔۔اگر میں نے کبھی۔۔۔۔۔۔ کبھی کوئی نیکی کی ہے تو اس کے بدلے رہائی دلادے۔ اوہ گاڈ پلیز۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ پلیز۔" اس نے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اپنی نیکیاں گننے کی کوشش کی جنہیں کو گنوا سکے۔ اس وقت پہلی بار اس پر یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ اس نے زندگی میں اب تک کوئی نیکی نہیں کی تھی۔ کوئی نیکی جسے وہ اس وقت اللہ کے سامنے پیش کر کے اس کے بدلے میں رہائی مانگتا۔ ایک اور خوف نے پھر اس کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی خیرات نہیں کی تھی اور وہ اس پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ وہ ہوٹلز اور ریسٹورنٹس میں ٹپ خوش دلی سے دیا کرتا تھا، مگر کبھی کسی فقیر کے ہاتھ پھیلانے پر اس نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔

اسکول کالج میں مختلف کاموں کے لئے جب فنڈ جمع ہوتے تب بھی وہ ٹکٹس خریدنے یا بیچنے سے صاف انکار کر دیتا۔

"میں چیریٹی پر یقین نہیں رکھتا۔" اس کی زبان پر روکھے انداز میں صرف ایک ہی جملہ ہوتا۔

"میرے پاس اتنی فالتو رقم نہیں ہے کہ میں ہر جگہ لٹاتا پھروں۔" اس کا یہ رویہ نیو ہیون میں بھی جاری رہا تھا۔ یہ سب صرف چیریٹی تک ہی محدود نہیں تھا۔ وہ چیریٹی کے علاوہ بھی کسی کی مدد کرنے پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اسے کوئی ایسا لمحہ یاد نہیں آیا، جب اس نے کسی کی مدد کی ہو، صرف امامہ کی مدد کی تھی اور اس مدد کے بعد اس نے جو کچھ کیا تھا اس کے بعد وہ اسے

نیکی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ عبادت کرنے کا بھی عادی نہیں تھا۔ شاید بچپن میں اس نے چند بار سکندر کے ساتھ عید کی نماز پڑھی ہو مگر وہ بھی عبادت سے زیادہ ایک رسم تھی۔ اسے نیو ہیون میں وہ رات یاد آئی جب وہ عشاء کی نماز ادھوری چھوڑ کر بھاگ آیا تھا اور اس کے ساتھ اسے اس hooker کو دیئے ہوئے 50 ڈالرز بھی یاد آئے۔ شاید وہ واحد موقع تھا جب اسے کسی پر ترس آیا تھا۔ وہ مستقل اپنے ذہن کو اپنی کسی نیکی کی تلاش میں کھنگالتا رہا مگر ناکام رہا۔

اور پھر اسے اپنے گناہ یاد آنے لگے۔ کیا تھا جو وہ نہیں کر چکا تھا۔ اس کے آنسو، گڑگڑانا، رونا سب کچھ یک دم ختم ہو گیا۔ حساب کتاب بالکل صاف تھا۔ وہ اگر آج اس حالت میں مر جاتا تو اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوتی۔ بائیس سال کی عمر میں وہاں بیٹھے کئی گھنٹے صرف کرنے پر بھی جس شخص کو اپنی کوئی نیکی یاد نہ آئے جبکہ اس شخص کا آئی کیو لیول 150 ہو اور اس کی میموری فوٹو گرافک۔۔۔۔۔ وہ شخص اللہ سے یہ چاہتا ہو کہ اسے اس کی کسی نیکی کے بدلے اس آزمائش سے رہا کر دیا جائے جس میں وہ پھنس گیا ہے۔

"What is next to ecstasy?"

اس نے ٹین ایج میں کوکین پیتے ہوئے ایک بار اپنے دوست سے پوچھا تھا، وہ بھی کوکین لے رہا تھا۔

"more ecstasy" اس نے کہا تھا۔اس نے کوکین لیتے ہوئے اسے دیکھا۔

There is no end to ecstasy, it is preceded by pleasure and followed by more ecstasy.

وہ نشے کی حالت میں اس سے کہہ رہا تھا۔سالار مطمئن نہیں ہوا۔

No, it does end. What happens when it ends? When it really ends?

اس کے دوست نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

You know it yourself, don't you? You have been through it off and on.

سالار جواب دینے کے بجائے دوبارہ کوکین لینے لگا تھا۔

اس کی کلائیوں کے گوشت میں اترتی ڈوری اسے اب جواب دے رہی تھی۔ "Pain" (درد)

What is next to pain?

اس نے مضحکہ خیز لہجے میں اس رات امامہ ہاشم سے پوچھا تھا۔

Nothingness

رسی نما کوئی چیز لہراتے ہوئے اس کے جسم پر گری تھی۔اس کے سر، چہرے، گردن، سینے، پیٹ۔۔۔۔اور وہاں سے تیز رفتاری سے رینگتی ہوئی اتر گئی۔سالار نے کانپتے جسم کے ساتھ اپنی چیخ روکی تھی۔وہ کوئی سانپ تھا جو اسے کاٹے بغیر چلا گیا تھا۔اس کا جسم پسینے میں نہا گیا تھا۔اس کا جسم اب جاڑے کے مریض کی طرح تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"Nothingness" آواز بالکل صاف تھی۔

"And what is next to nothingness?"

تحقیر آمیز آواز اور مسکراہٹ اس کی تھی۔

"Hell"

اس نے یہی کہا تھا۔وہ پچھلے آٹھ گھنٹے سے وہاں بندھا ہوا تھا۔اس ویرانے، اس تاریکی، اس وحشت ناک تنہائی میں۔وہ پورا ایک گھنٹہ حلق کے بل پوری وقت سے مدد کے لئے پکارتا رہا تھا۔یہاں تک کہ اس کا حلق آواز نکالنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

Nothingness سے Hell وہ ان دونوں کے بیچ کہیں معلق تھا یا شاید Nothingness میں داخل ہونے والا تھا اور Hell تک پہنچنے والا تھا۔

"تمہیں خوف نہیں آتا یہ پوچھتے ہوئے کہ Hell کے بعد کیا آئے گا؟ دوزخ کے بعد آگے کیا آسکتا ہے؟ انسان کے معتوب اور مغضوب ہو جانے کے بعد باقی بچتا ہی کیا ہے جسے جاننے کا تمہیں اشتیاق ہے؟"

سالار نے وحشت بھری نظروں سے ارد گرد دیکھا۔ وہ کیا تھا قبر یا دوزخ یا زندگی میں اس کا ایک منظر۔۔۔۔ بھوک، پیاس، بے بسی، بے یاری و مددگاری، جسم پر چلتے کیڑے جنہیں وہ خود کو کاٹنے سے روک تک نہیں پا رہا تھا۔ مفلوج ہوتے ہوئے ہاتھ پاؤں، پشت اور ہاتھوں کی کلائیوں پر لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے زخم۔۔۔۔ خوف تھا یا دہشت، پتا نہیں کیا تھا مگر وہ بلند آواز میں پاگلوں کی طرح چیخیں مارنے لگا تھا۔ اس کی چیخیں دور دور تک فضا میں گونج رہی تھیں۔ ہذیانی اور جنونی انداز میں بلند کی جانے والی بے مقصد اور خوفناک چیخیں۔ اس نے زندگی میں اس طرح کا خوف کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ اسے اپنے ارد گرد و عجیب سے بھوت چلتے پھرتے نظر آنے لگے تھے۔

اسے لگ رہا تھا اس کے دماغ کی رگ پھٹنے والی ہے یا پھر نروس بریک ڈاؤن، پھر اس کی چیخیں آہستہ آہستہ دم توڑتی گئیں۔ اس کا گلا پھر بند ہو گیا تھا۔ اب صرف سرسراہٹیں تھیں جو اسے

سنائی دے رہی تھیں۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ اب مر رہا ہے۔ اس کا ہارٹ فیل ہو رہا ہے یا پھر وہ اپنا ذہنی توازن کھو دینے والا ہے اور اسی وقت اچانک تنے کے پیچھے بندھی ہوئی کلائیوں کی ڈوری ڈھیلی ہو گئی۔ ہوش و حواس کھوتے ہوئے اس کے اعصاب نے ایک بار پھر جھٹکا لیا۔

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی۔ ڈوری اور ڈھیلی ہوتی گئی۔ شاید مسلسل تنے کی رگڑ لگتے لگتے درمیان سے ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے ہاتھوں کو کچھ اور حرکت دی اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ درخت کے تنے سے آزاد ہو چکا تھا۔

اس نے بے یقینی کے عالم میں اپنے ہاتھوں کو سیدھا کیا۔ درد کی تیز لہریں سے کے بازوؤں سے گزریں۔

"کیا میں، میں بچ گیا ہوں؟"

"کیوں؟ کس لئے؟" ماؤف ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ اس نے اپنی گردن کے گرد موجود اس پٹی کو اتارا جو پہلے اس کے منہ کے گرد باندھی گئی تھی، بازوؤں کو دی گئی معمولی حرکت سے اس کے منہ سے کراہ نکلی تھی۔ اس کے بازوؤں میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ اتنی تکلیف کہ اسے لگ رہا تھا وہ دوبارہ کبھی اپنے بازو استعمال نہیں کر سکے گا۔ اس کی ٹانگیں بھی سن ہو رہی تھیں۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ وہ لڑکھڑا کر بازوؤں کے بل زمین

پر گرا۔ ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکلی۔ اس نے دوسری کوشش ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل کی۔ اس بار وہ کھڑا ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ دونوں لڑکے اس کے جاگرز اور گھڑی بھی لے جا چکے تھے۔ اس کی جرابیں وہیں کہیں پڑی تھیں۔ وہ اندھیرے میں انہیں ٹٹول کر پہن سکتا تھا مگر بازوؤں اور ہاتھوں کو استعمال میں لانا پڑتا اور وہ اس وقت یہ کام کرنے کے قابل نہیں تھا نہ جسمانی طور پر، نہ ذہنی طور پر۔

وہ اس وقت صرف وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ہر قیمت پر، اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا، جھاڑیوں سے الجھتا، خراشیں لیتا وہ کسی نہ کسی طرح اس راستے پر آ گیا تھا جس راستے سے وہ دونوں ہٹا کر اسے وہاں لے آئے تھے اور پھر ننگے پاؤں اس نے نیچے کا سفر طے کیا۔ اس کے پیروں میں پتھر اور کنکریاں چبھ رہی تھیں مگر وہ جس ذہنی اور جسمانی اذیت کا شکار تھا اس کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وقت کیا ہوا تھا مگر اسے یہ اندازہ تھا کہ آدھی رات سے زیادہ گزر چکی ہے۔ اسے نیچے آنے میں کتنا وقت لگا اور اس نے یہ سفر کس طرح طے کیا۔ وہ نہیں جانتا۔۔۔۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ وہ پورے راستے بلند آواز سے روتا رہا تھا۔

اسلام آباد کی سڑکوں پر آ کر اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں بھی اس نے اپنے حلیے کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ نہ ہی کہیں رکنے کی خواہش کی نہ ہی کسی کی مدد لینے کی۔ وہ اسی طرح روتا ہوا لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اس سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر چلتا رہا۔

وہ پولیس کی ایک پٹرولنگ کار کی جس نے سب سے پہلے اسے دیکھا تھا اور اس کے پاس آ کر رک گئی۔ اندر موجود کانسٹیبل اس کے سامنے نیچے اترے اور اسے روک لیا۔ وہ پہلی بار حوش وحواس میں آیا تھا مگر اس وقت بھی وہ اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں پر قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا وہ لوگ اب اس سے کچھ پوچھ رہے تھے، مگر وہ کیا جواب دیتا۔

اگلے پندرہ منٹ میں وہ ایک ہاسپٹل میں تھا جہاں اسے فرسٹ ایڈ دی گئی۔ وہ اس سے اس کے گھر کا پتا پوچھ رہے تھے مگر اس کا گلا بند تھا۔ وہ انہیں کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں تھا۔ سوجے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اس نے ایک کاغذ پر اپنے گھر کا فون نمبر اور ایڈریس گھسیٹ دیا۔

"ابھی اور کتنی دیر اسے یہاں رکھنا پڑے گا؟"

"زیادہ دیر نہیں، جیسے ہی ہوش آتا ہے ہم دوبارہ چیک اپ کریں گے، پھر ڈسچارج کر دیں گے زیادہ شدید قسم کی انجریز نہیں ہیں۔ بس گھر میں کچھ دنوں تک مکمل طور پر ریسٹ کرنا پڑے گا۔

اس کا ذہن لاشعور سے شعور کا سفر طے کر رہا تھا۔ پہلے جو صرف بے معنی آوازیں تھیں اب وہ انہیں مفہوم پہنا رہا تھا۔ آوازوں کو پہچان رہا تھا ان میں سے ایک آواز سکندر عثمان کی تھی۔ دوسری یقیناً کسی ڈاکٹر کی۔ سالار نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں یک دم چندھیا گئی تھیں۔ کمرے میں بہت تیز روشنی تھی یا کم از کم اسے ایسا ہی لگا تھا۔ وہ ان کے فیملی ڈاکٹر کا پرائیویٹ کلینک تھا۔ وہ ایک بار پہلے بھی یہاں ایسے ہی ایک کمرے میں رہ چکا تھا اور یہ پہچاننے کے لئے ایک نظر ہی کافی تھی اس کا ذہن بالکل صحیح کام کر رہا تھا۔

جسم کے مختلف حصوں میں ہونے والے درد کا احساس اسے پھر ہونے لگا تھا۔ اس کے باوجود کہ اب وہ ایک بہت نرم اور آرام دہ بستر میں تھا۔

اس کے جسم پر وہ لباس نہیں تھا جو اس نے اس سرکاری ہسپتال میں پہنا تھا، جہاں سے لے جایا گیا تھا۔ وہ ایک اور لباس میں ملبوس تھا اور یقیناً اس کے جسم کو پانی کی مدد سے صاف بھی کیا گیا تھا کیونکہ اسے آدھے بازوؤں والی شرٹ سے جھانکتے اپنے بازوؤں پر کہیں بھی مٹی یا گرد نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کی کلائیوں کے گرد پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور اس کے بازوؤں پر

چھوٹے چھوٹے بہت سے نشانات تھے۔ بازو اور ہاتھ سوجے ہوئے تھے۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ ایسے ہی بہت سے نشانات اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں پر بھی ہوں گے۔ اسے اپنی ایک آنکھ بھی سوجی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور اس کے جبڑے بھی دکھ رہے تھے مگر اس سے بھی زیادہ برا حال گلے کا تھا۔ اس کے بازو میں ایک ڈرپ لگی ہوئی تھی جو اب تقریباً ختم ہونے والی تھی۔

پہلی بار اس کو ہوش میں ڈاکٹر نے ہی دیکھا تھا۔ وہ ان کا فیملی ڈاکٹر نہیں تھا۔ شاید اس کے ساتھ کام کرنے والا کوئی اور فزیشن تھا۔ اس نے سکندر کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

"ہوش آ گیا ہے؟" سالار نے ایک صوفے پر بیٹھی طیبہ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا مگر سکندر آگے نہیں آئے تھے۔ ڈاکٹر اب اس کے پاس آ کر اس کی نبض چیک کر رہا تھا۔

"اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

سالار جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی۔ وہ صرف منہ کھول کر رہ گیا۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا، سالار نے تکیے پر رکھا ہوا اپنا سر نفی میں ہلایا۔ "بولنے کی کوشش کرو۔" ڈاکٹر شاید پہلے ہی اس کے گلے کے پرابلم کے بارے میں

جانتا تھا۔ سالار نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر نے نرس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹرے سے ایک ٹارچ نما آلہ اٹھایا۔

"منہ کھولیں۔" سالار نے دیکھتے جبڑوں کے ساتھ اپنا منہ کھول دیا۔ ڈاکٹر کچھ دیر اس کے حلق کا معائنہ کرتا رہا پھر اس نے ٹارچ بند کر دی۔

"گلے کا تفصیلی چیک اپ کرنا پڑے گا۔" اس نے مڑ کر سکندر عثمان کو بتایا پھر اس نے ایک رائٹنگ پیڈ اور پین سالار کی طرف بڑھایا۔ نرس تب تک اس کے بازو میں لگی ڈرپ اتار چکی تھی۔

"اٹھ کر بیٹھو اور بتاؤ کیا ہوا ہے۔ گلے کو۔" اسے اٹھ کر بیٹھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ نرس نے تکیہ اس کے پیچھے رکھ دیا تھا اور وہ رائٹنگ پیڈ ہاتھ میں لئے سوچتا رہا۔

"کیا ہوا تھا؟ گلے کو، جسم کو، دماغ کو۔" وہ کچھ بھی لکھنے کے قابل نہیں تھا۔ سوجی ہوئی انگلیوں میں پکڑے پین کو وہ دیکھتا رہا۔ اسے یاد تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اسے اپنی وہ چیخیں یاد آ رہی تھیں جنہوں نے اب اسے بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ کیا لکھا جائے یہ کہ مجھے ایک پہاڑ پر ساری چیزیں چھین کر باندھ دیا گیا تھا یا پھر یہ کہ مجھے چند گھنٹوں کے لئے زندہ قبر میں اتار دیا گیا تھا تاکہ مجھے سوالوں کا جواب مل جائے۔

"What is next to ecstasy?"

وہ سفید صاف کاغذ کو دیکھتا رہا پھر اس نے مختصر سی تحریر میں اپنے ساتھ ہونے والا واقعہ تحریر کر دیا۔ ڈاکٹر نے رائٹنگ پیڈ پکڑ کر ایک نظر ان سات آٹھ جملوں پر ڈالی اور پھر اسے سکندر عثمان کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کو چاہیئے کہ فوری طور پر پولیس سے رابطہ کریں، تاکہ کار برآمد کی جا سکے، پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔ پتا نہیں وہ گاڑی کہاں سے کہاں لے جا چکے ہوں گے۔" ڈاکٹر نے ہمدردانہ انداز میں سکندر کو مشورہ دیا۔ سکندر نے رائٹنگ پیڈ پر ایک نظر ڈالی۔

"ہاں، میں پولیس سے کانٹیکٹ کرتا ہوں۔" پھر کچھ دیر ان دونوں کے درمیان اس کے گلے کے چیک اپ کے سلسلے میں بات ہوتی رہی پھر ڈاکٹر نرس کے ہمراہ باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی سکندر عثمان نے ہاتھ میں پکڑا ہوا رائٹنگ پیڈ سالار کے سینے پر دے مارا۔

"یہ جھوٹ کا پلندہ اپنے پاس رکھو۔۔۔۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ اب میں تمہاری کسی بات پر اعتبار کروں گا۔ نہیں کبھی نہیں۔"

سکندر بے حد مشتعل تھے۔

"یہ بھی تمہارا کوئی نیا ایڈونچر ہو گا۔ خودکشی کی کوئی نئی کوشش۔"

وہ کہنا چاہتا تھا۔ "فار گاڈ سیک۔۔۔۔ایسا نہیں ہے۔" مگر وہ گونگوں کی طرح ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"میں کیا کہوں ڈاکٹر سے کہ اس کو عادت ہے ایسے تماشوں اور ایسی حرکتوں کی، یہ پیدا ہی ان کاموں کے لئے ہوا ہے۔"

سالار نے سکندر عثمان کو کبھی اس حد تک مشتعل نہیں دیکھا تھا، شاید وہ واقعی اب اس سے تنگ آ چکے تھے۔ طیبہ خاموشی سے پاس کھڑی تھیں۔

"ہر سال ایک نیا تماشا، ایک نئی مصیبت، آخر تمہیں پیدا کر کے کیا گناہ کر بیٹھے ہیں ہم۔"

سکندر عثمان کو یقین تھا یہ بھی اس کے کسی نئے ایڈونچر کا حصہ تھا۔ جو لڑکا چار بار خود کو مارنے کی کوشش کر سکتا تھا اس کے ہاتھ پاؤں پر موجود ان زخموں کو کوئی ڈکیتی قرار نہیں دے سکتا تھا وہ بھی اس صورت میں جب اس واقعے کا کوئی گواہ نہیں تھا۔

سالار کو "شیر آیا، شیر آیا" والی کہانی یاد آئی۔ بعض کہانیاں واقعی سچی ہوتی ہیں۔ وہ بار بار جھوٹ بول کر اب اپنا اعتبار گنوا چکا تھا۔ شاید وہ سب کچھ ہی گنوا چکا تھا۔ اپنی عزت، خوداعتمادی، غرور، فخر، ہر چیز وہ کسی پاتال میں پہنچ گیا تھا۔

"کوئی نیا ڈرامہ کئے بڑے دن گزر گئے تھے تمہیں تو تم نے سوچا ماں باپ کو محروم کیوں رکھوں، انہیں خوار اور ذلیل کئے بڑا عرصہ ہو گیا ہے۔ اب نئی تکلیف دینی چاہئیے۔"

"ہو سکتا ہے سکندر! یہ ٹھیک کہہ رہا ہو۔ آپ پولیس کو گاڑی کے بارے میں اطلاع تو دیں۔"

اب طیبہ رائٹنگ پیڈ پر لکھی ہوئی تحریر پڑھنے کے بعد سکندر سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟ کبھی آج تک ٹھیک کہا ہے اس نے، مجھے اس بکواس کے ایک لفظ پر بھی یقین نہیں ہے۔"

تمہارا یہ بیٹا کسی دن مجھے اپنی کسی حرکت کی وجہ سے پھانسی پر چڑھا دے گا اور تم کہہ رہی ہو پولیس کو اطلاع دوں، اپنا مذاق بنواؤں۔ کار کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ کیا ہو گا اس نے، بیچ دی ہو گی کسی کو یا کہیں پھینک آیا ہو گا۔"

وہ اب اسے واقعی گالیاں دے رہے تھے۔ اس نے کبھی انہیں گالیاں دیتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ وہ صرف ڈانٹا کرتے تھے اور وہ ان کی ڈانٹ پر بھی مشتعل ہو جایا کرتا تھا۔ چاروں بھائیوں میں وہ واحد تھا جو ماں باپ کی ڈانٹ سننے کا بھی روادار نہیں تھا اور اس سے بات

کرتے ہوئے سکندر بہت محتاط ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ کسی بھی بات پر مشتعل ہو جایا کرتا تھا، مگر آج پہلی دفعہ سالار کو ان کی گالیوں پر بھی غصہ نہیں آیا تھا۔

وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس نے انہیں کس حد تک زچ کر دیا ہے۔ وہ پہلی بار اس بیڈ پر بیٹھے اپنے ماں باپ کی حالت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کای چیز تھی جو انہوں نے اسے نہیں دی تھی۔ اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے وہ اس کی فرمائش پوری کر دینے کے عادی تھے اور وہ اس کے بدلے میں انہیں کیا دیتا رہا تھا۔ کیا دے رہا تھا، ذہنی اذیت، پریشانی، تکلیف، اس کے علاوہ اس کے بہن بھائیوں میں سے کسی نے ان کے لئے کوئی پریشانی نہیں کھڑی کی تھی۔ صرف ایک وہ تھا جو۔۔۔۔۔

"کسی دن تمہاری وجہ سے ہم دونوں کو خود کشی کرنی پڑے گی۔ تمہیں تب ہی سکون ملے گا، صرف تب ہی چین آئے گا تمہیں۔"

پچھلی رات اس پہاڑ پر اس طرح بندھے ہوئے اسے پہلی بار ان کی یاد آئی تھی۔ پہلی بار اسے پتا چلا تھا کہ اسے ان کی کتنی ضرورت تھی، وہ ان کے بغیر کیا کرے گا، اس کے لئے ان کے علاوہ کون پریشان ہو گا۔

اسے سکندر کے لفظوں سے زندگی میں پہلی بار کوئی بے عزتی محسوس نہیں ہو رہی تھی وہ ہمیشہ سے سکندر کے زیادہ قریب رہا تھا اور اس کے سب سے زیادہ جھگڑے بھی ان ہی کے ساتھ ہوتے رہتے تھے۔

"میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں دوبارہ کبھی تمہاری شکل تک نہ دیکھوں۔ تمہیں دوبارہ وہیں پھنکوا دوں جس جگہ کے بارے میں تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"اب بس کرو سکندر۔" طیبہ نے ان کو ٹوکا۔

"میں بس کروں۔۔۔۔۔ یہ کیوں بس نہیں کرتا، کبھی تو ترس کھالے یہ ہم لوگوں پر اور اپنی حرکتیں چھوڑ دے۔ کیا اس پر یہ فرض کر کے اسے زمین پر اتارا گیا تھا کہ یہ ہماری زندگی عذاب بنا دے۔"

سکندر طیبہ کی بات پر مزید مشتعل ہو گئے۔

"ابھی وہ پولیس والے بیان لینے آجائیں گے۔ جنھوں نے اسے سڑک پر پکڑا تھا۔ یہ بکواس پیش کریں گے ان کے سامنے کہ اس بیچارے کو کسی نے لوٹ لیا ہے۔ اچھا تو یہ ہوتا کہ اس بار واقعی کوئی اسے لوٹتا اور اسے پہاڑ پر سے نیچے پھینکتا تا کہ میری جان چھوٹ جاتی۔"

سالار بے اختیار سسکنے لگا۔ سکندر اور طیبہ بھونچکا رہ گئے، وہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑے رو رہا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اسے روتا دیکھ رہے تھے اور وہ بھی ہاتھ جوڑے، وہ کیا کر رہا تھا؟ کیا چاہ رہا تھا؟ کیا بتا رہا تھا؟ سکندر عثمان بالکل ساکت تھے، طیبہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئیں، انہوں نے سالار کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے تھپکنے کی کوشش کی۔ وہ بچوں کی طرح ان سے لپٹ گیا۔

اس کی پائینتی کی طرف کھڑے سکندر عثمان کو اچانک احساس ہوا کہ شاید اس بار وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ شاید اس کے ساتھ واقعی کوئی حادثہ ہوا تھا۔ وہ طیبہ کے ساتھ لپٹا ننھے بچوں کی طرح ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ طیبہ اسے چپ کراتے کراتے خود بھی رونے لگیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو کیا بڑی بڑی باتوں پر بھی رونے کا عادی نہیں تھا، پھر آج کیا ہوا تھا کہ اس کے آنسو نہیں رک رہے تھے۔

اس سے دور کھڑے سکندر عثمان کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"اگر یہ ساری رات واقعی وہاں بند رہا تھا تو۔۔۔۔۔؟"

وہ ساری رات اس کے انتظار میں جاگتے رہے تھے اور بگڑتے رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ گاڑی لے کر پھر کہیں لاہور یا کہیں اور آوارہ گردی کے لئے چلا گیا ہو گا۔ انہیں تشویش ہو

رہی تھی مگر وہ سالار کی حرکتوں سے واقف تھے۔ اس لئے تشویش سے زیادہ غصہ تھا اور ڈھائی تین بجے کے قریب وہ سونے کے لئے چلے گئے تھے جب انہیں فون پر پولیس کی طرف سے یہ اطلاع ملی۔

وہ ہاسپٹل پہنچے تھے اور انہوں نے اسے وہاں بہت ابتر حالت میں دیکھا تھا مگر وہ یہ یقین کرنے پر تیار نہیں تھے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے وہ خود کو اذیت پہنچاتا رہا تھا جو شخص اپنی کلائی کاٹ لے، ون وے کو توڑتے ہوئے ٹریفک کی بھیڑ میں اپنی بائیک دے مارے، سلیپنگ پلز لے لے، اپنے آپ کو باندھ کر پانی میں الٹا کود جائے۔ اس کے لئے ایک بار پھر اپنی یہ حالت کرنا کیا مشکل تھا۔

اس کا جسم کیڑوں کے کاٹنے کے نشانات سے جگہ جگہ بھرا ہوا تھا۔ بعض جگہوں پر نیلاہٹ تھی۔ اس کے پیر بھی بری طرح سے زخمی تھے۔ ہاتھوں کی کلائیوں، گردن اور پشت کا بھی یہی حال تھا اور اس کے جبڑوں پر بھی خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود سکندر عثمان کو یقین تھا کہ یہ سب کچھ اس کی اپنی کارستانی ہی ہو گی۔

شاید اس وقت وہ بولنے کے قابل ہوتا اور وضاحتیں پیش کرتا تو وہ کبھی بھی اس پر یقین نہ کرتے مگر اسے اس طرح ہچکیوں کے ساتھ روتے دیکھ کر انہیں یقین آنے لگا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکل گئے اور انہوں نے موبائل پر پولیس سے رابطہ کیا۔ایک گھنٹے کے بعد انہیں پتا چل گیا کہ سرخ رنگ کی ایک سپورٹس کار پہلے ہی پکڑی جا چکی ہے اور اس کے ساتھ دو لڑکے بھی۔پولیس نے انہیں ایک معمول کی چیکنگ کے دوران لائسنس اور گاڑی کے کاغذات نہ ہونے پر گھبرا جانے پر پکڑا تھا۔انہوں نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے گاڑی کہیں سے چھینی تھی،وہ صرف یہی کہتے رہے کہ وہ گاڑی انہیں کہیں ملی تھی اور وہ صرف شوق اور تجسس سے مجبور ہو کر چلانے لگے چونکہ پولیس کے پاس ابھی تک کسی گاڑی کی ایف آئی آر بھی درج نہیں کرائی گئی تھی اس لئے ان کے بیان کی تصدیق مشکل ہو گئی تھی۔

مگر سکندر عثمان کی ایف آئی آر کے کچھ دیر بعد ہی انہیں کار کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ اب وہ صحیح معنوں میں سالار کے بارے میں تشویش کا شکار ہوئے تھے۔



سکندر اور طیبہ سالار کو اس رات واپس نہیں لے کر آئے،وہ اس رات ہاسپٹل میں ہی رہا اگلے دن اس کے جسم کا درد اور سوجن میں کافی کمی واقع ہو چکی تھی۔وہ دونوں گیارہ بجے کے

قریب اسے گھر لے آئے۔اس سے پہلے پولیس کے دو اہلکاروں نے اس سے ایک لمبا چوڑا تحریری بیان لیا تھا۔

سکندر اور طیبہ کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پہلی بار اس نے اپنی کھڑکیوں پر لگی ہوئی مختلف ماڈلز کی ان نیوڈ تصویروں کو دیکھا اسے بے اختیار شرم آئی۔طیبہ اور سکندر بہت بار اس کے کمرے میں آتے رہے تھے اور وہ تصویریں ان کے لئے کوئی نئی یا قابل اعتراض چیز نہیں تھیں۔

"تم اب آرام کرو۔میں نے تمہارے فریج میں پھل اور جوس رکھوا دیا ہے۔بھوک لگے تو نکال کر کھا لینا یا پھر ملازم کو بلوا لینا،وہ نکال دے گا۔"

طیبہ نے اس سے کہا۔وہ اپنے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔وہ دونوں کچھ دیر تک اس کے پاس رہے پھر کھڑکی کے پردے برابر کر کے اسے سونے کی تاکید کرتے ہوئے چلے گئے،وہ ان کے باہر نکلتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔اس نے کمرے کے دروازے کو اندر سے لاک کیا۔کھڑکیوں کے پردے ہٹا کر اس نے بہت تیزی سے ان پر لگی ہوئی تمام تصویروں کو اتارنا شروع کر دیا۔پوسٹر، تصویریں، کٹ آؤٹ۔اس نے چند منٹ میں پورا کمرہ صاف کر دیا تھا،واش روم میں جا کر اس نے باتھ ٹب میں انہیں پھینک دیا۔

واش روم کی لائٹ جلانے پر اس کی نظر اپنے چہرے پر پڑی تھی۔ وہ بری طرح سوجا ہوا اور نیلا ہو رہا تھا وہ ایسے ہی چہرے کی توقع کر رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر واش روم سے نکل آیا۔ اس کے کمرے میں پورنو گرافی کے بہت سے میگزین بھی پڑے تھے۔ وہ انہیں اٹھا لایا۔ اس نے انہیں بھی باتھ ٹب میں پھینک دیا، پھر وہ باری باری اپنے ریک میں پڑی ہوئی گندی ویڈیوز اٹھا کر اس میں سے ٹیپ نکالنے لگا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اس کا کارپٹ ٹیپ کے ڈھیر سے بھرا ہوا تھا۔

اس نے وہاں موجود تمام ویڈیوز کو ضائع کر دیا اور ٹیپ کے اس ڈھیر کو اٹھا کر باتھ ٹب میں پھینک دیا اور لائٹر کے ساتھ اس نے انہیں آگ لگا دی۔ ایک چنگاری بھڑکی تھی اور تصویروں اور ٹیپ کا وہ ڈھیر جلنے لگا تھا اس نے ایگزاسٹ آن کر دیا تھا۔ باتھ روم کی کھڑکیاں کھول دیں وہ اس ڈھیر کو اس لئے جلا رہا تھا کیونکہ وہ اس آگ سے بچنا چاہتا تھا جو دوزخ میں اسے اپنی لپیٹوں میں لے لیتی۔

آگ کی لپیٹیں تصویروں اور ٹیپ کے اس ڈھیر کو کھا رہی تھیں۔ یوں جیسے وہ صرف آگ کے لئے ہی بنائی گئی تھیں۔

وہ پلکیں جھپکے بغیر باتھ ٹب میں آگ کے اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا یوں جیسے وہ اس وقت کسی دوزخ کے کنارے کھڑا تھا۔ ایک رات پہلے اس پہاڑی پر اس حالت میں اسلام آباد کی

روشنیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کی زندگی کی آخری رات تھی اور وہ اس کے بعد دوبارہ کبھی ان روشنیوں کو نہیں دیکھ سکے گا۔

اس نے ہذیانی حالت میں گلا پھاڑ کر چیختے ہوئے بار بار کہا تھا۔ "ایک بار، صرف ایک بار، مجھے ایک موقع دیں۔ صرف ایک موقع، میں دوبارہ گناہ کے پاس تک نہیں جاؤں گا۔ میں کبھی گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔" اسے یہ موقع دے دیا گیا تھا اب اس وعدے کو پورا کرنے کا وقت تھا۔ آگ نے ان سب کاغذوں کو راکھ بنا دیا تھا جب آگ بجھ گئی تو اس نے پانی کھول کر پائپ کے ساتھ اس راکھ کو بہانا شروع کر دیا۔

سالار پلٹ کر دوبارہ واش بیسن کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اس کے گلے میں موجود سونے کی چین کو وہ لوگ اتار کر لے گئے تھے مگر اس کے کان کی لو میں موجود ڈائمنڈ ٹاپس وہیں تھا۔ وہ پلاٹینم میں جڑا ہوا تھا اور ان لوگوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ شاید ان کا خیال ہو گا کہ وہ کوئی معمولی پتھر یا پھر زرقون ہو گا یا پھر شاید اس کے لمبے کھلے بالوں کی وجہ سے اس کے کان کی لو چھپی رہی ہو گی۔

وہ کچھ دیر آئینے میں خود کو دیکھتا رہا پھر اس نے کان کی لو میں موجود ٹاپس اٹھا کر واش بیسن کے پاس رکھ دیا شیونگ کٹ میں موجود کلپر اس نے نکالا اور اپنے بال کاٹنے لگا۔ بڑی بے رحمی

اور بے دردی کے ساتھ۔ واش بیسن میں بہتا ہوا پانی ان بالوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہا تھا۔

ریزر نکال کر اس نے شیو کرنی شروع کر دی۔ وہ جیسے اپنی تمام نشانیوں سے پیچھا چھڑا رہا تھا۔ شیو کرنے کے بعد اس نے اپنے کپڑے نکالے اپنے ہاتھوں پر بندھی پٹیاں کھولیں اور شاور کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پورا ایک گھنٹہ اپنے پورے جسم کے ایک ایک حصے کو کلمہ پڑھ پڑھ کر صاف کرتا رہا۔ یوں جیسے وہ آج پہلی بار اسلام سے متعارف ہوا ہو۔ پہلی بار مسلمان ہوا ہو۔

واش روم سے باہر آ کر اس نے فریج میں رکھے سیب کے چند ٹکڑے کھائے اور پھر سونے کے لئے لیٹ گیا۔ دوبارہ اس کی آنکھ الارم سے کھلی جسے اس نے سونے سے پہلے لگایا تھا۔ دو بج رہے تھے۔



"مائی گاڈ سالار! یہ اپنے بالوں کو کیا کیا ہے تم نے؟" طیبہ اسے دیکھتے ہی کچھ دیر کے لئے بھول گئیں کہ وہ بولنے کے قابل نہیں تھا۔ سالار نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر ان کے سامنے کر دیا۔

"میں مارکیٹ جانا چاہتا ہوں۔" اس پر لکھا ہوا تھا۔

"کس لئے؟" طیبہ نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"تم ابھی ٹھیک نہیں ہوئے ہو۔ کچھ گھنٹے ہوئے ہی تمہیں ہاسپٹل سے آئے اور تم ایک بار پھر آوارہ گردی کے لئے نکلنا چاہتے ہو۔" طیبہ نے اسے قدرے نرم آواز میں جھڑکا۔

"ممی! میں کچھ کتابیں خریدنا چاہتا ہوں۔" سالار نے ایک بار پھر کاغذ پر لکھا۔ "میں آوارہ گردی کرنے کے لئے نہیں جا رہا۔"

طیبہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ "تم ڈرائیور کے ساتھ چلے جاؤ۔" سالار نے سر ہلا دیا۔



وہ جس وقت مارکیٹ کی پارکنگ میں گاڑی سے اترا شام ہو چکی تھی۔ مارکیٹ کی روشنیاں وہاں جیسے رنگ و نور کا ایک سیلاب لے آئی تھیں۔ وہ جگہ جگہ پھرتے لڑکے لڑکیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ مغربی ملبوسات میں ملبوس بے فکری اور لاپرواہی سے قہقہے لگاتے ہوئے اسے زندگی میں پہلی بار اس جگہ سے وحشت ہوئی تھی، وہی وحشت جو وہ اڑتالیس گھنٹے پہلے مارگلہ کی ان پہاڑیوں پر محسوس کرتا رہا تھا۔ وہ ان ہی لڑکوں میں سے ایک تھا لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے والا۔ بلند و بانگ قہقہے لگانے والا، فضول اور بے ہودہ باتیں کرنے والا، اپنا سر نیچے کئے وہ کسی بھی چیز پر دھیان دیئے بغیر سامنے نظر آنے والی بک شاپ میں چلا آیا۔

اپنی جیب سے کاغذ نکال کر اس نے دوکاندار کو اپنی مطلوبہ کتابوں کے بارے میں بتایا۔ وہ قرآن پاک کا ایک ترجمہ اور نماز کے بارے میں کچھ دوسری کتابیں خریدنا چاہتا تھا۔ دوکاندار نے اسے حیرانی سے دیکھا، وہ سالار کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ وہاں سے پورنوگرافی کے غیر ملکی میگزینز اور سڈنی شیلڈن اور ہیرلڈ روبنز سمیت چند دوسرے انگلش ناولز لکھنے والوں کے ہر نئے ناول کو خریدنے کا عادی تھا۔

سالار اس کی نظروں کے استعجاب کو سمجھتا تھا۔ وہ اس سے نظریں ملانے کے بجائے صرف کاونٹر کو دیکھتا رہا۔ وہ آدمی کسی سیلز مین کو ہدایات دیتا رہا پھر اس نے سالار سے کہا۔

"آپ بڑے دن بعد آئے۔ کہیں گئے ہوئے تھے؟"

"اسٹڈیز کے لئے باہر۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے سامنے پڑے ہوئے کاغذ پر لکھا۔

"اور یہ گلے کو کیا ہوا؟"

"بس ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے لکھا۔

سیلز مین قرآن پاک کا ترجمہ اور اور دوسری مطلوبہ کتابیں لے آیا۔

"ہاں! یہ اسلامی کتابوں کا آج کل بڑا ٹرینڈ چلا ہوا ہے۔ لوگ بہت پڑھنے لگے ہیں، بڑی اچھی بات ہے۔ خاص طور پر باہر جا کر تو ضرور پڑھنا چاہئیے۔" دوکاندار نے بڑے کاروباری انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ سالار نے کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنے سامنے پڑی کتابوں پر ایک نظر دوڑانے لگا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے دائیں ہاتھ قرآن پاک کے ترجمے کے ساتھ کاونٹر پر خالی جگہ پر شاپ کیپر نے اس کے سامنے پورنوگرافی کے کچھ نئے میگزینز رکھ دیئے۔ کتابوں کو دیکھتے دیکھتے اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"یہ نئے آئے ہیں، میں نے سوچا آپ کو دکھا دوں۔ ہو سکتا ہے آپ خرید نا پسند کریں۔"

سالار نے ایک نظر قرآن پاک کے ترجمے کو دیکھا دوسری نظر چند انچ دور پڑے ان میگزینز کو دیکھا، غصے کی ایک لہر سی اس کے اندر اٹھی تھی۔ "کیوں؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ اپنے بائیں ہاتھ

سے ان میگزینز کو اٹھا کر وہ جتنی دور اس شاپ کے اندر پھینک سکتا تھا اس نے پھینک دیئے۔ چند لمحوں کے لئے پوری شاپ میں خاموشی چھا گئی۔

سیلز مین ہکا بکا کھڑا تھا۔ "بل" سالار نے کاغذ پر گھسیٹا اور سرخ چہرے کے ساتھ اس سیلز مین کی نکھوں کے سامنے اس کاغذ کو کیا۔ سیلز مین نے کچھ بھی کہے بغیر اپنے سامنے پڑے کمپیوٹر پر ان کتابوں کا بل بنانا شروع کر دیا جو اس کے سامنے رکھی تھیں۔

چند منٹوں میں سالار نے بل ادا کیا اور کتابیں اٹھا کر دروزے کی طرف بڑھ گیا۔

"ایڈیٹ۔۔۔۔۔ دوکان سے باہر نکلتے ہوئے اس نے کاونٹر کے پاس کھڑی ایک لڑکی کا تبصرہ سنا، مخاطب کون تھا اس نے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ جانتا تھا وہ تبصرہ اسی پر کیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو ہفتے بعد اس کی آواز بحال ہو گئی تھی۔ اگرچہ ابھی اس کی آواز بالکل بیٹھی ہوئی تھی، مگر وہ بولنے کے قابل ہو گیا تھا اور ان دو ہفتوں میں وہ روح کی دریافت میں مصروف رہا۔ وہ زندگی میں پہلی بار یہ کام کر رہا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے یہ احساس ہوا تھا کہ روح بھی کوئی

وجود رکھتی تھی اور اگر روح کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو جائے تو وہ زندگی میں پہلی بار خاموشی کے ایک لمبے فیز میں داخل ہوا تھا۔ بولنا نہیں سننا۔۔۔۔۔ صرف سننا بھی بعض دفعہ بہت اہم ہوتا ہے اس کا ادراک اسے پہلی بار ہو رہا تھا۔

اسے زندگی میں کبھی رات سے خوف نہیں آیا تھا۔ اس واقعے کے بعد اسے رات سے بے تحاشا خوف آنے لگا تھا۔ وہ کمرے کی لائٹ آن کر کے سوتا تھا۔ اس نے پولیس کسٹڈی میں ان دونوں لڑکوں کو پہچان لیا تھا، مگر وہ پولیس کے ساتھ اس جگہ پر جانے کے لئے تیار نہیں ہوا تھا جہاں اس شام وہ اسے باندھ کر چھوڑ گئے تھے۔ وہ دوبارہ کسی ذہنی پراگندگی کا شکار ہونا نہیں چاہتا تھا، اس نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی اتنی بے خواب راتیں نہیں گزاری تھیں مگر اب یہ ہو رہا تھا کہ وہ سلیپنگ پلز لئے بغیر سونے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا اور بعض دفعہ جب وہ سلیپنگ پلز نہیں نہ لیتا تو وہ ساری رات جاگتے ہوئے گزار دیتا، اس نے نیو ہیون میں بھی ایسے ہی چند ہفتے گزارے تھے۔ اتنے ہی تکلیف دہ اور اذیت ناک مگر تب صرف الجھن اور اضطراب تھا یا شاید کسی حد تک پچھتاوا۔

مگر اب وہ ایک تیسری کیفیت سے گزر رہا تھا خوف سے، وہ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس رات اسے کس چیز سے زیادہ خوف آیا تھا۔ موت سے، قبر سے یا پھر دوزخ سے۔

امامہ نے کہا تھا ecstasy کے بعد pain ہوتی ہے۔ موت pain تھی۔

اس نے کہا تھا pain کے بعد nothingness ہو گی۔

قبر nothingness تھی۔

امامہ نے کہا تھا nothingness کے بعد hell آجائے گا۔

وہ وہاں تک پہنچنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس ecstasy سے بچنا چاہتا تھا، جو اسے pain سے hell کا سفر کرنے پر مجبور کر دیتی۔

"اگر مجھے ان سب چیزوں کا پتا نہیں تھا تو امامہ کو کیسے پتا تھا۔ وہ میری ہی عمر کی ہے۔ وہ میرے جیسے خاندان سے تعلق رکھتی ہے، پھر اس کے پاس ان سوالوں کے جواب کیسے آ گئے؟" وہ حیران ہوتے ہوئے سوچنے لگتا۔ آسائشیں تو اس کے پاس بھی ویسی ہی تھیں جیسی میرے پاس تھیں پھر اس میں اور مجھ میں کیا فرق تھا وہ جس مکتبہء فکر سے تھی وہ کون ہوتے ہیں اور وہ کیوں اس مکتبہء فکر سے منسلک رہنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے پہلی بار اس کے بارے میں تفصیلی طور پر پڑھا۔ اس کی الجھنوں میں اضافہ ہوا، ختم نبوت پر اختلاف کیا اتنا اہم ایشو ہے کہ ایک لڑکی اس طرح اپنا گھر چھوڑ کر چلی جائے۔

"میں نے اسجد سے اس لئے شادی نہیں کی کیونکہ وہ ختم نبوت ﷺ پر یقین نہیں رکھتا۔ تم سمجھتے ہو میں تمہارے جیسے انسان کے ساتھ زندگی گزارنے پر تیار ہو جاؤں گی۔ ایک ایسے

شخص کے ساتھ جو ختم نبوت ﷺ پر یقین رکھتا ہے اور پھر بھی گناہ کرتا ہے جو ہر وہ کام کرتا ہے جس سے میرے پیغمبر ﷺ نے منع فرمایا۔ اگر میں حضرت محمد ﷺ پر یقین نہ رکھنے والے سے شادی نہیں کروں گی تو میں آپ ﷺ کی نافرمانی کرنے والے کے ساتھ بھی زندگی نہیں گزاروں گی۔"

اسے امامہ ہاشم کا ہر لفظ یاد تھا۔ وہ مفہوم پر پہلی بار غور کر رہا تھا۔

"تم یہ بات نہیں سمجھو گے۔"

اس نے بہت بار سالار سے یہ جملہ کہا تھا۔ اتنی بار کہ وہ اس جملے سے چڑنے لگا تھا۔ آخر وہ یہ بات کہہ کر اس پر کیا جتانا چاہتی تھی یہ کہ وہ کوئی بہت بڑی اسکالر یا پارسا تھی اور وہ اس سے کمتر۔۔۔۔۔

اب وہ سوچ رہا تھا، وہ بالکل ٹھیک کہتی تھی۔ وہ واقعی تب کچھ بھی سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ کیچڑ میں رہنے والا کیڑا یہ کیسے جان سکتا تھا کہ وہ کس گندگی میں رہتا ہے، اسے اپنے بجائے دوسرے گندگی میں لپٹے اور گندگی میں رہتے نظر آتے ہیں۔ وہ تب بھی گندگی میں ہی تھا۔

"مجھے تمہاری آنکھوں سے، تمہارے کھلے گریبان سے گھن آتی ہے۔" اسے پہلی بار اب ان دونوں چیزوں سے گھن آئی۔" آئینے کے سامنے رکھے ہونے پر یہ جملہ کسی بزورڈ (buz

word) کی طرح کئی ماہ تک اس کے کانوں میں گونجتا رہا۔ وہ ہر بار اسے ذہن سے جھٹکتا کچھ مشتعل ہو جاتا، اپنے کام میں مصروف ہو جاتا مگر اب پہلی بار اس نے محسوس کیا تھا کہ اسے خود بھی اپنے آپ سے گھن آنے لگی تھی۔ وہ اپنا گریبان بند رکھنے لگا تھا۔ اپنی آنکھوں کو جھکانے لگا۔ وہ آئینے میں بھی خود اپنی آنکھوں میں دیکھنے سے کترانے لگا تھا۔

اس نے کبھی کسی سے یہ نہیں سنا تھا کہ کسی کو اس کی آنکھوں اس کی نظروں سے گھن آتی تھی۔ خاص طور پر کسی لڑکی کو۔

یہ اس کی آنکھیں نہیں ان آنکھوں میں جھانکنے والا تاثر تھا، جس سے امامہ ہاشم کو گھن آئی تھی۔ اور امامہ ہاشم سے پہلے کسی لڑکی نے اس تاثر کو شناخت نہیں کیا تھا۔

وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والی لڑکیوں کی کمپنی میں رہتا تھا اور وہ ایسی ہی لڑکیوں کو پسند کرتا تھا۔ امامہ ہاشم نے کبھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی تھی وہ اس کے چہرے کو دیکھتی اور اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر نظر ہٹا لیتی یا کسی اور چیز کو دیکھنے لگتی۔ سالار کو خوش فہمی تھی کہ وہ اس سے نظریں اس لئے چرا رہی تھی کیونکہ اس کی آنکھیں بہت پرکشش تھیں۔

اسے پہلی بار اس کے منہ سے فون پر یہ سن کر شاک لگا تھا کہ اسے اس کی آنکھوں سے گھن آتی تھی۔

"آنکھیں روح کی کھڑکیاں ہوتی ہیں۔" اس نے کہیں پڑھا تھا تو کیا میری آنکھیں میرے اندر چھپی گندگی کو دکھانا شروع ہو گئی تھیں۔ اسے تعجب نہیں ہوا۔ ایسا ہی تھا مگر اس گندگی کو دیکھنے کے لئے سامنے والے کا پاک ہونا ضروری تھا اور امامہ ہاشم پاک تھی۔



"آپ اب مجھے کچھ بھی نہ سمجھائیں۔ آپ کو اب مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

سالار نے سکندر سے آنکھیں ملائے بغیر کہا۔

وہ دوبارہ Yale جا رہا تھا اور جانے سے پہلے سکندر نے ہمیشہ کی طرح اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ وہی پرانی نصیحتیں کسی موہوم سی آس اور امید میں ایک بار پھر اس کے کانوں میں ٹھونسنے کی کوشش کی تھی مگر اس بار ان کے بات شروع کرتے ہی سالار نے انہیں شاید زندگی میں پہلی دفعہ یقین دہائی کروائی تھی اور زندگی میں پہلی بار سکندر عثمان کو اس کے الفاظ پر یقین آیا تھا۔

وہ اس حادثے کے بعد اس میں آنے والی تبدیلیوں کو واضح طور پر دیکھ رہے تھے۔ وہ پہلے والا سالار نہیں رہا تھا، اس کی زندگی ہی تبدیل ہو چکی تھی۔ اس کا حلیہ، اس کا انداز، سب کچھ۔۔۔۔ اس کے اندر کے شعلے کو جیسے کسی نے پھونک مار کر بجھا دیا تھا۔ صحیح ہوا تھا یا غلط، یہ تبدیلیاں اچھی تھیں یا بری۔ خود سکندر عثمان بھی اس پر کوئی رائے دینے کے قابل نہیں ہوئے تھے مگر انہیں یہ ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ اس میں کوئی بہت بڑی تبدیلی آئی تھی۔ انہیں یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے زندگی میں پہلی بار چوٹ کھائی تھی اور زندگی میں پہلی بار پڑنے والی چوٹ، بڑے بڑوں کو رلا دیتی ہے وہ تو پھر اکیس بائیس سال کا لڑکا تھا۔

زندگی میں بعض دفعہ ہمیں پتا نہیں چلتا کہ ہم تاریکی سے باہر آئے ہیں یا تاریکی میں داخل ہوئے ہیں۔ اندھیرے میں سمت کا پتا نہیں چلتا مگر آسمان اور زمین کا پتا ضرور چل جاتا ہے بلکہ ہر حال میں چلتا ہے۔ سر اٹھانے پر آسمان ہی ہوتا ہے، سر جھکانے پر زمین ہی ہوتی ہے۔ دکھائی دے نہ دے مگر زندگی میں سفر کرنے کے لئے صرف چار سمتوں ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے۔ پانچویں سمت پیروں کے نیچے ہوتی ہے۔ وہاں زمین نہ ہو تو پاتال آ جاتا ہے۔ پاتال میں پہنچنے کے بعد کسی سمت کی ضرورت نہیں رہتی۔

چھٹی سمت سر سے اوپر ہوتی ہے۔ وہاں جایا ہی نہیں جا سکتا۔ وہاں اللہ ہوتا ہے۔ آنکھوں سے نظر نہ آنے والا مگر دل کی ہر دھڑکن، خون کی ہر گردش، ہر آنے جانے والے سانس، حلق

سے اترنے والے ہر نوالے کے ساتھ محسوس ہونے والا۔ وہ فوٹو گرافک میموری، وہ 150+ آئی کیو لیول اسے اب عذاب لگ رہا تھا۔ وہ سب کچھ بھولنا چاہتا تھا۔ وہ سب جو وہ کرتا رہا، وہ کچھ بھی بھلانے کے قابل نہیں تھا۔ کوئی اس سے اس کی تکلیف پوچھتا۔



نیو ہیون واپس آنے کے بعد اس نے زندگی کے ایک نئے سفر کو شروع کیا تھا۔

اس رات اس جنگل کے ہولناک اندھیرے اور تنہائی میں اس درخت کے ساتھ بندھے بلکتے ہوئے کئے گئے تمام وعدے اسے یاد تھے۔

وہ سب سے بالکل الگ تھلگ رہنے لگا تھا۔ معمولی سے رابطے اور تعلق کے بھی بغیر۔

"مجھے تم سے نہیں ملنا۔"

وہ صاف گو تو ہمیشہ سے ہی تھا مگر اس حد تک ہو جائے گا اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اس کی توقع نہیں تھی۔ چند ہفتے اس کے بارے میں اس کا گروپ چہ میگوئیاں کرتا رہا پھر یہ چہ میگوئیاں اعتراضات اور تبصروں میں تبدیل ہو گئیں اور اس کے بعد طنزیہ جملوں اور

ناپسندیدگی میں پھر سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے۔ سالار سکندر کسی کی زندگی کا مرکز اور محور نہیں تھا نہ دوسرا کوئی اس کی زندگی کا۔

اس نے نیوہیون پہنچنے کے بعد جو چند کام کیے تھے اس میں جلال انصر سے ملاقات کی کوشش بھی کی تھی۔ وہ پاکستان سے واپس آتے ہوئے اس کے گھر سے امریکہ میں اس کا ایڈریس لے آیا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس کا ایک کزن بھی اسی ہاسپٹل میں کام کر رہا تھا۔ باقی کا کام بہت آسان ثابت ہوا۔ ضرورت سے زیادہ آسان۔

وہ اس سے ایک بار مل کر اس سے معذرت کرنا چاہتا تھا۔ اسے ان تمام جھوٹوں کے بارے میں بتا دینا چاہتا تھا جو وہ اس سے امامہ کے بارے میں اور امامہ کو اس کے بارے میں بولتا رہا تھا۔ وہ ان دونوں کے تعلق میں اپنے رول کے لئے شرمندہ تھا۔ وہ اس کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔ وہ جلال انصر تک پہنچ چکا تھا اور وہ امامہ ہاشم تک پہنچنا چاہتا تھا۔

وہ جلال انصر کے ساتھ ہاسپٹل کے کیفے ٹیریا میں بیٹھا ہوا تھا۔ جلال انصر کے چہرے پر بے حد سنجیدگی تھی اور اس کے ماتھے پر پڑے ہوئے بل اس کی ناراضی کو ظاہر کر رہے تھے۔

سالار کچھ دیر پہلے ہی وہاں پہنچا تھا اور جلال انصر اسے وہاں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اس نے جلال سے چند منٹ مانگے تھے۔ وہ دو گھنٹے انتظار کروانے کے بعد بالآخر کیفے ٹیریا میں آ گیا تھا۔

"سب سے پہلے تو میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم نے مجھے ڈھونڈا کیسے؟" اس نے آپ جناب کے تمام تکلفات کو برطرف رکھتے ہوئے ٹیبل پر بیٹھتے ہی سالار سے کہا۔

"یہ اہم نہیں ہے۔"

"یہ بہت اہم ہے۔ اگر تم واقعی یہ چاہتے ہو کہ میں کچھ دیر تمہارے ساتھ یہاں گزاروں تو مجھے پتا ہونا چاہیئے کہ تم نے مجھے کیسے ڈھونڈا؟"

"میں نے اپنے کزن سے مدد لی ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور اس شہر میں بہت عرصے سے کام کر رہا ہے۔ میں یہ نہیں جانتا اس نے آپ کو کیسے ڈھونڈا ہے۔ میں نے اسے صرف آپ کا نام اور کچھ دوسری معلومات دی تھیں۔" سالار نے کہا۔

"لنچ۔۔۔۔؟" جلال نے بڑے رسمی انداز میں کہا، وہ ٹیبل پر آتے ہوئے اپنی لنچ ٹرے ساتھ لے کر آیا تھا۔

"نہیں، میں نہیں کھاؤں گا۔" سالار نے شکریہ کے ساتھ معذرت کر لی۔

جلال نے کندھے اچکائے اور کھانا شروع کر دیا۔

"کس معاملے میں بات کرنا چاہتے تھے تم مجھ سے؟"

"میں آپ کو چند حقائق سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔"

جلال نے اپنی بھنویں اچکائیں۔ "حقائق؟"

"میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ میں امامہ کا دوست نہیں تھا۔ وہ میرے دوست کی بہن تھی۔ صرف میری نیکسٹ ڈور neighbour ۔۔۔۔۔" جلال نے کھانا جاری رکھا۔

"میری اس سے معمولی جان پہچان تھی۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتی تھی خود میں بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ میں نے آپ پر یوں ظاہر کیا جیسے وہ میری بہت گہری دوست تھی۔ میں آپ دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنا چاہتا تھا۔"

جلال سنجیدگی سے اس کی بات سنتے ہوئے کھانا کھاتا رہا۔

"اس کے بعد جب امامہ گھر سے نکل کر آپ کے پاس آنا چاہتی تھی تو میں نے اس سے جھوٹ بولا۔ آپ کی شادی کے بارے میں۔"

اس بار جلال کھانا کھاتے کھاتے رک گیا۔ "میں نے اس سے کہا کہ آپ شادی کر چکے ہیں۔ وہ آپ کے پاس اسی لئے نہیں آئی تھی۔ مجھے بعد میں احساس ہوا کہ میں نے بہت نا

مناسب حرکت کی ہے مگر اس وقت تک دیر ہو چکی تھی۔ امامہ سے میرا کوئی رابطہ نہیں تھا مگر یہ ایک اتفاق ہے کہ آپ سے میرا رابطہ ہو گیا۔ میں آپ سے ایکسکیوز کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری معذرت قبول کرتا ہوں مگر میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری وجہ سے میرے اور امامہ کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی، میں پہلے ہی اس سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔" جلال نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"وہ آپ سے بہت محبت کرتی تھی۔" سالار نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہاں میں جانتا ہوں مگر شادی وغیرہ میں صرف محبت تو نہیں دیکھی جاتی اور بھی بہت کچھ دیکھا جاتا ہے۔" جلال بہت حقیقت پسندانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"جلال! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔"

"پہلی بات یہ کہ میرا اس کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ میرا اس کے ساتھ رابطہ ہوتا بھی تب بھی میں اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔"

"اس کو آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔" سالار نے کہا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ اسے میرے سہارے کی ضرورت ہے۔ اب تو بہت عرصہ گزر چکا ہے اب تک وہ کوئی نہ کوئی سہارا تلاش کر چکی ہو گی۔" جلال نے اطمینان سے کہا۔

"ہو سکتا ہے اس نے ایسا نہ کیا ہو۔وہ ابھی بھی آپ کا انتظار کر رہی ہو۔"

"میں اس طرح کے امکانات پر غور کرنے کا عادی نہیں ہوں۔میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میرے لئے اپنے کیریئر کی اس اسٹیج پر شادی ممکن ہی نہیں ہے۔وہ بھی اس سے۔"

"کیوں۔۔۔۔۔؟"

"اس کیوں کا جواب میں تمہیں کیوں دوں۔تمہارا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔میں اس سے کیوں شادی نہیں کرنا چاہتا۔میں تب ہی اسے بتا چکا ہوں اور اتنے عرصے کے بعد تم دوبارہ آکر پھر وہی پینڈورا باکس کھولنے کی کوشش کر رہے ہو۔" جلال نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"میں صرف اس نقصان کی تلافی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، جو میری وجہ سے آپ دونوں کا ہوا۔" سالار نے نرمی سے کہا۔

"میرا کوئی نقصان نہیں ہوا اور امامہ کا بھی نہیں ہوا ہوگا۔تم ضرورت سے زیادہ حساس ہو رہے ہو۔"

جلال نے سلاد کے چند ٹکڑے منہ میں ڈالتے ہوئے اطمینان سے کہا۔سالار اسے دیکھتا رہا۔وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ اسے اپنی بات کیسے سمجھائے۔

"میں اس کو ڈھونڈنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔اس نے کچھ دیر بعد کہا۔" مگر میں اسے ڈھونڈنا نہیں چاہتا۔شادی مجھے اس سے نہیں کرنی پھر ڈھونڈنے کا فائدہ۔"

سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔"آپ جانتے ہیں اس نے کس لئے گھر چھوڑا تھا؟"

"میرے لئے بہر حال نہیں چھوڑا تھا۔" جلال نے بات کاٹی۔

"آپ کے لئے نہیں چھوڑا تھا، مگر جن وجوہات کی بنا پر چھوڑا تھا کیا ایک مسلمان کے طور پر آپ کو اس کی مدد نہیں کرنی چاہیئے جب کہ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ لڑکی آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔آپ سے بہت انسپائرڈ ہے۔"

"میں دنیا میں کوئی واحد مسلمان نہیں ہوں اور نہ ہی مجھ پر یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ میں اس کی مدد ضرور کروں۔میری ایک ہی زندگی ہے اور میں اسے کسی دوسرے کی وجہ سے تو خراب نہیں کر سکتا اور پھر تم بھی مسلمان ہو، تم کیوں نہیں شادی کرتے اس سے؟ میں نے تو تب بھی تم سے کہا تھا کہ تم اس سے شادی کر لو۔تم ویسے بھی اس کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہو۔"

جلال انصر نے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔سالار اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔وہ اسے بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ اس سے شادی کر چکا ہے۔

"شادی۔۔۔۔۔؟ وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔" اس نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں اسے سمجھا سکتا ہوں۔ تم میرا اس سے رابطہ کروادو تو میں اسے تم سے شادی پر تیار کرلوں گا۔ اچھے آدمی ہو تم۔۔۔۔اور خاندان وغیرہ بھی ٹھیک ہی ہوگا تمہارا۔ کارتوڈیڑھ سال پہلے بھی بڑی شاندار رکھی ہوئی تھی تم نے۔ اس کا مطلب ہر روپیہ وغیرہ ہوگا تمہارے پاس۔ ویسے یہاں کس لئے ہو؟"

"ایم بی اے کر رہا ہوں۔"

"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ جاب تمہیں مل جائے گی۔ روپیہ ویسے بھی تمہارے پاس ہے۔ لڑکیوں کو اور کیا چاہئیے۔ امامہ تو ویسے بھی تمہیں جانتی ہے۔" جلال نے چٹکی بجاتے مسئلہ حل کیا تھا۔

"سارا مسئلہ تو اسی "جاننے" نے ہی پیدا کیا ہے۔ وہ مجھے ضرورت سے زیادہ جانتی ہے۔" سالار نے جلال کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔" سالار نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"اب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ لڑکیاں کچھ زیادہ جذباتی ہوتی ہیں اس معاملے میں۔" جلال نے قدرے بیزاری سے کہا۔

"یہ ون سائیڈڈ لوافیئر تو نہیں ہوگا۔ آپ کسی نہ کسی حد تک اس میں انوالو تو ضرور ہوں گے۔" سالار نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں تھوڑا بہت انوالو تھا، مگر وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ ترجیحات بھی بدلتی رہتی ہیں انسان کی۔"

"اگر آپ کو وقت اور حالات کے ساتھ اپنی ترجیحات بدلنی تھیں تو آپ کو اس کے بارے میں امامہ کو انوالو ہوتے ہوئے ہی بتادینا چاہئیے تھا۔ کم از کم اس سے یہ ہوتا کہ وہ آپ سے مدد کی توقع رکھتی نہ ہی آپ پر اس قدر انحصار کرتی۔ میں اُمید کرتا ہوں آپ یہ تو نہیں کہیں گے کہ آپ نے اس سے شادی کے حوالے سے کبھی کوئی بات یا وعدہ کیا ہی نہیں تھا۔"

جلال کچھ کہنے کی بجائے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"تم مجھے کیا جتانے اور بتانے کی کوشش کر رہے ہو؟" اس نے چند لمحوں کے بعد اکھڑے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس نے جب مجھ سے پہلی بار رابطہ کیا تھا تو آپ کا فون نمبر اور ایڈریس دے کر اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے پوچھوں آپ نے اپنے پیرنٹس سے شادی کی بات کرلی ہے۔ میں نے اسے اپنا فون دیا تھا کہ وہ آپ سے یہ بات خود پوچھ لے۔ یقیناً اسلام آباد آنے سے پہلے

آپ نے اس سے یہ کہا ہوگا کہ آپ اس سے شادی کے لئے اپنے پیرنٹس سے بات کریں گے۔آپ نے یقیناً پہلے محبت وغیرہ کے اظہار کے بعد اسے پروپوز کیا ہوگا۔"

جلال نے کچھ برہمی سے اس کی بات کاٹی۔"میں اسے پروپوز نہیں کیا تھا۔اس نے مجھے پروپوز کیا تھا۔"

"مان لیتا ہوں اس نے پروپوز کیا۔آپ نے کیا کیا؟انکار کر دیا؟"وہ چیلنج کرنے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"انکار نہیں کیا ہوگا۔"سالار عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"اس نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نعت بڑی اچھی پڑھتے ہیں۔اور آپ کو حضرت محمد ﷺ سے بھی بہت محبت ہے۔آپ کو بھی بتایا ہوگا اس نے کہ وہ آپ سے محبت کیوں کرتی تھی مگر آپ سے مل کر اور آپ کو جان کر مجھے بہت مایوسی ہوئی۔آپ نعت بہت اچھی پڑھتے ہوں گے مگر جہاں تک حضرت محمد ﷺ سے محبت کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا وہ آپ کو ہے۔میں خود کوئی بہت اچھا آدمی نہیں ہوں اور محبت کے بارے میں زیادہ بات نہیں کر سکتا۔خاص طور پر اللہ اور حضرت محمد ﷺ سے محبت کے بارے میں مگر اتنا میں ضرور جانتا ہوں کہ جو شخص اللہ یا اس کے پیغمبر ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے یا لوگوں کو یہ

امپریشن دیتا پھرتا ہے وہ مدد کے لئے پھیلے ہوئے ہاتھ کو نہیں جھٹک سکتا نہ ہی وہ کسی کو دھوکا اور فریب دے گا۔"سالار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اور میں تو آپ سے ریکویسٹ کر رہا ہوں اس کی مدد کے لئے۔ہو سکتا ہے اس نے بھی ڈیڑھ سال پہلے کی ہو پھر بھی اگر آپ انکار پر مصر ہیں تو۔۔۔۔۔میں یا کوئی آپ کو مجبور تو نہیں کر سکتا مگر آپ سے مل کر اور آپ سے بات کر کے مجھے بہت مایوسی ہوئی۔"

اس نے الوداعی مصافحہ کے لئے جلال کی طرف ہاتھ بڑھایا۔جلال نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا، وہ تنفر بھرے انداز میں ماتھے پر بل لئے اسے دیکھتا رہا۔

"خدا حافظ۔"سالار نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔جلال اسی حالت میں اسے جاتا دیکھتا رہا اور پھر اس نے خود کلامی کی۔"It’s really an idiot’s world out there."

وہ دوبارہ لنچ ٹرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔اس کا موڈ بے حد آف ہو رہا تھا۔



جلال انصر سے ملاقات کے بعد وہ اپنے احساسات کو کوئی نام دینے میں ناکام ہو رہا تھا۔ کیا اسے اپنے پچھتاوے سے آزاد ہو جانا چاہئیے؟ کیوں کہ جلال نے یہ کہا تھا کہ سالار بیچ میں نہ آتا تو بھی، وہ امامہ سے شادی نہیں کرتا اور جلال انصر سے بات کرنے کے بعد اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ امامہ کے لئے اس کے احساسات میں کوئی گہرائی نہیں تھی مگر یہ شاید اس کے لئے بہت سے نئے سوالات پیدا کر رہا تھا۔ وہ جلال سے آج ملا تھا۔ ڈیڑھ سال پہلے اس نے جلال کے ساتھ اس طرح بات کی ہوتی تو شاید اس پر ہونے والا اثر مختلف ہوتا۔ تب امامہ کے لئے اس کے احساسات کا پیمانہ مختلف ہوتا اور شاید ڈیڑھ سال پہلے وہ امامہ کے بارے میں اس بے حسی کا مظاہرہ نہ کرتا جس کا مظاہرہ اس نے آج کیا تھا وہ ایک ذہنی رو میں اپنے کندھوں سے بوجھ ہٹا ہوا محسوس کرتا اور اگلی ذہنی رو اسے پھر اُلجھن کا شکار کر دیتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایم بی اے کا دوسرا سال بہت پُر سکون گزرا تھا۔ پڑھائی کے علاوہ اس کی زندگی میں اور کوئی سر گرمی نہیں رہی تھی۔ وہ گیمز پر صرف ڈسکشنز میں ہی اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ گفتگو کرتا یا پھر گروپ پروجیکٹس کے سلسلے میں اس کے ساتھ وقت گزارتا۔ باقی کا سارا وقت وہ لائبریری میں گزار دیتا۔ ویک اینڈ پر اس کی واحد سر گرمی اسلامک سینٹر جانا تھا جہاں وہ ایک

عرب سے قرآن پاک تلاوت کرنا سیکھا کرتا تھا پھر وہ قرآن پاک کے ان اسباق کو دہرایا کرتا پھر اسی عرب سے اس نے عربی زبان سیکھنا شروع کر دی۔

خالد عبدالرحمان نامی وہ عرب بنیادی طور پر ایک میڈیکل ٹیکٹیشن تھا اور ایک ہاسپٹل سے وابستہ تھا۔ وہ ویک اینڈ پر وہاں آکر عربی زبان اور قرآن پاک کی کلاسز لیا کرتا تھا۔ وہ اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتا تھا بلکہ اسلامک سینٹر کی لائبریری میں موجود کتابوں کی ایک بڑی تعداد بھی اسی کے دوستوں اور رشتے داروں کی طرف سے عطیہ کی گئی تھی۔

قرآن پاک کی ان ہی کلاسز کے دوران ایک دن اس نے سالار سے کہا۔

"تم قرآن پاک حفظ کیوں نہیں کرتے؟" سالار اس کے اس تجویز نما سوال پر کچھ دیر حیرانی سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"میں۔۔۔۔ میں کیسے کر سکتا ہوں؟"

"کیوں۔۔۔۔ تم کیوں نہیں کر سکتے؟" خالد نے جواباً اُس سے پوچھا۔

"یہ بہت مشکل ہے اور پھر میرے جیسا آدمی، نہیں میں نہیں کر سکتا۔" سالار نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

"تمہارا ذہن بہت اچھا ہے بلکہ میں اگر یہ کہوں کہ میں نے اپنی آج تک کی زندگی میں تم سے زیادہ ذہین آدمی نہیں دیکھا جتنی تیز رفتاری سے تم نے اتنے مختصر عرصہ میں اتنی چھوٹی بڑی سورتیں یاد کی ہیں کوئی اور نہیں کر سکا اور جتنی تیز رفتاری سے تم عربی سیکھ رہے ہو میں اس پر بھی حیران ہوں۔ جب ذہن اس قدر زرخیز ہو اور دنیا کی ہر چیز سیکھ لینے اور یاد رکھنے کی خواہش ہو تو قرآن پاک کیوں نہیں۔ تمہارے ذہن پر اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے۔" خالد نے کہا۔

"آپ میری بات نہیں سمجھے۔ مجھے سیکھنے پر کوئی اعتراض نہیں مگر یہ بہت مشکل ہے۔ میں اس عمر میں یہ نہیں سیکھ سکتا۔" سالار نے وضاحت کی۔

"جب کہ میرا خیال ہے کہ تمہیں قرآن پاک حفظ کرنے میں بہت آسانی ہو گی۔ تم ایک بار اسے حفظ کرنا شروع کرو، میں کسی اور کے بارے میں تو یہ دعویٰ نہ کرتا مگر تمہارے بارے میں، میں دعوے سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نہ صرف بہت آسانی سے اسے حفظ کر لو گے بلکہ بہت کم عرصے میں۔۔۔۔"

سالار نے اس دن اس موضوع کے بارے میں مزید کوئی بات نہیں کی۔

مگر اس رات اپنے اپارٹمنٹ پر واپس آنے کے بعد وہ خالد عبدالرحمان کی باتوں کے بارے میں ہی سوچتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ خالد عبدالرحمان دوبارہ اس کے بارے میں اس سے بات نہیں کرے گا۔ مگر اگلے ہفتے خالد عبدالرحمان نے ایک بار پھر اس سے یہی سوال کیا۔

سالار بہت دیر چپ چاپ اسے دیکھتا رہا پھر اس نے مدھم آواز میں خالد سے کہا۔

"مجھے خوف آتا ہے۔"

"کس چیز سے؟"

"قرآن پاک حفظ کرنے سے۔" خالد نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

سالار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیوں۔۔۔۔؟" وہ بہت دیر خاموش رہا پھر کارپٹ پر اپنی انگلی سے لکیریں کھینچتے اور انہیں دیکھتے ہوئے اس نے خالد سے کہا۔

"میں بہت گناہ کر چکا ہوں، اتنے گناہ کہ مجھے انہیں گننا بھی مشکل ہو جائے گا۔ صغیرہ، کبیرہ ہر گناہ جو انسان سوچ سکتا ہے یا کر سکتا ہے۔ میں اس کتاب کو اپنے سینے یا ذہن میں محفوظ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میرا سینہ اور ذہن پاک تو نہیں ہے۔ میرے جیسے لوگ

اسے۔۔۔۔اسے حفظ کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

خالد کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "ابھی بھی گناہ کرتے ہو؟" سالار نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر کس چیز کا خوف ہے تم اگر قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے ہو، اپنے ان سارے گناہوں کے باوجود تو پھر اسے حفظ بھی کر سکتے ہو اور پھر تم نے گناہ کئے مگر تم اب گناہ نہیں کرتے۔ یہ کافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہے گا کہ تم اسے حفظ کرو تو تم اسے حفظ نہیں کر سکو گے چاہے تم لاکھ کوشش کر لو اور اگر تم خوش قسمت ہوئے تو تم اسے حفظ کر لو گے۔" خالد نے چٹکی بجاتے ہوئے جیسے یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔

سالار اس رات جاگتا رہا، آدھی رات کے بعد اس نے پہلا پارہ کھول کر کانپتے ہاتھوں اور زبان کے ساتھ حفظ کرنا شروع کیا۔ اسے حفظ کرتے ہوئے اسے احساس ہونے لگا کہ خالد عبدالرحمان ٹھیک کہتا تھا۔ اسے قرآن پاک کا بہت سا حصہ پہلے ہی یاد تھا۔ خوف کی وہ کیفیت جو اس نے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کرتے ہوئے محسوس کی تھی وہ زیادہ دیر نہیں رہی تھی۔ اس کے دل کو کہیں سے استقامت مل رہی تھی۔ کہاں سے؟ کوئی اس کی زبان کی

لڑکھڑاہٹ دور کر رہا تھا، کون۔۔۔۔؟ کوئی اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ ختم کر رہا تھا کیوں؟"

فجر کی نماز سے کچھ دیر پہلے وہ اس وقت بے تحاشا رویا جب اس نے پچھلے پانچ گھنٹے میں یاد کئے ہوئے سبق کو پہلی بار مکمل طور پر دہرایا۔ وہ کہیں نہیں اٹکا تھا۔ وہ کچھ نہیں بھولا تھا۔ زیر زبر کی کوئی غلطی نہیں، آخری چند جملوں پر اس کی زبان پہلی بار کپکپانے لگی تھی۔ آخری چند جملے ادا کرتے ہوئے اسے بڑی دقت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس وقت آنسوؤں سے رو رہا تھا۔

"اگر اللہ یہ چاہے گا اور تم خوش قسمت ہو گے تو تم قرآن پاک حفظ کر لو گے ورنہ کچھ بھی کر لو، نہیں کر پاؤ گے۔" اسے خالد عبدالرحمان کی بات یاد آ رہی تھی۔

فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے کیسٹ پر اپنی زندگی کے اس پہلے سبق کو ریکارڈ کیا تھا۔ ایک بار پھر اسے کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کی آواز میں پہلے سے زیادہ روانی اور لہجے میں پہلے سے زیادہ فصاحت تھی۔

اس کی زندگی میں ایک نئی چیز شامل ہو گئی تھی۔ اس پر ایک اور احسان کر دیا گیا تھا مگر اس کا ڈپریشن ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ رات کو سلیپنگ پلز کے بغیر نیند کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور

سلیپنگ پلز لینے کے باوجود وہ کبھی اپنے کمرے کی لائٹس آف نہیں کر سکا تھا۔ وہ تاریکی سے خوف کھاتا تھا۔

یہ پھر خالد عبدالرحمان ہی تھا جس نے ایک دن اس سے کہا تھا۔ وہ اسے قرآن پاک کا سبق زبانی سنا رہا تھا اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ خالد عبدالرحمان مسلسل اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا جب اس نے اپنا سبق ختم کیا اور پانی کا گلاس اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگایا تو اس نے خالد کو کہتے سنا۔

"میں نے کل رات تمہیں خواب میں حج کرتے دیکھا ہے۔"

سالار مُنہ میں لے جانے والا پانی حلق سے اُتار نہیں سکا۔ گلاس نیچے رکھتے ہوئے خالد کو دیکھنے لگا۔

"اس سال تمہارا ایم بی اے ہو جائے گا۔ اگلے سال تم حج کر لو۔"

خالد کا لہجہ بہت رسمی تھا۔ سالار نے منہ میں موجود پانی غیر محسوس انداز میں حلق سے نیچے اتار لیا۔ وہ اس دن اس سے کوئی سوال جواب نہیں کر سکا تھا۔ اس کے پاس کوئی سوال تھا ہی نہیں۔

ایم بی اے کے فائنل سمسٹر سے دو ہفتے پہلے اس نے قرآن پاک پہلی بار حفظ کر لیا تھا۔ فائنل سمسٹر کے چار ہفتے کے بعد ساڑھے تیئیس سال کی عمر میں اس نے اپنی زندگی کا پہلا حج کیا تھا۔ وہاں جاتے ہوئے وہاں سے آتے ہوئے اس کے دل و دماغ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی تکبر، کوئی تفخر، کوئی رشک کچھ بھی نہیں۔ اس کے ساتھ پاکستانی کیمپ میں ساتھ جانے والے شاید وہ لوگ ہوں گے جو خوش قسمت ہوں گے۔ انہیں ان کی نیکیوں کے عوض وہاں بلایا گیا تھا۔ وہ قرآن پاک حفظ نہ کر رہا ہوتا تو حج کرنے کا سوچتا بھی نہیں، جو شخص حرم شریف سے دور اللہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ کعبہ کے سامنے پہنچ کر اللہ کا سامنا کر لے گا وہ ہر جگہ جانے کو تیار ہو جاتا، مگر خانہ کعبہ جانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

مگر خالد عبدالرحمان کے ایک بار کہنے پر اس نے جیسے گھٹنے ٹیکتے ہوئے حج پر جانے کے لئے پیپرز جمع کروا دیئے تھے۔

لوگوں کو حج پر جانے کا موقع تب ملتا تھا جب ان کے پاس گناہ نہیں ہوتے۔ نیکیوں کا ہی انبار ہوتا ہے۔ سالار سکندر کو یہ موقع تب ملا تھا جب اس کے پاس گناہوں کے علاوہ بھی کچھ بھی نہیں تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، اگر میں گناہ کرنے سے خوف نہیں کھاتا رہا تو پھر اب مجھے اللہ کے سامنے جانے اور معذرت کرنے سے بھی خوف نہیں کھانا چاہیئے۔ صرف یہی ہے نا کہ میں وہاں سر نہیں اٹھا سکوں گا۔ نظریں اوپر نہیں کر سکوں گا۔ منہ سے معافی کے علاوہ اور کوئی لفظ نہیں نکال سکوں گا تو ٹھیک ہے مجھے یہ سزا بھی ملنی چاہیئے۔ میں تو اس سے زیادہ شرمندگی اور بے عزتی کا مستحق ہوں۔ ہر بار حج پر کوئی نہ کوئی شخص ایسا آتا ہو گا، جس کے پاس گناہوں کے علاوہ اور کچھ ہو گا ہی نہیں۔ اس بار وہ شخص میں سہی، سالار سکندر ہی سہی۔" اس نے سوچا تھا۔



گناہ کا بوجھ کیا ہوتا ہے اور آدمی اپنے گناہ کے بوجھ کو کس طرح قیامت کے دن اپنی پُشت سے اتار پھینکنا چاہے گا کس طرح اس سے دور بھاگنا چاہے گا کس طرح اسے دوسرے کے کندھے پر ڈال دینا چاہے گا۔ یہ اس کی سمجھ میں حرم شریف میں پہنچ کر ہی آیا تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر وہ اپنے پاس موجود اور آنے والی ساری زندگی کی دولت کے عوض بھی کسی کو وہ گناہ بیچنا چاہتا تو کوئی یہ تجارت نہ کرتا۔ کاش آدمی کسی مال کے عوض اپنے گناہ بیچ سکتا۔ کسی اجرت کے طور پر دوسروں کی نیکیاں مانگنے کا حق رکھتا۔

لاکھوں لوگوں کے اس ہجوم میں دو سفید چادریں اوڑھے کون جانتا تھا سالار کون تھا؟ اس کا آئی کیو لیول کیا تھا، کسے پرواہ تھی۔ اس کے پاس کون سی اور کہاں کی ڈگری تھی، کسے ہوش تھا۔ اس نے زندگی کے میدان میں کتنے تعلیمی ریکارڈ توڑے اور بنائے تھے، کسے خبر تھی وہ اپنے ذہن سے کون سے میدان تسخیر کرنے والا تھا، کون رشک کرنے والا تھا۔

وہ وہاں اس ہجوم میں ٹھوکر کھا کر گرتا۔ بھگدڑ میں روندا جاتا۔ اس کے اوپر سے گزرنے والی خلقت میں سے کوئی بھی یہ نہیں سوچتا کہ انہوں نے کیسے دماغ کو کھو دیا تھا۔ کس آئی کیو لیول کے نایاب آدمی کو کس طرح ختم کر دیا تھا۔

اسے دنیا میں اپنی اوقات، اپنی اہمیت کا پتا چل گیا تھا۔ اگر کچھ مغالطہ رہ بھی گیا تھا تو اب ختم ہو گیا تھا۔ اگر کچھ شبہ باقی تھا تو اب دور ہو گیا تھا۔

فخر، تکبر، رشک، انا، خود پسندی، خود ستائشی کے ہر بچے ہوئے ٹکڑے کو نچوڑ کر اس کے اندر سے پھینک دیا گیا تھا۔ وہ ان ہی آلائشوں کو دور کروانے کے لئے وہاں آیا تھا۔



ایم بی اے میں اس کی شاندار کامیابی کسی کے لئے بھی حیران کن نہیں تھی۔اس کے ڈیپارٹمنٹ میں ہر ایک کو پہلے سے ہی اس کا اندازہ تھا۔اس کے اور اس کے کلاس فیلوز کے پروجیکٹس اور اسائنمنٹس میں اتنا فرق ہوتا تھا کہ اس کے پروفیسرز کو یہ ماننے میں کوئی عار نہیں تھا۔وہ مقابلے کی اس دوڑ میں دس گز آگے دوڑ رہا تھا اور ایم بی اے کے دوسرے سال میں اس نے اس فاصلے کو اور بڑھا دیا تھا۔

اس نے انٹرن شپ اقوامِ متحدہ کی ایک ایجنسی میں کی تھی۔اور اس کا ایم بی مکمل ہونے سے پہلے ہی اس ایجنسی کے علاوہ اس کے پاس سات مختلف ملٹی نیشنل کمپنیز کی طرف سے آفرز موجود تھیں۔

"تم اب آگے کیا کرنا چاہتے ہو؟"اس کے رزلٹ کے متعلق جاننے کے بعد سکندر عثمان نے اپنے پاس بلا کر پوچھا تھا۔

"میں واپس امریکہ جا رہا ہوں۔میں یونائیٹڈ نیشنز کے ساتھ ہی کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا بزنس شروع کرو یا میرے بزنس میں شامل ہو جاؤ۔"سکندر عثمان نے اس سے کہا۔

"پاپا! میں بزنس نہیں کر سکتا۔بزنس والا ٹمپرامنٹ نہیں ہے میرا۔میں جاب کرنا چاہتا ہوں اور میں پاکستان میں رہنا بھی نہیں چاہتا۔"سکندر عثمان حیران ہوئے۔"تم نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا کہ تم پاکستان میں رہنا نہیں چاہتے۔تم مستقل طور پر امریکہ میں سیٹل ہونا چاہتے ہو؟"

"پہلے میں نے امریکہ میں سیٹل ہونے کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن اب میں وہیں رہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

وہ ان سے یہ کہنا نہیں چاہتا تھا کہ پاکستان میں اس کا ڈپریشن بڑھ جاتا ہے۔وہ مسلسل امامہ کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔وہاں ہر چیز اسے امامہ کی یاد دلاتی تھی۔اس کے پچھتاوے اور احساسِ جرم میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

"میں یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتا۔"سکندر عثمان کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔

"حالانکہ میرا خیال ہے تم ایڈجسٹ ہو سکتے ہو۔"

سالار جانتا تھا ان کا اشارہ کس طرف تھا مگر وہ خاموش رہا۔

"جاب کرنا چاہتے ہو؟" ٹھیک ہے، چند سال جاب کر لو لیکن اس کے بعد آ کر میرے بزنس کو دیکھو۔ یہ سب کچھ میں تم لوگوں کے لئے ہی اسٹیبلش کر رہا ہوں، دوسروں کے لئے نہیں۔"

وہ کچھ دیر اسے سمجھاتے رہے، سالار خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک ہفتے کے بعد وہ دوبارہ امریکہ آ گیا تھا اور اس کے چند ہفتے کے بعد اس نے یونیسیف میں جاب شروع کر دی۔ وہ نیو ہیون سے نیو یارک چلا گیا تھا۔ یہ ایک نئی زندگی کا آغاز تھا اور وہاں آنے کے چند ہفتے بعد اسے یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ وہ کہیں فرار حاصل نہیں کر سکتا تھا وہ اسے وہاں بھی اسی طرح یاد آ رہی تھی، اس کا احساسِ جرم وہاں بھی اس کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔

وہ سولہ سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرنے لگا۔ وہ ایک دن بھی تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سویا اور دن رات کی اس مصروفیت نے اسے بڑی حد تک نارمل کر دیا تھا اگر ایک طرف کام کے اس انبار نے اس کے ڈپریشن میں کمی کی تھی تو دوسری طرف وہ اپنے ادارے کے نمایاں

ترین ورکرز میں شمار ہونے لگا تھا۔ یونیسیف کے مختلف پروجیکٹس کے سلسلے میں وہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک جانے لگا۔ غربت اور بیماری کو وہ پہلی دفعہ اپنی آنکھوں سے، اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا۔ رپورٹس اور اخباروں میں چھپنے والے حقائق میں اور ان حقائق کو اپنی تمام ہولناکی کے ساتھ کھلی آنکھ سے دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے اور یہ فرق اسے اس جاب میں ہی سمجھ میں آیا تھا۔ ہر روز بھوکے سونے والے لوگوں کی تعداد کروڑوں میں تھی۔ ہر رات پیٹ بھر کر ضرورت سے زیادہ کھا لینے والوں کی تعداد بھی کروڑوں میں تھی۔ صرف تین وقت کا کھانا، سر پر چھت اور جسم پر لباس بھی کتنی بڑی نعمتیں تھیں، اسے تب سمجھ میں آیا تھا۔

وہ یونیسیف کی ٹیم کے ساتھ چارٹرڈ طیاروں میں سفر کرتے ہوئے اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا۔ اس نے زندگی میں ایسے کون سے کارنامے انجام دیئے تھے کہ اسے وہ پر آسائش زندگی دی گئی تھی جو وہ گزار رہا تھا اور ان لوگوں سے کیا گناہ ہوئے تھے کہ وہ زندگی کی تمام بنیادی ضروریات سے محروم صرف زندہ رہنے کی خواہش میں خوراک کے ان پیکٹس کے پیچھے بھاگتے پھرتے تھے۔

وہ ساری ساری رات جاگ کر اپنے ادارے میں کے لئے ممکنہ اسکیمیں اور پلان بناتا رہتا۔ کہاں خوراک کی ڈسٹری بیوشن کیسے ہو سکتی ہے، کیا بہتری لائی جا سکتی ہے، کہاں مزید

امداد کی ضرورت ہے، کن علاقوں میں کس طرح کے پروجیکٹس درکار تھے، وہ بعض دفعہ اڑتالیس گھنٹے بغیر سوئے کام کرتا رہتا۔

اس کے بنائے ہوئے پرپوزلز اور رپورٹس تکنیکی لحاظ سے اتنے مربوط ہوتے تھے کہ ان میں کوئی خامی ڈھونڈنا کسی کے لئے ممکن نہیں رہتا تھا اور اس کی یہ خصوصیات، اس کی ساکھ اور نام کو اور بھی مستحکم کرتی جارہی تھیں اگر مجھے اللہ نے دوسروں سے بہتر ذہن اور صلاحیتیں دی ہیں تو مجھے ان صلاحیتوں کو دوسروں کے لئے استعمال کرنا چاہئیے۔اس طرح استعمال کرنا چاہئیے کہ میں دوسروں کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ آسانی لاسکوں، دوسروں کی زندگی کو بہتر کرسکوں۔وہ کام کرتے ہوئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچتا تھا۔

یونیسیف کے لئے کام کرنے کے دوران ہی اس نے ایم فل کرنے کا سوچا تھا اور پھر اس نے ایم فل میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ایوننگ کلاسز کو جوائن کرتے ہوئے اسے قطعاً کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو ایک بار پھر ضرورت سے زیادہ مصروف کررہا تھا مگر اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔کام اس کا جنون بن چکا تھا یا پھر اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر ایک مشن۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرقان سے سالار کی پہلی ملاقات امریکہ سے پاکستان آتے ہوئے فلائٹ کے دوران ہوئی۔وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔وہ امریکہ میں ڈاکٹرز کی کسی کانفرنس میں شرکت کرکے واپس آرہا تھا جبکہ سالار سکندر اپنی بہن انیتا کی شادی میں شرکت کے لئے پاکستان آرہا تھا۔اس لمبی فلائٹ کے دوران دونوں کے درمیان ابتدائی تعارف کے بعد گفتگو کا سلسلہ تھما نہیں۔

فرقان، عمر میں سالار سے کافی بڑا تھا، وہ پینتیس سال کا تھا لندن اسپیشلائزیشن کرنے کے بعد وہ واپس پاکستان آگیا تھا اور وہاں ایک ہاسپٹل میں کام کررہا تھا۔وہ شادی شدہ تھا اور اس کے دو بچے بھی تھے۔

چند گھنٹے آپس میں گفتگو کرتے رہنے کے بعد فرقان اور وہ سونے کی تیاری کرنے لگے۔سالار نے معمول کے مطابق اپنے بریف کیس سے سلیپنگ پلز کی ایک گولی پانی کے ساتھ نگل لی۔فرقان نے اس کی اس تمام کاروائی کو خاموشی سے دیکھا۔جب اس نے بریف کیس بند کرکے دوبارہ رکھ دیا تو فرقان نے کہا۔

"اکثر لوگ فلائٹ کے دوران سلیپنگ پلز کے بغیر نہیں سوسکتے۔"

سالار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور کہا۔

"میں سلیپنگ پلز کے بغیر نہیں سو سکتا۔ فلائٹ میں ہوں یا نہ ہوں، اس سے فرق نہیں پڑتا۔"

"سونے میں مشکل پیش آتی ہے؟" فرقان کو ایک دم کچھ تجسس ہوا۔

"مشکل؟" سالار مسکرایا۔ "میں سرے سے سو ہی نہیں سکتا۔ میں سلیپنگ پلز لیتا ہوں اور تین چار گھنٹے سو لیتا ہوں۔"

"انسومینیا؟" فرقان نے پوچھا۔

"شاید، میں نے ڈاکٹر سے چیک اپ نہیں کروایا مگر شاید یہ وہی ہے۔" سالار نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔

"تمہیں چیک اپ کروانا چاہیئے تھا، اس عمر میں انسومینیا۔۔۔۔۔ یہ کوئی بہت صحت مند علامت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے تم کام کے پیچھے جنونی ہو چکے ہو اور اسی وجہ سے تم نے اپنی سونے کی نارمل روٹین کو خراب کر لیا ہے۔"

فرقان اب کسی ڈاکٹر کی طرح بول رہا تھا۔ سالار مسکراتے ہوئے سنتا رہا۔ وہ اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ اگر رات دن مسلسل کام نہ کرے تو وہ اس احساسِ جرم کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا

تھا جسے وہ محسوس کرتا ہے۔ وہ اسے یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ سلیپنگ پلز کے بغیر سونے کی کوشش کرے تو وہ امامہ کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔ اس حد تک کہ اسے اپنا سر درد سے پھٹتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔

"کتنے گھنٹے کام کرتے ہو ایک دن میں؟" فرقان اب پوچھ رہا تھا۔

"اٹھارہ گھنٹے، بعض دفعہ بیس۔"

"مائی گڈنیس! اور کب سے؟"

"دو تین سال سے۔"

"اور تب ہی سے نیند کا مسئلہ ہو گا تمہیں، میں نے ٹھیک اندازہ لگایا۔ تم نے خود اپنی روٹین خراب کر لی ہے۔" فرقان نے اس سے کہا۔ "ورنہ اتنے گھنٹے کام کرنے والے آدمی کو تو ذہنی تھکن ہی ایک لمبی اور پُرسکون نیند سلا دیتی ہے۔"

"یہ میرے ساتھ نہیں ہوتا۔" سالار نے مدھم لہجے میں کہا۔

"یہی تو تمہیں جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر یہ تمہارے ساتھ نہیں ہوتا تو کیوں نہیں ہوتا۔" سالار اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ وہ وجہ جانتا ہے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فرقان نے اس سے کہا۔

"میں اگر تمہیں کچھ آیتیں بتاؤں رات کو سونے سے پہلے، تو تم پڑھ سکو گے ؟"

"کیوں نہیں پڑھ سکوں گا۔" سالار نے گردن موڑ کر اس سے کہا۔

"نہیں، اصل میں تمہارے اور میرے جیسے لوگ جو زیادہ پڑھ لیتے ہیں اور خاص طور پر تعلیم مغرب میں حاصل کرتے ہیں وہ ایسی چیزوں پر یقین نہیں رکھتے یا انہیں پریکٹیکل نہیں سمجھتے۔" فرقان نے وضاحت کی۔

"فرقان! میں حافظِ قرآن ہوں۔" سالار نے اسی طرح لیٹے ہوئے پُر سکون آواز میں کہا۔

فرقان کو جیسے کرنٹ لگا۔

"میں روز رات کو سونے سے پہلے ایک سپارہ پڑھ کر سوتا ہوں، میرے ساتھ یقین یا اعتماد کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" سالار نے بات جاری رکھی۔

"میں بھی حافظِ قرآن ہوں۔"

فرقان نے بتایا۔ سالار نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ یہ یقیناً ایک خوشگوار اتفاق تھا۔ اگرچہ فرقان نے داڑھی رکھی ہوئی تھی مگر سالار کو پھر بھی یہ اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ وہ حافظ قرآن ہے۔

"پھر تو تمہیں اس طرح کا کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہئیے۔ قرآن پاک کی تلاوت کر کے سونے والے انسان کو نیند نہ آئے، یہ مجھے عجیب لگتا ہے۔"

سالار نے فرقان کو بڑبڑاتے سنا۔ وہ اب اپنے حواس کو ہلکا ہلکا مفلوج پا رہا تھا۔ نینداس پر غلبہ پا رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"تمہیں کوئی پریشانی ہے ؟" اس نے فرقان کی آواز سنی۔ وہ نیند کی گولیوں کے زیرِ اثر نہ ہوتا تو مسکرا کر انکار کر دیتا مگر وہ جس حالت میں تھا اس میں وہ انکار نہیں کر سکا۔

"ہاں، مجھے بہت زیادہ پریشانیاں ہیں۔ مجھے سکون نہیں ہے، مجھے لگتا ہے میں مسلسل کسی صحرا میں سفر کر رہا ہوں، پچھتاوے اور احساسِ جرم مجھے چھوڑتے ہی نہیں۔ مجھے۔۔۔۔۔۔ مجھے کسی پیر کامل کی تلاش ہے، جو مجھے اس تکلیف سے نکال دے، جو مجھے میری زندگی کا راستہ دکھا دے۔"

فرقان دم بخود اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ سالار کی آنکھیں بند تھیں، مگر وہ اس کی آنکھوں کے کونوں سے نکلتی نمی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز میں بھی بے ربطی اور لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ اس وقت لاشعوری طور پر سلیپنگ پلز کے زیرِ اثر بول رہا تھا۔

وہ اب خاموش ہو چکا تھا۔ فرقان نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ بہت ہموار انداز میں چلنے والی اس کی سانس بتا رہی تھی کہ وہ نیند میں جا چکا تھا۔



جہاز میں ہونے والی وہ ملاقات وہیں ختم نہیں ہوئی۔ وہ دونوں جاگنے کے بعد بھی آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ فرقان نے سالار سے ان چند جملوں کے بارے میں نہیں پوچھا تھا، جو اس نے نیند کی آغوش میں سماتے ہوئے بولے تھے۔ خود سالار کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس نے سونے سے پہلے اس سے کچھ کہا تھا اگر کہا تھا تو کیا کہا تھا۔

سفر ختم ہونے سے پہلے ان دونوں نے آپس میں کانٹیکٹ نمبرز اور ایڈریس کا تبادلہ کیا پھر سالار نے اسے انیتا کی شادی پر انوائٹ کیا۔ فرقان نے آنے کا وعدہ کیا مگر سالار کو اس کا یقین نہیں تھا۔ ان دونوں کی فلائیٹ کراچی تک تھی پھر سالار کو اسلام آباد کی فلائٹ لینی تھی جبکہ فرقان کو لاہور کی۔ ائیر پورٹ پر فرقان نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ اس سے الوداعی مصافحہ کیا۔

انیتا کی شادی تین دن بعد تھی اور سالار کے پاس ان تین دنوں کے لیے بھی بہت سے کام تھے۔ کچھ شادی کی مصروفیات اور کچھ اس کے اپنے مسئلے۔

وہ اگلے دن شام کو اس وقت حیران ہوا جب فرقان نے اسے فون کیا۔ دس پندرہ منٹ دونوں کی گفتگو ہوتی رہی۔ فون بند کرنے سے پہلے سالار نے ایک بار پھر اسے انیتا کی شادی کے بارے میں یاد دلایا۔

"یہ کوئی یاد دلانے والی بات نہیں ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں ویسے بھی اس ویک اینڈ پر اسلام آباد میں ہی ہوں گا۔" فرقان نے جواباً کہا۔ "وہاں مجھے اپنے گاؤں میں اپنا اسکول دیکھنے بھی جانا ہے۔ اس کی بلڈنگ میں کچھ اضافی تعمیر ہو رہی ہے، اسی سلسلے میں۔۔۔۔ تو اسلام آباد میں اس بار میرا قیام کچھ لمبا ہی ہو گا۔" سالار نے اس کی بات کو کچھ دلچسپی سے سنا۔

"گاؤں۔۔۔۔ اسکول۔۔۔۔ کیا مطلب؟"

"ایک اسکول چلا رہا ہوں میں وہاں، اپنے گاؤں میں۔" فرقان نے اسلام آباد کے نواحی علاقوں میں سے ایک کا نام لیا۔ "بلکہ کئی سالوں سے۔"

"کس لئے؟"

"کس لئے؟"فرقان کو اس کے سوال نے حیران کیا۔"لوگوں کی مدد کے لئے اور کس لئے۔"

"چیریٹی ورک ہے؟"

"نہیں، چیریٹی ورک نہیں ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔ یہ کسی پر کوئی احسان نہیں ہے۔"فرقان نے بات کرتے کرتے موضوع بدل دیا۔ اسکول کے بارے میں مزید گفتگو نہیں ہوئی اور فون بند ہو گیا۔



فرقان انیتا کی شادی میں واقعی آ گیا تھا۔ وہ خاصی دیر وہاں رکا مگر سالار کو محسوس ہوا کہ وہ کچھ حیران تھا۔

"تمہاری فیملی تو خاصی مغرب زدہ ہے۔"

سالار کو ایک دم اس کی الجھن اور حیرانی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

"میرا خیال تھا کہ تمہاری فیملی کچھ کنزرویٹو سی ہو گی کیونکہ تم نے بتایا تھا کہ تم حافظ قرآن ہو اور تمہارا لائف اسٹائل مجھے کچھ سادہ سا لگا مگر یہاں آ کر مجھے حیرانی ہوئی۔ تم اور تمہاری فیملی میں بہت فرق ہے۔" "I think you are the odd one out."

وہ اپنے آخری جملے پر خود ہی مسکرا دیا۔ وہ دونوں اب فرقان کی گاڑی کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"میں نے صرف دو سال پہلے قرآن پاک حفظ کیا اور دو تین سال سے ہی میں odd one out ہوا ہوں۔ پہلے میں اپنی فیملی سے بھی زیادہ مغرب زدہ تھا۔"اس نے فرقان کو بتایا۔

"دو سال پہلے قرآن پاک حفظ کیا۔ امریکہ میں اپنی اسٹڈیز کے دوران، مجھے یقین نہیں آ رہا۔"فرقان نے بے یقینی سے سر ہلایا۔

"کتنے عرصے میں کیا؟"

"تقریباً آٹھ ماہ میں۔"

فرقان کچھ دیر تک کچھ نہیں کہہ سکا، وہ صرف اس کا چہرہ دیکھتا رہا، پھر اس نے ایک گہرا سانس لے کر ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم پر اللہ کا کوئی خاص ہی کرم ہے، ورنہ جو کچھ تم مجھے بتارہے ہو یہ آسان کام نہیں ہے۔ میں فلائٹ میں بھی تمہارے کارناموں سے کافی متاثر ہوا تھا، کیونکہ جس عمر میں یونیسکو میں جس سیٹ پر تم کام کررہے ہو ہر کوئی نہیں کرسکتا۔"

اس نے ایک بار پھر بڑی گرمجوشی کے ساتھ سالار سے ہاتھ ملایا۔ چند لمحوں کے لئے سالار کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا۔

"اللہ کا خاص کرم! اگر میں اسے یہ بتادوں کہ میں ساری زندگی کیا کرتا رہا ہوں تو یہ ۔۔۔۔" سالار نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سوچا۔

"تم پرسوں کسی اسکول کی بات کررہے تھے۔" سالار نے دانستہ طور پر موضوع بدلا۔

"تم اسلام آباد میں نہیں رہتے ؟"

"نہیں، میں اسلام آباد میں ہی رہتا ہوں مگر میرا ایک گاؤں ہے۔ آبائی گاؤں، وہاں ہماری کچھ زمین ہے، ایک گھر بھی تھا۔" فرقان اسے تفصیل سے بتانے لگا۔ "کئی سال پہلے میرے والدین اسلام آباد شفٹ ہوگئے تھے۔ میرے والد نے فیڈرل سروس سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہاں اپنی زمینوں پر ایک اسکول بنالیا۔ اس گاؤں میں کوئی اسکول نہیں تھا۔ انہوں نے پرائمری اسکول بنوایا تھا۔ سات آٹھ سال سے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اب وہ سیکنڈری اسکول

بن چکا ہے۔ چار سال پہلے میں نے وہاں ایک ڈسپینسری بھی بنوائی۔ تم اس ڈسپنسری کو دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے۔ بہت جدید سامان ہے اس میں۔ میرے ایک دوست نے ایک ایمبولینس بھی گفٹ کی ہے اور اب صرف میرے گاؤں کے ہی نہیں بلکہ ارد گرد کے بہت سارے گاؤں کے لوگ بھی اسکول اور ڈسپنسری سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔"

سالار اس کی باتیں توجہ سے سن رہا تھا۔

"مگر تم یہ سب کیوں کررہے ہو۔ تم ایک سرجن ہو، تم یہ سب کیسے کرلیتے ہو اور اس کے لئے بہت پیسے کی ضرورت ہے۔"

"کیوں کررہا ہوں، یہ تو میں نے اپنے آپ سے کبھی نہیں پوچھا۔ میرے گاؤں میں اتنی غربت تھی کہ یہ سوال پوچھنے کی مجھے کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ہم لوگ بچپن میں کبھی کبھار اپنے گاؤں جایا کرتے تھے۔ یہ ہمارے لئے تفریح تھی۔ ہماری حویلی کے علاوہ گاؤں کا کوئی مکان پکا نہیں تھا اور سڑک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم سب کو یوں لگتا تھا جیسے ہم جنگل میں آگئے ہیں، اب اگر ہم جانور ہوتے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شہر کی طرح ہم جنگل میں دندناتے پھرتے۔ یہی سوچ کر کہ سب، ہم سب سے مرعوب ہیں اور کوئی بھی ہمارے جیسا نہیں نہ کوئی ہماری طرح رہتا ہے، نہ ہمارے جیسا کھاتا ہے، نہ ہمارے جیسا پہنتا ہے مگر انسان ہو کر یہ برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہمارے ارد گرد کے انسان جانوروں

جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ہو سکتا ہے کچھ انسانوں کو اس سے خوشی محسوس ہوتی ہو کہ انہیں ہر نعمت میسر ہے اور باقی سب ترس رہے ہیں مگر ہمارا شمار ایسے لوگوں میں نہیں ہوتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی تو تھی نہیں کہ میں اسے ہلاتا اور سب کچھ بدل دیتا، نہ ہی بے شمار وسائل۔ تمہیں میں نے بتایا ہے نا کہ میرے والد سول سرونٹ تھے، ایماندار قسم کے سول سرونٹ۔ میں اور میرا بھائی دونوں شروع سے ہی اسکالرشپ پر پڑھتے رہے، اس لئے ہم پر ہمارے والدین کو زیادہ خرچ نہیں کرنا پڑا۔ خود وہ بھی کوئی فضول خرچ نہیں تھے، اس لئے تھوڑی بہت بچت ہوتی رہی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد میرے والد نے سوچا کہ لاہور یا اسلام آباد کے کسی گھر میں اخبار پڑھ کر، واک کر کے یا ٹی وی دیکھ کر زندگی گزارنے کی بجائے، انہیں اپنے گاؤں جانا چاہئیے۔ وہاں کچھ بہتری لانے کی کوشش کرنی چاہئیے۔"

وہ دونوں گاڑی کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔

"مشکلات کا تم اندازہ نہیں کر سکتے گاؤں میں نہ بجلی تھی، نہ صاف پانی، کچھ بھی نہیں تھا۔ بابا نے پتا نہیں کہاں کہاں بھاگ کر یہ ساری چیزیں منظور کروائیں۔ جب وہاں پرائمری اسکول بن گیا، ایک سڑک بھی آگئی، بجلی اور پانی جیسی سہولتیں بھی آگئیں تو گورنمنٹ کو اچانک وہاں ایک اسکول بنانے کا خیال آیا۔ میرے والدین کی خوشی تھی کہ گورنمنٹ ان کے

اسکول کو اپنی زیر نگرانی لے لے۔ اس میں اپنے ٹیچرز بھجوائے اور کچھ عرصے کے بعد اس اسکول کو اپ گریڈ کر دے، مگر محکمہ تعلیم کے ساتھ چند رابطوں میں ہی بابا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ایسا ہونے کی صورت میں ان کی ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔ بابا وہاں بچوں کو سب کچھ دیتے تھے۔ کتابیں، کاپیاں، یونیفارم اور ایسی کچھ ضروری چیزیں۔ انہوں نے باقائدہ اس کے لئے فنڈز رکھے ہوئے تھے، مگر تم اندازہ کر سکتے ہو کہ گورنمنٹ کے پاس چلے جانے کے بعد اس اسکول کا کیا حشر ہوتا۔ سب سے پہلے وہ فنڈز جاتے پھر باقی سب کچھ۔ اس لیے بابا خود ہی اس اسکول کو چلاتے رہے۔

محکمہء تعلیم نے وہاں اسکول پھر بھی کھولا مگر وہاں ایک بچہ بھی نہیں گیا پھر ہار مان کر انہوں نے وہ اسکول بند کر دیا اور ہمارے اسکول کو اپ گریڈ کر دیا۔ بابا کے کچھ دوستوں نے اس سلسلے میں ان کی مدد کی، اسی طرح اس کی اپ گریڈنگ ہوتی گئی۔ میں ان دنوں لندن میں پڑھتا تھا اور میں روپے بچا بچا کر بھیجا کرتا تھا۔ ابھی بھی ہم اس کو اور ترقی دے رہے ہیں، آس پاس کے گاؤں کے لوگ بھی اپنے بچوں کو ہمارے پاس بھجواتے ہیں۔ میں جب پاکستان واپس آیا تو میں نے وہاں ایک باضابطہ قسم کی ڈسپنسری قائم کی۔ گاؤں کی آبادی بھی اب بہت بڑھ گئی ہے لیکن گاؤں میں غربت ابھی بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی۔ تعلیم سے اتنا ضرور ہوا ہے کہ گاؤں کے کچھ بچے باہر شہر میں آگے پڑھنے کے لیے جانے لگے ہیں۔ کچھ مختلف

ہنر سیکھ رہے ہیں۔ وہ جو غربت کا ایک چکر تھا وہ ختم ہو رہا ہے۔ ان کی یہ نسلیں نہیں تو اگلی نسلیں شاید تمہارے اور میرے جیسے تعلیمی اداروں سے اعلیٰ ڈگریز لے کر نکلیں۔ کون کہہ سکتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں ہر ماہ ایک ویک اینڈ پر گاؤں جاتا ہوں، وہاں دو کمپاؤنڈر ہیں مگر کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔ ایک ویک اینڈ پر میں وہاں جاتا ہوں، باقی تین ویک اینڈز پر بھی ہم کسی نہ کسی کو وہاں بھجوا دیتے ہیں پھر میں وہاں ہر تین ماہ بعد ایک میڈیکل کیمپ لگواتا ہوں۔"

"اور اس سب کے لئے روپیہ کہاں سے آتا ہے؟"

"شروع میں تو یہ بابا کا روپیہ تھا۔ ان ہی کی زمین پر اسکول بنا، ان کی گریجویٹی سے اس کی تعمیر ہوئی۔ میری امی نے بھی اپنے پاس موجود رقم سے ان کی مدد کی، پھر بابا کے کچھ دوست بھی مالی امداد کرنے لگے۔ اس کے بعد میں اور مہران بھی اس میں شامل ہو گئے پھر میرے کچھ دوست بھی۔ میں اپنی انکم کا ایک خاص حصہ ہر ماہ گاؤں بھجوا دیتا ہوں۔ اس سے ڈسپنسری بڑے آرام سے چلتی رہتی ہے، جو ڈاکٹرز وہاں مہینے کے تین ویک اینڈز پر جاتے ہیں وہ کچھ چارج نہیں کرتے۔ ان کے لیے یہ سوشل ورک ہے۔ میڈیکل کیمپس بھی اسی طرح کے لگ جاتے ہیں اور اسکول کے پاس اب اتنے فکسڈ ڈیپازٹس ہو چکے ہیں کہ ان سے آنے والی

رقم ٹیچرز کی تنخواہ اور دوسرے اخراجات کے لیے کافی ہوتی ہے۔ ہم چند سالوں میں وہاں ٹیکنکل ایجوکیشن کے لئے بھی کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم کب جا رہے ہو وہاں؟"

"میں تو صبح نکل رہا ہوں۔"

"اگر میں تمہارے ساتھ جانا چاہوں؟" سالار نے کہا۔

"موسٹ ویلکم۔۔۔۔ مگر کل تو ولیمہ ہو گا، تم یہاں مصروف ہو گے۔" فرقان نے اسے یاد دلایا۔

"ولیمہ تو رات کو ہے، سارا دن تو میں فارغ ہی ہوں گا۔ کیا رات تک پہنچنا مشکل ہو گا؟"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔ تم بہت آسانی سے پہنچ سکتے ہو۔ صرف صبح کچھ جلدی نکلنا پڑے گا۔ اگر تم واقعی وہاں چند گھنٹے گزارنا چاہتے ہو، ورنہ پھر تم واپس آ کر خاصے تھک جاؤ گے۔" فرقان نے اس سے کہا۔

"میں نہیں تھکوں گا، میں یونیسیف کی ٹیمز کے ساتھ کیسے کیسے علاقوں میں سفر کرتا رہا ہوں، تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میں فجر کے بعد تیار رہوں گا، تم مجھے وقت بتا دو۔"

"ساڑھے پانچ۔"

"اوکے، تم گھر سے نکلتے ہوئے مجھے ایک بار موبائل پر کال کر لینا اور دو تین بار ہارن دینا یہاں آکر، میں نکل آؤں گا۔"

اس نے فرقان سے کہا اور پھر خدا حافظ کہتا ہوا اندر مڑ گیا۔

اگلی صبح فرقان ٹھیک ساڑھے پانچ بجے اس کے گیٹ پر ہارن دے رہا تھا اور سالار پہلے ہی ہارن پر باہر تھا۔

"تم واپس پاکستان کیوں آ گئے؟ تم انگلینڈ میں بہت آگے جا سکتے تھے؟" گاڑی شہر سے باہر والی سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ انہیں سفر کرتے آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا، جب سالار سے اچانک اس نے پوچھا۔

"انگلینڈ کو میری ضرورت نہیں تھی، پاکستان کو تھی، اس لئے میں پاکستان آ گیا۔" فرقان نے بڑے نارمل انداز میں کہا۔

"وہاں ایک ڈاکٹر فرقان کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں ایک ڈاکٹر فرقان کے نہ ہونے سے بہت فرق پڑ جاتا۔ یہاں میری خدمات کی ضرورت ہے۔" اس نے آخری جملے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"مگر وہاں اتنے سالوں میں تم بہت آگے جا سکتے تھے۔ پھر پروفیشنلی بھی تم بہت کچھ سیکھتے۔ فنانشلی بھی تم اس پروجیکٹ کے لئے زیادہ روپیہ حاصل کر سکتے تھے، جو تم نے شروع کیا ہوا ہے۔ آفٹر آل، پاکستان میں تم اتنے کامیاب نہیں ہو سکتے۔" سالار نے کہا۔

"اگر کامیابی سے تمہاری مراد پاؤنڈز کی تعداد اور سہولتوں سے ہے تو ہاں، دونوں جگہوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے لیکن اگر تمہارا اشارہ علاج کی طرف ہے تو میں یہاں زیادہ لوگوں کو زندگی بانٹ رہا ہوں جو اطمینان ڈاکٹر اپنے صحت یاب ہونے والے مریض کو دیکھ کر حاصل کرتا ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ انگلینڈ اونکولوجسٹ سے بھرا ہوا ہے۔ پاکستان میں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ میں وہاں رہ کر پیسوں کا ڈھیر بھی یہاں بھجواتا رہتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ جہاں ایک فرد کی کمی ہوتی ہے وہاں اس فرد سے ہی وہ کمی پوری ہوتی ہے۔ روپیہ یا دوسری کوئی چیز اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ میں بہت قانع ہوں سالار! میری پوری فیملی بہت قانع ہے۔ اگر میں نے کوئی چیز سیکھی ہے تو وہ سب سے پہلے میرے اپنے لوگوں کے کام آنی چاہئیے۔ میں اپنے لوگوں کو مرتا چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی زندگی نہیں بچا سکتا۔ پاکستان میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے، سب کچھ خراب ہے، کچھ بھی ٹھیک نہیں، سہولتوں سے خالی ہاسپیٹلز اور حد سے زیادہ برا اور کرپٹ ہیلتھ سسٹم۔ جس برائی اور خامی کا سوچو وہ یہاں ہے

مگر میں اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر میرے ہاتھ میں شفا ہے تو پھر سب سے پہلے یہ شفا میرے اپنے لوگوں کے حصے میں آنی چاہیئے۔"

سالار بہت دیر تک کچھ نہیں بول سکا۔ گاڑی میں یک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

"تم نے مجھ سے تو یہ سوال پوچھ لیا کہ میں پاکستان کیوں آگیا، کیا اب میں تم سے یہ سوال پوچھوں کہ تم پاکستان کیوں نہیں آجاتے؟" فرقان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتا۔" سالار نے بے اختیار کہا۔

"تم پیسوں اور سہولتوں کی وجہ سے یہ کہہ رہے ہو؟"

"نہیں، پیسہ یا سہولتیں میرا مسئلہ نہیں، نہ اب، نہ ہی پہلے کبھی۔ تم میرا فیملی بیک گراؤنڈ جان چکے ہو۔"

"پھر؟"

"پھر۔۔۔۔۔کچھ بھی نہیں۔ بس میں یہاں نہیں آسکتا۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"یہاں تمہاری ضرورت ہے۔"

"کس کو؟"

"اس ملک کو۔"

سالار بے اختیار مسکرایا۔ "میں تمہاری طرح کی حب الوطنی نہیں رکھتا۔ میرے بغیر بھی سب کچھ ٹھیک ہے یہاں۔ ایک ڈاکٹر کی اور بات ہے مگر ایک اکانومسٹ تو کسی کو زندگی اور موت نہیں دے سکتا۔"

"تم جو سروسز وہاں دے رہے ہو، وہ یہاں کے اداروں کو دے سکتے ہو جو کچھ اپنے لیکچرز میں وہاں کی یونیورسٹیز میں سکھا رہے ہو، یہاں کی یونیورسٹیز میں سکھا سکتے ہو۔"

اس کا دل چاہا، وہ فرقان سے کہے کہ وہ یہاں آکر کچھ بھی سکھانے کے قابل نہیں رہ سکے گا، مگر وہ خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔

"تم نے افریقہ کی غربت، بھوک اور بیماری دیکھی ہے۔ تم یہاں کی غربت، بھوک اور بیماری دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"یہاں صورت حال ان ملکوں کی طرح خراب نہیں ہے فرقان! یہاں اتنی پسماندگی نہیں ہے۔"

"اسلام آباد کے جس سیکٹر میں تم پلے بڑھے ہو وہاں رہ کر ارد گرد کی زندگی کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ تم اسلام آباد کے قریبی گاؤں میں چلے جاؤ تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ یہ ملک کتنا خوشحال ہے۔"

"فرقان! میں تمہارے اس پروجیکٹ میں کچھ کنٹری بیوشن کرنا چاہتا ہوں۔" سالار نے یک دم بات کا موضوع بدلنا چاہا۔

"سالار! میرے اس پروجیکٹ کو فی الحال کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اگر ایسا کوئی کام کرنا چاہتے تو تم خود کسی گاؤں میں اس طرح کا کام شروع کرو، تمہارے پاس فنڈز کی کمی نہیں ہو گی۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے، میں امریکہ میں بیٹھ کر یہ سب نہیں چلا سکتا۔ تم اگر یہ چاہتے ہو تو کہ کسی دوسرے گاؤں میں بھی کوئی اسکول قائم کیا جائے تو میں اسے سپورٹ کرنے کو تیار ہوں۔ میرے لئے ذاتی طور پر وقت دینا مشکل ہے۔"

فرقان اس بار خاموش رہا۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سالار اب اس کے اس اصرار پر کچھ جھنجھلا رہا تھا۔ بات کا موضوع ایک بار پھر فرقان کے گاؤں کی طرف مڑ گیا۔

وہ دن سالار کی زندگی کے یادگار ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ وہ اس اسکول کو دیکھ کر واقعی بڑا متاثر ہوا تھا مگر اس سے بھی زیادہ متاثر وہ اس ڈسپنسری کو دیکھ کر ہوا تھا جہاں وہ گیا تھا۔ اسے ایک چھوٹا سا ہسپتال کہنا زیادہ بہتر تھا۔ ڈاکٹر کے نہ ہونے کے باوجود وہ بڑے منظم طریقے سے چلایا جا رہا تھا۔ اس دن فرقان کی آمد متوقع تھی اور اس کے انتظار میں مریضوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی فرقان آتے ہی مصروف ہو گیا۔ ہاسپٹل کا احاطہ مریضوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں ہر عمر اور ہر طرح کے مریض تھے۔ نوزائیدہ بچے، عورتیں، بوڑھے، جوان۔

سالار احاطے میں لاشعوری طور پر چہل قدمی کرتا رہا۔ وہاں موجود چند لوگوں نے اسے بھی ڈاکٹر سمجھا اور اس کے قریب چلے آئے۔ سالار ان سے بات چیت کرنے لگا۔

زندگی میں وہ پہلی بار کینسر کے ایک اسپیشلسٹ کو ایک فزیشن کے طور پر چیک اپ کرتے اور نسخے لکھتے دیکھ رہا تھا اور اس نے اعتراف کیا۔ اس نے زندگی میں فرقان سے اچھا ڈاکٹر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بے حد پروفیشنل اور بے حد نرم مزاج تھا۔ اس تمام عمل میں اس کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحہ کے لئے بھی غائب نہیں ہوئی تھی۔ سالار کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ کو کسی چیز کے ساتھ چپکا یا ہوا تھا، کچھ وقت گزرنے

کے بعد اس نے سالار کو ایک آدمی کے ساتھ اسکول بھجوا دیا تھا وہ وہاں اس کے والدین سے ملا۔

وہ اس کی آمد سے پہلے ہی باخبر تھے، یقیناً فرقان نے ان کو فون پر بتا دیا تھا وہ ان کے ساتھ اسکول میں پھرتا رہا۔ اسکول کی عمارت اس کی توقعات سے برعکس بہت وسیع اور بہت اچھی بنی ہوئی تھی۔ اسے وہاں موجود بچوں کی تعداد دیکھ کر بھی حیرت ہو رہی تھی۔

وہاں کچھ گھنٹے رکنے کے بعد وہ ان دونوں کے ساتھ ان کی حویلی میں آگیا، حویلی کے بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی بے اختیار اس کا دل خوش ہوا تھا۔ اسے اس گاؤں میں اس قسم کے شاندار لان کی توقع نہیں تھی۔ وہاں پودوں کی بھرمار تھی مگر بے ترتیبی نہیں تھی۔

"بہت شاندار لان ہے، بہت آرٹسٹک۔" وہ تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ شکیل صاحب کا شوق ہے۔" فرقان کی امی نے کہا۔

"میرا اور نوشین کا۔" فرقان کے والد نے اضافہ کیا۔

"نوشین؟" سالار نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"فرقان کی بیوی۔۔۔۔۔ یہ آرٹسٹک ٹچ اسی کا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فرقان نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی فیملی لاہور میں ہوتی ہے۔" سالار کو یاد تھا۔

"ہاں، وہ لوگ لاہور میں ہی ہوتے ہیں مگر فرقان مہینے میں ایک ویک اینڈ یہاں گزارتا ہے پھر وہ اپنی فیملی بھی یہاں لاتا ہے۔ یہ سلائیڈز اس کے بچوں کے لیے لگوائی ہیں۔ نوشین بھی ڈاکٹر ہے۔ ابھی بچے چھوٹے ہیں، اس لئے پریکٹس نہیں کرتی مگر جب یہاں آتی ہے تو فرقان کے ساتھ ڈسپنسری جاتی ہے۔ اس بار وہ اپنے بھائی کی شادی میں مصروف تھی، اس لئے فرقان کے ساتھ نہیں آسکی۔" وہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتا ان کی باتیں سنتا رہا۔

وہ ان کے ساتھ لنچ کرنے کے لئے گھر پر آیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کچھ دیر تک فرقان بھی آجائے گا مگر جب کھانا لگنا شروع ہو گیا تو اس نے فرقان کے بارے میں پوچھا۔

"وہ دوپہر کا کھانا یہاں نہیں کھاتا۔ صرف ایک سینڈوچ اور چائے کا کپ لیتا ہے۔ اس میں بھی پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگتے۔ اس کے پاس مریض اتنے ہوتے ہیں کہ وہ شام تک بالکل فارغ نہیں ہوتا۔ کھانا وانا بالکل بھول جاتا ہے۔"

فرقان کی امی نے اس سے کہا۔ وہ ان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کھانا کھانے لگا۔ فرقان کے والد فنانس ڈویژن میں ہی کام کرتے رہے تھے اور بیسویں گریڈ میں ریٹائر ہوئے تھے۔ یہ جان کر کہ سالار کا تعلق بھی فنانس سے ہی تھا۔ ان کے جوش میں کچھ اضافہ ہو گیا

تھا۔ سالار کو ان سے باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ سالار نے ان سے اس اسکول کے حوالے سے بات کی۔

"اسکول کے لئے ہمیں فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس خاصے فنڈز ہیں۔ فرقان کا ایک دوست ایک نیا بلاک بھی بنوا رہا ہے بلکہ بن ہی چکا ہے، تم نے تو دیکھا ہی ہے۔ ہاں، تم اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ڈسپنسری کے لئے کرو۔ ہمیں ایک مستقل ڈاکٹر کی ضرورت ہے اور ہم اس کے لئے ہیلتھ منسٹری میں بہت دفعہ درخواستیں دے چکے ہیں۔ فرقان نے اپنے تعلقات بھی استعمال کیے ہیں مگر کوئی بھی ڈاکٹر یہاں مستقل طور پر آ کر رہنے کو تیار نہیں اور ہمیں ایک ڈاکٹر کی اشد ضرورت ہے۔ تم نے مریضوں کی تعداد تو دیکھی ہی ہو گی۔ ایک قریبی گاؤں میں ایک ڈسپنسری اور ڈاکٹر ہے، مگر ڈاکٹر مستقل چھٹی پر ہے اور اگلا ڈاکٹر بھی آنے سے پہلے ہی چھٹی پر چلا جاتا ہے۔"

"میں اس سلسلے میں جو کچھ کر سکا ضرور کروں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس اسکول کے لئے بھی کچھ کروں۔ میں واپس جانے کے بعد کوشش کروں گا کہ آپ کو یونیسکو کی طرف سے کسی این جی او کے ذریعے ہر سال کچھ گرانٹ بھی ملتی رہے۔"

"لیکن ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب کچھ جو تم نے دیکھا ہے یہ سب ہم لوگوں نے خود کیا ہے۔ ہماری فیملی نے، رشتہ داروں نے، فیملی فرینڈز نے۔ میرے واقف کاروں

نے، میرے بچوں کے دوستوں نے۔ ہمیں کبھی کسی حکومتی یا بین الاقوامی ایجنسی کی گرانٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کب تک یونیسکو آ کر ہمارے لوگوں کی بھوک، جہالت اور بیماری ختم کرتی رہے گی۔ جو کام ہم اپنے وسائل سے کر سکتے ہیں وہ ہمیں اپنے وسائل سے ہی کرنے چاہئیں۔"

"میں صرف یہ چاہتا تھا کہ آپ اس پروجیکٹ کو اور بڑھائیں۔" سالار بے اختیار بولتے ہوئے لڑکھڑایا۔

"یہ بہت بڑھ جائے گا، تم بیس سال بعد یہاں آ کر دیکھو گے تو یہ گاؤں تمہیں ایک مختلف گاؤں ملے گا۔ جتنی غربت تم نے آج یہاں دیکھی ہے وہ تب نہیں ہو گی۔ ان کا" کل "آج سے مختلف ہو گا۔"

فرقان کے والد نے بے حد اطمینان سے کہا۔ سالار چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

سہ پہر کے قریب اسے فرقان نے ڈسپنسری سے فون کیا۔ کچھ دیر رسمی گفتگو کے بعد اس نے سالار سے کہا۔

"اب تمہیں واپس اسلام آباد کے لئے نکل جانا چاہئیے۔ میں چاہتا تھا کہ خود تمہیں واپس چھوڑ کر آؤں مگر یہاں بہت رش ہے جو لوگ دوسرے گاؤں سے آتے ہیں اگر میں انہیں آج

چیک نہیں کر سکا تو انہیں بہت زحمت ہو گی،اس لئے میں اپنے ڈسپنسر کو بھجوا رہا ہوں۔وہ گاڑی میں تمہیں اسلام آباد چھوڑ آئے گا۔"اس نے پروگرام طے کیا۔

"او کے۔"سالار نے کہا۔

"جانے سے پہلے ڈسپنسری آکر مجھ سے مل لینا۔"اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

سالار نے ایک بار پھر فرقان کے والدین کے ساتھ چائے پی۔گاڑی تب تک وہاں آچکی تھی، پھر وہ وہاں سے گاڑی میں فرقان کے پاس چلا گیا۔ صبح والی بھیڑ اب کم ہو چکی تھی۔وہاں اب صرف پچیس تیس کے قریب لوگ تھے۔فرقان ایک بوڑھے آدمی کا معائنہ کر رہا تھا۔سالار کو دیکھ کر مسکرایا۔

"میں دو منٹ میں انہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔"

اس نے مریض سے کہا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔سالار کے ساتھ چلتا ہوا وہ باہر گاڑی تک آیا۔

"تم کب تک پاکستان میں ہو؟"اس نے سالار سے پوچھا۔

"ڈیڑھ ہفتہ۔"

"پھر تو دوبارہ ملاقات نہیں ہو سکے گی تم سے کیونکہ میں تو اب اگلے ہی ماہ اسلام آباد اور یہاں آؤں گا لیکن میں تمہیں فون کروں گا، تمہاری فلائٹ کب ہے؟"

سالار نے اس کے سوال کو نظر انداز کیا۔

"ملاقات کیوں نہیں ہو سکتی، میں لاہور آسکتا ہوں، اگر تم انوائٹ کرو۔"فرقان کچھ حیران انداز میں مسکرایا۔

سالار اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

سالار نہیں جانتا تھا اسے کون سی چیز اس طرح اچانک فرقان کے اتنے قریب لے آئی تھی۔وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ فرقان کو کیوں اتنا پسند کر رہا تھا۔وہ اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

فرقان کے ساتھ اس کا گاؤں دیکھنے کے چار دن بعد وہ لاہور گیا۔وہ وہاں ایک دن کے لئے گیا تھا اور اس نے فرقان کو فون پر اس کی اطلاع دی۔فرقان نے اسے ائیرپورٹ پر پک کرنے اور اپنے ساتھ رہنے کی آفر کی، مگر اس نے انکار کر دیا۔

وہ فرقان سے طے شدہ پروگرام کے مطابق چار بجے کے قریب اس کے گھر پہنچا۔وہ ایک اچھے علاقے میں ایک عمارت کے گراؤنڈ فلور کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔دروازے کے

ساتھ موجود بیل دبا کر وہ خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ اندر سے یک دم کسی بچے کے بھاگنے کی آواز آئی۔ ایک چار پانچ سال کی بچی ڈور چین کی وجہ سے دروازے میں آنے والی جھری سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" سالار اسے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرایا تھا مگر اس بچی کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں آئی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سالار سے پوچھ رہی تھی۔

"بیٹا! مجھے آپ کے پاپا سے ملنا ہے۔"

اس بچی اور فرقان کے چہرے میں اتنی مماثلت تھی کہ اس کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ فرقان کی بیٹی تھی۔

"پاپا اس وقت کسی سے نہیں ملتے۔" اسے بڑی سنجیدگی سے اطلاع دی گئی۔

"مجھ سے مل لیں گے۔" سالار نے قدرے محفوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ سے کیوں مل لیں گے؟" فوراً جواب آیا۔

"کیوں کہ میں ان کا دوست ہوں، آپ انہیں جا کر بتائیں گی کہ سالار انکل آئے ہیں تو وہ مجھ سے مل لیں گے۔" سالار نے مسکراتے ہوئے نرمی سے کہا۔ وہ اس کی مسکراہٹ سے متاثر نہیں ہوئی۔

"لیکن آپ میرے انکل تو نہیں ہیں۔"

سالار کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"آپ نہ ہنسیں۔" وہ بے اختیار بگڑی۔ سالار پنجوں کے بل اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"اچھا میں نہیں ہنستا۔" اس نے چہرے کی مسکراہٹ کو چھپایا۔

"آپ اس فراک میں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" وہ اب کچھ قریب سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ اس کی تعریف نے دروازے کی جھری میں سے جھانکتی ہوئی محترمہ کے تاثرات اور موڈ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

"لیکن آپ مجھے اچھے نہیں لگے۔"

اس کے جملے سے زیادہ اس کے تاثرات نے سالار کو محفوظ کیا۔ وہ اب کچھ دور سے فلیٹ کے اندر کسی کے قدموں کی آواز سن رہا تھا۔ کوئی دروازے کی طرف آ رہا تھا۔

"کیوں، میں کیوں اچھا نہیں لگا؟" اس نے مسکراتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

"بس نہیں اچھے لگے۔" اس نے ناگواری سے گردن کو جھٹکا۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"امامہ!'' سالار کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے دروازے کی جھری میں سے امامہ کے عقب میں فرقان کو دیکھا۔ وہ امامہ کو اٹھاتے ہوئے دروازہ کھول رہا تھا۔

سالار کھڑا ہو گیا۔ فرقان نہا کر نکلا تھا، اس کے بال گیلے اور بے ترتیب تھے۔ سالار نے مسکرانے کی کوشش کی وہ فوری طور پر کامیاب نہیں ہو سکا۔ فرقان نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" وہ اس کے ساتھ اندر جاتے ہوئے بولا۔ وہ دونوں اب ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہے تھے۔

امامہ فرقان کی گود میں چڑھی ہوئی تھی اور اسے مسلسل کان میں کچھ بتانے کی کوشش کر رہی تھی، جسے فرقان مسلسل نظرانداز کر رہا تھا۔

"انکل سالار سے ملی ہیں آپ!'' فرقان نے سالار کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے امامہ سے پوچھا۔ وہ اب خود بھی صوفے پر بیٹھ رہا تھا۔

"یہ مجھے اچھے نہیں لگتے۔" اس نے باپ تک اپنی ناپسندیدگی پہنچائی۔

"بہت بُری بات ہے امامہ! ایسے نہیں کہتے۔" فرقان نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

"آپ انکل کے پاس جائیں اور ان سے ہاتھ ملائیں۔"

اس نے امامہ کو نیچے اُتار دیا۔ وہ سالار کی طرف جانے کی بجائے ایک دم بھاگتے ہوئے باہر چلی گئی۔

"حیرانی کی بات ہے کہ اسے تم اچھے نہیں لگے، ورنہ اس کو میرا ہر دوست اچھا لگتا ہے۔ آج اس کا موڈ بھی کچھ آف ہے۔" فرقان نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

"یہ نام کا اثر ہے مجھے حیرانی ہوتی اگر اسے میں اچھا لگتا۔" سالار نے سوچا۔

چائے پیتے ہوئے وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے اور باتوں کے دوران سالار نے اس سے کہا۔

"ایک دو ہفتے تک تم لوگوں کی ڈسپنسری میں ڈاکٹر آ جائے گا۔" اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔" فرقان یک دم خوش ہوا۔

"اور اس بار وہ ڈاکٹر وہاں رہے گا۔ اگر نہ رہے تو مجھے بتانا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔ ڈسپنسری میں ایک ڈاکٹر کی دستیابی سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ رکا۔ "وہاں جانے سے پہلے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ تم اور تمہاری فیملی اس کام کو اس اسکیل پر اور اتنے آرگنائزڈ انداز میں کر رہے ہو میں تم لوگوں کے کام سے در حقیقت بہت متاثر ہوا ہوں اور میری آفر ابھی بھی وہی ہے۔ میں اس پروجیکٹ کے سلسلے میں تمہاری مدد کرنا چاہوں گا۔"

اس نے سنجیدگی سے فرقان سے کہا۔

"سالار! میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ میں چاہوں گا، تم اسی طرح کا کوئی پروجیکٹ وہاں کسی دوسرے گاؤں میں شروع کرو۔ تمہارے پاس مجھ سے زیادہ ذرائع ہیں اور تم مجھ سے زیادہ اچھے طریقے سے یہ پروجیکٹ چلا سکتے ہو۔"

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا میرا مسئلہ وقت ہے، میں تمہارے جتنا وقت نہیں دے سکتا اور پھر میں پاکستان میں رہ بھی نہیں سکتا۔ تمہاری طرح میرے فیملی ممبرز بھی اس معاملے میں میری مدد نہیں کر سکتے۔" سالار نے اپنا مسئلہ بتایا۔

"چلو اس پر بعد میں بات کریں گے، ابھی تو تم چائے پیو پھر میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" فرقان نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟"

"یہ تو میں تمہیں راستے میں ہی بتاؤں گا۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں وہاں جا کر کروں گا کیا؟" سالار نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے فرقان سے پوچھا۔

"وہی جو میں کرتا ہوں۔" وہ سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے بولا۔

"اور تم وہاں کیا کرتے ہو؟"

"یہ تم وہاں پہنچ کر دیکھ لینا۔"

فرقان اسے کسی ڈاکٹر سبط علی کے پاس لے کر جا رہا تھا جس کے پاس وہ خود بھی جایا کرتا تھا۔ وہ کوئی مذہبی عالم تھے اور سالار کو مذہبی علماء سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ پچھلے چند سالوں میں اتنے مذہبی علماء کے اصلی چہرے دیکھ چکا تھا کہ وہ اب مزید ان جگہوں پر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"فرینکلی اسپیکنگ فرقان! میں اس ٹائپ کا ہوں نہیں جس ٹائپ کا تم مجھے سمجھ رہے ہو"۔ اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرقان کو مخاطب کیا۔

"کس ٹائپ کے؟" فرقان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"یہی پیری مریدی۔۔۔۔ یا بیعت وغیرہ۔۔۔۔ یا جو بھی تم سمجھ لو۔" اس نے قدرے صاف گوئی سے کہا۔

"اسی لئے تو میں تمہیں وہاں لے جارہا ہوں، تمہیں مدد کی ضرورت ہے؟" سالار نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سڑک کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسی مدد؟"

"اگر کوئی حافظِ قرآن رات کو ایک پارہ پڑھے اور پھر بھی نیند لانے کے لئے اسے نیند کی گولیاں کھانی پڑیں تو پھر کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہے۔ کئی سال مجھے بھی ایک بار بہت ڈپریشن ہوا تھا۔ میرا ذہن بھی بہت اُلجھ گیا تھا پھر کوئی مجھے ڈاکٹر صاحب کے پاس لے کر گیا تھا۔ آٹھ دس سال ہو گئے ہیں مجھے اب وہاں جاتے ہوئے۔ تم سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ تمہیں بھی میری طرح کسی کی مدد کی ضرورت ہے، رہنمائی کی ضرورت ہے۔" فرقان نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم کیوں میری مدد کرنا چاہتے ہو؟"

"کیونکہ دین کہتا ہے کہ تم میرے بھائی ہو۔" اس نے موڑ موڑتے ہوئے کہا۔ سالار نے گردن سیدھی کرلی۔ وہ اس سے مزید کیا پوچھتا۔

اسے مذہبی علماء سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہر عالم اپنے فرقے کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملانے میں ماہر تھا۔ ہر عالم کو اپنے علم پر غرور تھا۔ ہر عالم کا لب لباب یہی ہوتا تھا۔ میں اچھا ہوں، باقی سب برے ہیں۔ میں کامل ہوں باقی سب نامکمل ہیں۔ ہر عالم کو دیکھ کر لگتا اس نے علم کتابوں سے نہیں، براہِ راست وحی کے ذریعے حاصل کیا ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اس نے آج تک ایسا عالم نہیں دیکھا تھا جو اپنے اوپر تنقید سنے اور برداشت بھی کرے۔

سالار خود اہلِ سنت مسلک سے تعلق رکھتا تھا مگر جو آخری چیز وہ کسی سے ڈسکس کرنا چاہتا تھا وہ مسلک اور فرقہ تھا اور ان مذہبی علماء کے پاس ڈسکس کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز مسلک اور فرقہ ہی تھا۔ ان علماء کے پاس جاتے جاتے وہ رفتہ رفتہ ان سے برگشتہ ہو گیا تھا۔ ان کی پوٹلی میں صرف علم بھرا ہوا تھا، عمل نہیں۔ وہ "غیبت ایک گناہ" پر لمبا چوڑا لیکچر دیتے، قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے دیتے اور اگلی ہی سانس میں وہ اپنے کسی ہم عصر عالم کا نام لے کر اس کا مذاق اُڑاتے، اس کی علمی جہالت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔

وہ اپنے پاس آنے والے ہر ایک کا پورا بائیوڈیٹا جانتے اور پھر اگر وہ بائیوڈیٹا ان کے کام کا ہوتا تو مطالبوں اور سفارشوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا اور اس بائیوڈیٹا کو وہ اپنے پاس آنے والوں کو متاثر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے کہ ان کے پاس کس وقت، کون آیا تھا۔ کس طرح کون ان کے علم سے فیض یاب ہوا تھا۔ کون بڑا آدمی ہر وقت ان کی جوتیاں سیدھی کرتے رہنے کو تیار رہتا ہے۔ کس نے انہیں گھر بلایا اور کس طرح خدمت کی۔ وہ اب تک جن عالموں کے پاس ایک بار گیا تھا دوبارہ نہیں گیا اور اب فرقان اسے پھر ایک عالم کے پاس لے کر جا رہا تھا۔

وہ شہر کے اچھے علاقوں میں سے ایک میں جا پہنچے تھے۔ وہ علاقہ اچھا تھا، مگر بہت پوش نہیں تھا۔ اس سڑک پر پہلے بھی بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ فرقان نے بھی ایک مناسب جگہ پر گاڑی سڑک کے کنارے پارک کر دی، پھر وہ گاڑی سے نیچے اُتر گیا۔ سالار نے اس کی پیروی کی۔ تین چار منٹ چلتے رہنے کے بعد وہ ان بنگلوں میں سے ایک نسبتاً سادہ مگر پروقار اور چھوٹے بنگلے کے سامنے پہنچ گئے۔ نیم پلیٹ پر ڈاکٹر سید سبط علی کا نام تحریر تھا۔ فرقان بلا جھجک اندر داخل ہو گیا۔ سالار نے اس کی پیروی کی۔

بنگلے کے اندر موجود چھوٹے سے لان میں ایک مالی اپنے کام میں مصروف تھا۔ فرقان نے پورچ میں ایک ملازم کے ساتھ دعا سلام کا تبادلہ کیا پھر وہ مزید کچھ آگے چلتا ہوا ایک

دروازے کے سامنے پہنچ گیا اور وہاں اس نے اپنا جوتا اتار دیا۔ وہاں پہلے بھی بہت سے جوتے پڑے تھے۔ اندر سے باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سالار نے بھی دیکھا دیکھی اپنے جوتے اتار دیئے۔ سالار نے ایک قدم اس کے پیچھے اندر رکھتے ہوئے ایک ہی نظر میں پورے کمرے کا جائزہ لے لیا۔ وہ ایک کشادہ کمرے میں تھا جس کے فرش پر کارپٹ بچھا ہوا تھا اور بہت سے فلو کشنز بھی پڑے ہوئے تھے۔ کمرے میں فرنیچر کے نام پر صرف چند معمولی سی چیزیں تھیں اور دیواروں پر کچھ قرآنی آیات کیلی گرافی کی صورت میں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے میں بیس پچیس کے قریب مرد تھے جو آپس میں گفتگو میں مصروف تھے۔ فرقان نے اندر داخل ہوتے ہی بلند آواز میں سلام کیا اور پھر چند لوگوں کے ساتھ کچھ خیر مقدمی کلمات کا تبادلہ کیا پھر وہ ایک خالی کونے میں بیٹھ گیا۔

"ڈاکٹر سید سبط علی کہاں ہیں؟" سالار نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے مدھم آواز میں پوچھا۔

"آٹھ بجتے ہی وہ اندر آجائیں گے، ابھی تو صرف سات پچیس ہوئے ہیں۔" فرقان نے اس سے کہا۔

سالار گردن ہلا کر کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں ہر عمر کے افراد تھے۔ چند ٹین ایج لڑکے۔ اس کے ہم عمر افراد، فرقان کی عمر کے لوگ، ادھیڑ عمر

۔۔۔۔۔اور کچھ عمر رسیدہ بھی۔فرقان اپنی دائیں طرف بیٹھے کسی آدمی کے ساتھ مصروف گفتگو تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے اس نے ساٹھ پینسٹھ سال کے ایک آدمی کو ایک اندرونی دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔اس کی توقع کے برعکس وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی استقبال کے لئے احتراماً کھڑا نہیں ہوا۔آنے والے نے ہی سلام میں پہل کی تھی جس کا جواب وہاں موجود لوگوں نے دیا۔آنے والے کے احترام میں کھڑا نہ ہونے کے باوجود سالار اب اچانک وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نشست کے انداز میں احترام دیکھ رہا تھا۔وہ سب یک دم بہت چوکنے اور محتاط نظر آنے لگے تھے۔

آنے والے یقیناً ڈاکٹر سید سبط علی تھے۔وہ کمرے کی ایک دیوار کے سامنے اس مخصوص جگہ پر بیٹھ گئے جنہیں شاید ان ہی کے لئے چھوڑا گیا تھا۔وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ان کی رنگت سرخ و سفید تھی اور یقیناً جوانی میں وہ بہت خوبصورت ہوں گے۔ان کے چہرے پر موجود داڑھی بہت لمبی نہیں تھی مگر بہت گھنی اور نفاست سے تراشی گئی تھی۔داڑھی مکمل طور پر سفید نہیں ہوئی تھی اور کچھ یہی حال ان کے سر کے بالوں کا بھی تھا۔سفید اور سیاہ کے امتزاج نے ان کے چہرے اور سر پر موجود بالوں کو بہت باوقار کر دیا تھا۔وہ وہاں بیٹھ کر دائیں طرف موجود کسی آدمی کا حال دریافت کر رہے تھے۔شاید وہ کسی بیماری سے اٹھ کر آیا

تھا۔سالار نے چند ہی لمحوں میں ان کے سراپے کا جائزہ لے لیا تھا۔وہ اور فرقان باقی لوگوں کے عقب میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

ڈاکٹر سبط علی نے اپنے لیکچر کا آغاز کیا۔ان کا لب و لہجہ بے حد شائستہ تھا اور انداز دھیما تھا۔کمرے میں مکمل سکوت تھا،وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔سالار کو ان کے ابتدائی چند جملوں سے ہی اندازہ ہو گیا تھا وہ ایک غیر معمولی عالم کے سامنے تھا۔

ڈاکٹر سبط علی شکر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

"انسان اپنی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز سے گزرتا ہے۔کبھی کمال کی بلندیوں کو جا چھوتا ہے، کبھی زوال کی گہرائیوں تک جا پہنچتا ہے۔ساری زندگی وہ ان ہی دونوں انتہاؤں کے درمیان سفر کرتا رہتا ہے اور جس راستے پر وہ سفر کرتا ہے، وہ شکر کا ہوتا ہے یا ناشکری کا۔کچھ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ زوال کی طرف جائیں یا کمال کی طرف جائیں، وہ صرف شکر کے راستے پر ہی سفر کرتے ہیں۔کچھ ایسے ہوتے ہیں جو صرف ناشکری کے راستے پر سفر کرتے ہیں، چاہے وہ زوال حاصل کریں یا کمال اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ان دونوں پر سفر کرتے ہیں۔کمال کی طرف جاتے ہوئے شکر کے اور زوال کی طرف جاتے ہوئے ناشکری کے۔انسان اللہ کی ان گنت مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔اشرف المخلوقات ہے مگر

مخلوق ہی ہے۔ وہ اپنے خالق پر کوئی حق نہیں رکھتا، صرف فرض رکھتا ہے۔ وہ زمین پر کسی ایسے ٹریک ریکارڈ کے ساتھ نہیں اُتارا گیا کہ وہ اللہ سے کسی بھی چیز کو اپنا حق سمجھ کر مطالبہ کر سکے مگر اس کے باوجود اس پر اللہ نے اپنی رحمت کا آغاز جنت سے کیا، اس پر نعمتوں کی بارش کر دی گئی اور اس سب کے بدلے اس سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کیا گیا شکر کا۔ کیا محسوس کرتے ہیں آپ! اگر آپ زندگی میں کسی پر کوئی احسان کریں اور وہ شخص اس احسان کو یاد رکھنے اور آپ کا احسان مند ہونے کی بجائے آپ کو ان مواقع کی یاد دلائے جب آپ نے اس پر احسان نہیں کیا تھا یا آپ کو یہ جتائے کہ آپ کا احسان اس کے لیے کافی نہیں تھا۔ اگر آپ اس کے لئے "یہ" کر دیتے یا "وہ" کر دیتے تو زیادہ خوش ہوتا۔ کیا کریں گے آپ ایسے شخص کے ساتھ؟ دوبارہ احسان کرنا تو ایک طرف، آپ تو شاید اس سے تعلق رکھنا تک پسند نہ کریں۔ ہم اللہ کے ساتھ یہی کرتے ہیں۔ اس کی نعمتوں اور رحمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے ہم ان چیزوں کے نہ ملنے پر کڑھتے رہتے ہیں، جنہیں ہم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اللہ پھر بھی رحیم ہے، وہ ہم پر اپنی نعمتیں نازل کرتا رہتا ہے۔ ان کی تعداد میں ہمارے اعمال کے مطابق کمی بیشی کرتا رہتا ہے مگر ان کا سلسلہ کبھی بھی مکمل طور پر منقطع نہیں کرتا۔"

سالار پلکیں جھپکائے بغیر ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"شکر ادا نہ کرنا بھی ایک بیماری ہوتی ہے، ایسی بیماری جو ہمارے دلوں کو روز بہ روز کشادگی سے تنگی کی طرف لے جاتی ہے جو ہماری زبان پر شکوہ کے علاوہ اور کچھ آنے ہی نہیں دیتی۔ اگر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنے کی عادت نہ ہو تو ہمیں انسانوں کا شکریہ ادا کرنے کی بھی عادت نہیں پڑتی۔ اگر ہمیں خالق کے احسانوں کو یاد رکھنے کی عادت نہ ہو تو ہم کسی مخلوق کے احسان کو بھی یاد رکھنے کی عادت نہیں سیکھ سکتے۔"

سالار نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ناشکری کیا ہوتی ہے، کوئی اس سے زیادہ اچھی طرح نہیں جان سکتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر ڈاکٹر سید سبط علی کو دیکھا۔

پورے ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے اپنا لیکچر ختم کیا، کچھ لوگوں نے ان سے سوال کیے پھر لوگ باری باری اٹھ کر جانے لگے۔

باہر سڑک پر لوگ اپنی گاڑیوں پر بیٹھ رہے تھے، وہ بھی اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔ رات اب گہری ہو رہی تھی۔ سالار کے کانوں میں ابھی بھی ڈاکٹر سبط علی کی باتیں گونج رہی تھیں۔ فرقان گاڑی سٹارٹ کر کے واپسی کا سفر شروع کر چکا تھا۔

سات دن پہلے وہ فرقان نامی کسی شخص سے واقف تک نہیں تھا اور سات دن میں اس نے اس کے ساتھ تعلقات کی بہت سی سیڑھیاں طے کر لی تھیں۔ اسے حیرت تھی وہ لوگوں کا

عادی نہیں تھا۔ کچھ تعلقات اور روابط اوپر کہیں طے کیے جاتے ہیں۔ کس وقت۔۔۔۔۔ کون کسے۔۔۔۔۔ کہاں۔۔۔۔۔ کس لئے ملے گا اور زندگی میں کیا تبدیلی لے آئے گا یہ سب۔

وہ صرف ایک دن کے لئے لاہور آیا تھا، مگر وہ پاکستان میں اپنے قیام کے باقی دن اسلام آباد کے بجائے لاہور میں ہی رہا اور باقی کے دن وہ ہر روز فرقان کے ساتھ ڈاکٹر سبط علی کے پاس جاتا رہا۔ وہ ایک دن بھی ان سے براہِ راست نہیں ملا۔ صرف اُن کا لیکچر سُنتا اور اُٹھ کر آجاتا۔

ڈاکٹر سبط علی کی زندگی کا بڑا حصہ مختلف یورپی ممالک کی یونیورسٹیز میں اسلامک اسٹڈیز اور اسلامک ہسٹری کی تعلیم دیتے گزرا تھا۔ پچھلے دس بارہ سال سے وہ پاکستان میں یہاں کی ایک یونیورسٹی سے وابستہ تھے اور فرقان تقریباً اتنا ہی عرصہ سے انہیں جانتا تھا۔

جس دن اسے لاہور سے اسلام آباد اور پھر وہاں سے واپس واشنگٹن جانا تھا اس رات پہلی بار وہ لیکچر کے ختم ہونے کے بعد فرقان کے ساتھ وہاں ٹھہر گیا۔ باری باری تمام لوگ کمرے سے نکل رہے تھے۔ ڈاکٹر سبط علی کھڑے تھے اور کچھ لوگوں سے الوداعی مصافحہ کر رہے تھے۔

فرقان اس کے ساتھ ڈاکٹر سبط علی کی طرف بڑھ آیا۔

ڈاکٹر سبط علی کے چہرے پر فرقان کو دیکھ کر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ کمرے میں موجود آخری آدمی کو رخصت کر رہے تھے۔

"کیسے ہیں آپ فرقان صاحب!" انہوں نے فرقان کو مخاطب کیا۔ "بڑے دنوں کے بعد رُکے آپ یہاں پر۔"

فرقان نے کوئی وضاحت دی پھر سالار کا تعارف کروایا۔

"یہ سالار سکندر ہیں، میرے دوست ہیں۔"

سالار نے اپنا نام سننے پر انہیں یک دم چونکتے دیکھا اور پھر وہ کچھ حیران ہوئے مگر اگلے ہی لمحہ ان کے چہرے پر ایک بار پھر پہلے والی مسکراہٹ تھی۔ فرقان اب اس کا تفصیلی تعارف کروا رہا تھا۔

"آیئے بیٹھیئے۔" ڈاکٹر سبط علی نے فرشی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ فرقان اور وہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ وہ فرقان کے ساتھ اس کے پروجیکٹ کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ سالار خاموشی سے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھتا رہا۔ گفتگو کے دوران ہی ان کا ملازم اندر آیا اور انہوں نے اسے کھانا لانے کے لیے کہا۔

ملازم نے اس کمرے میں دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا۔ فرقان یقیناً پہلے بھی وہاں کئی بار کھانا کھاتا رہا تھا۔

وہ جب ہاتھ دھو کر کھانا کھانے کے لیے واپس کمرے میں پہنچا اور دستر خوان پر بیٹھا تو ڈاکٹر سبط علی نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

"آپ مسکراتے نہیں ہیں سالار؟" وہ ان کے سوال سے زیادہ سوال کی نوعیت پر گڑبڑا گیا۔ کچھ ہونق سا وہ انہیں دیکھتا رہا۔

"اس عمر میں اتنی سنجیدگی تو کوئی مناسب بات نہیں۔" سالار کچھ حیرانی سے مسکرایا، پندرہ بیس منٹ کی ملاقات میں وہ یہ کیسے جان گئے تھے کہ وہ مسکرانے کا عادی نہیں رہا تھا۔ وہ فرقان کی طرف دیکھ کر کچھ جھینپا، پھر اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ یہ آسان کام ثابت نہیں ہوا۔

"کیا میرا چہرہ میرے ہر احساس کو ظاہر کرنے لگا ہے کہ پہلے فرقان اور اب ڈاکٹر سبط علی مجھ سے میری سنجیدگی کی وجہ جاننا چاہتے ہیں۔" اس نے سوچا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اتنا سنجیدہ نہیں ہوں۔" اس نے ڈاکٹر سبط علی سے زیادہ جیسے خود کو بتایا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" ڈاکٹر سبط علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد دونوں کو رخصت کرنے سے پہلے وہ اندر گئے۔ واپسی پر ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی وہ کتاب انہوں نے سالار کی طرف بڑھا دی۔

"آپ کا تعلق معاشیات سے ہے، کچھ عرصے پہلے میں نے اسلامی اقتصادیات کے بارے میں یہ کتاب لکھی ہے۔ مجھے خوشی ہو گی اگر آپ اسے پڑھیں تا کہ آپ کو اسلامی اقتصادی نظام کے بارے میں بھی کچھ واقفیت حاصل ہو۔"

سالار نے کتاب ان کے ہاتھ سے پکڑ لی، کتاب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اس نے مدھم آواز میں ڈاکٹر سبط علی سے کہا۔

"میں واپس جا کر بھی آپ سے رابطہ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ سے صرف اقتصادیات کے بارے میں نہیں سیکھنا چاہتا اور بھی بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر سبط علی نے نرمی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔



"ڈاکٹر سبط علی صاحب کے پاس جتنے لوگ بھی آتے ہیں وہ کسی نہ کسی حوالے سے کمیونٹی ورک سے وابستہ ہیں۔ کچھ پہلے ہی اس کام میں انوالو ہوتے ہیں اور جو پہلے نہیں ہوتے وہ بعد میں ہو جاتے ہیں۔"

ڈاکٹر سبط علی سے پہلی ملاقات کے بعد فرقان نے اسے بتایا۔

"ان کے پاس آنے والے زیادہ تر لوگ بہت کوالیفائیڈ ہیں۔ بڑے بڑے اداروں سے وابستہ ہیں۔ میں بھی اتفاقاً ہی ان کے پاس جانا شروع ہوا۔ لندن میں ایک بار ان کا لیکچر سننے کا اتفاق ہوا پھر پاکستان آنے پر ایک دوست کے توسط سے ان سے ملنے کا موقع ملا اور اس کے بعد سے میں ان کے پاس جا رہا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کے بارے میں میرے نظریات پہلے کی نسبت اب بہت صاف اور واضح ہیں۔ ذہنی طور پر بھی میں پہلے کی نسبت اب زیادہ مضبوط ہو گیا ہوں تم اس پروجیکٹ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ اس پروجیکٹ میں میری بہت زیادہ مدد ڈاکٹر سبط علی کے پاس آنے والے لوگوں نے بھی کی۔ بہت ساری سہولیات انہی لوگوں نے فراہم کیں اور میں یہاں اس قسم کے پروجیکٹ پر کام کرنے والا واحد نہیں ہوں اور ہم ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔ اس مدد کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، مگر مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ ہم اس ملک کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔"

سالار نے اس کے آخری جملے پر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔ "یہ اتنا آسان تو نہیں ہے۔"

"ہاں ہم جانتے ہیں یہ آسان کام نہیں ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں یہ سب ہماری زندگیوں میں نہیں ہوگا مگر ہم وہ بنیاد ضرور فراہم کر دینا چاہتے ہیں، جن پر ہمارے بچے اور ان کے بعد والی نسل تعمیر کرتی رہے۔ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہ مارتی رہے۔ کم از کم مرتے ہوئے ہم لوگوں کو یہ احساس تو نہیں ہوگا کہ ہم لوگوں نے تماشائیوں جیسی زندگی گزار دی۔ دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح ہم بھی صرف تنقید کرتے رہے۔ خرابیوں پر انگلیاں اٹھاتے رہے۔ اسلام کو صرف مسجد کی حدود تک ہی محدود کر کے بیٹھے رہے۔ اپنے اور دوسروں کی زندگیوں میں ہم نے کوئی تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ حیرانی سے فرقان کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ امامہ ہاشم، جلال انصر، سعد کے بعد وہ ایک اور مسلمان کو دیکھ رہا تھا۔ ایک اور پریکٹیکل مسلمان کو، وہ مسلمانوں کی ایک اور قسم سے آگاہ ہو رہا تھا۔ وہ مسلمان جو دین اور دنیا کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے، جو دونوں انتہاؤں کے بیچ کے راستے کو پہنچانتے تھے اور ان پر چلنے کا طریقہ جانتے تھے وہ بُری طرح اُلجھا۔

"تم نے میری آفر کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" اس نے فرقان سے کہا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا میں تم سے کیا چاہتا ہوں۔ تمہاری ضرورت ہے اس ملک کو۔ یہاں کے لوگوں کو، یہاں کے اداروں کو، تمہیں یہاں آ کر کام کرنا چاہیئے۔"

سالار اس بات پر ہلکے سے ہنسا "تم کبھی اس ٹاپک کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اچھا میں اس پر سوچوں گا۔ پھر تم میری آفر کے بارے میں کیا کہو گے؟"

"میرے گاؤں کے قریب ہی ایک اور گاؤں ہے۔۔۔۔ اسی حالت میں جس حالت میں دس پندرہ سال پہلے میرا گاؤں تھا۔ مین آج کل کوشش کر رہا تھا کہ کوئی وہاں پر اسکول بنا دے۔ پرائمری اسکول تو گورنمنٹ کا وہاں ہے مگر آگے کچھ نہیں ہے۔ اگر تم وہاں اسکول شروع کرو تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ میں اور میری فیملی تمہاری غیر موجودگی میں اسے دیکھیں گے۔ ہم اسے قائم کرنے میں بھی تمہاری مدد کریں گے مگر پھر تمہیں خود ہی اسے چلانا ہو گا۔ صرف روپیہ فراہم کر دینا کافی نہیں ہو گا۔" فرقان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"کل چل سکتے ہو، میرے ساتھ وہاں؟" سالار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تمہاری تو فلائیٹ ہے کل صبح۔"

"نہیں میں دو دن بعد چلا جاؤں گا۔ ایک بار میں چلا گیا تو فوری طور پر میرے لیے واپس آنا ممکن نہیں رہے گا اور میں جانے سے پہلے یہ کام شروع کر دینا چاہتا ہوں۔"

اس نے فرقان سے کہا۔ فرقان نے سر ہلا دیا۔



وہ اس رات کی فلائیٹ سے اسلام آباد گئے اور پھر رات کو ہی فرقان کے گاؤں چلے گئے۔ رات وہاں قیام کرنے کے بعد صبح فجر کے وقت فرقان کے ساتھ وہ اس گاؤں میں گیا۔ دوپہر بارہ بجے تک وہ اس گاؤں کے لوگوں سے ملتے اور وہاں پھرتے رہے۔ وہاں موجود پرائمری اسکول کو دیکھ کر سالار کو یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اپنی حالت سے کچھ بھی لگتا تھا مگر اسکول نہیں۔ فرقان کو اس کی طرح کوئی شاک نہیں لگا تھا، وہ وہاں کے حالات سے پہلے ہی بہت اچھی طرح باخبر تھا۔ وہ سال میں تین چار مرتبہ مختلف دیہات میں میڈیکل کیمپس لگوایا کرتا تھا اور وہ دیہات کی زندگی اور وہاں کی حالت سے سالار کی نسبت بہت اچھی طرح واقف تھا۔ فرقان کو شام کی فلائٹ سے لاہور جانا تھا۔ وہ لوگ دو بجے کے قریب وہاں سے اسلام آباد جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔



اسکول کے اس پروجیکٹ کو شروع کرنے سے پہلے سکندر عثمان سے اس کی بات ہوئی تھی۔اس نے مختصر الفاظ میں انہیں اس پروجیکٹ کے بارے میں بتایا تھا۔وہ کسی مداخلت کے بغیر اس کی بات سنتے رہے پھر انہوں نے بڑی سنجیدگی سے اس سے کہا۔

"یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہو تم؟"

"پاپا! میں اس کام کی ضرورت محسوس کرتا ہوں لوگوں کو۔۔۔۔۔"انہوں نے سالار کی بات کاٹ دی۔

"میں اسکول کی بات نہیں کر رہا۔"

"پھر آپ کس چیز کی بات کر رہے ہیں؟"وہ حیران ہوا۔

"میں تمہارے لائف اسٹائل کی بات کر رہا ہوں۔"

"میرے لائف اسٹائل کو کیا ہوا؟"وہ چونکا۔سکندر عثمان اسے دیکھتے رہے۔

"تم نے قرآن پاک حفظ کرنے کے بارے میں ہمیں اس وقت بتایا جب تم حفظ کر چکے تھے، اوکے فائن، میں نے کچھ نہیں کہا۔تم حج پر جانا چاہتے تھے میرے اس سلسلے میں کچھ تحفظات تھے مگر میں نے تمہیں نہیں روکا۔تم نے ہر طرح کی سوشل لائف ختم کر دی۔میں نے اعتراض نہیں کیا۔تم مذہب میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگے، نماز شروع کر دی وہ

بھی مسجد میں۔میں نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔تم نے بزنس کرنے کی بجائے جاب کرنا چاہی وہ بھی یہاں نہیں امریکہ میں۔میں نے تمہیں کرنے دی۔اب تم ایک اسکول کھولنا چاہ رہے ہو۔اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس تمام معاملے پر کچھ سنجیدگی سے بات کر لیں۔"سکندر عثمان بے حد سنجیدہ تھے۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارا یہ لائف اسٹائل تمہیں ہمارے سوشل سرکل کے لئے ناقابلِ قبول بنادے گا۔پہلے تم ایک انتہا پر تھے اب تم دوسری انتہا پر ہو۔پچیس، چھبیس سال کی عمر میں جن کاموں میں تم اپنے آپ کو انوالو کر رہے ہو وہ غیر ضروری ہیں۔تمہیں اپنے کیریئر پر دھیان دینا چاہئیے اور اپنے لائف اسٹائل میں تبدیلی لانا چاہئیے۔

ہم جس کلاس سے تعلق رکھتے ہیں وہاں مذہب سے ایسی وابستگی بہت سے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔"وہ سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"اور صرف تمہارے لئے ہی نہیں، ہمارے لئے بھی بہت سے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔تم خود سوچو تم لوگوں کو کیا امپریشن دینے کی کوشش کر رہے ہو۔کل کو ہم یا تم خود جب اپنی کلاس کی کسی اچھی فیملی کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہو گے تو تمہاری یہ مذہبی وابستگی تمہارے لئے کتنے مسائل پیدا کرے گی تمہیں اندازہ ہے۔کوئی بھی فیملی سکندر عثمان کا نام دیکھ کر یا تمہاری کوالیفیکیشنز دیکھ کر اپنی بیٹی کی شادی تم سے نہیں کر دے گی۔اوپر سے تم

نے اس عمر میں سوشل ورک شروع کرنے کی ٹھان لی ہے جب تمہاری عمر کے لوگ اپنے کیریئر کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں تم یونیسیف میں بہت سوشل ورک کرتے رہے ہو اتنا کافی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ تم یہ سب کچھ اپنی پرسنل لائف میں بھی شروع کر دو۔ جو پیسہ تم اس اسکول پر اور لوگوں کی زندگیاں بہتر بنانے کے لئے ضائع کرو گے اسے تم اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کرو۔ انہیں آسائشیں دینے کے لیے، ایک آرام دہ لائف اسٹائل دینے کے لئے۔ اپنے آپ پر خرچ کرو، تین سو سال کی زندگی نہیں ہے تمہاری ، پھر اتنی سی عمر میں بڑھاپے کو کیوں سوار کر لیا ہے تم نے اپنے اعصاب پر۔ ایک حادثہ ہوا، بُرا ہوا۔ تم نے سبق سیکھا۔ بہت اچھا کیا۔ بس اتنا کافی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس عمر میں تسبیح پکڑ لو۔" وہ رُکے۔ "کیا میری بات کو سمجھ رہے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"پاپا! میں نے تسبیح نہیں پکڑی ہے۔" سالار نے ان کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔

"آپ نے زندگی میں توازن رکھنے کی بات کی میں وہ توازن ہی رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں اپنے کیریئر میں کہاں پر کھڑا ہوں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری کارکردگی سے آپ واقف ہیں۔"

"میں واقف ہوں اور اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ اگر تم اس طرح کی سرگرمیوں میں خود کو انوالو نہ کرو تو تم بہت آگے جا سکتے ہو۔" سکندر نے کہا۔

"میں کہیں نہیں جا سکتا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ چھوڑ دوں تو کیریئر کی کسی ماؤنٹ ایوریسٹ تک پہنچ جاؤں گا، تو ایسا نہیں ہے۔" اس نے توقف سے کہا۔

"تم اپنے مستقبل کے بارے میں بھی سوچو۔ اپنی شادی کے بارے میں، ایسی اپروچ رکھنے پر تم کو کہاں قبول کیا جائے گا۔"

"میں نے سوچا ہے پاپا! میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔"

سکندر ہنسے۔

"بچکانہ سوچ ہے۔ ہر ایک یہی کہتا ہے۔ تمہیں تو اپنا "ایڈونچر" یاد رکھنا چاہئیے۔"

ان کا اشارہ کس طرف تھا وہ جانتا تھا وہ بہت دیر کچھ نہیں کہہ سکا۔ یہ بھی نہیں کہ وہ اس ایڈونچر کی وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے یاد ہے۔" بہت دیر بعد اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"میں آپ کے سوشل سرکل میں بہت پہلے ہی مس فٹ ہو چکا ہوں اور میں یہاں جگہ بنانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ مجھے اس سوشل سرکل میں کوئی نیا تعلق یا رشتہ بھی قائم نہیں کرنا۔

مجھے پروا نہیں کہ لوگ، میرے بہن بھائی، میرا مذاق اڑائیں گے یا مجھ پر ہنسیں گے۔ میں اس سب کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوں۔ جہاں تک سوال اس پروجیکٹ کا ہے۔ پاپا مجھے اسے شروع کرنے دیں۔ میرے پاس بہت پیسہ ہے۔ اس پروجیکٹ کو شروع کرنے کے بعد بھی مجھے فٹ پاتھ پر رہنا نہیں پڑے گا۔ کچھ لوگوں کو جسم کی بیماری ہوتی ہے، کچھ کو روح کی۔ جسم کی بیماری کے لئے لوگ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ روح کی بیماری کے لئے لوگ وہی کرتے ہیں جو میں کر رہا ہوں۔ جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس پیسے سے سب کچھ خرید سکتا ہوں صرف سکون نہیں خرید سکتا۔ زندگی میں پہلی بار میں سکون حاصل کرنے کے لئے اس پیسے کو انویسٹ کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے مجھے سکون مل جائے۔" سکندر عثمان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا کہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

واپس واشنگٹن پہنچ کر وہ ایک بار پھر پہلے کی طرح مصروف ہو گیا تھا مگر اس بار فرق یہ تھا کہ وہ مسلسل پاکستان میں فرقان اور ڈاکٹر سبط علی کے ساتھ رابطے میں تھا۔ فرقان اسے اسکول کے بارے میں ہونے والی تفصیلات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔

یونیسیف میں اس طرح کا کام اس کی جاب کا حصہ تھا۔ اسے اس کام کے لئے بہت اچھا معاوضہ دیا جاتا تھا مگر پاکستان کے اس گاؤں میں اس طرح کے کام کا آغاز اور وہ بھی اپنے وسائل سے۔ چند سال پہلے کے سالار سکندر کو جاننے والے کبھی بھی اس بات یقین نہیں کرتے۔ خود اسے بھی یقین نہیں آتا تھا کہ وہ کبھی اس طرح کا کام کرنے کا سوچ سکتا تھا مگر یہ صرف اس پروجیکٹ کے لئے اپنے اکاؤنٹ سے پیسہ نکالتے ہوئے اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کے لئے یہ پروجیکٹ کم از کم مالی لحاظ سے مشکل نہیں تھا۔

پچھلے تین سال میں اس کے اخراجات میں بہت کمی آ گئی تھی۔ بہت ساری وہ چیزیں اس کی زندگی سے نکل گئی تھیں جن پر وہ اندھا دھند پیسہ خرچ کرتا تھا۔ وہ اپنے بینک اکاؤنٹ میں رقم جان کر حیران ہو گیا تھا۔ وہ ایسا شخص نہیں تھا جس سے پیسہ جمع کرنے کی توقع کی جا سکتی۔ ایم فل کے لیے اس کے پاس اسکالرشپ تھا اسے کم از کم اس کے لئے اپنے پاس سے کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اس دن اپنے اپارٹمنٹ میں چلتے پھرتے اس نے پہلی بار وہاں موجود تمام چیزوں کو غور سے دیکھا تھا۔ اس کے اپارٹمنٹ میں کہیں بھی کوئی بھی مہنگی چیز نہیں تھی بلکہ سامان بھی بہت محدود تھا۔ اس کا کچن بھی کھانے پینے کی چیزوں سے تقریباً خالی تھا۔ کافی، چائے، دودھ اور اسی طرح کی چند دوسری چیزیں۔ اس کا اپنے اپارٹمنٹ میں بہت کم وقت گزرتا تھا جو وقت گزرتا تھا وہ سونے میں گزرتا۔

یونیسیف میں اپنی جاب پر جاتے ہوئے بھی اس کے پاس پہلے سے موجود کپڑوں اور دوسری اشیاء کا اتنا انبار موجود تھا کہ وہ اس معاملے میں بھی لاپرواہی برتتا رہا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے آخری بار اس طرح کی کوئی چیز کب خریدی تھی۔ اپنے ساتھ کام کرنے والوں اور یونیورسٹی میں اپنے کچھ کلاس فیلوز کے علاوہ وہ نیویارک میں کسی کو نہیں جانتا تھا یا پھر دانستہ طور پر اس نے خود کو ایک محدود سرکل میں رکھا تھا اور لوگوں کے ساتھ بھی اس کی دوستی بہت رسمی قسم کی تھی۔

واحد چیز جس پر وہ خرچ کرتا رہتا تھا، وہ کتابیں تھیں۔ اس لائف اسٹائل کے ساتھ اگر اس کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم جمع ہو گئی تھی تو یہ کوئی خلافِ توقع بات نہیں تھی۔ آفس، یونیورسٹی، فلیٹ۔۔۔۔۔ اس کی زندگی کے معمولات میں چوتھی چیز کوئی نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایم فل کے دوران سالار نے یونیسیف چھوڑ کر یونیسکو جوائن کر لیا۔

ایم فل کرنے کے بعد سالار کی پوسٹنگ پیرس میں ہو گئی۔ اس سے پہلے وہ ایک فیلڈ آفس میں کام کر رہا تھا مگر اب اسے یونیسکو کے ہیڈ کوارٹرز میں کام کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ

گزشتہ سالوں میں وقتاً فوقتاً چھوٹے موٹے پراجیکٹس کے سلسلے میں پیرس جاتا رہا تھا مگر اس بار وہ پہلی دفعہ لمبے عرصے کے لئے وہاں جا رہا تھا۔ ایک آشنا دنیا سے نا آشنا دنیا میں، اس دنیا میں جہاں وہ زبان تک سے واقف نہیں تھا۔ نیویارک میں اس کے بہت سے دوست تھے، یہاں پر ایسا کوئی بھی نہیں تھا جسے وہ بہت اچھی طرح جانتا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یونیسیف میں کئے جانے والے ان تھک کام کی طرح وہ یہاں آ کر ایک بار پھر اسی طرح کام کرنے لگا تھا مگر اسلام آباد کے نواحی علاقے میں شروع کیا جانے والا وہ اسکول یہاں بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوا تھا۔ بعض دفعہ اسے حیرت ہوتی کہ اپنی جاب میں تعلیم سے اتنا گہرا تعلق ہونے کے باوجود آخر اسے کبھی فرقان کی طرح وہ اسکول کھولنے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ اگر اس اسکول کے بارے میں وہ کئی سال پہلے سوچ لیتا تو شاید آج یہ اسکول بہت مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہوتا۔

"مجھے پاکستان سے زیادہ محبت نہیں ہے، نہ ہی اس کے لیے میں کوئی گہری انسیت رکھتا ہوں۔" اس نے شروع کی ملاقات میں ایک بار فرقان سے کہا تھا۔

"کیوں؟" فرقان نے پوچھا تھا۔

"کیوں کا جواب تو میں نہیں دے سکتا، بس پاکستان کے لئے کوئی خاص احساسات میرے دل میں نہیں ہیں۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا تھا۔

"یہ جاننے کے باوجود کہ یہ تمہارا ملک ہے؟"

"ہاں، یہ جاننے کے باوجود۔"

"امریکہ کے لیے خاص احساسات ہیں، امریکہ سے محبت ہے؟" فرقان نے پوچھا۔

"نہیں، اس کے لیے بھی میرے دل میں کچھ نہیں ہے۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

فرقان نے اس بار حیرانی سے اسے دیکھا۔ "دراصل میں وطنیت پر یقین نہیں رکھتا۔" اس نے فرقان کو حیران دیکھ کر وضاحت کی۔

"یا پھر مجھے ان جگہوں کے لیے محبت پیدا کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے، جہاں میں رہتا ہوں۔ میں کل کسی تیسرے ملک میں رہنے لگوں گا تو امریکہ کو بھی یاد نہیں کروں گا۔"

"تم بڑے عجیب آدمی ہو سالار!" فرقان نے بے اختیار کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ آدمی اپنے ملک کے لیے یا اس جگہ کے لیے کوئی خاص احساسات ہی نہ رکھے جہاں وہ رہتا ہے۔"

فرقان کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا مگر اس نے کچھ غلط نہیں کہا تھا۔ پیرس آنے کے بعد اسے نیویارک کی کوئی چیز یاد نہیں آئی تھی۔ نیو ہیون سے نیویارک آتے ہوئے بھی اسے وہاں ایڈجسٹمنٹ کا کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ہر پانی کی مچھلی تھا۔



وہ ان دنوں یونائیٹڈ نیشنز کے زیرِ اہتمام ہونے والی کسی ریجنل کانفرنس کے سلسلے میں پاکستان آیا ہوا تھا۔ وہ پرل کانٹی نینٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے وہاں ایک بزنس مینجمنٹ کے ادارے میں کچھ لیکچرز دینے تھے اور فرقان کے ساتھ اپنے اسکول کے سلسلے میں کچھ امور کو بھی طے کرنا تھا۔

وہ لاہور میں اس کے قیام کا تیسرا دن تھا۔ اس نے رات کا کھانا کچھ جلدی کھا لیا اور اس کے بعد وہ کسی ضروری کام سے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ شام کے ساڑھے سات ہو رہے تھے۔ مال روڈ پر جاتے ہوئے اچانک اس کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ڈرائیور گاڑی سے اتر کر ٹائر کو دیکھنے لگا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے سالار کی کھڑکی کے پاس آکر کہا۔

"سر! گاڑی میں دوسرا ٹائر موجود نہیں ہے۔ میں آپ کے لئے کوئی ٹیکسی لاتا ہوں، آپ اس پر چلے جائیں۔" سالار نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"نہیں، میں خود ٹیکسی روک لیتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا اُتر گیا۔ کچھ دور ایک پارکنگ میں کچھ ٹیکسیاں نظر آرہی تھیں۔ سالار کا رُخ اسی طرف تھا جب ایک کار نے یک دم اس کے پاس آ کر بریک لگائی۔ گاڑی سامنے سے آئی تھی اور اس کے رُکنے پر سالار نے فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے اس میں بیٹھے شخص کو ایک نظر میں ہی پہچان لیا۔

وہ عاکف تھا۔ وہ اب گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے اُتر رہا تھا۔ لاہور میں کچھ سال پہلے اس کی سرگرمیوں کا وہ ایک مرکزی کردار تھا۔ عاکف اور اکمل۔ وہ ان ہی دونوں کے ساتھ اپنا زیادہ وقت گزارا کرتا تھا اور اس سے سالار کی دوبارہ ملاقات کئی سالوں کے بعد ہو رہی تھی۔ وہ ان سب کو چھوڑ چکا تھا۔ پاکستان یا لاہور آنے پر بھی اس نے کبھی ان کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان لوگوں نے پچھلے کئی سالوں میں بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر ان کی ان کوششوں کے باوجود سالار ان سے بچنے کی کوششوں میں کامیاب رہا تھا۔

اور اب اتنے سالوں کے بعد وہ یک دم اس طرح اچانک اس کے سامنے آگیا تھا۔ سالار کے اعصاب یک دم تن گئے تھے۔ عاکف بڑے جوش و خروش کے عالم میں اس کی طرف بڑھا۔

"سالار! مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ تم ہو۔۔۔۔ کہاں غائب تھے اتنے سالوں سے؟ تم تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے تھے۔ کہاں تھے یار! اور اب یہاں کیا کر رہے ہو۔ حلیہ ہی بدل لیا ہے، کہاں گئے وہ بال، لاہور میں کب آئے ہو، آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔؟"

اس نے یکے بعد دیگرے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اس نے سالار کے انداز میں جھلکنے والی سرد مہری پر غور نہیں کیا تھا۔ سالار کے جواب دینے سے پہلے ہی عاکف نے دوبارہ پوچھا۔

"یہاں مال پر کیا کر رہے ہو؟"

"گاڑی خراب ہو گئی تھی، میں ٹیکسی کی طرف جا رہا تھا۔" سالار نے کہا۔

""کہاں جا رہے ہو، میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" عاکف نے بے تکلفی سے کہا۔

"نہیں، میں چلا جاتا ہوں۔ ٹیکسی پاس ہی ہے۔" سالار نے تیزی سے کہا۔

عاکف نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

"چلو اندر بیٹھو۔" اس نے بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔ سالار سٹپٹایا لیکن اس کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا موڈ بہت خراب ہونے لگا تھا۔

"تم تو اسٹیٹس پڑھنے چلے گئے تھے اور پھر مجھے پتا چلا کہ تم نے وہاں جاب کر لی ہے پھر اچانک پاکستان کیسے؟" عاکف نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا چھٹیاں گزارنے آئے ہو؟"

"ہاں!" سالار نے مختصراً کہا، وہ اس طرح سے جان چھڑا سکتا تھا۔

"کیا کر رہے ہو جکل؟' عاکف نے گاڑی چلاتے ہوئے پوچھا۔

"یونائیٹڈ نیشنز کی ایک ایجنسی میں کام کر رہا ہوں۔"

"یہاں لاہور میں کہاں ٹھہرے ہو؟"

"پی سی میں۔"

"ارے پی سی میں کیوں ٹھہرے ہو، میرے پاس آتے یا مجھے فون کرتے۔ کب آئے یہاں؟" عاکف نے کہا۔

"کل"۔

"بس تو پھر تم میرے ساتھ، میرے گھر رہو گے۔ ضرورت نہیں ہے ہوٹل میں رہنے کی۔"

"نہیں، میں کل صبح اسلام آباد واپس جا رہا ہوں۔" سالار نے روانی سے جھوٹ بولا۔ وہ عاکف سے ہر قیمت پر جان چھڑا لینا چاہتا تھا۔ اسے اس سے الجھن ہو رہی تھی یا پھر یہ شاید اس کے ساتھ گزارا جانے والا ماضی تھا جو اسے تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا۔

"اگر کل اسلام آباد واپس جا رہے ہو تو پھر آج میرے ساتھ رہو۔ کھانا کھاؤ میرے ساتھ گھر چل کر۔" عاکف نے آفر کی۔

"کھانا میں دس منٹ پہلے ہی کھا کر نکلا ہوں۔"

"پھر بھی میرے ساتھ گھر چلو۔ تمہیں اپنی بیوی سے ملواؤں گا۔"

"شادی ہو گئی تمہاری؟"

"ہاں، تین سال ہوئے۔" عاکف نے کہا۔ پھر پوچھا۔

"اور تم۔۔۔۔ تم نے شادی کر لی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس کچھ مصروفیت تھی اس لیے۔" سالار نے کہا۔

"گڈ! ابھی آزاد ہی پھر رہے ہو۔" عاکف نے ایک گہرا سانس لیا۔ "خوش قسمت ہو۔" سالار نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ عاکف نے اس سے بات کرتے ہوئے گلو کمپارٹمنٹ کھول کر اندر سے ایک کیسٹ نکالنی چاہی۔ اس کا دھیان ذرا بھٹکا اور کیسٹ نکالتے نکالتے گلو کمپارٹمنٹ سے بہت سی چیزیں سالار کی گود اور نیچے اس کے پیروں میں گر پڑیں۔

"too bad" عاکف نے بے اختیار کہا۔ سالار جھک کر چیزیں اٹھانے لگا۔ عاکف نے گاڑی کے اندر کی لائٹ جلا دی۔ وہ ان چیزوں کو سمیٹ کر گلو کمپارٹمنٹ میں رکھنے لگا تھا جب وہ ٹھٹک گیا کسی نے اس کے جسم میں جیسے کرنٹ سا دوڑا دیا۔ گلو کمپارٹمنٹ کے ایک کونے میں ایر رنگز پڑے تھے۔ سالار کے ہاتھوں میں بے اختیار لرزش آ گئی۔ بایاں ہاتھ بڑھا کر اس نے ان ایر رنگز کو باہر نکال لیا۔ وہ اب اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر گاڑی کے اندر جلتی روشنی میں چمک رہے تھے۔ وہ بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔

بہت سال پہلے اس نے ان ایر رنگز کو کسی کے کانوں میں دیکھا تھا۔ ایک بار۔۔۔۔۔ دو بار۔۔۔۔۔ تین بار۔۔۔۔۔ چوتھی بار وہ انہیں اب دیکھ رہا تھا۔ اسے کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ امامہ ہاشم کے ایر رنگز تھے۔ وہ آنکھیں بند کر کے کاغذ پر ان کا ڈیزائن اُتار سکتا تھا۔ ہر پیچ و خم

کو۔۔۔۔۔ عاکف نے اس کی ہتھیلی سے وہ ایر رنگز اُٹھا لئے۔ کسی نے جیسے سالار کا سکتہ توڑ دیا تھا۔ عاکف ان ایر رنگز کو ایک بار پھر گلو کمپارٹمنٹ میں رکھ رہا تھا۔

"یہ ایر رنگز۔۔۔۔۔" وہ اٹکتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہاری بیوی کے ہیں؟" سالار نے اپنے سوال کو مکمل کیا۔

"بیوی کے؟" عاکف ہنسا۔ "کم آن یار! بیوی کے ہوتے تو میں یہاں رکھتا۔" سالار پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"پھر؟" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یار ہے ایک گرل فرینڈ میری، پچھلی رات میرے ساتھ تھی۔ یہ ایر رنگز میرے بیڈ روم میں چھوڑ گئی۔ کچھ ایمر جنسی میں ہی جانا پڑا اسے کیونکہ روہا واپس آ گئی تھی۔ میں نے یہ ایر رنگز لا کر گاڑی میں رکھ دیئے کیونکہ آج میرا اس کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔" عاکف بڑی بے تکلفی سے اسے بتا رہا تھا۔

"گرل فرینڈ؟" سالار کے حلق میں جیسے پھندا لگا۔

"ہاں، گرل فرینڈ۔ ریڈ لائٹ ایریا کی ہی ایک لڑکی ہے۔ اب ادھر ڈیفنس میں شفٹ ہو گئی ہے۔"

"کیا۔۔۔۔۔ کیا نام ہے اس کا؟" امامہ ریڈ لائٹ ایریا کی لڑکی تو کبھی نہیں ہو سکتی۔ یقیناً مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نے عاکف کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"صنوبر۔" عاکف نے اس کا نام بتایا۔ سالار نے چہرہ موڑ کر ہاتھ میں پکڑی چیزیں گلو کمپارٹمنٹ میں رکھ کر اسے بند کر دیا۔ اسے واقعی غلط فہمی ہوئی تھی۔ عاکف گاڑی کی لائٹ آف کر چکا تھا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سالار نے گہرا سانس لیا۔

"مگر یہ اس کا اصلی نام نہیں ہے۔" عاکف نے بات جاری رکھی۔ "اصلی نام اس کا امامہ ہے۔" سالار کے کانوں میں کوئی دھماکہ ہوا تھا یا پھر یہ پگھلا ہوا سیسہ تھا جو کسی نے اس کے کانوں میں انڈیل دیا تھا۔

عاکف اب اسٹیئرنگ پر تھوڑا آگے جھکے ہونٹوں میں دبا سگریٹ لائٹر سے جلا رہا تھا۔

"تم نے۔۔۔۔۔ تم نے۔۔۔۔۔ کیا کہا؟" سالار کی آواز میں لرزش تھی۔

"کیا کہا؟" عاکف نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے اسے دیکھا۔

"نام بتا رہے تھے تم اس کا؟"

"ہاں، امامہ۔۔۔۔۔ تم جانتے ہو اسے؟" عاکف نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ سالار کو دیکھا۔

کھڑکی کا شیشہ اب اس نے کھول دیا تھا۔ سالار ریک ٹک اسے دیکھتا رہا یوں جیسے وہ عاکف کو پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ایر رنگز اب اس کی مٹھی کی گرفت میں تھے۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں یار! تم جانتے ہو اسے؟"

عاکف نے ہونٹوں سے سگریٹ انگلیوں میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔" سالار نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔ اپنی آواز اسے کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ ریڈ لائٹ ایریا وہ آخری جگہ تھی جہاں اس نے کبھی امامہ کے ہونے کا تصور کیا تھا۔

گاڑی کے اندر چلنے والی روشنی میں عاکف نے بہت غور سے دیکھا۔ اس کے زرد پڑتے ہوئے چہرے کو، اس کے ہاتھ کی بند مٹھی کو، اس کے کپکپاتے ہونٹوں کو، اس کے بے ربط، بے معنی لفظوں کو۔ عاکف مسکرا دیا۔ اس نے اس کے کندھے پر تسلی آمیز انداز میں تھپکی دی۔

"ڈونٹ وری یار! کیوں گھبرا رہے ہو، وہ صرف گرل فرینڈ ہے میری۔ اگر تمہارے اور اس کے درمیان بھی کچھ ہے تو کوئی بات نہیں، ہم تو پہلے بھی بہت کچھ شیئر کیا کرتے تھے، یاد ہے تمہیں۔" عاکف نے قہقہہ لگایا پھر اس نے بارود میں تیلی پھینکی۔

"یہ تو پھر لڑکی ہے۔"

مال روڈ پر کتنا رش تھا۔ عاکف کتنی رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ان دو سوالوں کے ساتھ ساتھ سالار نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اسٹیئرنگ پر موجود شخص پر جھپٹنے کی صورت میں خود اس کے ساتھ کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے پلک جھپکتے میں عاکف کو گلے سے پکڑ لیا۔ عاکف کا پاؤں بے اختیار بریک پر آیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی۔ وہ دونوں پوری قوت سے ڈیش بورڈ سے ٹکرائے۔ سالار نے اس کے کالر کو نہیں چھوڑا۔ عاکف حواس باختگی کی حالت میں چلایا۔

"کیا کر رہے ہو تم؟" اس نے سالار کے ہاتھوں سے اپنا گلا چھڑانے کی کوشش میں اسے دور ہٹانے کی کوشش کی۔ "پاگل ہو گئے ہو؟"

”How dare you talk like that?“

سالار جواباً غرایا۔ اس کے ہاتھ ایک بار پھر عاکف کی گردن پر تھے۔ عاکف کا سانس رُکنے لگا۔ اس نے کچھ غصے اور کچھ حواس باختگی کے عالم میں سالار کے منہ پر مکا مارا۔ سالار بے اختیار جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹا۔ اس کے دونوں ہاتھ اب اپنے منہ پر تھے۔ عاکف کی گاڑی کے پیچھے موجود گاڑیاں ہارن پر ہارن دے رہی تھیں۔ وہ سڑک کے وسط میں کھڑے تھے اور یہ ان دونوں کی خوش قسمتی تھی کہ اس طرح اچانک گاڑی رُکنے پر پیچھے آنے والی گاڑی ان سے نہیں ٹکرائی۔

سالار دونوں ہاتھوں سے اپنا جبڑا پکڑے ہوئے اپنی سیٹ پر دہرا ہوا تھا۔ عاکف نے اپنے ہوش و حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے گاڑی کو کچھ آگے ایک سنسان ذیلی سڑک پر موڑتے ہی ایک طرف روک لیا۔ سالار تب تک سیدھا ہو چکا تھا اور اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے ہونٹوں اور جبڑے کو دبائے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔ چند پہلے کا اشتعال اب غائب ہو چکا تھا۔

عاکف نے گاڑی روکی۔ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف مڑا اور کہا۔ "کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔ میرے گلے کیوں پڑ رہے تھے، میں نے کیا کیا ہے؟"

بلند آواز میں بات کرتے کرتے اس نے ڈیش بورڈ سے ٹشو باکس اٹھا کر سالار کی طرف بڑھایا۔ اس نے سالار کی شرٹ پر خون کے چند قطرے دیکھ لیے تھے۔ سالار نے یکے بعد دیگرے دو ٹشو نکال لیے اور ہونٹ کے اس کونے کو صاف کرنے لگا جہاں سے خون رس رہا تھا۔

"گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ابھی۔" عاکف نے کہا۔ سالار کو ہاتھ صاف کرتے ہوئے دوبارہ ایر رنگز کا خیال آیا۔ اس نے یک دم جھک کر پائیدان میں ایر رنگز ڈھونڈنا شروع کر دیا۔

"فٹ پاتھ پر گاڑی چڑھ جاتی یا۔۔۔۔" عاکف بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہو؟"

"وہ ایررنگز۔" سالار نے مختصراً کہا۔

عاکف بے اختیار جھلایا۔

"کیا پرابلم ہے سالار! میری گرل فرینڈ ہے، اس کے ایررنگز ہیں، میرا پرابلم ہے یہ ایررنگز یا اس کا پرابلم ہے تمہارا نہیں۔" سالار یک دم رُک گیا۔ اسے اپنی نامعقول حرکت کا احساس ہوا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ٹشو کو کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے اسے دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

عاکف ماتھے پر بل لیے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا اور صنوبر کا کوئی۔۔۔۔" عاکف بات کرتے کرتے محتاط انداز میں رُک گیا۔ وہ اندازہ نہیں کر پا رہا کہ پچھلی بار اس کے جملے میں ایسا کون سا لفظ تھا جس نے اسے مشتعل کیا تھا۔ وہ دوبارہ غلطی دُہرانا نہیں چاہتا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" سالار نے اُس کے رُکنے پر کہا۔

"اوکے فائن۔" عاکف کچھ مطمئن ہوا۔ "تم اور صنوبر۔۔۔۔" وہ پھر رُک گیا۔

"تم نے کہا تھا اس کا نام امامہ ہے۔۔" سالار نے گردن موڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔ عاکف کو بے اختیار اس کی آنکھوں سے خوف آیا۔ وہ کسی نارمل انسان کی آنکھیں نہیں تھیں۔ وحشت۔۔۔۔۔۔ بے چارگی۔۔۔۔۔ خوف۔۔۔۔۔۔ وہ ہر تاثر لیے ہوئے تھیں۔

"ہاں، اس نے ایک بار مجھے بتایا تھا۔ شروع میں، ایک بار اپنے بارے میں بتا رہی تھی، تب اس نے مجھے بتایا۔"

"اس کا حلیہ بتا سکتے ہو مجھے؟" سالار نے موہوم سی اُمید کے ساتھ کہا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔" عاکف گڑبڑایا۔ "بہت خوبصورت ہے۔ Tall.........fair" عاکف اب اٹکنے لگا۔ "کالی آنکھیں ہیں، بال بھی پہلے کالے تھے اب ڈائی کیے ہوئے ہیں اس نے اور کیا بتاؤں۔" وہ زچ ہوا۔

سالار نے آنکھیں بند کر کے ونڈ اسکرین کی طرف چہرہ کر لیا۔ گھٹن کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"امامہ ہاشم ہے اس کا نام؟" وہ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"پتا نہیں، باپ کا نام تو نہیں بتایا اس نے۔ نہ ہی میں نے پوچھا۔" عاکف نے کہا۔

"امامہ ہاشم ہی ہے وہ۔" وہ بڑبڑایا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ "یہ سب میری وجہ سے ہوا۔۔۔۔ سب۔۔۔۔ میں ذمہ دار ہوں اس سب کچھ کا۔"

"کس چیز کے ذمہ دار ہو تم؟" عاکف کو تجسس ہوا۔ سالار خاموشی سے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتا رہا۔ عاکف جواب کا انتظار کرتا رہا۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد سالار نے گردن موڑ کر اس سے کہا۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ابھی اور اسی وقت۔"

عاکف کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر وہ ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھا کر ایک کال ملانے لگا۔ کچھ دیر تک وہ کوشش کرتا رہا پھر اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"اس کا موبائل آف ہے۔ پتا نہیں وہ گھر پر ملے یا نہ ملے کیونکہ اب رات ہو رہی ہے اور وہ۔۔۔۔۔" عاکف چپ ہو کر گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔ "لیکن میں تمہیں لے جاتا ہوں اس کے گھر۔"

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ دونوں ڈیفنس کے ایک بنگلے کے باہر کھڑے تھے۔ وہاں پہنچنے تک ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ عاکف اب اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے سالار کو لفٹ دی تھی۔

چند بار ہارن دینے پر اندر سے ایک آدمی باہر نکل آیا، وہ چوکیدار تھا۔

"صنوبر گھر پر ہے؟" عاکف نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"نہیں، بی بی صاحبہ تو نہیں ہیں۔"

"وہ کہاں ہیں؟"

"مجھے پتا نہیں۔" عاکف نے سالار کو دیکھا اور پھر گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"تم بیٹھو، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" عاکف اس آدمی کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی۔

"تم کو اس سے بات کرنی ہے؟" اس نے اندر بیٹھتے ہی پوچھا۔

"مجھے اس سے ملنا ہے۔" عاکف دوبارہ گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔

سفر پھر اسی خاموشی سے طے ہونے لگا۔ نو بج رہے تھے جب وہ ریڈ لائٹ ایریا میں پہنچے تھے۔ سالار کے لیے وہ جگہ نئی نہیں تھی۔ صرف اس تکلیف کا احساس نیا تھا جو اسے اس بار ہو رہا تھا۔

"آج یہاں ہی ہے وہ۔۔۔۔۔ کسی آدمی نے یہاں کی کچھ لڑکیوں کو بک کروایا ہے کسی فنکشن کے لیے۔ وہ بھی ان ہی کے ساتھ جا رہی ہے۔"

عاکف نے گاڑی سے اُترتے ہوئے کہا۔

"تم بھی تو اُترو، بہت اندر جانا ہے۔اب صنوبر کو تو میں تم سے ملانے کے لئے یہاں نہیں لا سکتا۔" سالار باہر نکل آیا۔

وہ عاکف کے ساتھ ایک بار پھر ان گلیوں میں جانے لگا۔اسے اچھی طرح یاد تھا وہ اس طرح کی جگہ میں آخری بار وہاں کب آیا تھا، وہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔انسانی گوشت کی تجارت تب بھی اسی "ڈھکے چھپے" انداز میں ہو رہی تھی۔

اسے بہت اچھی طرح یاد تھا وہ پہلی بار اٹھارہ سال کی عمر میں وہاں آیا تھا پھر وہ کئی بار وہاں آتا رہا تھا، کئی بار۔ بعض دفعہ رقص دیکھنے، بعض دفعہ کسی مشہور ایکٹریس کی کسی محفل میں شرکت کے لیے۔ بعض دفعہ ان گلیوں کے دروازوں، کھڑکیوں، چوباروں سے لٹکتی جھانکتی نیم برہنہ عورتوں کو دیکھنے۔(اسے عجیب سی خوشی ملتی تھی ان گلیوں سے گزرتے ہوئے۔ وہ وہاں کھڑی کسی بھی عمر کی کسی بھی شکل کی کو چند گھنٹوں کے لیے خرید سکتا تھا۔ والٹ سے نکلنے والے چند نوٹ وہاں کھڑی کسی بھی لڑکی کو سر سے پیر تک اس کا کر دیتے۔ دنیا پیروں کے نیچے اور کائنات مٹھی میں ہونا اور کسے کہتے تھے، اسے سرشاری کا احساس ہوتا)۔اور بعض دفعہ وہاں رات گزارنے کے لئے، ان عورتوں کے ساتھ جن سے وہ نفرت کرتا تھا چند روپوں کی خاطر جسم فروخت کرنے والیوں کے لئے وہ اس کے علاوہ کیا جذبات رکھ سکتا تھا اور نفرت کے باوجود وہ انہیں خریدتا تھا کیونکہ وہ خرید سکتا تھا۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر میں

اسے یقین تھا ان عورتوں میں کبھی کوئی ایسی عورت نہیں ہو سکتی تھی جس سے اس کا کوئی تعلق ہوتا، خونی رشتہ ہوتا یا محبت ہوتی۔

اس کی ماں اور بہن ایلیٹ کلاس کی فرد تھیں۔اس کی بیوی کو بھی اسی کلاس کے کسی گھر سے آنا تھا۔اس کی بیٹی بھی اسی کلاس سے ہوتی۔ریڈ لائٹ ایریا کی عورتیں۔۔۔۔۔انہیں اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔اسے یقین تھا اکڑی گردن، اٹھی ہوئی ٹھوڑی اور تنے ہوئے ابروؤں کے ساتھ وہ اس مخلوق سے جتنی نفرت کرتا، کم تھی۔ جتنی تذلیل کرتا ناکافی تھی۔

اور اب۔۔۔۔اب قسمت نے کیا کیا تھا۔ سات پردوں میں رہنے والی اس عورت کو جس کے جسم پر وہ کسی کی انگلی کے لمس تک کو برداشت نہیں کر سکتا تھا، اسے اس بازار میں پھینک دیا گیا تھا۔اس سے چند قدم آگے وہ شخص چل رہا تھا جو اس کا گاہک تھا اور سالار سکندر زبان کھولنے کے قابل تک نہیں تھا۔ آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ شکوہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی سے کیا کہتا۔ کیا وہ اللہ سے کہہ سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ آخر اس نے ایسا کیا کیا تھا؟ اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔اس کی کپکپاہٹ کو کیسے روکتا۔ ان گلیوں میں آنے والا کوئی شخص کبھی دعوے کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کے اپنے گھر، اپنے خاندان کی عورت کبھی اس بازار میں نہیں آئے گی۔ کسی دوسرے مرد کی جیب میں پڑے ہوئے نوٹوں کے عوض نہیں بک سکے گی۔ ماں نہیں؟۔۔۔۔۔بہن؟۔۔۔۔۔یا

بیوی؟۔۔۔۔بیٹی؟۔۔۔۔پوتی؟۔۔۔۔نواسی؟۔۔۔۔آنے والی نسلوں میں سے کوئی۔

سالار سکندر کی زبان حلق سے کھینچ لی گئی تھی۔امامہ ہاشم اس کی بیوی تھی اس کی منکوحہ۔ایلیٹ کلاس کی وہ عورت جس کا اس بازار سے کبھی واسطہ نہیں پڑتا۔سالار سکندر نے ایک بار پھر خود کو مارگلہ کی پہاڑیوں پر رات کی تاریکی میں درخت کے ساتھ بندھا پایا۔۔۔۔بے بسی کی انتہا تھی۔

"صاحب! میرے ساتھ چلو،ہر عمر کی لڑکی ہے میرے پاس۔اس علاقے کی سب سے اچھی لڑکیاں،قیمت بھی زیادہ نہیں ہے۔"اس کے ساتھ ایک آدمی چلنے لگا۔

"میں اس لئے یہاں نہیں آیا ہوں۔"سالار نے مدھم آواز میں اس پر نظر ڈالے بغیر کہا۔

"کوئی ڈرنک چاہیئے،کوئی ڈرگ میں سب کچھ سپلائی کر سکتا ہوں۔"

عاکف نے یک دم قدم روک کر قدرے اکھڑے ہوئے انداز میں اس آدمی سے کہا۔"تمہیں ایک بار کہا ہے نا کہ ضرورت نہیں پھر پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔"

اس آدمی کے قدم تھم گئے۔سالار خاموشی سے چلتا رہا۔اس کا ذہن کسی آندھی کی زد میں آیا ہوا تھا۔امامہ ہاشم وہاں،کب،کیوں،کیسے آگئی تھی۔ماضی ایک فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے آیا تھا۔

"پلیز،تم ایک بار۔۔۔۔ایک بار اس کو جا کر میرے بارے میں سب کچھ بتاؤ،اس سے کہو مجھ سے شادی کر لے۔اس سے کہو،مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے،صرف ایک نام ہے۔اس کو تم حضرت محمد ﷺ کا واسطہ دو گے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔وہ اتنی محبت کرتا ہے ان ﷺ سے۔"اس نے بہت سال پہلے اپنے بیڈ پر نیم دراز چپس کھاتے ہوئے موبائل فون پر بڑے اطمینان کے ساتھ اس کو بلکتے سنا تھا۔

"بائے داوے تم امامہ کے کیا لگتے ہو؟"

"میں۔۔۔۔؟میں اور امامہ بہت گہرے اور پرانے فرینڈز ہیں۔"جلال انصر کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔سالار نے عجیب سی سرشاری محسوس کی۔جلال اس وقت امامہ اور اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتا تھا۔

"اس سے جا کر صاف صاف کہہ دو کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔"

وہ جلال انصر کا یہ پیغام سنتے ہوئے امامہ ہاشم کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔اس نے چیونگم کے ببل بناتے ہوئے امامہ کو موبائل پر خبر دی تھی۔

"تم نے مجھ پر اتنے احسان کیے ہیں، ایک احسان اور کرو۔ مجھے طلاق دے دو۔" وہ فون پر گڑگڑائی تھی۔

"نہیں، میں تم پر احسان کرتے کرتے تھک گیا ہوں، اب اور احسان نہیں کر سکتا اور یہ والا احسان۔۔۔۔۔یہ تو ناممکن ہے۔" اس نے جواباً کہا تھا۔

"تم طلاق چاہتی ہو، کورٹ میں جا کر لے لو مگر میں تو تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"

سالار کے حلق میں پھندے لگنے لگے۔

"ہاں، میں نے یہ سب کچھ کیا تھا لیکن میں نے، جلال انصر کی غلط فہمی کو دور کر دیا تھا۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا، کچھ بھی نہیں چھپایا۔ میں نے صرف ایک مذاق کیا تھا، ایک پریکٹیکل جوک۔ میں یہ تو نہیں چاہتا تھا کہ امامہ کے ساتھ یہ سب کچھ ہو۔" وہ جیسے کسی عدالت میں آن کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی اسے طلاق نہیں دے کر۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔۔ میں نے پھر بھی یہ خواہش تو نہیں کی تھی کہ وہ

یہاں آ پھنسے۔ میں نے۔۔۔۔۔ میں نے اسے گھر چھوڑنے سے روکا تھا، میں نے مذاق میں ہی سہی مگر اسے مدد کی آفر بھی کی تھی۔ میں تو اسے یہاں لے کر نہیں آیا تھا۔ کوئی مجھے تو ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتا اس سب کا۔"

وہ بے ربط جملوں میں وضاحتیں دے رہا تھا۔اس کے سر میں سنسناہٹ ہونے لگی تھی۔ درد کی ایک تیز مگر مانوس سی لہر میگرین (آدھے سر کا درد) کا ایک اور اٹیک۔ وہ چلتے چلتے رُکا، ہونٹ بھینچتے ہوئے اس نے بے اختیار اس نے اپنی کنپٹی کو مسلا، درد کی لہر گزر گئی تھی۔ آنکھیں کھول کر اس نے گلی کے پیچ و خم کو دیکھا۔ وہ اندھی گلی تھی، کم از کم اس کے لئے اور امامہ ہاشم کے لئے۔ اس نے قدم آگے بڑھائے۔ عاکف ایک چوبارے نما گھر کے سامنے رُک گیا تھا۔ اس نے مڑ کر سالار کو دیکھا۔

"یہی گھر ہے۔" سالار کا چہرہ کچھ اور زرد پڑ گیا۔ قیامت اب اور کتنی دور رہ گئی تھی۔

"اوپر کی منزل پر جانا ہے، صنوبر اوپر ہی ہو گی۔" عاکف کہتے ہوئے ایک طرف موجود تنگ اور تاریک سی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ سالار کو پہلی سیڑھی پر ہی ٹھوکر لگی۔ وہ بے اختیار جھکا، عاکف نے مڑ کر اسے دیکھا اور رُک گیا۔

"احتیاط سے آؤ، سیڑھیوں کی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے۔اوپر سے یہ لوگ بلب لگوانے کے بھی روادار نہیں۔" سالار سیدھا ہو گیا۔اس نے عاکف کا سہارا لے کر اوپر والی سیڑھی پر قدم رکھا۔سیڑھیاں بل کھا کر گولائی کی صورت میں اوپر جارہی تھیں اور اتنی تنگ تھیں کہ صرف ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔ان کی سیمنٹ بھی اکھڑی ہوئی تھی۔وہ بوٹ پہننے کے باوجود ان کی خستہ حالت کو جانچ سکتا تھا جس دیوار کا سہارا لے کر وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔اس دیوار کی سیمنٹ بھی اکھڑی ہوئی تھی۔سالار اندھوں کی طرح دیوار ٹٹولتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

پہلی منزل کے ایک دروازے کے کھلے ہوئے پٹ سے آنے والی روشنی نے سالار کی رہنمائی کی تھی۔عاکف وہاں کہیں نہیں تھا۔یقیناً وہ دروازہ پار کر کے آگے چلا گیا تھا۔سالار چند لمحوں کے لیے وہاں رُکا پھر اس نے دہلیز کے پار قدم رکھا۔وہ اب ایک چوبارے میں تھا۔ایک طرف بہت سے کمروں کے دروازے تھے۔دوسری طرف نیچے گلی نظر آرہی تھی۔برآمدے نما لمبا چوبارہ بالکل خالی تھا۔تمام کمروں کے دروازے اسے وہاں کھڑے بند ہی لگ رہے تھے۔عاکف کہاں گیا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔اس نے بہت محتاط انداز میں اپنے قدم آگے بڑھائے۔یوں جیسے وہ کسی بھوت بنگلے میں آگیا تھا۔ابھی کوئی دروازہ کھلتا اور امامہ ہاشم اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی۔

"میرے خدا۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔میں اس کا سامنا یہاں کیسے کروں گا۔" اس کا دل ڈوبا۔

وہ ان بند دروازوں پر نظر ڈالتے ہوئے چلتا جارہا تھا۔جب اس برآمدے کے آخری سرے پر ایک دروازے میں سے عاکف نکلا۔

"تم یہاں رہ گئے ہو۔" وہ وہیں سے بلند آواز میں بولا۔"یہاں آؤ۔"

سالار کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔سالار دروازے تک پہنچنے سے پہلے چند لمحے کے لئے رُک گیا۔وہ اپنے دل کی دھڑکن کی آواز باہر تک سن رہا تھا پھر آنکھیں بند کئے سرد ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔وہاں عاکف ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ ایک لڑکی اپنے بالوں پر برش کرتے ہوئے عاکف سے باتیں کر رہی تھی۔

"یہ امامہ نہیں ہے۔" بے اختیار سالار کے منہ سے نکلا۔

"ہاں یہ امامہ نہیں ہے۔وہ اندر ہے، آؤ۔" عاکف نے اٹھتے ہوئے ایک اور کمرے کا دروازہ کھولا۔سالار ہموار قدموں سے اس کے پیچھے گیا۔عاکف اگلے کمرے کو بھی پار کر گیا اور ایک اور دروازہ کھول کر ایک دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"ہیلو صنوبر!" سالار نے دور سے عاکف کو کہتے ہوئے سنا۔اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ایک لمحے کے لئے اس کا جی چاہا وہ وہاں سے بھاگ جائے۔۔۔۔۔ابھی اسی وقت۔۔۔۔۔

سرپٹ۔۔۔۔۔ادھر اُدھر دیکھے بغیر۔۔۔۔۔اس گھر سے۔۔۔۔۔اس علاقے سے۔۔۔۔۔ اس شہر سے۔۔۔۔۔اس ملک سے۔۔۔۔۔دوبارہ کبھی وہاں کا رخ تک نہ کرے۔۔۔۔۔ اس نے گردن موڑ کر اپنے عقب میں موجود دروازے کو دیکھا۔

"آؤ سالار! عاکف نے اسے مخاطب کیا۔ وہ اب گردن موڑے اندر کسی لڑکی سے مصروف گفتگو تھا۔ سالار نے تھوک نگلا۔ اس کا حلق کانٹوں کا جنگل بن گیا تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ عاکف نے اپنی پشت پر اس کے قدموں کی آواز سنی تو دروازے سے ہٹ گیا۔ سالار دروازے میں تھا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔

"یہ ہے صنوبر۔" عاکف نے تعارف کروایا۔ سالار اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ وہ بھی اس پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"امامہ؟" وہ بے حس و حرکت اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"ہاں امامہ! عاکف نے تصدیق کی۔

سالار گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑا۔ عاکف گھبرا گیا۔

"کیا ہوا، کیا ہوا؟" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑتے ہوئے سجدے میں تھا۔ وہ ایک طوائف کے کوٹھے پر سجدے میں گرنے والا پہلا مرد تھا۔

عاکف پنجوں کے بل بیٹھا اسے کندھے سے پکڑے ہلا رہا تھا۔ سالار سجدے میں بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"پانی۔۔۔۔۔پانی لاؤں؟" صنوبر گھبراتے ہوئے تیزی سے بیڈ کے سرہانے پڑے جگ اور گلاس کی طرف گئی اور گلاس میں لے کر سالار کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"سالار صاحب! آپ پانی پئیں۔"

سالار ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ یوں جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ کچھ کہے بغیر اس نے اپنی جینز کی جیب سے والٹ نکالا اور پاگلوں کی طرح اس میں سے کرنسی نوٹ نکال کر صنوبر کے سامنے رکھتا گیا اس نے والٹ چند سیکنڈ میں خالی کر دیا تھا۔ اس میں کریڈٹ کارڈز کے علاوہ کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ پھر وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑا ہوا اور الٹے قدموں دروازے کی دہلیز سے ٹھوکر کھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ عاکف ہکا بکا اس کے پیچھے آیا۔

"سالار۔۔۔۔۔سالار۔۔۔۔۔! کیا ہوا ہے؟ کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے سالار کو کندھے سے پکڑ کر روکنے کی کوشش کی۔ سالار وحشت زدہ اس سے اپنے آپ کو چھڑانے لگا۔

"چھوڑو مجھے۔ ہاتھ نہ لگاؤ۔ مجھے جانے دو۔"

وہ بلند آواز میں روتے ہوئے ہذیانی انداز میں چلایا۔

"امامہ سے ملنا تھا تمہیں۔" عاکف نے اسے یاد دلایا۔

"یہ امامہ نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے امامہ ہاشم۔۔۔۔۔"

"تو ٹھیک ہے۔ مگر میرے ساتھ جانا ہے تمہیں۔"

"میں چلا جاؤں گا۔ میں چلا جاؤں گا۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔" وہ اُلٹے قدموں اپنا کندھا چھڑا کر بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ عاکف زیر لب کچھ بڑبڑایا۔ اس کا موڈ آف ہو گیا تھا مگر وہ صنوبر کے کمرے میں گھس گیا جو ابھی بھی حیرانی سے نوٹوں کے ڈھیر کو دیکھ رہی تھی۔



سیڑھیاں اب بھی اسی طرح تاریک تھیں مگر اس بار وہ جس ذہنی حالت میں تھا اسے کسی دیوار، کسی سہارے، کسی روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اندھا دھند تاریک سیڑھیوں سے نیچے بھاگا اور بری طرح گرا۔ اگر سیڑھیاں سیدھی ہوتیں تو وہ سیدھا نیچے جا کر گرتا مگر سیڑھیوں کی گولائی نے اسے بچا لیا تھا۔ وہ اندھیرے میں ایک بار پھر اُٹھا۔ گھٹنوں اور ٹخنوں

میں اٹھنے والی ٹیسوں سے بے پروا اس نے دوبارہ اسی طرح بھاگتے ہوئے سیڑھیاں اترنے کی کوشش کی۔ چند سیڑھیاں اُترنے کے بعد لگائی جانے والی چھلانگ نے اسے پھر زمین بوس کیا تھا۔ اس بار اس کا سر بھی دیوار سے ٹکرایا۔ وہ خوش قسمت تھا کہ اس کی ہڈی نہیں ٹوٹی۔ شاید سیڑھیوں سے گرنے کے بعد نیچے والی سیڑھیوں پر آ گیا تھا۔ سامنے گلی کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ سیڑھیوں سے نکل آیا مگر آگے نہیں جا سکا۔ چند قدم آگے چل کر اس گھر کے باہر تھڑے پر بیٹھ گیا۔ اسے متلی محسوس ہو رہی تھی۔ سر کو تھامتے ہوئے بے اختیار اسے ابکائی آئی وہ تھڑے پر بیٹھے بیٹھے جھک گیا تھا، وہ ابکائیاں کرتے ہوئے بھی اسی طرح سے رو رہا تھا۔ گلی میں سے گزرنے والے لوگوں کے لئے یہ سین نیا نہیں تھا۔ یہاں بہت سے شرابی اور نشئی ضرورت سے زیادہ نشہ استعمال کرنے کے بعد یہی سب کچھ کیا کرتے تھے۔ صرف سالار کا لباس اور حلیہ تھا جو اسے کچھ مہذب دکھا رہا تھا اور اس کے آنسو اور واویلا۔ کسی طوائف کی بے وفائی کا نتیجہ تھا شاید۔ طوائف کا کوٹھا ہر کسی کو راس نہیں آتا۔ گزرنے والے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ کوئی اس کے پاس نہیں آیا تھا۔ اس بازار میں حال احوال جاننے کا رواج نہیں تھا۔

عاکف نیچے نہیں آیا تھا۔ آتا تو شاید سالار کے پاس رُک جاتا۔ امامہ ہاشم وہاں نہیں تھی۔ صنوبر امامہ ہاشم نہیں تھی۔ کتنا بڑا بوجھ اس کے کندھوں سے اٹھا لیا گیا تھا۔ کیسی اذیت سے اسے

بچا لیا گیا تھا۔ تکلیف دے کر اسے آگہی نہیں دی گئی۔ صرف تکلیف کا احساس دے کر اسے آگہی سے شناسا کر دیا گیا تھا۔ اسے وہاں نہ دیکھ کر وہ اس حالت میں جا پہنچا تھا۔ وہ اسے وہاں دیکھ لیتا تو اس پر کیا گزرتی۔ اسے اللہ سے خوف آرہا تھا بے پناہ خوف۔ وہ کس قدر طاقتور تھا کیا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کس قدر مہربان تھا۔ کیا نہیں کرتا تھا۔ انسان کو انسان رکھنا اسے آتا تھا۔ کبھی غضب سے، کبھی احسان سے۔ وہ اسے اس کے دائرے میں ہی رکھتا تھا۔

اسے کبھی اپنی زندگی کے اس سیاہ باب پر اتنا پچھتاوا اتنی نفرت نہیں ہوئی جتنی اس وقت ہو رہی تھی۔۔۔۔۔

"کیوں؟ کیوں۔۔۔۔؟ کیوں آتا تھا میں یہاں پر۔۔۔۔؟ کیوں خریدتا تھا میں ان عورتوں کو۔۔۔۔؟ کیوں گناہ کا احساس میرے اندر نہیں جاگتا تھا؟" وہ چبوترے پر بیٹھا دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بلک رہا تھا۔

"اور اب۔۔۔۔ اب جب میں یہ سب کچھ چھوڑ چکا ہوں تو اب۔۔۔۔ اب کیوں۔۔۔۔ یہ تکلیف۔۔۔۔ یہ چبھن ہو رہی ہے مجھے۔۔۔۔ میں جانتا ہوں۔۔۔۔ جانتا ہوں مجھے اپنے ہر عمل کے لئے جواب دہ ہونا ہے مگر یہ حساب یہاں۔۔۔۔ اس طرح نہ لے۔۔۔۔ جس عورت سے میں محبت کرتا ہوں اسے کبھی بازار میں نہ پھینک۔"

وہ روتے ہوئے رکا، کون سا انکشاف کہاں ہو رہا تھا۔

"محبت؟" وہ گلی سے گزرتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے بے یقینی سے بڑبڑایا۔

"کیا میں۔۔۔۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں؟" کوئی لہر اس کے سر سے پیروں تک گزری تھی۔

"کیا یہ تکلیف صرف اس لئے ہو رہی ہے مجھے کہ میں اس سے۔۔۔۔" اس کے چہرے پر سائے لہرائے تھے۔ "کیا وہ میرا پچھتاوا نہیں ہے۔ کچھ اور ہے۔۔۔۔؟

اسے لگا وہ وہاں سے کبھی اٹھ نہیں پائے گا۔

"تو یہ پچھتاوا نہیں محبت ہے، جس کے پیچھے میں بھاگتا پھر رہا ہوں۔" اسے اپنا جسم ریت کا بنا ہوا لگا۔

"امامہ پھانس نہیں ہے روگ ہے؟۔ آنسو اب بھی اس کی گالوں پر بہ رہے تھے۔"

"اور اس بازار میں اس عورت کی تلاش میں اٹھتے میرے قدموں میں لرزش اس لئے تھی کیونکہ میں نے اسے اپنے دل کے بہت اندر کہیں بہت اونچی جگہ رکھا تھا۔ وہاں جہاں خود میں بھی اس کو محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔ چیک میٹ۔"

150+ پلس آئی کیو لیول کا وہ مرد منہ کے بل زمین پر گرایا گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کون سا زخم تھا جو وہاں بیٹھا ہرا ہو رہا تھا۔ کون سی تکلیف تھی جو سانس لینے نہیں دے رہی تھی۔ آئینے نے اسے کہاں برہنہ کیا تھا۔ اسے کیا یاد تھا؟ کیا لیا تھا؟ وہ اٹھ کر وہاں سے چلنے لگا۔ اسی طرح بلک بلک کر روتے ہوئے۔ اسے خود پر قابو نہیں تھا۔ اسے پاس سے گزرنے والوں کی نظروں کی بھی پروا نہیں تھی۔ اسے اپنے وجود سے کبھی زندگی میں اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی اس وقت ہو رہی تھی۔ وہ ریڈ لائٹ ایریا اس کی زندگی کا سب سے سیاہ باب تھا۔ ایسا سیاہ باب جسے وہ کھرچ کر اپنی زندگی سے علیحدہ نہیں کر پایا تھا۔ وہ ایک بار پھر اس کی زندگی میں آ کھڑا ہو گیا تھا۔ کئی سال پہلے وہاں گزاری گئی راتیں اب بلاؤں کی طرح اسے گھیرے ہوئے تھیں اور وہ ان سے فرار حاصل نہیں کر پا رہا تھا اور اب جس خوف نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا وہ تو۔۔۔۔۔

"اگر۔۔۔۔۔اگر۔۔۔۔۔امامہ اس بازار میں آ گئی ہوتی تو۔۔۔۔۔؟ صنوبر، امامہ ہاشم نہیں تھی مگر کوئی اور۔۔۔۔۔" اس کے سر میں درد کی ایک لہر اٹھی۔ میگرین اب شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اس کا ذہن بیٹھ گیا تھا۔ گاڑیوں کے ہارن اور لائٹس نے اس کے درد کو اور بڑھا دیا تھا پھر اس کا ذہن کسی تاریکی میں اتر گیا تھا۔

کسی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا یا پھر کچھ کہا۔۔۔۔۔ایک دوسری آواز نے جواباً کچھ کہا۔ سالار سکندر کے حواس آہستہ آہستہ کام کرنے لگے تھے۔ مضمحل تھکن زدہ۔۔۔۔۔ مگر آوازوں کو شناخت کرتا ہوا ذہن۔

بہت آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھولیں۔ اسے حیرانی نہیں ہوئی۔ اسے یہیں ہونا چاہیئے تھا۔ وہ ہاسپٹل یا کسی کلینک کے ایک کمرے میں ایک بیڈ پر تھا۔ بے حد نرم اور آرام دہ بیڈ، اس سے کچھ فاصلے پر فرقان کسی دوسرے ڈاکٹر کے ساتھ ہلکی آواز میں باتیں کر رہا تھا۔ سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔ فرقان اور دوسرے ڈاکٹر نے گردن موڑ کر باتیں کرتے اسے دیکھا پھر دونوں اس کی طرف چلے آئے۔

سالار نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھلا رکھنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔ فرقان نے پاس آ کر نرمی سے اس کے سینے کو تھپتھپایا۔

"کیسے ہو اب سالار؟"

سالانے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے مسکرانے کی کوشش نہیں کی۔ صرف چند لمحے خالی الذہنی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔

"فائن۔۔۔۔۔" اس نے کہا۔

دوسرا ڈاکٹر اس کی نبض دیکھنے میں مصروف تھا۔

سالار نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ فرقان اور دوسرا ڈاکٹر آپس میں ایک بار پھر گفتگو میں مصروف تھے۔ اسے اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے کسی بھی چیز میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ باقی سب کچھ ویسا ہی تھا۔ احساس جرم، پچھتاوا۔ عاکف، صنوبر۔۔۔۔۔ امامہ۔۔۔۔۔ ریڈ لائٹ ایریا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ اس کا دل چاہا کاش وہ ابھی ہوش میں نہ آتا۔

تو سالار صاحب۔۔۔۔! اب کچھ تفصیلاً گفتگو ہو جائے آپ کے ساتھ۔" اس نے فرقان کی آواز پر آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس کے بیڈ کے بالکل قریب ایک اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا۔ دوسرا ڈاکٹر باہر جا چکا تھا۔ سالار نے اپنی ٹانگوں کو سمیٹنے کی کوشش کی۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی۔ اس کے ٹخنے اور گھٹنوں میں شدید ہو رہا تھا۔ اس کی ٹانگوں پر کمبل تھا وہ انہیں نہیں دیکھ سکتا مگر اس کو اندازہ تھا کہ اس کے ٹخنے اور گھٹنے پر کچھ لپٹا ہوا تھا۔ وہ اپنے کپڑوں میں بھی نہیں تھا بلکہ مریضوں کے لئے مخصوص لباس میں تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" سالار نے بے اختیار کراہ کر ٹانگ سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

sprained ankle "دونوں گھٹنوں اور calf پر کچھ خراشیں اور سوجن مگر خوش قسمتی سے کوئی فریکچر نہیں۔ بازوں اور کہنیوں پر بھی کچھ Bruises خوش قسمتی سے پھر کوئی فریکچر نہیں۔ سر کے بائیں پچھلے حصے میں چھوٹا سا کٹ تھوڑی سی بلیڈنگ، مگر سی ٹی اسکین کے مطابق کوئی سیریس انجری نہیں۔ سینے پر بھی رگڑ کی وجہ سے معمولی خراشیں مگر جہاں تک تمہارے سوال کا تعلق ہے کہ کیا ہوا ہے؟ تو یہ تم بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟"

فرقان کسی ماہر ڈاکٹر کی طرح بات کرتے کرتے بولا۔ سالار چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

"میں پہلے سمجھتا رہا کہ میگرین کا اٹیک اتنا شدید تھا کہ تم بے ہوش ہو گئے مگر بعد میں تمہارا چیک اپ کرنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ ایسا نہیں تھا۔ کیا کسی نے حملہ کیا تھا تم پر؟" وہ اب سنجیدہ تھا۔ سالار نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سر کو جھٹکا۔

"تم مجھ تک کیسے پہنچے بلکہ میں یہاں کیسے پہنچا؟"

"میں تمہارے موبائل پر تمہیں کال کر رہا تھا اور تمہارے بجائے کسی آدمی نے وہ کال ریسیو کی، وہ اس وقت فٹ پاتھ پر تمہارے قریب تھا۔ تمہیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے مجھے تمہاری حالت کے بارے میں بتایا۔ اچھا آدمی تھا۔ میں نے اسے کہا کہ وہ

تمہیں کسی ٹیکسی میں قریبی ہاسپٹل لے جائے۔ وہ لے گیا پھر میں وہاں پہنچ گیا اور تمہیں یہاں لے آیا۔"

"ابھی کیا وقت ہے؟"

"صبح کے چھے بج رہے ہیں۔ سمیر نے تمہیں رات کو پین کلرز دیئے اسی لئے تم ابھی تک سو رہے تھے۔"

فرقان کو بات کرتے کرتے ہوئے احساس ہوا کہ وہ دلچسپی نہیں لے رہا۔ اس کی نظروں میں ایک عجیب سی سرد مہری محسوس ہوئی تھی۔ یوں جیسے فرقان اسے کسی تیسرے شخص کی حالت کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"تم مجھے۔۔۔۔دوبارہ۔۔۔۔" سالار نے اسے خاموش ہوتے ہوئے دیکھ کر کہنا شروع کیا۔ پھر قدرے الجھن آمیز انداز میں رکا۔ آنکھیں بند کیں جیسے ذہن پر زور دے رہا ہو۔

"ہاں۔۔۔۔کوئی ٹرینکولائزر دے دو۔ میں بہت لمبی نیند سونا چاہتا ہوں۔"

"سو جانا۔۔۔۔مگر یہ تو بتاؤ۔۔۔۔ہوا کیا تھا؟"

"کچھ نہیں۔" سالار نے بیزاری سے کہا۔

"میگرین۔۔۔۔اور میں فٹ پاتھ پر گر پڑا، گرنے سے چوٹیں لگ گئیں۔"

فرقان نے اسے غور سے دیکھا۔

"کچھ کھا لو۔۔۔۔"

سالار نے اس کی بات کاٹی۔ "نہیں۔۔۔۔بھوک۔۔۔۔نہیں ہے۔ تم بس مجھے کچھ دو۔۔۔۔ٹیبلٹ، انجکشن، کچھ بھی، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔"

"اسلام آباد تمہارے گھر والوں۔۔۔۔"

سالار نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"نہیں، اطلاع مت کرنا۔ میں جب سو کر اٹھوں گا تو اسلام آباد چلا جاؤں گا۔"

"اس حالت میں؟"

"تم نے کہا ہے میں ٹھیک ہوں۔"

''ٹھیک ہو مگر اتنے بھی ٹھیک نہیں ہو۔ دو چار دن آرام کرو۔ یہیں رہو لاہور میں، پھر چلے جانا۔"

"اچھا پھر تم پاپا کو یا ممی کو اطلاع مت دینا۔"

فرقان نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔اس کے ماتھے پر چند بل آ گئے۔"

اچھا۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔کچھ۔۔۔۔۔؟"

"ٹرینکولائز۔۔۔۔۔"

فرقان اسے سوچتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"میں رہوں تمہارے پاس۔۔۔۔۔؟"

"فائدہ۔۔۔۔۔؟میں تو ابھی سو جاؤں گا۔تم جاؤ۔جب میں اٹھوں گا تو تمہیں کال کروں گا۔"

اس نے بازو کے ساتھ اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں۔اس کے انداز میں موجود روکھے پن اور سرد مہری نے فرقان کو کچھ اور پریشان کیا۔اس کا رویہ بہت ابنارمل تھا۔

"میں سمیر سے بات کرتا ہوں، مگر ٹرینکولائز چاہیئے تو پہلے تو تمہیں کچھ کھانا ہو گا۔"فرقان نے اٹھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں کہا۔سالار نے آنکھوں سے بازو نہیں ہٹایا۔

دوبارہ اس کی آنکھ جس وقت کھلی اس وقت شام ہو رہی تھی۔کمرہ خالی تھا۔اس کے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔جسمانی طور پر صبح سے زیادہ تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔اپنی ٹانگوں سے کمبل پرے ہٹا کر اس نے لیٹے لیٹے بائیں ٹخنے اور گھٹنوں میں اٹھتی ہوئی ٹیسوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ٹانگوں کو سکیڑ لیا۔اسے اپنے اندر ایک عجیب سی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔اتنی گھٹن

جیسے کسی نے اس کے سینے کو جکڑ لیا ہو۔وہ اسی طرح لیٹے لیٹے چھت کو گھورتا رہا پھر جیسے اسے کوئی خیال آیا۔



وہ ہوٹل آکر اپنا سامان پیک کر رہا تھا جب فرقان نے دروازے پر دستک دی۔سالار نے دروازہ کھول دیا۔فرقان کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اس کے پیچھے آ جائے گا۔

"عجیب انسان ہو تم سالار۔۔۔۔۔"فرقان اسے دیکھتے ہی ناراضی سے بولنے لگا۔

"یوں کسی کو بتائے بغیر سمیر کے کلینک سے چلے آئے، مجھے پریشان کر دیا۔اوپر سے موبائل کو بھی آف کر رکھا ہے۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا۔وہ لنگڑاتا ہوا ایک بار پھر اپنے بیگ کے پاس آ گیا۔جس میں وہ اپنی چیزیں پیک کر رہا تھا۔

"تم جا رہے ہو؟"فرقان بیگ دیکھ کر چونکا۔

"ہاں۔۔۔۔!"سالار نے یک لفظی جواب دیا

"کہاں۔۔۔۔؟"سالار نے بیگ کی زپ بند کر دی اور بیڈ پر بیٹھ گیا

"اسلام آباد؟"فرقان اس کے سامنے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

،،نہیں۔"سالار نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر۔۔۔۔؟"

کراچی جا رہا ہوں۔"

"کس لئے؟"فرقان نے حیرانی سے پوچھا۔

"فلائٹ ہے میری۔"

"پیرس کی؟"

"ہاں۔۔۔۔"!

"چار دن بعد ہے تمہاری فلائٹ، ابھی جا کر کیا کرو گے؟"فرقان اسے دیکھنے لگا۔ سمیر کا اندازہ ٹھیک تھا۔اس کے چہرے کے تاثرات بے حد عجیب تھے۔

"کام ہے مجھے وہاں۔"

"کیا کام ہے؟"

وہ جواب دینے کے بجائے بیڈ پر بیٹھا پلکیں جھپکائے بغیر چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔فرقان سائیکالوجسٹ نہیں تھا۔پھر بھی سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی آنکھوں کو پڑھنے میں اسے کوئی مشکل نہیں ہوئی۔سالار کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں تھا۔صرف سرد مہری تھی۔یوں جیسے وہ کسی کو جانتا ہی نہ ہو۔اسے اور اپنے آپ کو بھی۔وہ ڈپریس تھا۔فرقان کو کوئی شبہ نہیں تھا مگر اس کا ڈپریشن اسے کہاں لے جا رہا تھا۔فرقان یہ جاننے سے قاصر تھا۔

"تمہیں آخر کیا پریشانی ہے سالار؟"وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

"سالار نے توقف کیا۔پھر کندھے جھٹکے۔

"کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"تو پھر۔۔۔۔"سالار نے فرقان کی بات کاٹ دی۔

"تم جانتے ہو مجھے میگرین ہے۔کبھی کبھار اس طرح ہو جاتا ہے مجھے۔"

"میں ڈاکٹر ہوں سالار!"فرقان نے سنجیدگی سے کہا۔"میگرین کو کوئی مجھ سے زیادہ بہتر نہیں جانتا۔یہ سب کچھ میگرین کی وجہ سے نہیں تھا۔"

"توتم بتاؤاور کیاوجہ ہوسکتی ہے؟" سالار نے اُلٹا اس سے سوال کیا۔

"کسی لڑکی کاپرابلم ہے؟" سالار پلکیں جھپک نہیں سکا۔فرقان کہاں جاپہنچا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔" وہ نہیں جانتا اس نے ''نہیں'' کیوں نہیں کہا تھا۔

"کسی میں انوالو ہو تم؟" فرقان کو اپنے اندازے کے صحیح ہونے پر جیسے یقین نہیں آیا۔

"ہاں۔۔۔۔"

فرقان بہت دیر چپ بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔یوں جیسے اپنی بے یقینی پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کس کے ساتھ انوالو ہو؟"

"تم اسے نہیں جانتے۔"

"شادی نہیں ہوسکی تمہاری اس کے ساتھ؟" سالار اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"ہوگئی تھی۔" اس کے لہجے میں آنچ تھی۔

"شادی ہوگئی تھی؟" فرقان کو پھر یقین نہیں آیا۔

"ہاں۔۔۔۔"

پھر۔۔۔۔طلاق ہوگئی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو۔۔۔۔؟" سالار کے پاس آگے بتانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔

"توبس۔۔۔۔"

"بس کیا۔۔۔۔؟ سالار اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی دائیں ہاتھ میں موجود دل کی لکیر پر پھیرتا رہا۔

"کیانام ہے اس کا؟" فرقان نے مدھم آواز میں اس سے پوچھا۔وہ ایک بار پھر اس طرح لکیر کو چھوتے ہوئے بہت دیر تک خاموش رہا۔بہت دیر۔۔۔۔پھر اس نے کہا۔

"امامہ ہاشم۔۔۔۔" فرقان نے بے اختیار سانس لیا۔اسے اب سمجھ میں آیا کہ وہ اس کی چھوٹی بیٹی کو ڈھیروں کے حساب سے تحفے کیوں دیا کرتا تھا۔پچھلے کچھ عرصے میں جب سے سالار سے اس کی شناسائی ہوئی تھی اور سالار کا اس کے گھر آنا جانا شروع ہوا تھا سالار اور امامہ کی بہت دوستی ہوگئی تھی۔وہ پاکستان سے جانے کے بعد بھی اسے وہاں سے کچھ نہ کچھ بجھواتا رہتا تھا مگر فرقان کو اکثر صرف ایک بات پر حیرانی ہوئی تھی۔وہ کبھی امامہ کا نام نہیں لیتا تھا اور وہ خود اس سے بات کرتا تو اسے نام کے بغیر مخاطب کرتا رہتا۔فرقان کو چند ایک بار یہ

بات محسوس ہوئی تھی مگر اس نے اسے نظر انداز کر دیا تھا لیکن اب امامہ ہاشم کا نام سن کر وہ جان گیا تھا کہ وہ کیوں اس کا نام نہیں لیتا تھا۔

وہ اب رُک رُک کر بے ربط جملوں میں مدھم آواز میں اسے اپنے اور امامہ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ فرقان دم سادھے سن رہا تھا۔ جب وہ سب کچھ بتانے کے بعد خاموش ہوا تو دیر تک فرقان بھی کچھ بول نہیں سکا۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ تسلی دے یا پھر کچھ اور کہے۔۔۔۔۔ کوئی نصیحت۔۔۔۔۔

"تم اسے بھول جاؤ۔" اس نے بالآخر کہا۔ "سوچ لو کہ وہ جہاں بھی ہے خوش ہے اور محفوظ ہے۔ ضروری نہیں اس کے ساتھ کوئی سانحہ ہی ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ بالکل محفوظ ہو۔
فرقان کہہ رہا تھا۔ "تم نے اس کی مدد کی، جس حد تک تم کر سکتے تھے۔ پچھتاؤں سے اپنے آپ کو نکال لو۔ اللہ مدد کرتا۔ تمہارے بعد ہو سکتا اسے تم سے بہتر کوئی اور مل گیا ہو۔ تم کیوں اس طرح کے وہم لئے بیٹھے ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ جلال سے اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ تم تھے۔ جو کچھ تم نے مجھے جلال کے بارے میں بتایا ہے۔ میرا اندازہ یہی ہے کہ وہ کسی صورت میں امامہ سے شادی نہ کرتا، چاہے تم بیچ میں آتے نہ آتے۔ کوشش کرتے نہ کرتے۔ جہاں تک امامہ کو طلاق نہ دینے کا سوال ہے اسے چاہیئے تھا وہ تم سے دوبارہ رابطہ کرتی۔ وہ ایسا کرتی تو یقیناً تم اسے طلاق دے دیتے۔ اگر اس معاملے میں تم سے کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو

اللہ تمہیں معاف کر دے گا کیونکہ تم پچھتا رہے ہو۔ تم اللہ سے معافی بھی مانگتے آرہے ہو۔ یہ کافی ہے مگر اس طرح ڈپریشن کا شکار ہونے سے کیا ہوگا۔ سالار کی خاموشی سے اسے امید بندھی کہ شاید اس کی کوشش رنگ لا رہی تھی مگر ایک لمبی تقریر کے بعد جب وہ خاموش ہوا تو سالار اٹھ کر اپنا بریف کیس کھولنے لگا۔

"کیا کر رہے ہو؟" فرقان نے پوچھا۔

"میری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔" وہ اب اپنے بریف کیس میں سے کچھ پیپر نکال رہا تھا۔
فرقان کی سمجھ نہیں آیا وہ اس سے کیا کہے۔



وہ پچھلے کئی سالوں میں کئی بار پاکستان آتا جاتا رہا تھا اسے کبھی واپس جاتے ہوئے اس قسم کی کیفیات کا شکار نہیں ہونا پڑا تھا جس قسم کی کیفیات کا شکار وہ اس بار ہوا تھا۔ جہاز کے ٹیک آف کے وقت ایک عجیب سا خالی پن تھا، جو اس نے اپنے اندر اترتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ اس نے جہاز کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ بہت دور تک پھیلے ہوئے اس خطے میں کہیں امامہ ہاشم نام کی ایک لڑکی بھی تھی۔ وہ وہاں رہتا تو کبھی کہیں کسی وقت کسی روپ میں وہ اسے نظر آجاتی۔

اسے مل جاتی۔ یا کوئی ایسا شخص اسے مل جاتا جو اس سے واقف ہوتا لیکن وہ اب جہاں جا رہا تھا اس زمین پر امامہ ہاشم کہیں نہیں تھی۔ کوئی اتفاق بھی ان دونوں کو آمنے سامنے نہیں لا سکتا تھا۔ وہ ایک بار پھر ایک لمبے عرصے کے لئے "امکان" کو چھوڑ کر جا رہا تھا۔ وہ زندگی میں کتنی بار "امکان" کو چھوڑ کر جاتا رہے گا۔

دس منٹ کے بعد پانی سے ٹرینکولائز کو نگلتے ہوئے اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ زندگی میں کہیں بھی نہیں کھڑا تھا۔ وہ زندگی میں کبھی بھی نہیں کھڑا ہو پائے گا۔ اس کے پیروں کے نیچے زمین کبھی نہیں آسکے گی۔

ساتویں منزل پر اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ وہاں جانا نہیں چاہتا تھا وہ کہیں اور جانا چاہتا تھا۔ کہاں۔۔۔۔؟

اس نے اپارٹمنٹ کے دروازے کو لاک کیا۔ لاؤنج میں پڑے ٹی وی کو آن کیا۔ سی این این پر نیوز بلیٹن آ رہا تھا۔ اس نے اپنے جوتے اور جیکٹ اُتار کر دور پھینک دیئے۔ پھر ریموٹ لے کر صوفے پر لیٹ گیا۔ خالی الذہنی کے عالم میں وہ چینل بدلتا رہا۔ ایک چینل سے گونجتی آواز نے اُسے روک لیا۔

ایک غیر معروف سا گلوکار کوئی غزل گا رہا تھا۔

میری زندگی تو فراق ہے، وہ ازل سے دل میں مکیں سہی

وہ نگاہ شوق سے دور ہیں، رگِ جاں سے لاکھ قریں سہی

اس نے ریموٹ اپنے سینے پر رکھ دیا۔ گلوگار کی آواز بہت خوبصورت تھی یا پھر شاید وہ اس کے جذبات کو الفاظ دے رہا تھا۔

ہمیں جاں دینی ہے ایک دن، وہ کسی طرح وہ کہیں سہی

ہمیں آپ کھینچئے دار پر جو نہیں کوئی، تو ہمیں سہی

شاعری، کلاسیکل میوزک، پرانی فلمیں۔ انسٹرومینٹل میوزک اسے ان تمام چیزوں کی worth کا اندازہ پچھلے کچھ سالوں میں ہی ہونا شروع ہوا تھا۔ پچھلے کچھ سالوں نے اس کی موسیقی کے انتخاب کو بہت اعلیٰ کر دیا تھا اور اردو غزلیں سننے کا تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

سر طور ہو، سر حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے

وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کہیں سہی

اسے ایک بار پھر امامہ یاد آئی۔اسے ہمیشہ وہی یاد آتی تھی۔پہلے وہ صرف تنہائی میں یاد آتی تھی پھر وہ ہجوم میں بھی نظر آنے لگی۔۔۔۔۔اور وہ۔وہ محبت کو پچھتاوا سمجھتا رہا۔

نہ ہوا ن پہ جو مرا بس نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں

میں ان ہی کا تھا، میں ان ہی کا ہوں، وہ میرے نہیں تو نہیں سہی

سالار یک دم صوفے سے اٹھ کر کھڑکیوں کی طرف چلا گیا۔ساتویں منزل پر کھڑے وہ رات کو روشنیوں کی اوٹ میں دیکھ سکتا تھا۔عجیب وحشت تھی جو باہر تھی۔عجیب عالم تھا جو اندر تھا۔

ہو جو فیصلہ وہ سنائیے، اسے حشر پر نہ اٹھائیے

جو کریں گے آپ ستم وہاں، وہ ابھی سہی، وہ یہیں سہی

وہاں کھڑے کھڑکیوں کے شیشوں کے پار اندھیرے میں ٹمٹماتی روشنیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے اندر اُترنے کی کوشش کی۔

"میں اور کبھی کسی لڑکی سے محبت کروں۔سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

بہت سال پہلے اکثر کہا جانے والا جملہ اسے یاد آیا۔باہر تاریکی کچھ اور بڑھی۔اندر آوازوں کی باز گشت۔۔۔۔۔اس نے شکست خوردہ انداز میں سر جھکایا پھر چند لمحوں کے بعد دوبارہ سر اٹھا کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔انسان کا اختیار کہاں سے شروع کہاں پر ختم ہوتا ہے؟ڈپریشن کا ایک اور دورہ، وہ باہر نظر آنے والی ٹمٹاتی روشنیاں بھی اب بجھنے لگی تھیں۔

اسے دیکھنے کی جو لو لگی تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم

وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، وہ ہزار پردہ نشیں سہی

سالار سکندر نے مڑ کر اس کی اسکرین کو دیکھا، گلوکار لہک لہک کر بار بار آخری شعر دہرا رہا تھا۔کسی معمول کی طرح چلتا ہوا وہ صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔سینٹرل ٹیبل پر رکھے ہوئے بریف کیس کو کھول کر اس نے اندر سے لیپ ٹاپ نکال لیا۔

اسے دیکھنے کی جو لو لگی تو نصیر دیکھ ہی لیں گے ہم

وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، وہ ہزار پردہ نشیں سہی

گلوکار مقطع دہرا رہا تھا۔سالار کی انگلیاں لیپ ٹاپ پر برق رفتاری سے حرکت کرتے ہوئے استعفیٰ لکھنے میں مصروف تھیں۔کمرے میں موسیقی کی آواز اب ڈوبتی جا رہی تھی۔استعفیٰ

کی ہر لائن اس کے وجود پر چھائے جمود کو ختم کر رہی تھی وہ جیسے کسی جادو کے حصار سے باہر آ رہا تھا۔ کوئی توڑ ہو رہا تھا۔



"اپنے کیریئر کے اس اسٹیج پر اس طرح کا احمقانہ فیصلہ صرف تم ہی کر سکتے تھے۔"

وہ فون پر سکندر عثمان کو خاموشی سے سن رہا تھا۔

"آخر اتنی اچھی پوسٹ کو کیوں چھوڑ رہے ہو اور وہ بھی اس طرح اچانک اور چلو اگر چھوڑنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر آ کر اپنا بزنس کرو۔ بینک میں جانے کی کیا تک بنتی ہے۔" وہ اس کے فیصلے پر بری طرح تنقید کر رہے تھے۔

"میں اب پاکستان میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ بس اسی لئے جاب چھوڑ دی۔ بزنس نہیں کر سکتا اور بینک کی آفر میرے پاس بہت عرصے سے تھی۔ وہ مجھے پاکستان پوسٹ کرنے پر تیار ہیں، اسی لئے میں اسے قبول کر رہا ہوں۔" اس نے تمام سوالوں کا اکٹھا جواب دیا۔

"پھر بینک کو بھی جوائن مت کرو، میرے ساتھ آ کر کام کرو۔"

"میں نہیں کر سکتا پاپا! مجھے مجبور نہ کریں۔"

"تو پھر وہیں پر رہو۔ پاکستان آنے کی کیا تک بنتی ہے؟"

''میں یہاں پر رہ نہیں پا رہا۔"

"حب الوطنی کا کوئی دورہ پڑا ہوا ہے تمہیں؟"

"نہیں۔۔۔۔۔"

"تو پھر۔۔۔۔۔؟"

"میں آپ لوگوں کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے بات بدلی۔

"خیر یہ فیصلہ کم از کم ہماری وجہ سے تو نہیں کیا گیا۔" سکندر عثمان کا لہجہ نرم ہوا۔

سالار خاموش رہا۔ سکندر عثمان بھی کچھ دیر خاموش رہے۔

"فیصلہ تو تم کر ہی چکے ہو۔ میں اب اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے آنا چاہتے ہو آ جاؤ۔ کچھ عرصہ بینک میں کام کر کے بھی دیکھ لو لیکن میری خواہش یہی ہے کہ تم میرے ساتھ میرے بزنس کو دیکھو۔" سکندر عثمان نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہارا تو پی ایچ ڈی کا بھی ارادہ تھا۔اس کا کیا ہوا؟" سکندر عثمان کو بات ختم کرتے کرتے پھر یاد آیا۔

"فی الحال میں مزید اسٹڈیز نہیں کرنا چاہ رہا۔ہو سکتا ہے کچھ سالوں بعد پی ایچ ڈی کے لئے دوبارہ باہر چلا جاؤں۔یہ بھی ممکن ہے کہ پی ایچ ڈی کروں ہی نہ۔" سالار نے مدھم آواز میں کہا۔

"تم اس اسکول کی وجہ سے آ رہے ہو؟" سکندر عثمان نے اچانک کہا۔"شاید۔۔۔۔۔" سالار نے تردید کی۔وہ اگر اسکول کو اس کی واپسی کی وجہ سمجھ رہے تھے تو بھی کوئی حرج نہیں تھا۔

"ایک بار پھر سوچ لو سالار۔۔۔۔!" سکندر کہے بغیر نہیں رہ سکے۔

"بہت کم لوگوں کو کیریئر میں اس طرح کا اسٹارٹ ملتا ہے جس طرح کا تمہیں ملا ہے۔تم سن رہے ہو۔"

"جی۔۔۔۔!" اس نے صرف ایک لفظ کہا۔

"باقی تم میچور ہو،اپنے فیصلے خود کر سکتے ہو،" انہوں نے ایک طویل کال کے اختتام پر فون بند کرنے سے پہلے کہا۔

سالار نے فون رکھنے کے بعد اپارٹمنٹ کی دیواروں پر ایک نظر دوڑائی۔اٹھارہ دن کے بعد اسے یہ اپارٹمنٹ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پیرس سے واپسی پر اس کی زندگی کے ایک نئے فیز کا آغاز ہوا تھا۔ابتدائی طور پر وہ اسلام آباد میں اس غیر ملکی بینک میں کام کرتا رہا۔پھر کچھ عرصے بعد وہ اسی بینک کی ایک نئی برانچ کے ساتھ لاہور چلا آیا۔اسے کراچی جانے کا موقع مل رہا تھا مگر اس نے لاہور کا انتخاب کیا۔اسے یہاں ڈاکٹر سبط کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل رہا تھا۔

پاکستان میں اس کی مصروفیات کی نوعیت تبدیل ہو گئی تھی مگر ان میں کمی نہیں آئی تھی۔وہ یہاں بھی دن رات مصروف رہتا تھا۔ایک exceptional ماہر معاشیات کے طور پر اس کی شہرت اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔حکومتی حلقوں کے لئے اس کا نام نیا نہیں تھا مگر پاکستان آ جانے کے بعد فنانس منسٹری مختلف مواقع پر اپنے زیر تربیت آفیسر کو دیئے جانے والے لیکچرز کے لئے اسے بلواتی رہتی۔لیکچرز کا سلسلہ بھی اس کے لئے نیا نہیں تھا۔Yale میں زیر تعلیم رہنے کے بعد وہ وہاں مختلف کلاسز کو لیکچر دیتا رہا تھا یہ سلسلہ

نیویارک منتقل ہو جانے کے بعد بھی جاری رہا۔ جہاں وہ کولمبیا یونیورسٹی میں ہیومن ڈویلپمنٹ پر ہونے والے سیمینارز میں حصہ لیتا رہا بعد میں اس کی توجہ ایک بار پھر اکنانکس کی طرف مبذول ہو گئی۔

پاکستان میں بہت جلد وہ ان سیمینارز کے ساتھ انوالو ہو گیا تھا۔ جو IBA اور LUMS, FAST اور جیسے ادارے کروا رہے تھے۔ اکنامکس اور ہیومن ڈویلپمنٹ واحد موضوعات تھے جن پر خاموشی اختیار نہیں کیا کرتا تھا۔ وہ اس کے پسندیدہ موضوع گفتگو تھے اور سیمینارز میں اس کے لیکچرز کا فیڈ بیک ہمیشہ بہت زبردست رہا تھا۔

وہ مہینے کا ایک ویک اینڈ گاؤں میں اپنے اسکول میں گزارا کرتا تھا اور وہاں رہنے کے دوران وہ زندگی کے ایک نئے رخ سے آشنائی حاصل کر رہا تھا۔

"ہم نے اپنی غربت اپنے دیہات میں چھپا دی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے لوگ مٹی کو کارپٹ کے نیچے چھپا دیتے ہیں۔"

اس اسکول کی تعمیر کا آغاز کرتے ہوئے فرقان نے ایک بار اس سے کہا تھا اور وہاں گزارے جانے والے دن اسے اس جملے کی ہولناکی کا احساس دلاتے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ پاکستان میں غربت کی موجودگی سے ناآشنا تھا۔ وہ یونیسکو اور یونی سیف میں کام کے دوران دوسرے

ایشیائی ممالک کے ساتھ پاکستان کے بارے میں بھی بہت ساری رپورٹس دیکھتا رہا مگر پاکستان میں غربت کی آخری حدوں کو بھی پار کر جانے والی لوگوں کو وہ پہلی بار ذاتی طور پر دیکھ رہا تھا۔

"پاکستان کے دس پندرہ بڑے شہروں سے نکل جائیں تو احساس ہوتا ہے کہ چھوٹے شہروں میں رہنے والے لوگ تیسری دنیا میں نہیں دسویں بارھویں دنیا میں رہتے ہیں۔ وہاں تو لوگوں کے پاس نہ روزگار ہے، نہ سہولتیں۔ وہ اپنی آدھی زندگی خواہش میں گزارتے ہیں اور آدھی حسرت میں مبتلا ہو کر۔ کون سی اخلاقیات سکھا سکتے ہیں آپ اس شخص کو جس کا دن سوکھی روٹی سے شروع ہوتا ہے اور فاقے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور ہم۔۔۔۔۔ ہم لوگوں کی بھوک مٹانے کے بجائے مسجدوں پر مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔ عالی شان مسجدیں، پر شکوہ مسجدیں، ماربل سے آراستہ مسجدیں۔ بعض اوقات تو ایک ہی سڑک پر دس دس مسجدیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ نمازیوں سے خالی مسجدیں۔"

فرقان تلخی سے کہتا تھا۔

"اس ملک میں اتنی مسجدیں بن چکی ہیں کہ اگر پورا پاکستان ایک وقت کی نماز کے لئے مسجدوں میں اکٹھا ہو جائے تو بہت سی مسجدیں خالی رہ جائیں گی۔ میں مسجدیں بنانے پر یقین نہیں رکھتا۔ جہاں لوگ بھوک سے خود کشیاں کرتے پھر رہے ہوں جہاں کچھ خاص طبقوں

کی پوری نسل جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتی پھر رہی ہو وہاں مسجد کے بجائے مدرسے کی ضرورت ہے۔اسکول کی ضرورت ہے، تعلیم اور شعور ہو گا اور رزق کمانے کے مواقع تو اللہ سے محبت ہو گی ورنہ صرف شکوہ ہی ہو گا۔

وہ فرقان کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا تھا۔اس نے مستقل طور پر گاوں جانا شروع کیا تو اسے اندازہ ہوا تھا فرقان ٹھیک کہتا تھا۔غربت لوگوں کو کفر تک لے گئی تھی۔چھوٹی چھوٹی ضرورتیں ان کے اعصاب پر سوار تھیں اور جوان معمولی ضرورتوں کو پورا کر دیتا وہ جیسے اس کی غلامی کرنے پر تیار ہو جاتے۔اس نے جس ویک اینڈ پر گاؤں جانا ہوتا اسکول میں لوگ اپنے چھوٹے موٹے کاموں کے لئے جمع ہوتے۔بعض دفعہ لوگوں کی قطاریں ہوتیں۔

"بیٹے کو شہر کی کسی فیکٹری میں کام پر رکھوادیں۔چاہے ہزار روپیہ ہی مل جائے مگر کچھ پیسہ تو آئے۔"

"دو ہزار روپے مل جاتے تو میں اپنی بیٹی کی شادی کر دیتا۔"

"بارش نے ساری فصل خراب کر دی۔اگلی فصل لگانے کے لئے بیج خریدنے تک کے لئے پیسے نہیں ہیں۔آپ تھوڑے پیسے قرض کے طور پر دے دیں۔میں فصل کاٹنے کے بعد دے دوں گا۔"

"بیٹے کو پولیس نے پکڑ لیا ہے، قصور بھی نہیں بتاتے بس کہتے ہیں ہماری مرضی جب تک چاہیں اندر رکھیں تم آئی جی کے پاس جاؤ۔"

پٹواری میری زمین پر جھگڑا کر رہا ہے۔کسی اور کو الاٹ کر رہا ہے۔کہتا ہے میرے کاغذ جعلی ہیں۔"

"بیٹا کام کے لئے پاس کے گاؤں جاتا ہے۔روز آٹھ میل چل کر آنا پڑتا ہے۔آپ ایک سائیکل لے دیں مہربانی ہو گی۔"

"گھر میں پانی کا ہینڈ پمپ لگوانا ہے، آپ مدد کریں۔"

وہ تعجب سے ان درخواستوں کو سنتا تھا۔کیا لوگوں کے یہ معمولی کام بھی ان کے لئے پہاڑ بن چکے ہیں۔ایسا پہاڑ جسے عبور کرنے کے لئے وہ زندگی کے کئی سال ضائع کر دیتے ہیں۔وہ سوچتا۔

مہینے کے ایک ویک اینڈ پر جب وہ وہاں آتا تو اپنے ساتھ دس پندرہ ہزار روپے زیادہ لے کر آتا وہ روپے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بہت سے لوگوں کو بظاہر بڑی لیکن حقیقتاً بہت چھوٹی ضرورتیں پوری کر دیتے تھے۔ان کی زندگی میں کچھ آسانیاں لے آتے اس کے لکھے ہوئے

چند سفارشی رقعے اور فون کالز ان لوگوں کے کندھوں کے بوجھ اور پیروں میں نہ نظر پڑنے والی بیڑیوں کو کیسے اتار دیتے۔ اس کا احساس شاید سالار کو خود بھی نہیں تھا۔



لاہور میں اپنے قیام کے دوران وہ باقاعدگی سے ڈاکٹر سبط صاحب کے پاس جاتا تھا۔ ان کے ہاں ہر رات عشاء کی نماز کے بعد کچھ لوگ جمع ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کسی نہ کسی موضوع پر بات کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ اس موضوع کا انتخاب وہ خود کرتے بعض دفعہ ان کے پاس آنے والے لوگوں میں سے کوئی ان سے سوال کرتا اور پھر یہ سوال اس رات کا موضوع بن جاتا۔ عام اسکالرز کے برعکس ڈاکٹر سبط علی صرف خود نہیں بولتے تھے نہ ہی انہوں نے اپنے پاس آنے والے لوگوں کو صرف سامع بنا دیا تھا بلکہ وہ اکثر اپنی بات کے دوران ہی چھوٹے موٹے سوالات بھی کرتے رہتے اور پھر ان سوالات کا جواب دینے کے لئے نہ صرف لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان کی رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ان کے اعتراضات کو بڑے تحمل اور بردباری سے سنتے۔ ان کے پاس آنے والوں میں صرف سالار سکندر تھا جس نے کبھی سوال کیا تھا نہ کبھی ان کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی۔ وہ کبھی کسی بات پر اعتراض کرنے والوں میں شامل نہ ہوا نہ کسی بات پر رائے دینے والوں میں۔

وہ فرقان کے ساتھ آتا۔ فرقان نہ آتا تو اکیلا چلا آتا، کمرے کے آخری حصے میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ جاتا، خاموشی سے ڈاکٹر صاحب اور وہاں موجود لوگوں کو سنتا۔ بعض دفعہ اپنے دائیں بائیں آ بیٹھنے والے لوگوں کے استفسار پر اپنا ایک جملہ پیش کرتا۔

"میں سالار سکندر ہوں، ایک بینک میں کام کرتا ہوں۔"

وہ جب تک امریکہ میں رہا تب ہر ہفتے ایک بار وہاں سے ڈاکٹر سبط علی کو فون کرتا رہا مگر فون پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہونے والی گفتگو بہت مختصر اور ایک ہی نوعیت کی ہوتی تھی۔ وہ کال کرتا ڈاکٹر صاحب ریسیو کرتے اور ایک ہی سوال کرتے۔

وہ پہلی بار اس سوال پر تب چونکا تھا جب وہ پاکستان سے چند دن پہلے امریکہ آیا تھا اور ڈاکٹر صاحب اس کی واپسی کا پوچھ رہے تھے۔ اسے تعجب ہوا تھا۔

"ابھی تو نہیں۔۔۔۔۔" اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا تھا۔ بعد میں وہ سوال اسے کبھی عجیب نہیں لگا کیونکہ وہ لاشعوری طور پر جان گیا تھا کہ وہ کیا پوچھ رہے تھے۔

آخری بار انہوں نے وہ سوال اس سے تب کیا تھا جب وہ امامہ کی تلاش میں ریڈ لائٹ ایریا میں پہنچا تھا۔ پیرس واپس پہنچنے کے ایک ہفتے کے بعد اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں کال کیا تھا۔ ہمیشہ جیسی گفتگو کے بعد گفتگو اسی سوال پر آ پہنچی تھی۔

"واپس پاکستان کب آرہے ہیں؟"

بے اختیار سالار کا دل بھر آیا۔اسے خود کو کمپوز کرنے میں کچھ دیر لگی

"اگلے ماہ آجاؤں گا۔میں ریزائن کر رہا ہوں۔واپس آکر پاکستان میں ہی کام کروں گا۔"

"پھر ٹھیک ہے،آپ سے اگلے ماہ ملاقات ہوگی۔"ڈاکٹر صاحب نے تب کہا تھا۔

"دعا کیجئے گا۔"سالار آخر میں کہتا۔

"کروں گا کچھ اور۔۔۔۔؟"

"اور کچھ نہیں۔اللہ حافظ۔۔۔۔"وہ کہتا۔

"اللہ حافظ۔"وہ جواب دیتے۔گفتگو کا یہ سلسلہ پاکستان آنے تک جاری رہا جب وہ ان کے پاس باقاعدگی سے جانے لگا تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔



لاہور آنے کے بعد وہ باقاعدگی سے ان کے پاس جانے لگا تھا۔اسے ان کے پاس سکون ملتا تھا۔صرف ان کے پاس گزارا ہوا وقت ایسا ہوتا تھا جب وہ کچھ دیر کے لئے مکمل طور پر اپنے

ڈپریشن سے آزادی حاصل کر لیتا تھا۔بعض دفعہ ان کے پاس خاموش بیٹھے بیٹھے بے اختیار اس کا دل چاہتا وہ ان کے سامنے وہ سب کچھ اگل دے جسے وہ اتنے سالوں سے اپنے اندر زہر کی طرح بھرے پھر رہا تھا۔پچھتاوا،احساس جرم۔۔۔۔۔بے چینی،بے بسی،شرمندگی، ندامت،ہر چیز۔پھر اسے خوف پیدا ہوتا ڈاکٹر سبط علی اس کو پتا نہیں کن نظروں سے دیکھیں گے۔اس کی ہمت دم توڑ جاتی۔

ڈاکٹر سبط علی ابہام کو دور کرنے میں کمال رکھتے تھے۔وہ ان کے پاس خاموش بیٹھا رہتا۔صرف سنتا،صرف سمجھتا،صرف نتیجے اخذ کرتا۔کوئی دھند تھی جو چھٹ رہی تھی۔کوئی چیز تھی جو نظر آنے لگی تھی۔جن سوالوں کو وہ کئی سالوں سے سر پر بوجھ کی صورت میں لئے پھر رہا تھا ان کے پاس ان کے جواب تھے۔

"اسلام کو سمجھ کر سیکھیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ اس میں کتنی وسعت ہے۔یہ تنگ نظری اور تنگ دلی کا دین نہیں ہے نہ ہی ان دونوں چیزوں کی اس میں گنجائش ہے۔یہ میں سے شروع ہو کر ہم پر جاتا ہے۔فرد سے معاشرے تک۔اسلام آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ چوبیس گھنٹے سر پر ٹوپی،ہاتھ میں تسبیح ہر جگہ مصلیٰ بچھائے بیٹھے رہیں۔ہر بات میں اس کے حوالے دیتے رہیں۔نہیں،یہ تو آپ کی زندگی سے۔۔۔۔۔آپ کی اپنی زندگی سے حوالہ چاہتا ہے۔یہ تو آپ سے راست بازی اور پارسائی کا مطالبہ کرتا ہے۔دیانت داری اور لگن چاہتا ہے۔اخلاص

اور استقامت مانگتا ہے۔ایک اچھا مسلمان مانگتا ہے۔ایک اچھا مسلمان اپنی باتوں سے نہیں اپنے کردار سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔"

سالار ان کی باتوں کو ایک چھوٹے سے ریکارڈر میں ریکارڈ کرلیتا پھر گھر آکر بھی سنتا رہتا۔ اسے ایک رہبر کی تلاش تھی،ڈاکٹر سبط علی کی صورت میں اسے وہ رہبر مل گیا تھا۔



"سالار آؤ،اب آبھی جاؤ۔کتنی منتیں کرواؤ گے؟"انیتا نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے ناراضی سے کہا۔

وہ عمار کی شادی میں شرکت کے لئے اسلام آباد آیا ہوا تھا۔تین دن کی چھٹی لے کر حالانکہ اس کے گھر والوں کا اصرار تھا کہ وہ ایک ہفتے کے لئے آئے۔شادی کی تقریبات کئی دن پہلے شروع ہو چکی تھیں۔وہ ان تقریبات کی "اہمیت" اور "نوعیت" سے واقف تھا۔اس لئے گھر والوں کے اصرار کے باوجود تین دن کی رخصت لے کر آیا اور اب وہ عمار کی مہندی کے فنکشن میں شرکت کر رہا تھا جو عمار اور اس کے سسرال والے مل کر کر رہے تھے۔عمار اور اسریٰ دونوں کے عزیز و اقارب اور دوست مختلف فلمی اور پاپ گانوں پر رقص کرنے میں

مصروف تھے۔ایک طوفان بدتمیزی تھا جو وہاں برپا تھا۔سلیولیس شرٹس، کھلے گلے، جسم کے ساتھ چپکے ہوئے کپڑے، باریک ملبوات، سلک اور شیفون کی ساڑھیاں،نیٹ کے بلاؤز اس کی فیملی کی عورتیں بھی دوسری عورتوں کی طرح اسی طرح کے ملبوسات پہنے ہوئے تھیں۔

مکسڈ گیدرنگ تھی اور وہ تقریب شروع ہونے پر اس ہنگامے سے کافی دور کچھ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو کارپوریٹ یا بینکنگ سیکٹر سے تعلق رکھتے تھے اور سکندر یا اس کے اپنے بھائیوں کے شناسا تھے۔

مگر پھر مہندی کی رسومات کا آغاز ہونے لگا اور انیتا اسے اسٹیج کی طرف لے گئی۔اسریٰ اور عمار بے تکلفی سے اسٹیج پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔وہ پہلی بار اسریٰ سے مل رہا تھا۔عمار نے اس کا اور اسریٰ کا تعارف کروایا۔مہندی کی رسومات کے بعد اس نے وہاں سے جانے کی کوشش کی مگر کامران اور طیبہ نے اسے زبردستی روک دیا۔

بھائی کی مہندی ہو رہی ہے اور تم اس طرح وہاں کونے میں بیٹھے ہو۔"طیبہ نے اسے ڈانٹا تھا۔ تمہیں یہاں ہونا چاہیئے۔"

وہ ان کے کہنے پر وہیں کامران اور اس کی بیوی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔اس کے ایک کزن نے ایک بار پھر دوپٹہ اس کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی جو وہ سب ڈالے ہوئے تھے۔اس نے ایک بار پھر قدرے ناگواری سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اسے تنبیہ کی۔

اگلے چند منٹوں کے بعد وہاں رقص شروع ہو چکا تھا۔عمار سمیت سارے بہن بھائی اور کزنز رقص کر رہے تھے اور انتیا نے اسے بھی کھینچنا شروع کر دیا تھا۔

"نہیں انیتا! میں نہیں کر سکتا۔مجھے نہیں آتا۔"

اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے معذرت کی مگر اس کی معذرت قبول کرنے کے بجائے وہ اور عمار اسے کھینچ کر رقص کرنے والوں کے ہجوم میں لے آئے تھے۔ کامران اور معیز کی شادی میں وہ بھی ایسے ہی رقص کرتا رہا تھا، مگر عمار کی مہندی پر وہ پچھلے سات سالوں میں اتنا لمبا ذہنی سفر طے کر چکا تھا کہ وہاں اس ہجوم کے درمیان خالی بازو کھڑے کرنا بھی اس کے لئے دشوار تھا۔قدرے بے بس مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسی طرح ہجوم کے درمیان کھڑا رہا پھر اس نے انیتا کے کان میں کہا۔

"انیتا۔۔۔۔میں ڈانس بھول چکا ہوں۔Please let me go۔(برائے مہربانی مجھے جانے دو)۔"

"تم کرنا شروع کرو۔۔۔۔۔آجائے گا۔" انیتا نے جواباً اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔اب اسریٰ بھی اس ہجوم میں شامل ہو چکی تھی۔

"میں نہیں کر سکتا۔تم لوگ کرو۔میں انجوائے کر رہا ہوں۔مجھے جانے دو۔"

اس نے مسکراتے ہوئے نکلنے کی کوشش کی۔اسریٰ کی آمد نے اسے اس کوشش میں کامیاب کر دیا۔

"عروج ہر قوم، ہر نسل کا خواب ہوتا ہے اور پھر وہ قومیں جن پر الہامی کتابیں نازل ہوئی ہوں وہ تو عروج کو اپنا حق سمجھتی ہیں، مگر کبھی بھی کسی قوم پر عروج صرف اس بنا پر نہیں آیا کہ اسے کتاب اور نبی دے دیا گیا جب تک اس قوم نے اپنے اعمال اور افعال سے عروج کے لئے اپنی اہلیت ثابت نہیں کر دی وہ کسی مرتبہ کسی مقام کسی فضیلت کے قابل نہیں ٹھہریں۔ مسلمان قوم یا امت کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے اعلیٰ طبقات تعیش اور نفس پرستی کا شکار ہیں۔یہ دونوں چیزیں وبا کی طرح ہوتی ہیں۔ایک دوسرے سے دوسرے سے تیسرے اور پھر یہ سلسلہ کہیں رکتا نہیں۔" اسے وہاں کھڑے ان ناچتی عورتوں اور مردوں کے ہجوم کو دیکھتے ہوئے بے اختیار ڈاکٹر سبط کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"مومن عیاش نہیں ہوتا نہ تب جب وہ رعایا ہوتا ہے نہ تب جب وہ حکمران ہوتا ہے۔اس کی زندگی کسی جانور کی زندگی جیسی نہیں ہوتی۔ کھانا پینا، اپنی نسل کو آگے بڑھانا اور فنا ہو جانا۔یہ کسی جانور کی زندگی کا انداز تو ہو سکا ہے مگر کسی مسلمان کی نہیں۔" سالار بے اختیار مسکرا دیا۔

وہ آج پھر " جانوروں "اور "حشرات الارض"کا ایک گروہ دیکھ رہا تھا۔اسے خوشی ہوئی،وہ بہت عرصہ پہلے ان میں سے نکل چکا تھا۔وہاں ہر ایک خوش باش،پر سکون اور مطمئن نظر آرہا تھا۔بلند قہقہے اور چمکدار چہرے اور آنکھیں۔اس کے سامنے طیبہ عمار کے سسر کے ساتھ رقص کر رہی تھیں۔انیتا اپنے سب سے بڑے بھائی کامران کے ساتھ۔

سالار نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے دائیں کنپٹی کو مسلا۔شاید یہ تیز میوزک تھا یا پھر اس وقت اس کا ذہنی اضطراب اسے اپنی کنپٹی میں ہلکی سی درد کی لہر گزرتی محسوس ہوئی۔اپنے گلاسز اُتار کر اس نے بائیں ہاتھ سے اپنی دونوں آنکھیں مسلیں۔دوبارہ گلاسز آنکھوں پر لگاتے ہوئے اس نے مڑ کر راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی،کچھ جدوجہد کے بعد وہ اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے اس دائرے سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔اسے بخوشی راستہ دے دیا گیا۔

"کدھر جا رہے ہو؟"بے ہنگم شور میں طیبہ نے بلند آواز میں جانے سے پہلے اس کا بازو پکڑ کر پوچھا تھا۔وہ ابھی رقص کرتے کرتے تھک کر اس کے پاس کھڑی ہوئی تھیں ان کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"ممی! میں ابھی آتا ہوں۔نماز پڑھ کر۔"

"آج رہنے دو۔۔۔۔۔"

سالار مسکرایا مگر اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے نرمی سے ان کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیا۔

وہ اب باہر نکلنے کی تگ و دو کر رہا تھا۔

"یہ کبھی نارمل نہیں ہو سکتا۔زندگی کو انجوائے کرنا بھی آرٹ ہے اور یہ آرٹ اس بے وقوف کو کبھی نہیں آئے گا۔"انہوں نے اپنے تیسرے بیٹے کی پشت کو دیکھتے قدرے افسوس سے سوچا۔

سالار نے اس ہجوم سے نکل کر بے اختیار سکون کی سانس لی تھی۔

وہ جس وقت نماز پڑھنے کے لئے اپنے گھر کے گیٹ سے باہر نکل رہا تھا۔سنگر اس وقت گانے میں مصروف تھا۔اس وقت مسجد کی طرف جانے والا وہ اکیلا تھا۔شاید گاڑیوں کی لمبی قطاروں کے درمیان سے سڑک پر چلتے ہوئے وہ مسلسل ڈاکٹر سبط علی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔وہ " سینکڑوں "کے اس مجمع کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا جو اس کے گھر ناچ گانے میں مصروف تھے۔مسجد میں کل "چودہ "لوگوں نے باجماعت نماز ادا کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پاکستان آنے کے بعد اسلام آباد اپنی پوسٹنگ کے دوران وہ سکندر عثمان کے گھر پر ہی رہتا رہا۔لاہور آنے کے بعد بھی کسی پوش علاقے میں کوئی بڑا گھر رہائش کے لئے منتخب کرنے کی بجائے اس نے فرقان کی بلڈنگ میں ایک فلیٹ کرائے پر لینے کو ترجیح دی۔

فرقان کے پاس فلیٹ لینے کی ایک وجہ اگر یہ تھی کہ وہ لاہور میں اپنی عدم موجودگی کے دوران فلیٹ کے بارے میں کسی عدم تحفظ کا شکار نہیں ہوتا تھا تو دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ فلیٹ کی بجائے کوئی گھر لینے پر اسے دو چار ملازم مستقل رکھنے پڑتے جب کہ اس کا بہت کم وقت فلیٹ پر گزرتا تھا۔فرقان کے ساتھ آہستہ آہستہ لاہور میں اس کا سوشل سرکل بہت وسیع ہونے لگا تھا۔فرقان بہت سوشل آدمی تھا اور اس کا حلقہء احباب بھی خاصا لمبا چوڑا تھا۔وہ سالار کے موڈ اور ٹمپرامنٹ کو سمجھنے کے باوجود اسے وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ مختلف جگہوں پر کھینچتا رہتا۔

وہ اس رات فرقان کے ساتھ اس کے کسی ڈاکٹر دوست کی ایک پارٹی اور محفل غزل میں شرکت کے لیے گیا تھا۔وہ ایک فارم پر ہونے والی پارٹی تھی۔اس نے سالار کو مدعو کر لیا اور محفل غزل کا سن کر وہ انکار نہیں کر سکا۔

فارم پر شہر کی ایلیٹ کلاس کا اجتماع تھا۔وہ ان میں سے اکثریت کو جانتا تھا۔وہ اپنے شناسا کچھ لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ڈنر چل رہا تھا اور ان ہی باتوں کے دوران اس نے فرقان کی تلاش میں نظر دوڑائی تھی وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔سالار ایک بار پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔کھانے کے بعد اسے چند لوگوں کے ساتھ فرقان کھڑا نظر آگیا۔وہ بھی اس طرف بڑھ آیا۔

"آؤ سالار! میں تمہارا تعارف کرواتا ہوں۔" فرقان نے اس کے قریب آنے پر چند جملوں کے تبادلے کے بعد کہا۔ "یہ ڈاکٹر رضا ہیں۔گنگارام ہاسپٹل میں کام کرتے ہیں۔چائلڈ اسپیشلسٹ ہیں۔" سالار نے ہاتھ ملایا۔

"یہ ڈاکٹر جلال انصر ہیں۔" سالار کو اس شخص سے تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔فرقان اب کیا کہہ رہا تھا وہ سن نہیں پایا۔اس نے جلال انصر کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔دونوں کے درمیان بہت رسمی سا مصافحہ ہوا۔جلال انصر نے بھی یقیناً اسے پہچان لیا تھا۔

سالار وہاں ایک اچھی شام گزارنے آیا تھا مگر اس وقت اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک اور بری رات گزارنے آیا تھا۔ یادوں کا ایک سیلاب تھا جو ایک بار پھر ہر بند توڑ کر اس پر چڑھائی کر رہا تھا۔ وہ سب اس طرف جا رہے تھے جہاں بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اب فرقان تھا۔ جلال انصر اب اس سے کچھ آگے دوسرے ڈاکٹرز کے ساتھ تھا۔ سالار نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی پشت کو دیکھا۔

دشتِ تنہائی میں اے جانِ جہاں

لرزاں ہیں

تیری آواز کے سائے

تیرے ہونٹوں کے سراب

اقبال بانو گانا شروع کر چکی تھیں۔

دشتِ تنہائی میں

دوری کے

خس و خاشاک تلے

کھل رہے ہیں

تیرے پہلو کے سمن اور گلاب

اس کے ارد گرد بیٹھے لوگ اپنا سر دھن رہے تھے۔ سالار چند ٹیبلز کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ اسے زندگی میں کبھی کسی شخص کو دیکھ کر رشک نہیں آیا تھا، اس دن پہلی بار آ رہا تھا۔

آدھا گھنٹہ گزر جانے کے بعد اس نے فرقان سے کہا۔

"چلیں؟" فرقان نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کہاں۔۔۔۔؟"

"گھر۔۔۔۔۔"

"ابھی تو پروگرام شروع ہوا ہے۔ تمہیں بتایا تو تھا، رات دیر تک یہ محفل چلے گی۔"

"ہاں، مگر میں جانا چاہتا ہوں۔ کسی کے ساتھ بھجوا دو۔ تم بعد میں آ جانا۔"

فرقان نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"تم کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اقبال بانو کو سنتے ہوئے بھی کوئی دوسرا کام یاد آگیا ہے؟" فرقان نے قدرے ملامتی انداز میں کہا۔

"تم بیٹھو میں چلا جاتا ہوں۔" سالار نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"عجیب باتیں کرتے ہو۔ یہاں سے کیسے جاؤ گے۔ فارم اتنا دور ہے۔ چلو اگر اتنی ہی جلدی ہے تو چلتے ہیں۔" فرقان بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میزبان سے اجازت لیتے ہوئے وہ دونوں فرقان کی گاڑی میں آبیٹھے۔

"اب بتاؤ۔ یوں اچانک کیا ہوا ہے؟" گاڑی کو فارم سے باہر لاتے ہوئے فرقان نے کہا۔

"میرا وہاں ٹھہرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"کیوں۔۔۔۔؟" سالار نے جواب نہیں دیا۔ وہ باہر سڑک کو دیکھتا رہا۔

"وہاں سے اُٹھ آنے کی وجہ جلال ہے؟"

سالار نے بے اختیار گردن موڑ کر فرقان کو دیکھا۔ فرقان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یعنی میرا اندازہ ٹھیک ہے۔ تم جلال انصر کی وجہ سے ہی فنکشن سے بھاگ آئے ہو۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" سالار نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

"تم دونوں بڑے عجیب انداز میں آپس میں ملے تھے۔ جلال انصر نے خلافِ معمول تمہیں کوئی اہمیت نہیں دی جب کہ تمہارے جیسی شہرت والے بینکر کے سامنے تو اُس جیسے آدمی کو کھل اٹھنا چاہئیے تھا۔ وہ تعلقات بنانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا، خود تم بھی مسلسل اُسے دیکھ رہے تھے۔" فرقان بہت آرام سے کہہ رہا تھا۔

"تم جلال انصر کو جانتے ہو؟"

سالار نے گردن سیدھی کر لی۔ وہ ایک بار پھر سڑک کو دیکھ رہا تھا۔

"امامہ اسی شخص سے شادی کرنا چاہتی تھی۔" بہت دیر بعد اس نے مدھم آواز میں کہا۔ فرقان کچھ بول نہیں سکا۔ اسے توقع نہیں تھی جلال اور سالار کے درمیان اس طرح کی شناسائی ہو گی، ورنہ وہ شاید یہ سوال کبھی نہ کرتا۔

گاڑی میں بہت دیر خاموشی رہی پھر فرقان نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی ہے کہ وہ جلال جیسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ یہ تو بڑا خرانٹ آدمی ہے۔ ہم لوگ اس کو "قصائی" کہتے ہیں۔ اس کی واحد دلچسپی پیسہ

ہے۔ مریض کیسے لا کر دے گا، کہاں سے لا کر دے گا، اسے دلچسپی نہیں ہوتی۔ تم دیکھنا آٹھ سال میں یہ اسی رفتار کے ساتھ پیسہ کماتے ہوئے لاہور کا سب سے امیر ڈاکٹر ہو گا۔"

فرقان اب جلال انصر کے بارے میں تبصرہ کر رہا تھا۔ سالار خاموشی سے سن رہا تھا۔ جب فرقان نے اپنی بات ختم کر لی تو اس نے کہا۔

"اس کو قسمت کہتے ہیں۔"

"تمہیں اس پر رشک آ رہا ہے؟" فرقان نے قدرے حیرانی سے کہا۔

"حسد تو میں کر نہیں سکتا۔" سالار عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "یہ جو کچھ تم مجھے اس کے بارے میں بتا رہے ہو۔ یہ سب کچھ مجھے بہت سال پہلے پتا تھا۔ تب ہی جب میں امامہ کے سلسلے میں اس سے ملا تھا۔ یہ کیسا ڈاکٹر بننے والا تھا، مجھے اندازہ تھا مگر آج اس فنکشن میں اسے دیکھ کر مجھے اس پر بے تحاشا رشک آیا۔ کچھ بھی نہیں ہے اس کے پاس۔ معمولی شکل و صورت ہے۔ خاندان بھی خاص نہیں ہے۔ اس جیسے ہزاروں ڈاکٹرز ہوتے ہیں۔ لالچی، مادہ پرست بھی ہے مگر قسمت دیکھو کہ امامہ ہاشم جیسی لڑکی اس کے عشق میں مبتلا ہوئی۔ اس کے پیچھے خوار ہوتی پھری۔ میں اور تم اسے قصائی کہہ لیں، کچھ بھی کہہ لیں، صرف ہماری باتوں سے اس کی قسمت تو نہیں بدل جائے گی نہ اس کی نہ میری۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ فرقان نے اس کے چہرے کو دھواں دھواں ہوتے دیکھا۔

"کوئی نہ کوئی خوبی تو ہو گی اس میں کہ ۔۔۔۔۔ کہ امامہ ہاشم کو اور کسی نہیں صرف اسی سے محبت ہوئی۔" وہ اب اپنی دونوں آنکھوں کو مسل رہا تھا۔

"مجھے اگر پتا ہوتا کہ یہاں تم جلال انصر سے ملو گے تو میں تمہیں کبھی اپنے ساتھ یہاں نہ لاتا۔" فرقان نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی اگر یہ پتا ہوتا کہ میں یہاں اس کا سامنا کروں گا تو میں بھی کسی قیمت پر یہاں نہ آتا۔" سالار نے ونڈ اسکرین سے نظر آنے والی تاریک سڑک کو دیکھتے ہوئے افسردگی سے سوچا۔

کچھ اور سفر بے حد خاموشی سے طے ہوا پھر فرقان نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

"تم نے اسے کبھی ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی؟"

"امامہ کو۔۔۔۔۔؟ یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"میں اسے کیسے ڈھونڈ سکتا ہوں۔ کئی سال پہلے ایک بار میں نے کوشش کی تھی کوئی فائدہ نہیں ہوا اور اب۔۔۔۔۔۔اب تو یہ اور بھی مشکل ہے۔"

"تم نیوز پیپرز کی مدد لے سکتے ہو۔"

"اشتہار دوں اس کے بارے میں؟" سالار نے قدرے خفگی سے کہا۔ "وہ تو پتا نہیں ملے یا نہ ملے لیکن اس کے گھر والے مجھ تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ شک تو ان کو مجھ پر پہلے بھی تھا اور فرض کرو میں ایسا کچھ کر بھی لوں تو نیوز پیپر میں کیا اشتہار دوں۔ کیا کہوں؟" اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"پھر اسے بھول جاؤ۔" فرقان نے بڑی سہولت سے کہا۔

"کوئی سانس لینا بھول سکتا ہے؟" سالار نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"سالار! اب بہت سال گزر گئے ہیں۔ تم آخر کتنی دیر اس طرح اس لاحاصل عشق میں مبتلا رہو گے۔ تمہیں اپنی زندگی کو دوبارہ پلان کرنا چاہیئے۔ تم اپنی ساری زندگی امامہ ہاشم کے لئے تو ضائع نہیں کر سکتے۔"

"میں کچھ بھی ضائع نہیں کر رہا ہوں۔ نہ زندگی کو، نہ وقت کو، نہ اپنے آپ کو۔ میں اگر امامہ ہاشم کو یاد رکھے ہوئے ہوں تو صرف اس لئے کیونکہ میں اسے بھلا نہیں سکتا۔ یہ میرے بس

میں نہیں ہے۔ مجھے اس کے بارے میں سوچنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن میں اس تکلیف کا عادی ہو چکا ہوں۔ وہ میری پوری زندگی کو dominate کرتی ہے۔ وہ میری زندگی میں نہ آتی تو میں آج یہاں پاکستان میں تمہارے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا۔ سالار سکندر کہیں اور ہوتا یا شاید ہوتا ہی نہ۔ مجھ پر اس کا قرض بہت ہے۔ جس آدمی کے مقروض ہوں اس کو چٹکی سے پکڑ کر اپنی زندگی سے کوئی باہر نہیں کر سکتا۔ میں بھی نہیں کر سکتا۔"

سالار نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"فرض کرو دوبارہ نہ ملے پھر۔۔۔۔۔۔؟" فرقان نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔ یکلخت گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر بعد سالار نے کہا۔

"میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ کسی اور موضوع پر بات کرتے ہیں۔" اس نے بڑی سہولت سے بات بدل تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند سالوں میں فرقان کی طرح اس نے بھی گاؤں میں بہت کام کیا تھا اور فرقان کی نسبت زیادہ تیز رفتاری سے کیونکہ فرقان سے برعکس وہ بہت زیادہ اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس نے

چند سالوں میں اس گاؤں کی حالت بدل کر رکھ دی تھی۔ صاف پانی، بجلی اور بڑی سڑک تک جاتی پختہ سڑک، اس کے پہلے دو سالوں کی کارکردگی تھی۔ تیسرے سال وہاں ڈاک خانہ، محکمہ وزارت کا دفتر اور فون کی سہولت آئی تھی اور چوتھے سال اس کے اپنے ہائی اسکول میں سہ پہر کی کلاسز میں ایک این جی او کی مدد سے لڑکیوں کے لئے دستکاری سکھانے کا آغاز کیا گیا۔ گاؤں کی ڈسپنسری میں ایمبولینس آگئی۔ وہاں کچھ اور مشینری نصب کی گئی۔ فرقان کی طرح یہ ڈسپنسری بھی اس نے اپنے وسائل سے اسکول کے ساتھ ہی شروع کی تھی اور اسے مزید بہتر بنانے میں فرقان نے اس کی مدد کی تھی۔

فرقان کے برعکس اس کی ڈسپنسری میں ڈاکٹر کی عدم دستیابی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی ڈسپنسری کا باقاعدہ آغاز ہونے سے بھی پہلے ایک ڈاکٹر اس کی کوششوں کی وجہ سے وہاں موجود تھا۔

اسکول پر ہونے والے تمام اخراجات تقریباً اسی کے تھے لیکن ڈسپنسری کو قائم کرنے اور اسے چلانے کے لیے ہونے والے اخراجات اس کے کچھ دوست برداشت کر رہے تھے۔ یونیسیف میں کام کے دوران بنائے ہوئے کانٹیکٹ اور دوستیاں اب اس کے کام آرہی تھیں اور وہ انہیں استعمال کر رہا تھا۔ وہ یونیسیف اور یونیسکو میں اپنے بہت سے دوستوں کو

پاکستان آنے پر وہاں لا چکا تھا۔ وہ اب وہاں ووکیشنل ٹریننگ کی پلاننگ کرنے میں مصروف تھا، مگر چوتھے سال میں صرف یہی کچھ نہیں ہوا تھا کچھ اور بھی ہوا تھا۔



سکندر عثمان اس دن سہ پہر کے قریب اسلام آباد آتے ہوئے گاڑی کا ٹائر پنکچر ہونے پر سڑک پر رُک گئے تھے۔ ڈرائیور ٹائر بدلنے لگا اور وہ سڑک کے اطراف نظریں دوڑانے لگے۔ تب ان کی نظر ایک سائن بورڈ پر پڑی۔ وہاں لکھے ہوئے گاؤں کے نام نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ سالار سکندر کے حوالے سے وہ نام ان کے لئے ناآشنا نہیں تھا۔

ڈرائیور جب ٹائر بدل کر واپس ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھا تو سکندر عثمان نے اس سے کہا۔

"اس گاؤں میں چلو۔" انہیں اچانک ہی تجسس پیدا ہوا تھا۔ اس اسکول کے بارے میں جو سالار سکندر پچھلے کئی سالوں سے وہاں چلا رہا تھا۔

پکی سڑک پر تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے دس منٹ میں وہ گاؤں کے اندر موجود تھے۔ آبادی شروع ہو چکی تھی۔ کچھ کچی پکی دکانیں نظر آنے لگی تھیں۔ شاید یہ گاؤں کا "کمرشل ایریا" تھا۔

"یہاں نیچے اتر کر کسی سے پوچھو کہ سالار سکندر کا اسکول کہاں ہے۔" سکندر عثمان نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔ اس وقت انہیں یاد آیا تھا کہ اس نے کبھی ان کے سامنے اسکول کا نام نہیں لیا تھا اور جہاں ان کی گاڑی موجود تھی وہاں آس پاس کسی اسکول کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ گاؤں کے لوگوں کے لیے چند سال پہلے سکند عثمان کی گاڑی بے حد اشتیاق یا تجسس کا باعث بنتی مگر پچھلے کچھ سالوں میں سالار اور فرقان کی وجہ سے وہاں وقتاً فوقتاً گاڑیوں کی آمد ہوتی رہتی تھی۔ یہ پہلے کی طرح ان کے لیے تعجب انگیز نہیں رہی تھی مگر وہ گاڑی وہاں سے ہمیشہ کی طرح گزر جانے کی بجائے جب وہیں کھڑی ہو گئی تو یک دم لوگوں میں تجسس پیدا ہوا۔

سکندر عثمان کی ہدایت پر ڈرائیور نیچے اتر کر پاس کی ایک دکان کی طرف گیا اور وہاں بیٹھے چند لوگوں سے اسکول کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"یہاں سالار سکندر صاحب کا کوئی اسکول ہے؟" علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔

"ہاں جی ہے۔۔۔۔۔ یہ اسی سڑک پر آگے دائیں طرف موڑ مڑنے پر بڑی سی عمارت ہے۔" ایک آدمی نے بتایا۔

"آپ ان کے کوئی دوست ہیں؟" اس آدمی نے جواب کے ساتھ ساتھ سوال بھی کیا۔

"نہیں میں ان کے والد کے ساتھ آیا ہوں۔"

"والد؟" اس آدمی کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ یک دم سکندر عثمان کی گاڑی کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر اس آدمی نے اٹھ کر ڈرائیور سے ہاتھ ملایا۔

"سالار صاحب کے والد آئے ہیں بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔" اس آدمی نے کہا اور پھر ڈرائیور کے ساتھ گاڑی کی طرف آنے لگا۔ وہاں بیٹھے ہوئے باقی لوگ بھی کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے آئے۔

سکندر عثمان نے دور سے انہیں ایک گروپ کی شکل میں اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ کچھ اُلجھن کا شکار ہو گئے۔ ڈرائیور کے پیچھے آنے والے آدمی نے بڑی عقیدت کے ساتھ کھڑکی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ سکندر عثمان نے کچھ تذبذب کے عالم میں اس سے ہاتھ ملایا جب کہ اس آدمی نے بڑے جوش و خروش سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اس سے مصافحہ کیا۔ اس کے ساتھ آنے والے دوسرے آدمی بھی اب یہی کر رہے تھے۔ سکندر کچھ اُلجھن کے انداز میں ان سے ہاتھ ملا رہے تھے۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے صاب۔"

پہلے ادھیڑ عمر آدمی نے عقیدت بھرے انداز میں کہا۔

"آپ کے لیے چائے لائیں یا پھر بوتل۔۔۔۔" وہ آدمی اسی جوش و خروش سے پوچھ رہا تھا۔ڈرائیور اب گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں۔بس راستہ ہی پوچھنا تھا۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھادی۔وہ آدمی اور اس کے ساتھ کھڑے دوسرے لوگ وہیں کھڑے گاڑی کو آگے جاتے دیکھتے رہے پھر اس آدمی نے قدرے مایوسی سے سر ہلایا۔

"سالار صاحب کی اور بات ہے۔"

"ہاں سالار صاحب کی اور ہی بات ہے۔وہ کبھی کچھ کھائے پیئے بغیر یہاں سے اس طرح جاتے تھے۔" ایک دوسرے آدمی نے تائید کی۔وہ لوگ اب واپس قدم بڑھانے لگے۔

سالار گاؤں میں موجود ان چند دکانوں کے پاس ہی اپنی گاڑی کھڑی کر دیا کرتا تھا اور پھر وہاں موجود لوگوں سے ملتے ان کی پیش کردہ چھوٹی موٹی چیزیں کھاتا پیتا وہاں سے پیدل دس منٹ میں اپنے اسکول چلا جاتا تھا۔وہ لوگ مایوس ہوئے تھے۔سکندر عثمان نے تو گاڑی سے اترنے تک کا تکلف نہیں کیا تھا، کھانا پینا تو دور کی بات تھی۔

گاڑی اب موڑ مڑ رہی تھی اور موڑ مڑتے ہی ڈرائیور سے مزید کچھ کہتے کہتے سکندر عثمان خاموش ہو گئے۔پچھلی سیٹ پر بیٹھے ونڈ اسکرین کے پار نظر آنے والی وسیع و عریض عمارت

ان چھوٹے چھوٹے کچے پکے مکانوں اور کھلے کھیتوں کے درمیان دور سے بھی حیرت میں ڈالنے کے لیے کافی تھی۔سکندر کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ وہاں اتنا بڑا اسکول چلا رہا تھا مگر ان کو دم بخود اس اسکول کی دور تک پھیلی ہوئی عمارت نے نہیں کیا تھا بلکہ اسکول کی طرف جاتی ہوئی سڑک پر لگے اس سائن بورڈ نے کیا جس پر تیر کے ایک نشان کے اوپر جلی حروف میں اردو تحریر تھا۔سکندر عثمان ہائی اسکول،ڈرائیور گاڑی اسکول کے سامنے روک چکا تھا۔

سکندر عثمان نے گاڑی سے اتر کر اس عمارت کے گیٹ کے پار عمارت کے ماتھے پر چمکتے ہوئے اپنے نام کو دیکھا،ان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر گئی۔سالار سکندر نے ایک بار پھر انہیں کچھ بولنے کے قابل نہیں رکھا تھا۔گیٹ بند تھا مگر اس کے دوسری طرف چوکیدار موجود تھا جو گاڑی کو وہاں رُکتے دیکھ کر گیٹ کھول رہا تھا۔ڈرائیور جب تک گاڑی سے اترا چوکیدار باہر آگیا۔

"صاحب شہر سے آئے ہیں ذرا اسکول دیکھنا چاہتے ہیں۔" ڈرائیور نے چوکیدار سے کہا۔سکندر عثمان ہنوز اس اسکول پر لگے اپنے نام کو دیکھ رہے تھے۔

"سالار صاحب کے حوالے سے آئے ہیں؟" چوکیدار نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔"ڈرائیور نے بلاتوقف کہا۔"ویسے آئے ہیں۔"سکندر عثمان نے پہلی بار اپنی نظریں ہٹا کر ڈرائیور اور پھر چوکیدار کو دیکھا۔

"میں سالار سکندر کا باپ ہوں۔"سکندر عثمان نے مستحکم مگر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ڈرائیور نے حیرانی سے ان کو دیکھا۔چوکیدار ایک دم بوکھلا گیا۔

"آپ۔۔۔۔آپ سکندر عثمان صاحب ہیں؟"سکندر کچھ کہے بغیر میکانکی انداز میں گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔



وہ شام کو جاگنگ ٹریک پر تھاجب موبائل پر سکندر عثمان کی کال آئی۔اپنی بے ترتیب سانس پر قابو پاتے ہوئے وہ جاگنگ کرتے کرتے رُک گیااور ٹریک کے پاس ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔

"ہیلو پاپا!السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔۔۔۔ٹریک پر ہو؟"انہوں نے اس کے پھولے ہوئے سانس سے اندازہ لگایا۔

"جی۔۔۔۔آپ کیسے ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔"

"ممی کیسی ہیں؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔"سالاران کی طرف سے کچھ مزید کہنے یا پوچھنے کا انتظار کرتا رہا۔دوسری طرف اب خاموشی تھی پھر چند لمحوں کے بعد وہ بولے۔

"میں آج تمہارااسکول دیکھ کر آیا ہوں۔"

"رئیلی۔۔۔۔!" سالار نے بے ساختہ کہا۔

"کیسا لگا آپ کو؟"

"تم نے یہ سب کیسے کیا ہے سالار؟"

"کیا۔۔۔۔؟"

"وہ سب کچھ جو وہاں پر ہے۔"

"پتا نہیں۔بس ہوتا گیا۔مجھے پتا ہوتا تو میں آپ کو خود ساتھ لے جاتا۔کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی؟"سالار کو تشویش ہوئی۔

"وہاں سالار سکندر کے باپ کو کوئی پرابلم ہو سکتی ہے؟" انہوں نے جواباً کہا۔ سالار جانتا تھا وہ سوال نہیں تھا۔

"تم کس طرح کے آدمی ہو سالار؟"

"پتا نہیں۔۔۔۔ آپ کو پتا ہونا چاہیئے، میں آپ کا بیٹا ہوں۔"

"نہیں مجھے۔۔۔۔ مجھے تو کبھی بھی پتا نہیں چل سکا۔" سکندر کا لہجہ عجیب تھا۔ سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"مجھے بھی کبھی پتا نہیں چل سکا۔ میں تو اب بھی اپنے آپ کو جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ سالار ایک انتہائی احمق، کمینے اور خبیث انسان ہو۔" سالار ہنسا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں واقعی ایسا ہوں۔۔۔۔ اور کچھ۔۔۔۔؟"

"اور۔۔۔۔ یہ کہ میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ تم میری اولاد ہو۔" سکندر عثمان کی آواز لرز رہی تھی۔ اس بار چپ ہونے کی باری سالار کی تھی۔

"مجھے اس اسکول کے ہر ماہ کے اخراجات کے بارے میں بتا دینا۔ میری فرم ہر ماہ اس رقم کا چیک تمہیں بھجوا دیا کرے گی۔"

اس سے پہلے کہ سالار کچھ کہتا فون بند ہو چکا تھا۔ سالار نے پارک میں پھیلی تاریکی میں ہاتھ میں پکڑے موبائل کی روشن اسکرین کو دیکھا۔ پھر جاگنگ ٹریک پر لگی روشنیوں میں وہاں دوڑتے لوگوں کو کچھ دور وہ وہیں بیٹھا خالی الذہنی کے عالم میں ان لوگوں کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے ٹریک پر آ گیا۔



رمشہ سے سالار کی پہلی ملاقات لاہور آنے کے ایک سال بعد ہوئی تھی۔ وہ لندن اسکول آف اکنامکس کی گریجویٹ تھی اور سالار کے بینک میں اس کی تعیناتی ہوئی تھی۔ اس کے والد بہت عرصے سے اس بینک کے کسٹمرز میں سے تھے اور سالار انہیں ذاتی طور پر جانتا تھا۔

رمشہ بہت خوبصورت، ذہین اور خوش مزاج لڑکی تھی اور اس نے وہاں آنے کے کچھ عرصے کے بعد ہی ہر ایک سے خاصی بے تکلفی پیدا کر لی تھی۔ ایک کولیگ کے طور پر سالار کے ساتھ بھی اچھی سلام دعا تھی اور کچھ اس کے والد کے حوالے سے بھی وہ اس کی خاصی عزت کرتا تھا۔ بینک میں کام کرنے والی چند دوسری لڑکیوں کی نسبت رمشہ سے اس کی کچھ زیادہ بے تکلفی تھی۔

لیکن سالار کو قطعی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ کس وقت رمشہ نے اسے کچھ زیادہ سنجیدگی سے لینا شروع کر دیا۔ وہ سالار کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھنے لگی تھی۔ وہ اس کے آفس میں بھی زیادہ آنے جانے لگی تھی اور آفس کے بعد بھی اکثر اوقات اسے کال کرتی رہتی۔ سالار کو چند بار اس کا رویہ کچھ خلافِ معمول لگا لیکن اس نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے شبہات کو جھٹک دیا مگر اس کا یہ اطمینان پورے ایک سال کے بعد ایک واقعے کے ساتھ رخصت ہو گیا۔



سالار صبح آفس میں داخل ہوا اور داخل ہوتے ہی چونک گیا۔ اس کی ٹیبل پر ایک بہت بڑا اور خوبصورت بکے پڑا ہوا تھا۔ اپنا بریف کیس ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے وہ بکے اٹھا کر اس پر موجود کارڈ کھولا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو سالار سکندر۔"

رمشہ ہمدانی۔

سالار نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا آج اس کی سالگرہ تھی مگر رمشہ یہ کیسے جانتی تھی وہ کچھ دیر کسی سوچ میں گُم ٹیبل کے پاس کھڑا رہا پھر اس نے بکے ٹیبل پر ایک طرف رکھ دیا۔ اپنا کوٹ اتار کر اس نے ریوالونگ چیئر کی پشت پر لٹکایا اور چیئر پر بیٹھ گیا۔ بکے کے نیچے ٹیبل پر بھی ایک کارڈ پڑا ہوا تھا۔ اس نے بیٹھنے کے بعد اس کارڈ کو کھولا۔ چند لمحے تک وہ اس میں لکھی ہوئی تحریر پڑھتا رہا پھر کارڈ بند کر کے اس نے اپنی دراز میں رکھ دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا اس کارڈ اور بکے پر کس ردِ عمل کا اظہار کرے، چند لمحے وہ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کندھے جھٹک کر اپنا بریف کیس کھولنا شروع کر دیا۔ وہ اس میں سے اپنا لیپ ٹاپ نکال کر بریف کیس کو نیچے کارپٹ پر اپنی ٹیبل کے ساتھ رکھ رہا تھا جب رمشہ اندر داخل ہوئی۔

"ہیپی برتھ ڈے سالار۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

سالار مسکرایا۔

"تھینکس۔۔۔۔" رمشہ اب ٹیبل کے سامنے پڑی کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی، جب کہ سالار لیپ ٹاپ کو کھولنے میں مصروف تھا۔

"بکے اور کارڈ کے لیے بھی شکریہ۔ یہ ایک خوشگوار سرپرائز تھا۔"

سالار نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا وہ اب اپنا فون لیپ ٹاپ کے ساتھ اٹیچ کرنے میں مصروف تھا۔

"مگر تمہیں میری برتھ ڈے کے بارے میں پتا کیسے چلا؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

"جناب یہ تو میں نہیں بتاؤں گی۔ بس پتا چلانا تھا۔ چلا لیا۔" رمشہ نے شگفتگی سے کہا۔ "اور ویسے بھی دوست آپس میں یہ سوال نہیں کرتے۔ اگر دوستوں کو ایسی چیزوں کا بھی پتہ نہیں ہوگا تو پھر وہ دوست تو نہیں ہوئے۔"

سالار لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے مسکراتے ہوئے اس کی بات سنتا رہا۔

"اب میں سارے اسٹاف کی طرف سے پارٹی کی ڈیمانڈ کے لیے آئی ہوں۔ آج کا ڈنر تمہیں ارینج کرنا چاہیئے۔" سالار نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

"رمشہ! میں اپنی برتھ ڈے سیلیبریٹ نہیں کرتا۔"

"کیوں۔۔۔۔۔؟"

"ویسے ہی۔۔۔۔۔"

"کوئی وجہ تو ہوگی۔۔۔۔۔؟"

"کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ بس میں ویسے ہی سیلیبریٹ نہیں کرتا۔"

"پہلے نہیں کرتے ہوگے مگر اس بار تو کرنی پڑے گی۔ اس بار تو سارے اسٹاف کی ڈیمانڈ ہے۔" رمشہ نے بے تکلفی سے کہا۔

"میں کسی بھی دن آپ سب لوگوں کو کھانا کھلا سکتا ہوں۔ میرے گھر پر، ہوٹل میں، جہاں آپ چاہیں مگر میں برتھ ڈے کے سلسلے میں نہیں کھلا سکتا۔" سالار نے صاف گوئی سے کہا۔

"یعنی تم چاہتے ہو ہم تمہارے لیے پارٹی ارینج کر دیں۔" رمشہ نے کہا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔" وہ کچھ حیران ہوا۔

"اگر تم پورے اسٹاف کو پارٹی نہیں بھی دے سکتے تو کم از کم مجھے ڈنر پر تو لے جا سکتے ہو۔"

"رمشہ! میں آج رات کچھ مصروف ہوں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ۔" سالار نے ایک بار پھر معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں میں بھی آجاؤں گی۔" رمشہ نے کہا۔

"نہیں یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں۔۔۔۔؟"

"وہ سب مرد ہیں اور تم ان سے واقف بھی نہیں ہو۔" اس نے بہانا بنایا۔

"میں سمجھتی ہوں۔" رمشہ نے کہا۔

"پھر کل چلتے ہیں؟"

"کل نہیں۔۔۔۔۔ پھر کبھی چلیں گے۔ میں تمہیں بتادوں گا۔"

رمشہ کچھ مایوس ہوئی مگر اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ اسے فی الحال باہر کہیں لے جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

"اوکے۔۔۔۔۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"مجھے اُمید ہے، تم نے مائنڈ نہیں کیا ہوگا۔" سالار نے اُسے اٹھتے دیکھ کر کہا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ "It's alright" وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ سالار اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس کا خیال تھا سالگرہ کا وہ معاملہ وہیں ختم ہوگیا۔ یہ اس کی غلط فہمی تھی۔

لنچ آور کے دوران اس کے لیے ایک سرپرائز پارٹی تیار تھی۔ اس کے باس مسٹر پال ملر نے بڑی گرم جوشی سے سالگرہ پر مبارک باد دی تھی۔ وہ پارٹی رمشہ نے ارینج کی تھی اور کیک اور

دوسرے لوازمات کو دیکھتے ہوئے وہ پہلی بار صحیح معنوں میں تشویش میں مبتلا ہوا تھا اگر پہلے رمشہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی پسندیدگی ظاہر کررہی تھی تو اس دن اس نے بہت واضح انداز میں یہ بات ظاہر کردی تھی۔ وہ لنچ آور کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ اپنے آفس میں بیٹھا پہلی بار رمشہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ اندازہ کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ اس سے کون سی ایسی غلطی ہوئی تھی، جس سے رمشہ کو اس میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ پچھلے کچھ عرصے میں ملنے والی چند اچھی لڑکیوں میں سے ایک تھی مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس میں انوالو ہونے لگے۔ وہ پچھلے کچھ عرصے سے رمشہ کے اپنے لیے خاص رویئے کو اس کی خوش اخلاقی سمجھ کر ٹالتا رہا تھا، مگر اس دن آفس سے نکلتے ہوئے اس کی طرف سے دیئے جانے والے چند پیکٹس کو گھر جاکر کھولنے پر اس کے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے۔ وہ ابھی ان تحائف کو دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو رہا تھا، جب فرقان آگیا۔ ڈرائنگ روم میں پڑے وہ پیکٹس فوراً اس کی نظر میں آگئے۔

"واؤ، آج تو خاصے تحائف اکٹھے ہو رہے ہیں۔ دیکھ لوں؟" فرقان نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

سالار نے صرف سر ہلایا، گھڑی، پرفیومز، ٹائیاں، شرٹس، وہ یکے بعد دیگرے ان چیزوں کو نکال نکال کر دیکھتا رہا۔

"یہ تمہاری بری کا سامان اکٹھا نہیں ہو گیا؟" فرقان نے مسکراتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "خاصا دل کھول کر گفٹس دیئے ہیں تمہارے کولیگز نے۔"

"صرف ایک کولیگ نے۔" سالار نے مداخلت کی۔

"یہ سب کچھ ایک نے دیا ہے؟" فرقان کچھ حیران ہوا۔

"ہاں۔"

"کس نے؟"

"رمشہ نے۔" فرقان نے اپنے ہونٹ سکوڑے۔

"تم جانتے ہو یہ سب گفٹس ایک ڈیڑھ لاکھ کی رینج میں ہوں گے۔" وہ اب دوبارہ ان چیزوں پر نظر ڈال رہا تھا۔

"صرف یہ گھڑی ہی پچاس ہزار کی ہے۔ کوئی صرف کولیگ سمجھ کر تو اتنی مہنگی چیزیں نہیں دے گا۔ تم لوگوں کے درمیان کوئی۔۔۔۔۔" فرقان بات کرتے کرتے رُک گیا۔

"ہم دونوں کے درمیان کچھ نہیں ہے۔ کم از کم میری طرف سے، مگر آج میں پہلی بار پریشان ہو گیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ رمشہ۔۔۔۔۔۔ مجھ میں کچھ ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔" سالار نے ان چیزوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی بات ہے۔ چلو تم میں بھی کسی لڑکی نے دلچسپی لی۔" فرقان نے ان پیکٹس کو واپس سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ویسے بھی تم بہت کنوارے رہ لیے۔ لگے ہاتھوں اس سال یہ کام کر لو۔"

"جب مجھے شادی ہی نہیں کرنی تو میں اس سلسلے کو آگے کیوں بڑھاؤں۔"

"سالار دن بہ دن تم بہت impractical کیوں ہوتے جا رہے ہو؟ تمہیں اب سیٹل ہونے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے۔ ہر لڑکی سے کب تک اس طرح بھاگتے پھرو گے۔ تمہیں اپنی ایک فیملی شروع کر لینی چاہیئے۔ رمشہ اچھی لڑکی ہے۔ میں اس کی فیملی کو جانتا ہوں۔ کچھ ماڈرن ضرور ہے مگر اچھی لڑکی ہے اور چلو اگر رمشہ نہیں تو پھر تم کسی اور کے ساتھ شادی کر لو۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تم اپنے پیرنٹس کی مدد لے سکتے ہو مگر اب تمہیں اس معاملے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے۔ تمہیں ان

تمام باتوں کے بارے میں غور کرنا چاہیئے اور کم از کم دوسرے کی بات پر کچھ کہہ ضرور دینا چاہیئے۔"

فرقان نے آخری جملے پر زور دیتے ہوئے کہا اس کا اشارہ اس کی خاموشی کی طرف تھا۔

"اس سے دوسرے کو یہ تسلی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی مجمعے کے سامنے تقریر نہیں کرتا رہا۔" فرقان نے کہا۔

"تم کبھی اپنی شادی کے بارے میں سوچتے نہیں ہو؟"

"کون اپنی شادی کے بارے میں نہیں سوچتا؟" سالار نے مدھم آواز میں کہا۔ "میں بھی سوچتا ہوں مگر میں اس طرح نہیں سوچتا جس طرح تم سوچتے ہو۔ چائے پیو گے؟"

"آخری جملے کے بجائے تمہیں کہنا چاہیئے تھا کہ بکواس بند کرو۔"

فرقان نے ناراضی سے کہا۔ سالار نے مسکرا کر کندھے اچکا دیئے وہ اب چیزیں سمیٹ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رمشہ نے حیرانی سے اپنے سامنے پڑے ان پیکٹس کو دیکھا۔ "لیکن سالار! یہ سب چیزیں تمہارا برتھ ڈے گفٹ ہیں۔"

سالار اگلی صبح ایک ٹائی چھوڑ کر تمام چیزیں واپس اٹھا لایا تھا اور اب وہ رمشہ کے آفس میں تھا۔

"میں کسی سے اتنا مہنگا تحفہ نہیں لیا کرتا۔ ایک ٹائی کافی ہے۔"

"سالار، میں اپنے فرینڈز کو اتنے ہی مہنگے گفٹس دیتی ہوں۔" رمشہ نے وضاحت کی کوشش کی۔

"یقیناً تم دیتی ہو گی مگر میں نہیں لیتا۔۔۔۔ اگر تم نے زیادہ اصرار کیا تو میں وہ ٹائی بھی لا کر واپس تمہیں دے دوں گا۔۔۔۔۔" سالار نے کہا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے نکل آیا۔ رمشہ پھیکے چہرے کے ساتھ اسے کمرے سے نکلتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سالار ہمیشہ کی طرح اس دن ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ابھی اپنا لیکچر شروع نہیں کیا تھا جب ان کے پاس بیٹھے ایک ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! آدمی کو پیر کامل مل جائے تو اس کی تقدیر بدل جاتی ہے۔"

سالار نے گردن موڑ کر اس شخص کو دیکھا، وہ وہاں پچھلے چند دن سے آ رہا تھا۔

"اس کی نسلیں سنور جاتی ہیں۔ میں جب سے آپ کے پاس آنے لگا ہوں، مجھے لگتا ہے میں ہدایت پا گیا ہوں۔ میرے الٹے کام سیدھے ہونے لگے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے مجھے پیر کامل مل گیا ہے۔ میں۔۔۔۔۔ میں آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بڑی عقیدت مندی سے ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہنے لگا۔ کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے نرمی سے اس شخص کے ہاتھ پر تھپکی دیتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"تقی صاحب! میں نے زندگی میں آج تک کسی سے بیعت نہیں لی۔ آپ کے منہ سے پیرِ کامل کا ذکر سنا۔۔۔۔۔ پیرِ کامل کون ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ پیرِ کامل کس کو کہتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ کیا کرتا ہے۔۔۔۔۔۔؟ اس کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟"

وہ بڑی سنجیدگی سے اس شخص سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ پیرِ کامل ہیں۔" اس شخص نے کہا۔

"نہیں، میں پیرِ کامل نہیں ہوں۔" ڈاکٹر سبط علی نے کہا۔

"آپ سے مجھے ہدایت ملتی ہے۔" اس شخص نے اصرار کیا۔

"ہدایت تو استاد بھی دیتا ہے، ماں باپ بھی دیتے ہیں، لیڈرز بھی دیتے ہیں، دوست احباب بھی دیتے ہیں، کیا وہ پیرِ کامل ہو جاتے ہیں؟"

"آپ۔۔۔۔۔ آپ گناہ نہیں کرتے۔" وہ آدمی گڑبڑا گیا۔

"ہاں، دانستہ طور پر نہیں کرتا، اس لیے نہیں کرتا، کیونکہ گناہ سے مجھے خوف آتا ہے۔ یہاں پر بیٹھے بہت سے لوگ دانستہ طور پر گناہ نہیں کرتے ہوں گے، کیونکہ میری طرح انہیں بھی گناہ سے خوف آتا ہو گا مگر نادانستگی میں مجھ سے کیا سرزد ہو جاتا ہے، اسے میں نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے نادانستگی میں مجھ سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہوں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔" وہ آدمی اپنے مؤقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"دعا تو ماں باپ کی بھی قبول ہوتی ہے، مجبور اور مظلوم کی بھی قبول ہوتی ہے اور بھی بہت سے لوگوں کی قبول ہوتی ہے۔"

"لیکن آپ کی تو ہر دعا قبول ہو جاتی ہے۔" اس نے اصرار کیا۔

ڈاکٹر سبط علی صاحب نے انکار میں سر ہلایا۔

"نہیں، ہر دعا تو قبول نہیں ہوتی۔ میں کئی سالوں سے ہر روز مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی دعا کرتا ہوں، ابھی تک تو قبول نہیں ہوئی۔ ہر روز میری کی جانے والی کئی دعائیں قبول نہیں بھی ہوتیں۔"

"لیکن آپ کے پاس جو شخص دعا کروانے کے لیے آتا ہے، اس کے لیے آپ کی دعا ضرور قبول ہو جاتی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"آپ کے لیے کی جانے والی دعا قبول ہو گئی ہو گی، یہاں بہت سے ایسے ہیں جن کے لیے میری دعا قبول نہیں ہوتی یا نہیں ہوئیں۔"

وہ اب کچھ بول نہیں سکا۔

"آپ میں سے اگر کوئی بتا سکے کہ پیرِ کامل کون ہوتا ہے؟"

وہاں موجود لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے پھر ایک نے کہا۔

"پیرِ کامل نیک شخص ہوتا ہے، عبادت گزار شخص، پارسا آدمی۔"

ڈاکٹر سبط علی نے سر ہلایا۔

"بہت سے لوگ نیک ہوتے ہیں، عبادت گزار ہوتے ہیں، پارسا ہوتے ہیں۔ آپ کے ارد گرد ایسے بہت سارے لوگ ہوتے ہیں تو کیا وہ سب پیر کامل ہوتے ہیں؟"

"نہیں، پیر کامل وہ آدمی ہوتا ہے جو دکھاوے کے لیے عبادت نہیں کرتا۔ دل سے عبادت کرتا ہے، صرف اللہ کے لیے۔ اس کی نیکی اور پارسائی ڈھونگ نہیں ہوتی۔" ایک اور شخص نے اپنی رائے دی۔

"اپنے حلقہء احباب میں آپ میں سے ہر ایک کسی نہ کسی ایسے شخص کو ضرور جانتا ہو گا، جس کی عبادت کے بارے میں اسے یہ شبہ نہیں ہوتا کہ وہ ڈھونگ ہے، جس کی نیکی اور پارسائی کا بھی آپ کو یقین ہوتا ہے تو کیا وہ شخص پیر کامل ہے؟"

کچھ دیر خاموشی پھر ایک اور شخص نے کہا۔

"پیر کامل ایک ایسا شخص ہوتا ہے، جس کے الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے کہ وہ انسان کا دل بدل دیتے ہیں۔"

"تاثیر بھی بہت سے لوگوں کے الفاظ میں ہوتی ہے۔ کچھ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ میں، کچھ کے قلم سے نکلنے والے الفاظ میں، تاثیر تو اسٹیج پر کھڑے ایک کمپئیر اور اخبار کا کالم لکھنے والے ایک جرنلسٹ کے الفاظ میں بھی ہوتی ہے تو کیا وہ پیر کامل ہوتے ہیں؟"

ایک اور شخص بولا۔ "پیر کامل وہ ہوتا ہے جسے الہام اور وجدان ہو، جو مستقبل کو بوجھ سکے۔"

"ہم میں سے بہت سارے لوگ ایسے خواب دیکھتے ہیں جن میں مستقبل میں درپیش آنے والے حالات سے ہمیں آگاہی ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ استخارہ بھی کرتے ہیں اور چیزوں کے بارے میں کسی حد تک جان جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی چھٹی حِس بہت تیز ہوتی ہے، وہ خطروں کو بھانپ جاتے ہیں۔"

"پیر کامل کون ہوتا ہے؟" ڈاکٹر صاحب کچھ دیر خاموش رہے، انہوں نے پھر اپنا سوال دُہرایا۔

"پیر کامل کون ہو سکتا ہے؟" سالار اُلجھن آمیز انداز میں ڈاکٹر سبط علی کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"کیا ڈاکٹر سبط علی کے علاوہ کوئی اور پیرِ کامل ہو سکتا تھا اور اگر وہ نہیں تھے تو پھر کون تھا اور کون ہو سکتا ہے؟"

وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے دل و دماغ میں ایک ہی گونج تھی۔ ڈاکٹر سبط علی ایک ایک کا چہرہ دیکھ رہے تھے، پھر ان کے چہرے کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ معدوم ہو گئی۔

"پیر کامل میں کاملیت ہوتی ہے۔ کاملیت ان تمام چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے جو آپ کہہ رہے تھے۔ پیرِ کامل وہ شخص ہوتا ہے جو دل سے اللہ کی عبادت کرتا ہے، نیک اور پارسا ہوتا ہے۔ اس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس حد تک جس حد تک اللہ چاہے۔ اس کے الفاظ میں تاثیر بھی ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو ہدایت بھی دیتا ہے مگر اسے الہام نہیں ہوتا، اسے وجدان ہوتا ہے۔ وحی اُترتی ہے اس پر اور وحی کسی عام انسان پر نہیں اترتی۔ صرف پیغمبر پر اترتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کامل تھا مگر پیرِ کامل وہ ہے جس پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا جاتا ہے۔

ہر انسان کو زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی پیرِ کامل کی ضرورت ضرور پڑتی ہے۔ کبھی نہ کبھی انسانی زندگی اس موڑ پر آکر ضرور کھڑی ہو جاتی ہے جب یہ لگتا ہے کہ ہمارے لبوں اور دلوں سے نکلنے والی دعائیں بے اثر ہو گئی ہیں۔ ہمارے سجدے اور ہمارے پھیلے ہوئے ہاتھ رحمتوں اور نعمتوں کو اپنی طرف موڑ نہیں پا رہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی تعلق تھا جو ٹوٹ گیا ہے پھر آدمی کا دل چاہتا ہے اب اس کے لیے کوئی اور ہاتھ اٹھائے، کسی اور کے لب اس کی دعا اللہ تک پہنچائیں، کوئی اور اللہ کے سامنے اس کے لیے گڑگڑائے، کوئی ایسا شخص جس کی دعائیں قبول ہوتی ہوں، جس کے لبوں سے نکلنے والی التجائیں اس کے اپنے لفظوں کی طرح واپس نہ

موڑ دی جاتی ہوں پھر انسان پیرِ کامل کی تلاش شروع کرتا ہے، بھاگتا پھرتا ہے، دنیا میں کسی ایسے شخص کے لیے جو کاملیت کی کسی نہ کسی سیڑھی پر کھڑا ہو۔

پیرِ کامل کی یہ تلاش انسانی زندگی کے ارتقاء سے اب تک جاری ہے۔ یہ تلاش وہ خواہش ہے جو اللہ خود انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے۔ انسان کے دل میں یہ خواہش، یہ تلاش نہ اتاری جاتی تو وہ پیغمبروں پر کبھی یقین نہ لاتا۔ کبھی ان کی پیروی اور اطاعت کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ پیرِ کامل کی یہ تلاش ہی انسان کو ہر زمانے میں اُتارے جانے والے پیغمبروں کی طرف لے جاتی رہی پھر پیغمبروں کی معبوثیت کا یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور پیرِ کامل کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

کون ہے جسے اب یا آئندہ آنے والے زمانے میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مقام دیا جائے؟

کون ہے جسے آج یا آئندہ آنے والے زمانے میں کسی شخص کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کاملیت دے دی جائے؟

کون ہے جو آج یا آئندہ آنے والے زمانے میں کسی شخص کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑھ کر شفاعت کا دعویٰ کر سکے؟

جامد اور مستقل خاموشی کی صورت میں آنے والا نفی میں یہ جواب ہم سے صرف ایک سوال کرتا ہے۔

پیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر ہم دنیا میں اور کس وجود کو کھوجنے نکل کھڑے ہوئے ہیں؟ پیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیعت شدہ ہوتے ہوئے ہمیں دوسرے کس شخص کی بیعت کی ضرورت رہ گئی ہے؟

پیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر چلنے کی بجائے ہمیں دوسرا کون سا راستہ اپنی طرف کھینچ رہا ہے؟

کیا مسلمانوں کے لئے ایک اللہ، ایک قرآن، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی سنت کافی نہیں؟

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی کتاب کے علاوہ اور کون سا شخص، کون سا کلام ہے جو ہمیں دنیا اور آخرت کی تکلیفوں سے بچا سکے گا؟

جو ہماری دعاؤں کو قبولیت بخشے، جو ہم پر نعمتیں اور رحمتیں نازل کر سکے؟

کوئی پیرِ کامل کا فرقہ بتا سکتا ہے؟ نہیں بتا سکتا۔"

ڈاکٹر سبط علی کہہ رہے تھے۔

"وہ صرف مسلمان تھے، وہ مسلمان جو یہ یقین رکھتے تھے کہ اگر وہ صراطِ مستقیم پر چلیں گے تو وہ جنت میں جائیں گے، اس راستے سے ہٹیں گے تو اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں گے۔

اور صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے قرآن پاک میں بتاتا ہے۔ صاف، دوٹوک اور واضح الفاظ میں۔ وہ کام کریں جس کا حکم اللہ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے دیتا ہے اور اُس کام سے رک جائیں جس سے منع کیا جاتا ہے۔

اللہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کسی بات میں کوئی ابہام نہیں رکھتے۔ قرآن کو کھولئے، اگر اس میں کہیں دوٹوک اور غیر مبہم الفاظ میں کسی دوسرے پیر کامل یا پیغمبر کا ذکر ملے تو اس کی تلاش کرتے رہئیے اور اگر ایسا کچھ نظر نہیں آتا تو پھر صرف خوف کھائیے کہ آپ اپنے پیروں کو کس دلدل میں لئے جا رہے ہیں۔ اپنی پچاس ساٹھ سالہ زندگی کو کس طرح اپنی ابدی زندگی کی تباہی کے لئے استعمال کر رہے ہیں کس طرح خسارے کا سودا کر رہے ہیں۔ ہدایت کی تلاش ہے، قرآن کھولئے۔ کیا ہے جو وہ آپ کو نہیں بتا دیتا۔ وہ آپ کو

معصوم، انجان اور بے خبر نہیں رہنے دیتا۔ آپ کا اصل آپ کے منہ پر دے مارتا ہے۔ کیا اللہ انسان کو نہیں جانتا ہوگا؟ اس مخلوق کو، جو اس کی اربوں کھربوں تخلیقات میں سے ایک ہے۔

دعا قبول نہیں ہوتی تو آسرے اور وسیلے تلاش کرنے کی بجائے صرف ہاتھ اٹھا لیجئیے، اللہ سے خود مانگیں۔ دے دے تو شکر کریں، نہ دے تو صبر۔۔۔۔۔ مگر ہاتھ آپ خود ہی اٹھائیں۔

زندگی کا قرینہ اور سلیقہ نہیں آ رہا تو اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلے جائیں، سب کچھ مل جائے گا آپ کو۔

احترام ہر ایک کا کریں۔ ہر ولی کا، ہر مومن کا، ہر بزرگ کا، ہر شہید کا، ہر صالح کا، ہر پارسا کا۔۔۔۔۔

مگر اپنی زندگیوں میں ہدایت اور رہنمائی صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیں کیونکہ انہوں نے آپ تک اپنے ذاتی احکامات نہیں پہنچائے جو کچھ بتایا وہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔

ڈاکٹر سبط علی کون ہے، کیا ہے، کون جانتا ہے اسے؟ آپ۔۔۔۔۔؟ آپ کے علاوہ چند سو لوگ۔۔۔۔۔ چند ہزار لوگ مگر جس پیرِ کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کر رہا ہوں انہیں تو ایک ارب کے قریب لوگ اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں۔ میں تو وہی کچھ کہتا، دہراتا پھر

رہا ہوں، جو چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں۔ کیا نئی بات کہی میں نے؟"

ڈاکٹر سبط علی خاموش ہو گئے۔ کمرے میں موجود ہر شخص پہلے ہی خاموش تھا۔ انہوں نے وہاں بیٹھے ہر شخص کو جیسے آئینہ دکھا دیا تھا اور آئینے میں نظر آنے والا عکس کسی کو ہولا رہا تھا، کسی کو لرزا رہا تھا۔

وہاں سے باہر آ کر سالار بہت دیر تک اپنی گاڑی کی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں پر بندھی آخری پٹی بھی آج کھول دی گئی تھی۔

کئی سال پہلے جب امامہ ہاشم سوچے سمجھے بغیر گھر سے نکل پڑی تھی تو وہ اس لگن کو سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس کے نزدیک وہ حماقت تھی۔ بعد میں اس نے اپنے خیالات میں ترمیم کر لی تھی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ کوئی بھی واقعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اس حد تک گرفتار ہو سکتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ دے۔

اس نے اسلام کے بارے میں جاننا شروع کیا تو اسے پتا چلا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی طرح کی قربانیاں دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ان گنت لوگ تھے اور ہر زمانے میں تھے اور سالار سکندر نے

اقرار کر لیا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اتنی طاقت تھی کہ وہ کسی کو بھی چھوڑنے پر مجبور کر دیتی۔ اس نے کبھی اس محبت کا تجزیہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ آج وہاں بیٹھا پہلی بار یہ کام کر رہا تھا۔

یہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نہیں تھی، جس نے امامہ ہاشم کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ صراطِ مستقیم کو دیکھ کر اس طرف چلی گئی تھی۔ اس صراطِ مستقیم کی طرف جسے وہ کسی زمانے میں اندھوں کی طرح ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی صراطِ مستقیم کی طرف جاتے تھے۔

امامہ ہاشم نے کئی سال پہلے پیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پا لیا تھا۔ وہ بے خوفی اسی ہدایت اور رہنمائی کی عطا کردہ تھی جو اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے ملی تھی۔ وہ آج تک پیرِ کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود شناخت نہیں کر پایا تھا اور امامہ ہاشم نے ہر کام خود کیا تھا۔ شناخت سے اطاعت تک۔۔۔۔۔ اس کو سالار سکندر کی طرح دوسروں کے کندھوں کی ضرورت نہیں پڑی۔

سالار سکندر نے پچھلے آٹھ سالوں میں امامہ ہاشم کے لئے ہر جذبہ محسوس کیا تھا۔ حقارت، تضحیک، پچھتاوا، نفرت، محبت، سب کچھ۔۔۔۔۔ مگر آج وہاں بیٹھے پہلی بار اسے امامہ ہاشم

سے حسد ہو رہا تھا۔ تھی کیا وہ۔۔۔۔؟ ایک عورت۔۔۔۔۔ذرا سی عورت۔۔۔۔۔آسمان کی حور نہیں تھی۔۔۔۔۔سالار سکندر جیسے آدمی کے سامنے کیا اوقات تھی اس کی۔

کیا میرے جیسا آئی کیو تھا اس کا؟

کیا میرے جیسی کامیابیاں تھیں اس کی؟

کیا میرے جیسا کام کر سکتی تھی وہ؟

کیا میرے جیسا نام کما سکتی تھی وہ؟

کچھ بھی نہیں تھی وہ اور اس کو سب کچھ پلیٹ میں رکھ کر دیا اور میں۔۔۔۔۔میں جس کا آئی کیو لیول 150+ ہے مجھے سامنے کی چیزیں دیکھنے کے قابل نہیں رکھا؟

وہ اب آنکھوں میں نمی لیے اندھیرے میں ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

"مجھے بس اس قابل کر دیا کہ میں باہر نکلوں اور دنیا فتح کرلوں۔ وہ دنیا جس کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے اور وہ۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔"

وہ رُک گیا۔ اسے امامہ پر غصہ آرہا تھا۔ آٹھ سال پہلے کا وقت ہوتا تو وہ اسے "بچ" کہتا، تب امامہ پر غصہ آنے پر یہی کہا کرتا تھا مگر آٹھ سال کے بعد آج وہ زبان پر اس کے لئے گالی نہیں

لا سکتا تھا۔ وہ امامہ ہاشم کے لئے کوئی بُرا لفظ نکالنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ صراطِ مستقیم پر خود سے بہت آگے کھڑی اس عورت کے لیے کون زبان سے بُرا لفظ نکال سکتا تھا؟

اپنے گلاسز اُتار کر اس نے اپنی آنکھیں مسلیں۔ اس کے انداز میں شکست خوردگی تھی۔

"پیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔۔۔۔۔صراطِ مستقیم۔" آٹھ سال لگے تھے، مگر تلاش ختم ہو گئی تھی۔ جواب مل چکا تھا۔



وہ دونوں ایک ریستوران میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رمشہ آج خاص طور پر تیار ہو کر آئی تھی۔ وہ خوش تھی اور کوئی بھی اس کے چہرے سے اس کی خوشی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ سالار بھی۔

ویٹر سے مینیو کارڈ لے کر سالار نے بند کر کے ٹیبل پر رکھ دیا۔ رمشہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ اپنا کارڈ کھولے ہوئی تھی۔

"لنچ میری طرف سے ہے مگر مینیو آپ طے کریں۔" سالار نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوکے۔" رمشہ بے اختیار مسکرائی پھر وہ مینیو کارڈ پر نظر دوڑانے لگی اور سالار قرب وجوار میں۔

رمشہ نے ویٹر کو کچھ ڈشز نوٹ کروائیں۔ جب ویٹر چلا گیا تو اس نے سالار سے کہا۔

"تمہاری طرف سے لنچ کی یہ دعوت بڑا اچھا سرپرائز ہے میرے لئے۔ پہلے تو تم نے کبھی ایسی دعوت نہیں دی؟ بلکہ میری دعوت بھی رد کرتے رہے۔"

"ہاں لیکن اب ہم دونوں کے لیے کچھ باتیں کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ مجھے اسی لئے تمہیں یہاں بلانا پڑا۔" سالار نے کہا۔

رمشہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ باتیں؟۔۔۔۔کون سی باتیں؟"

"پہلے لنچ کر لیں، اس کے بعد کریں گے۔" سالار نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔

"مگر لنچ آنے اور کھانے میں کافی وقت لگے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم وہ باتیں ابھی کر لیں؟" رمشہ نے قدرے بے تابی سے کہا۔

"نہیں، یہ بہتر نہیں ہے۔ لنچ کے بعد۔" سالار نے مسکراتے ہوئے مگر حتمی انداز میں کہا۔

رمشہ نے اس بار اصرار نہیں کیا۔ وہ دونوں ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگے پھر لنچ آ گیا اور وہ دونوں لنچ میں مصروف ہو گئے۔

لنچ سے فارغ ہونے میں تقریباً پون گھنٹہ لگا، پھر سالار نے ویٹر سے کافی منگوالی۔

"میرا خیال ہے اب بات شروع کرنی چاہئیے۔"

رمشہ نے کافی کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ سالار اب بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے اپنی کافی میں چمچ ہلا رہا تھا۔ رمشہ کی بات پر اس نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں تم سے اس کارڈ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں، جو تم نے دو دن پہلے مجھے بھیجا ہے۔" رمشہ کا چہرہ قدرے سُرخ ہو گیا۔

دو دن پہلے جب وہ شام کو اپنے فلیٹ پر پہنچا تو وہاں ایک کارڈ اور بکے اس کا منتظر تھا۔ وہ ایک ہفتہ ہانگ کانگ میں بنک کے کسی کام کے لئے رہا تھا اور اسی شام واپس آیا تھا۔ کارڈ رمشہ کا بھیجا ہوا تھا۔

"تمہیں دوبارہ دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو گی اس کا اظہار ناممکن ہے۔"

سالار کارڈ پر لکھے پیغام کو پڑھ کر چند لمحوں کے لئے ساکت رہ گیا۔ اس کے بدترین خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ رمشہ اس کے لئے اپنے احساسات کا اظہار کر رہی تھی۔

سالار نے اگلے دو دن اس کارڈ کے بارے میں رمشہ سے کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن اس نے ویک اینڈ پر اسے لنچ کی دعوت دے ڈالی۔ رمشہ کے ساتھ اب ان تمام باتوں کو کلئیر کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

"تمہیں کارڈ بُرا لگا؟" رمشہ نے کہا۔

"نہیں، پیغام۔"

رمشہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔

"آئی ایم سوری، مگر میں صرف۔۔۔۔۔ سالار! میں تمہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ میں نے تمہیں کتنا مس کیا۔"

سالار نے کافی کا ایک گھونٹ لیا۔

"تم مجھے اچھے لگتے ہو، میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

رمشہ نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"ہو سکتا ہے یہ پرپوزل تمہیں عجیب لگے لیکن میں بہت عرصے سے اس سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں تم سے فلرٹ نہیں کر رہی ہوں جو کچھ کارڈ میں میں نے لکھا ہے میں واقعی تمہارے لیے وہی جذبات رکھتی ہوں۔"

سالار نے اسے بات مکمل کرنے دی۔ اب وہ کافی کا کپ نیچے رکھ رہا تھا۔

"لیکن میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" جب وہ خاموش ہو گئی تو اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"کیا اس سوال کا جواب ضروری ہے؟" سالار نے کہا۔

"نہیں، ضروری نہیں ہے مگر بتانے میں کیا حرج ہے۔"

"تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتی ہو؟" سالار نے جواباً پوچھا۔

"کیونکہ تم مختلف ہو۔"

سالار ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"عام مردوں جیسے نہیں ہو، وقار ہے تم میں، کلچرڈ اور گرومڈ ہو۔"

"میں ایسا نہیں ہوں۔"

"ثابت کرو۔" رمشہ نے چیلنج کیا۔

"کر سکتا ہوں، مگر نہیں کروں گا۔" اس نے کافی کا کپ دوبارہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہر مرد سالار سکندر سے بہتر ہے۔"

"کس لحاظ سے؟"

"ہر لحاظ سے۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"تمہارے نہ ماننے سے حقیقت نہیں بدلے گی۔"

"میں تمہیں جانتی ہوں، ڈیڑھ سال سے تمہارے ساتھ کام کر رہی ہوں۔"

"مردوں کے بارے میں اتنی جلدی کسی رائے پر پہنچنا مناسب نہیں ہوتا۔"

"تمہاری کوئی بات تمہارے بارے میں میری رائے کو تبدیل نہیں کر سکتی۔" رمشہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

"تم جس فیملی سے تعلق رکھتی ہو، جس سوسائٹی میں موو کرتی ہو، وہاں تمہیں مجھ سے زیادہ اچھے مرد مل سکتے ہیں۔"

"تم مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔"

"رمشہ! میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔"

اس نے بالآخر کہہ دیا۔ اس ساری گفتگو میں پہلی بار رمشہ کی رنگت زرد پڑی۔

"تم نے۔۔۔۔۔ تم نے کبھی۔۔۔۔۔ کبھی نہیں بتایا۔"

سالار آہستہ سے مسکرایا۔ """ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی تو کبھی بھی نہیں رہی۔"

"تم اس سے شادی کر رہے ہو؟"

دونوں کے درمیان اس بار خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا۔

"ہو سکتا ہے کچھ مشکلات کی وجہ سے میری وہاں شادی نہ ہو سکے۔" سالار نے کہا۔

"میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکی۔ تم کسی سے محبت کر رہے ہو، یہ جانتے ہوئے کہ وہاں تمہاری شادی نہیں ہو سکتی؟"

"کچھ ایسا ہی ہے۔"

"سالار! تم۔۔۔۔ تم اتنے جذباتی تو نہیں ہو۔ ایک پریکٹکل آدمی ہو کر تم کس طرح کی عجیب بات کر رہے ہو۔"

رمشہ استہزائیہ انداز میں ہنس دی۔

"فرض کیا کہ وہاں تمہاری شادی نہیں ہوئی تو پھر۔۔۔۔۔ پھر کیا تم شادی نہیں کرو گے؟"

"نہیں۔"

رمشہ نے نفی میں سر ہلایا۔ I can't believe it۔ (مجھے یقین نہیں آرہا)۔

"مگر ایسا ہی ہے، میں نے اگر شادی کا سوچا بھی تو دس پندرہ سال بعد ہی سوچوں گا اور دس پندرہ سال تک ضروری نہیں کہ میں زندہ رہوں۔"

اس نے بے حد خشک لہجے میں کہتے ہوئے ویٹر کو ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

"میں چاہتا ہوں رمشہ! کہ آج کی اس گفتگو کے بعد ہم دونوں کے درمیان دوبارہ کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہیں ہو۔ ہم اچھے کولیگ ہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ تعلق ایسے ہی رہے۔ میرے لئے اپنا وقت ضائع مت کرو، میں وہ نہیں ہوں، جو تم مجھے سمجھ رہی ہو۔"

ویٹر قریب آ گیا تھا۔ سالار اس کا لایا ہوا بل ادا کرنے لگا۔

رمشہ، سالار کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اب کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔



سالار اس روز کسی کام سے لنچ بریک کے بعد آفس سے نکل آیا۔ ریلوے کراسنگ پر ٹریفک کا اژدھام دیکھ کر اس نے دور سے ہی گاڑی موڑ لی۔ وہ اس وقت کسی ٹریفک جام میں پھنس کر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

گاڑی کو پیچھے موڑ کر اس نے ایک دوسری سڑک پر ٹرن لے لیا۔ وہ اس سڑک پر تھوڑا ہی آگے گیا تھا جب اس نے سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر ایک بوڑھی خاتون کو بیٹھے دیکھا۔ وہ ایک ہائی روڈ تھی اور اس وقت بالکل سنسان تھی۔ خاتون اپنے لباس اور چہرے سے کسی بہت اچھے گھرانے کی نظر آرہی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی کچھ چوڑیاں بھی نظر آرہی تھیں اور سالار کو خدشہ ہوا کہ اس اکیلی سڑک پر وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس نے گاڑی ان کے قریب لے جا کر روک دی۔ خاتون کی سفید رنگت اس وقت سرخ تھی اور سانس پھولا ہوا تھا اور شاید وہ اپنا سانس ٹھیک کرنے کے لئے ہی سڑک کنارے بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم اماں! کیا مسئلہ ہے، آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟"

سالار نے اپنے سن گلاسز اُتارتے ہوئے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔

"بیٹا! مجھے رکشہ نہیں مل رہا۔"

سالار ان کی بات پر حیران ہوا۔ وہ مین روڈ نہیں تھی۔ ایک رہائشی علاقے کی ہائی روڈ تھی اور وہاں رکشہ ملنے کا امکان نہیں تھا۔

"اماں جی! یہاں سے تو آپ کو رکشہ مل بھی نہیں سکتا۔ آپ کو جانا کہاں ہے؟"

اس خاتون نے اسے اندرون شہر کے ایک علاقے کا نام بتایا۔ سالار کے لئے بالکل ممکن نہیں تھا کہ وہ انہیں وہاں چھوڑ آتا۔

"آپ میرے ساتھ آجائیں۔ میں آپ کو مین روڈ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ وہاں سے آپ کو رکشہ مل جائے گا۔"

سالار نے پچھلے دروازے کا لاک کھولا اور پھر اپنی سیٹ سے اتر گیا مگر اماں جی اسے خاصی متامل نظر آئیں۔ وہ ان کے اندیشوں کو بھانپ گیا۔

"اماں جی! ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں شریف آدمی ہوں۔ آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں صرف آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ اس سڑک سے تو آپ کو رکشہ ملے

گا نہیں اور اس وقت سڑک سنسان ہے، آپ نے زیور پہنا ہوا ہے، کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے آپ کو۔"

سالار نے نرمی سے ان کے اندیشے دور کرنے کی کوشش کی۔ خاتون نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے اپنی چوڑیوں کو دیکھا اور پھر سالار سے کہا۔

"لو۔۔۔۔۔ یہ سارا زیور تو نقلی ہے۔"

" چلیں، یہ تو بہت اچھی بات ہے مگر کوئی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ کوئی آپ سے یہ تھوڑی پوچھے گا کہ یہ زیور اصلی ہے یا نقلی۔"

سالار نے ان کے جھوٹ کا پردہ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ اب سوچ میں پڑ گئیں۔ سالار کو دیر ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں جی! آپ اگر مناسب نہیں۔۔۔۔۔"

اس نے واپس اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تو اماں جی فوراً بول اٹھیں۔

"نہیں، نہیں۔ میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔ پہلے ہی ٹانگیں ٹوٹ رہی ہیں چل چل کے۔"

وہ ٹانگوں پر زور دیتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

سالار نے ان کا بازو پکڑ کر انہیں اُٹھایا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر انہیں اندر بٹھا دیا۔

ہائی روڈ کو تیزی سے کراس کر کے وہ مین روڈ پر آ گیا۔ اب وہ کسی خالہ رکشہ کی تلاش میں تھا مگر اسے رکشہ نظر نہیں آیا۔ وہ آہستہ آہستہ گاڑی چلاتے ہوئے کسی خالی رکشے کی تلاش میں ٹریفک پر نظریں دوڑانے لگا۔

"نام کیا ہے بیٹا تمہارا؟"

"سالار۔"

"سلار؟" انہوں نے جیسے تصدیق چاہی۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے نام کو بگڑتے سنا تھا۔ تصحیح کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ پنجابی خاتون تھیں اور اس سے بمشکل اردو میں بات کر رہی تھیں۔

"جی۔" سالار نے تصدیق کی۔

"یہ کیا نام ہوا، مطلب کیا ہے اس کا؟" انہوں نے یک دم دلچسپی لی۔

سالار نے انہیں اپنے نام کا مطلب اس بار پنجابی میں سمجھایا۔ اماں جی کو اس کے پنجابی بولنے پر خاصی خوشی ہوئی اور اب وہ پنجابی میں گفتگو کرنے لگیں۔

سالار کے نام کا مطلب پوچھنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"میری بڑی بہو کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔"

وہ حیران ہوا اسے توقع نہیں تھی کہ نام کا مطلب جاننے کے بعد ان کا اگلا جملہ یہ ہوگا۔

"جی۔۔۔۔۔ مبارک ہو۔" فوری طور پر اسے یہی سوجھا۔

"خیر مبارک۔"

انہوں نے خاصی مسرت سے اس کی مبارک باد وصول کی۔

"میری بہو کا فون آیا تھا، پوچھ رہی تھی کہ امی! آپ نام بتائیں۔ میں تمہارا نام دے دوں؟"

اس نے بیک ویو مرر سے کچھ حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

"دے دیں۔"

"چلو یہ مسئلہ تو حل ہوا۔"

اماں جی اب اطمینان سے عینک اُتار کر اپنی بڑی سی چادر کے پلو سے اس کے شیشے صاف کرنے لگیں۔ سالار کو ابھی تک کوئی رکشہ نظر نہیں آیا تھا۔

"عمر کتنی ہے تمہاری؟" انہوں نے گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے توڑا تھا۔

"تیس سال۔"

"شادی شدہ ہو؟"

سالار سوچ میں پڑ گیا۔ وہ ہاں کہنا چاہتا تھا مگر اس کا خیال تھا کہ ہاں کی صورت میں سوالات کا سلسلہ مزید دراز ہو جائے گا اس لئے بہتر یہی تھا کہ انکار کر دے اور اس کا یہ اندازہ اس دن کی سب سے فاش غلطی ثابت ہوا۔

"نہیں۔"

"شادی کیوں نہیں کی؟"

"بس ایسے ہی۔ خیال نہیں آیا۔" اس نے جھوٹ بولا۔

"اچھا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ سالار دعائیں کرتا رہا کہ اسے رکشہ جلدی مل جائے۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔

"کیا کرتے ہو تم؟"

"میں بینک میں کام کرتا ہوں۔"

"کیا کام کرتے ہو؟"

سالار نے اپنا عہدہ بتایا۔ اسے اندازہ تھا کہ اماں جی کے اوپر سے گزرے گا مگر وہ اس وقت ہکا بکا رہ گیا جب انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"یہ افسر ہوتا ہے نا؟"

وہ بے اختیار ہنسا۔ اس سے زیادہ اچھی وضاحت کوئی اس کے کام کی نہیں دے سکتا تھا۔

"جی اماں جی! "افسر" ہوتا ہے۔" وہ محفوظ ہوا۔

"کتنا پڑھے ہو تم؟"

"سولہ جماعتیں۔"

اس بار سالار نے اماں جی کا فارمولا استعمال کرتے ہوئے اپنی تعلیم کو آسان لفظوں میں پیش کیا۔ اماں جی کا جواب اس بار بھی حیران کن تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی سولہ جماعتیں۔۔۔۔۔؟ ایم بی اے کیا ہے یا ایم اے اکنامکس؟"

سالار نے بے اختیار پلٹ کر اماں جی کو دیکھا۔ وہ اپنی عینک کے شیشوں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"اماں جی! آپ کو پتا ہے ایم بی اے کیا ہوتا ہے یا ایم اے اکنامکس کیا ہوتا ہے؟" وہ واقعی حیران تھا۔

"لو مجھے نہیں پتا ہو گا؟ میرے بڑے بیٹے نے پہلے ایم اے اکنامکس کیا ادھر پاکستان سے پھر انگلینڈ جا کر اس نے ایم بی اے کیا۔ وہ بھی بینک میں ہی کام کرتا ہے مگر ادھر انگلینڈ میں۔ اسی کا تو بیٹا ہوا ہے۔"

سالار نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے گردن واپس موڑ لی۔

"تو پھر تم نے بتایا نہیں؟"

"کیا؟"

سالار کو فوری طور پر یاد نہیں آیا کہ انہوں نے کیا پوچھا تھا۔

"اپنی تعلیم کے بارے میں؟"

"میں نے ایم بی اے کیا ہے۔"

"کہاں سے؟"

"امریکہ سے۔"

"اچھا۔۔۔ماں باپ ہیں تمہارے؟"

"جی۔"

"کتنے بہن بھائی ہیں؟" سوالات کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا تھا۔

"پانچ۔" سالار کو کوئی جائے فرار نظر نہیں آ رہی تھی۔

"کتنی بہنیں اور کتنے بھائی؟"

"ایک بہن اور چار بھائی۔"

"شادیاں کتنوں کی ہوئی ہیں؟"

"میرے علاوہ سب کی۔"

"تم سب سے چھوٹے ہو؟"

"نہیں، چوتھے نمبر پر ہوں۔ ایک بھائی چھوٹا ہے۔"

سالار کو اب پہلی بار اپنے "سوشل ورک" پر پچھتاوا ہونے لگا۔

"اس کی بھی شادی ہو گئی؟"

"جی۔"

"تو پھر تم نے شادی کیوں نہیں کی؟ کوئی محبت کا چکر تو نہیں؟"

اس بار سالار کے پیروں کے نیچے سے حقیقت میں زمین کھسک گئی۔ وہ ان کی قیافہ شناسی کا قائل ہونے لگا۔

"اماں جی! رکشہ نہیں مل رہا۔ آپ مجھے ایڈریس بتا دیں، میں آپ کو خود چھوڑ آتا ہوں۔" سالار نے ان کے سوال کا جواب گول کر دیا۔

دیر تو اسے پہلے ہی ہو چکی تھی اور رکشے کا ابھی بھی کہیں نام و نشان نہیں تھا اور وہ اس بوڑھی خاتون کو کہیں سڑک پر بھی کھڑا نہیں کر سکتا تھا۔

اماں جی نے اسے پتا بتایا۔

سالار کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک چوک میں کھڑے ٹریفک کانسٹیبل کو اس نے وہ پتا دوہرا کر مدد کرنے کے لئے کہا۔ کانسٹیبل نے اسے علاقے کا رستہ سمجھایا۔

سالار نے دوبارہ گاڑی چلانا شروع کی۔

"تو پھر تم نے مجھے بتایا نہیں کہ کہیں محبت کا چکر تو نہیں تھا؟"

سالار کا دل چاہا کہیں ڈوب کر مر جائے۔ وہ خاتون ابھی تک اپنا سوال نہیں بھولی تھیں جبکہ وہ صرف اس سوال کے جواب سے بچنے کے لئے انہیں گھر چھوڑنے پر تیار ہوا تھا۔

"نہیں اماں جی! ایسی کوئی بات نہیں۔"

اس نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔

"الحمدللہ۔" وہ اماں جی کی اس "الحمدللہ" کا سیاق و سباق سمجھ نہیں پایا تھا اور اس نے اس کا تردد بھی نہیں کیا۔

اماں جی اب اس کے ماں باپ کے بارے میں کرید کرید کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش فرما رہی تھیں۔ سالار واقعی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

سب سے بڑی گڑبڑ اس وقت ہوئی جب وہ اماں جی کے بتائے ہوئے علاقے میں پہنچا اور اس نے اماں جی سے مطلوبہ گلی کی طرف رہنمائی کرنے کی درخواست فرمائی اور اماں جی نے کمال اطمینان سے کہا۔

"اب یہ تو مجھے پتہ ہے کہ اس علاقے میں گھر ہے مگر پتہ مجھے معلوم نہیں۔"

وہ بھونچکا رہ گیا۔

"اماں جی! تو گھر کیسے پہنچاؤں میں آپ کو۔ پتے کے بغیر اس علاقے میں آپ کو کہاں ڈراپ کروں؟"

وہ اپنے گھر پر لکھا نمبر اور نام بتانے لگیں۔

"نہیں اماں جی! آپ مجھے گلی کا نام بتائیں۔"

وہ گلی کے نام کی بجائے نشانیاں بتانے لگیں۔

"حلوائی کی ایک دکان ہے گلی کے کونے میں۔۔۔۔بہت کھلی گلی ہے۔۔۔۔پرویز صاحب کا گھر بھی وہیں ہے، جن کے بیٹے نے جرمنی میں شادی کی ہے پچھلے ہفتے۔۔۔۔پہلی بیوی اس کی ادھر ہی ہے ہمارے محلے میں۔۔۔۔شادی کی اطلاع ملنے پر بے چاری نے رو رو کر محلہ سر پر اُٹھا لیا۔" وہ نشانیاں بتاتے بتاتے کہیں اور نکل گئیں۔

سالار نے سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی کر دی۔

"اماں جی! آپ کے شوہر کا کیا نام ہے؟ گھر کے بارے میں اور گلی کے بارے میں کچھ تفصیل سے بتائیں، اس طرح تو میں کبھی بھی آپ کو گھر نہیں پہنچا سکوں گا۔"

اس نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"میں سعیدہ اماں کے نام سے جانی جاتی ہوں۔ میاں بیچارے تو دس سال پہلے فوت ہو گئے۔ ان کو تو لوگ بھول بھال گئے اور گلی کا میں تمہیں بتا رہی ہوں، بہت بڑی گلی ہے۔ تین دن پہلے گٹر کے دو ڈھکن لگا کر گئے ہیں، بالکل نئے۔ سیمنٹ سے جوڑ کر گئے ہیں۔ ہر ماہ کوئی نہ کوئی اُتار کر لے جاتا تھا، اب بے فکری ہو گئی ہے۔"

سالار نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"اماں جی! کیا میں کہہ کر لوگوں سے آپ کی گلی کا پوچھوں کہ گٹر کے دو نئے ڈھکنوں والی گلی آپ وہاں کے کسی ایسے شخص کا نام بتائیں جسے لوگ جانتے ہوں جو قدرے معروف ہو۔"

"وہ مرتضیٰ صاحب ہیں جن کے بیٹے مظفر کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی کل صبح۔"

"اماں جی! یہ کوئی تعارف نہیں ہوتا۔"

وہ اس کی بات پر برا مان گئیں۔

"لو بھلا، اب کیا ہر گھر میں ٹانگ ٹوٹتی ہے کسی نا کسی کی۔"

سالار چپ چاپ گاڑی سے اتر گیا۔ آس پاس کی دو دکانوں سے اس نے سعیدہ اماں کے بتائے ہوئے "کوائف" کے مطابق گلی تلاش کرنا شروع کی، مگر جلد ہی اسے پتا چل گیا کہ ان نشانیوں کے ساتھ وہ کم از کم آج کی تاریخ میں گھر نہیں ڈھونڈ سکتا۔

وہ مایوس ہو کر واپس لوٹا۔

"اماں جی! گھر میں فون ہے آپ کے؟ گاڑی کے اندر گھستے ہی اس نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔"

سالار نے سکون کا سانس لیا۔

"اس کا نمبر بتائیں مجھے۔" سالار نے اپنا موبائل نکالتے ہوئے کہا۔

"نمبر کا تو مجھے نہیں پتا۔"

وہ ایک بار پھر دھک سے رہ گیا۔

"فون نمبر بھی نہیں پتا۔؟ اس نے شدید صدمے کے عالم میں کہا۔

"بیٹا! میں نے کون سا کبھی فون کیا ہے۔ میرے بیٹے خود کر لیتے ہیں، رشتہ دار بھی خود کر لیتے ہیں یا ضرورت ہو تو بیٹی فون ملا دیتی ہے۔"

"ادھر ماڈل ٹاؤن میں کس کے پاس گئی تھیں؟"

سالار کو یک دم خیال آیا۔

"ادھر کچھ رشتہ دار ہیں میرے۔ پوتے کی مٹھائی دینے گئی تھی۔"

انہوں نے فخریہ بتایا۔

سالار نے سکون کا سانس لیتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔

"ٹھیک ہے ادھر ہی چلتے ہیں۔ وہاں کا پتہ بتائیں۔"

"پتہ تو مجھے نہیں پتا۔"

سالار اس بار صدمے سے کچھ دیر کے لئے بول بھی نہ سکا۔

"تو پھر گئیں کیسے تھیں آپ؟"

"بیٹا! اصل میں جہاں جانا ہو ہمسائے کے بچے چھوڑ آتے ہیں، ان ہی کو گھر کا پتہ ہے۔ پچھلے دس سال سے مجھے وہی لے کر جا رہے ہیں۔ وہ چھوڑ آتے ہیں اور پھر وہاں سے بلال وغیرہ واپس چھوڑ جاتے ہیں۔ اصل میں یہ بلال وغیرہ بھی پہلے میرے محلے میں ہی رہتے تھے۔ یہی کوئی دس بارہ سال پہلے ادھر گئے ہیں اس لئے میرے پورے محلے کو ان کے گھر کا پتا ہے۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا۔ اسے اب بھی امید تھی کہ جہاں سے اس نے ان خاتون کو پک کیا ہے بلال وغیرہ کا گھر وہیں کہیں ہو گا۔

سعیدہ اماں کی گفتگو جاری تھی۔

"آج تو ایسا ہوا کہ بلال کے گھر پر کوئی تھا ہی نہیں، صرف ملازمہ تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھی رہی پھر بھی وہ لوگ نہیں آئے تو میں نے سوچا خود گھر چلی جاؤں اور پھر ماشاءاللہ تم مل گئے۔"

"اماں جی! آپ رکشے والے کو کیا بتاتیں؟"

"وہی جو تمہیں بتایا ہے۔"

وہ ان کی ذہانت پر باغ باغ ہو گیا۔

"اس سے پہلے کبھی آپ اس طرح پتہ بتا کر گھر پہنچی ہیں؟"

اس نے قدرے افسوس بھرے لہجے میں گاڑی ریورس کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہ۔۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔ ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

سعیدہ اماں کا اطمینان قابل رشک تھا۔ سالار مزید کچھ کہے بغیر گاڑی سڑک پر لے آیا۔

"اب تم کہاں جا رہے ہو؟"

سعیدہ اماں زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکیں۔

"جہاں سے میں نے آپ کو لیا تھا گھر اسی سڑک پر ہو گا، آپ نے کوئی ٹرن تو نہیں لیا تھا؟"

سالار نے بیک ویو مرر سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میں نے نہیں لیا۔"

سعیدہ اماں نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

سالار نے ان کے لہجے پر غور نہیں کیا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔ اس کا مطلب تھا گھر اس سڑک پر ہی کہیں تھا اور گلیوں کی نسبت کالونی میں گھر تلاش کرنا آسان تھا۔ وہ بھی اس صورت میں جب اسے صرف ایک سڑک کے گھر دیکھنے تھے۔

"تم سگریٹ پیتے ہو؟"

خاموشی یک دم ٹوٹی۔ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے کرتے چونک گیا۔

"میں۔۔۔۔؟"

اس نے بیک ویو مرر میں دیکھا۔ سعیدہ اماں بھی بیک ویو مرر میں ہی دیکھ رہی تھیں۔

"آ۔۔۔۔ نہیں۔"

وہ سوال کو سمجھ نہیں سکا تھا۔

"کوئی اور نشہ وغیرہ۔"

وہ اس بار سوال سے زیادہ ان کی بے تکلفی پر حیران ہوا تھا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"بس ویسے ہی۔اب اتنا لمبا راستہ میں خاموش کیسے رہوں گی۔"

انہوں نے اپنی مجبوری بتائی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے،میں کرتا ہوں گا کوئی نشہ؟"

سالار نے جواباً اُن سے پوچھا۔

"نہیں، کہاں۔۔۔۔اسی لئے تو میں پوچھ رہی ہوں۔۔۔۔تو پھر نہیں کرتے؟"

ان کے انداز نے اس بار سالار کو محظوظ کیا۔

"نہیں۔"اس نے مختصراً کہا۔وہ اب سگنل پر رکے ہوئے تھے۔

"کوئی گرل فرینڈ ہے؟"سالار کو لگا اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔اس نے پلٹ کر سعیدہ اماں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے کیا پوچھا ہے؟"

"میں نے کہا، کوئی گرل فرینڈ ہے؟"سعیدہ اماں نے "گرل فرینڈ" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

سالار کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"آپ تو پتا ہے گرل فرینڈ کیا ہوتی ہے؟"

سعیدہ اماں اس کے سوال پر برا مان گئیں۔

"کیوں بھئی۔۔۔۔دو بیٹے ہیں میرے، مجھے نہیں پتا ہو گا کہ گرل فرینڈ کیا ہوتی ہے۔جب انہیں باہر پڑھنے کے لئے بھیجا تھا تو کہہ کر بھیجا تھا میرے شوہر نے کہ گرل فرینڈ نہیں ہونی چاہئیے اور پھر مہینے میں ایک بار فون آتا تھا دونوں کا۔"

سگنل کھل گیا۔سالار مسکراتے ہوئے سیدھا ہو گیا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں دبا دیا۔

سعیدہ اماں نے بات جاری رکھی۔

"میں دونوں سے کہتی تھی کہ قسم کھا کر بتائیں،انہوں نے کوئی گرل فرینڈ بنائی تو نہیں۔جب تک شادیاں نہیں ہو گئیں۔ہر بار فون پر سب سے پہلے دونوں قسم کھا کر یہی بتایا کرتے تھے مجھے۔سلام بھی بعد میں کیا کرتے تھے۔"

وہ فخریہ انداز میں بتاتی جا رہی تھیں۔

"بڑے تابعدار بچے ہیں میرے،دونوں نے گرل فرینڈ نہیں بنائی۔"

"آپ نے اپنی پسند سے دونوں کی کہیں شادیاں کی ہیں؟"

سالار نے پوچھا۔

"نہیں، دونوں نے ادھر ہی اپنی پسند سے شادیاں کی ہیں۔"

انہوں نے سادگی سے کہا۔ سالار کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکلا۔

"کیا ہوا؟" سعیدہ اماں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، آپ کی بہوئیں انگریز ہیں؟"

"نہیں، پاکستانی ہیں مگر وہیں رہتی تھیں۔ میرے بیٹوں کے ساتھ کام کرتی تھیں مگر تم ہنسے کیوں؟"

سعیدہ اماں نے اپنا سوال دہرایا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

سعیدہ اماں کچھ دیر خاموش رہیں پھر انہوں نے کہا۔

"تو تم نے بتایا نہیں کہ گرل فرینڈ۔۔۔۔۔"

سالار نے بات کاٹ دی۔

"نہیں ہے سعیدہ اماں! گرل فرینڈ بھی نہیں ہے۔"

"ماشاءاللہ۔۔۔۔۔ماشاءاللہ۔" وہ ایک بار پھر اس ماشاءاللہ کا سیاق و سباق سمجھنے میں ناکام رہا۔

"گھر اپنا ہے؟"

"نہیں کرائے کا ہے۔"

"کوئی ملازم وغیرہ ہے؟"

"مستقل تو نہیں ہے مگر صفائی وغیرہ کے لئے ملازم رکھا ہوا ہے۔"

"اور یہ گاڑی تو اپنی ہی ہو گی؟"

"جی۔"

"اور تنخواہ کتنی ہے؟"

سالار روانی سے جواب دیتے دیتے ایک بار پھر چونکا۔ گفتگو کس نوعیت پر جا رہی تھی، فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"سعیدہ اماں! آپ یہاں اکیلی کیوں رہتی ہیں۔ اپنے بیٹوں کے پاس کیوں نہیں چلی جاتیں؟"

سالار نے موضوع بدلا۔

"ہاں، میرا یہی ارادہ ہے۔ پہلے تو میرا دل نہیں چاہتا تھا مگر اب یہ سوچا ہے کہ بیٹی کی شادی کر لوں تو پھر باہر چلی جاؤں گی۔ اکیلے رہتے رہتے تنگ آگئی ہوں۔"

سالار اب اس سڑک پر آگیا تھا جہاں سے اس نے سعیدہ اماں کو پک کیا تھا۔

"میں نے آپ کو یہاں سے لیا تھا۔ آپ بتائیں، ان میں سے کون سا گھر ہے؟" سالار نے گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے دائیں طرف کے گھروں پر نظر ڈالی۔

"نمبر کا نہیں پتا، گھر کی تو پہچان ہو گی آپ کو؟"

سعیدہ اماں بغور گھروں کو دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں۔۔۔ہاں گھر کی پہچان ہے۔"

وہ گھر کی نشانیاں بتانے لگیں جو اتنی ہی مبہم تھیں، جتنا ان کے اپنے گھر کا پتہ۔ وہ سڑک کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔ سعیدہ اماں گھر نہیں پہچان سکیں۔ سالار، بلال کے والد کا نام پوچھ کر گاڑی سے نیچے اتر گیا اور باری باری دونوں اطراف کے گھروں سے سعیدہ اماں کے بارے میں پوچھنے لگا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اس سڑک پر موجود ہر گھر میں جا چکا تھا۔ مطلوبہ نام کے کسی آدمی کا گھر وہاں نہیں تھا۔

"آپ کو ان کا نام ٹھیک سے یاد ہے؟"

وہ تھک ہار کر سعیدہ اماں کے پاس آیا۔

"ہاں۔۔۔لو بھلا اب مجھے نام بھی پتا نہیں ہو گا۔"

سعیدہ اماں نے برا مانا۔

"لیکن اس نام کے کسی آدمی کا گھر یہاں نہیں ہے، نہ ہی کوئی آپ کے بارے میں جانتا ہے۔"

سالار نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو۔۔۔۔یہ ساتھ والی سڑک پر دیکھ لو۔"

سعیدہ اماں نے کچھ فاصلے پر ایک اور سڑک کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن سعیدہ اماں! آپ نے کہا تھا کہ گھر اسی سڑک پر ہے۔" سالار نے کہا۔

"میں نے کب کہا تھا؟" وہ معترض ہوئیں۔

"میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ نے ٹرن تو نہیں لیا۔ آپ نے کہا نہیں۔" سالار نے انہیں یاد کرایا۔

"وہ تو میں نے کہا تھا مگر یہ ہوتا کیا ہے؟"

سالار کا دل ڈوبا۔

"ٹرن؟"

"ہاں یہی۔"

"آپ کسی اور سڑک سے تو مڑ کر یہاں نہیں آئیں؟"

"لو تو اس طرح کہو نا۔" سعیدہ اماں کو تسلی ہوئی۔

"میں کیوں یہاں بیٹھ گئی تھی۔ تھک گئی تھی چل چل کر اور یہ سڑک تو چھوٹی سی ہے۔ یہاں میں چل کر کیا تھک سکتی تھی؟"

سالار نے گاڑی سٹارٹ کر لی۔ وہ دن بہت خراب تھا۔

"کس سڑک سے مڑ کر یہاں آئیں تھیں آپ؟"

اس نے سعیدہ اماں سے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھائی۔

"میرا خیال ہے۔۔۔۔۔" وہ پہلی سڑک کو دیکھتے ہوئے الجھیں۔

"یہ ہے۔" انہوں نے کہا۔

سالار کو یقین تھا وہ سڑک نہیں ہو گی مگر اس نے گاڑی اس سڑک پر موڑ لی۔ یہ تو طے تھا کہ آج اس کا سارا دن اسی طرح ضائع ہونا تھا۔

اگلا ایک ڈیڑھ گھنٹہ وہ آس پاس کی مختلف سڑکوں پر سعیدہ اماں کو لے کر پھرتا رہا مگر اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ سعیدہ اماں کو ہی گھر دور سے شناسا لگتا۔ پاس جانے پر وہ کہنا شروع کر دیتیں۔

"نہ۔۔۔۔۔نہ۔۔۔۔۔نہ۔۔۔۔۔یہ نہیں ہے۔"

وہ بالآخر کالونی میں تلاش چھوڑ کر انہیں واپس اسی محلہ میں لے آیا جہاں وہ پہلے ان کا گھر ڈھونڈتا رہا تھا۔

مزید ایک گھنٹہ وہاں ضائع کرنے کے بعد جب وہ تھک کر واپس گاڑی کے پاس آیا تو شام ہو چکی تھی۔

سعیدہ اماں اس کے برعکس اطمینان سے گاڑی میں بیٹھی تھیں۔

"ملا؟"

انہوں نے سالار کے اندر بیٹھتے ہی پوچھا۔

"نہیں،اب تو رات ہو رہی ہے۔ تلاش بے کار ہے۔ میں پولیس میں رپورٹ کرا دیتا ہوں آپ کی۔ آپ کی بیٹی یا آپ کے محلے والے آپ کے نہ ملنے پر پولیس سے رابطہ تو کریں گے ہی۔۔۔۔پھر وہ لے جائیں گے آپ کو۔"

سالار نے ایک بار پھر گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"چچ۔۔۔۔چچ۔۔۔۔آمنہ بیچاری پریشان ہو رہی ہو گی۔"

سعیدہ اماں کو اپنی بیٹی کا خیال آیا۔ سالار کا دل چاہا وہ ان سے کہے کہ وہ ان کی بیٹی سے زیادہ پریشان ہے مگر وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتے ہوئے گاڑی پولیس سٹیشن لے آیا۔

رپورٹ درج کرانے کے بعد وہ اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔ سعیدہ اماں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ بیٹھیں۔۔۔۔آپ یہیں رہیں گی۔"

سالار نے ان سے کہا۔

"نہیں۔۔۔۔ہم انہیں یہاں کہاں رکھیں گے، آپ انہیں ساتھ لے جائیں، ہم نے کسی سے رابطہ کیا تو ہم انہیں آپ کا پتہ دے دیں گے۔" پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"لیکن میں تو انہیں آپ کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں۔" سالار معترض ہوا۔

"دیکھیں، بوڑھی خاتون ہیں، اگر کوئی رابطہ نہیں کرتا ہم سے تو رات کہاں رہیں گی یہ۔۔۔۔اور اگر کچھ دن اور گزر گئے۔۔۔۔"

پولیس انسپکٹر کہتا گیا۔ سعیدہ اماں نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"نہیں، مجھے ادھر نہیں رہنا۔ بیٹا! میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔ میں ادھر کہاں بیٹھوں گی آدمیوں میں۔"

سالار نے انہیں پہلی بار گھبراتے ہوئے دیکھا۔

"لیکن میں تو۔۔۔۔اکیلا رہتا ہوں، وہ کہتے کہتے رک گیا، پھر اسے فرقان کے گھر کا خیال آیا۔

"اچھا ٹھیک ہے چلیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

باہر گاڑی میں آ کر اس نے موبائل پر فرقان سے رابطہ قائم کیا۔ وہ انہیں فرقان کے ہاں ٹھہرانا چاہتا تھا۔ فرقان ابھی ہاسپٹل میں ہی تھا۔ اس نے موبائل پر ساری صورت حال اسے بتائی۔

"نوشین تو گاؤں گئی ہوئی ہے۔" فرقان نے اسے بتایا۔

"مگر کوئی مسئلہ نہیں، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ انہیں اپنے فلیٹ پر لے جاؤں گا۔ وہ کون سی کوئی نوجوان خاتون ہیں کہ مسئلہ ہو جائے گا۔ تم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی محتاط ہو رہے ہو۔"

"نہیں، میں ان کے آرام کے حوالے سے کہہ رہا تھا۔ آکورڈ نہ لگے انہیں۔" سالار نے کہا۔

"نہیں لگتا یار! پوچھ لینا تم ان سے، ورنہ پھر کسی ساتھ والے فلیٹ میں ٹھہرا دیں گے، عالم صاحب کی فیملی کے ساتھ۔"

"اچھا، تم آؤ پھر دیکھتے ہیں۔"

سالار نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! میں تمہارے پاس ہی رہ لوں گی، تم میرے بیٹے کے برابر ہو مجھے اعتماد ہے تم پر۔"

سعیدہ اماں نے مطمئن لہجے میں کہا۔

سالار نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

اس نے راستے میں رک کر ایک ریسٹورنٹ سے کھانا لیا۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا اور یک دم اسے احساس ہوا کہ سعیدہ اماں بھی دوپہر سے اس کے ساتھ کچھ کھائے پیئے بغیر ہی پھر رہی ہیں۔ اسے ندامت کا احساس ہوا۔ اپنے فلیٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے راستے میں ایک جگہ رک کر سعیدہ اماں کے ساتھ سیب کا تازہ جوس پیا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی بوڑھے شخص کے ساتھ اتنا وقت گزار رہا تھا اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ کام آسان نہیں تھا۔

فلیٹ میں پہنچ کر وہ ابھی سعیدہ اماں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا جب فرقان آ گیا۔

اس نے سعیدہ اماں سے خود ہی اپنا تعارف کرایا اور پھر کھانا کھانے لگا۔ چند منٹوں میں ہی وہ سعیدہ اماں کے ساتھ اتنی بے تکلفی کے ساتھ ٹھیٹھ پنجابی میں گفتگو کر رہا تھا کہ سالار کو رشک آنے لگا۔ اس نے فرقان سے اچھی گفتگو کرنے والا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے گفتگو کے انداز میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا کہ دوسرا اپنا دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دینے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اتنے سالوں سے دوستی کے باوجود وہ فرقان کی طرح گفتگو کرنا نہیں سیکھ سکا تھا۔

دس منٹ بعد وہ وہاں خاموشی سے کھانا کھانے والے ایک سامع کی حیثیت اختیار کر چکا تھا جبکہ فرقان اور سعیدہ اماں مسلسل گفتگو میں مصروف تھے۔ سعیدہ اماں یہ جان کر کہ فرقان

ڈاکٹر ہے،اس سے طبّی مشورے لینے میں مصروف تھیں۔ کھانے کے خاتمے تک وہ فرقان کو مجبور کرچکی تھیں کہ وہ اپنا میڈیکل باکس لاکران کا چیک اپ کرے۔

فرقان نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ اونکولوجسٹ تھا۔ وہ بڑی تحمل مزاجی سے اپنا بیگ لے آیا۔ اس نے سعیدہ اماں کا بلڈ پریشر چیک کیا پھر اسٹیتھوسکوپ سے ان کے دل کی رفتار کو ماپا اور آخر میں نبض چیک کرنے کے بعد انہیں یہ یقین دلایا کہ وہ بے حد تندرست حالت میں ہیں اور بلڈ پریشر یا دل کی کوئی بیماری انہیں نہیں ہے۔

سعیدہ اماں ایک دم بے حد ہشاش بشاش نظر آنے لگیں۔ سالار ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنتے ہوئے کچن میں برتن دھوتا رہا۔ وہ دونوں لاونج کے صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

پھر اسی دوران اس نے فون کی گھنٹی سنی۔ فرقان نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف ڈاکٹر سبط علی تھے۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے کہا۔

"سالار نے پولیس اسٹیشن پر کسی سعیدہ نام کی خاتون کے بارے میں اطلاع دی تھی۔"

فرقان حیران ہوا۔

"جی وہ یہیں ہیں، ہمارے پاس۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ڈاکٹر سبط علی نے بے اختیار کہا۔

"ہاں، وہ میری عزیزہ ہیں، ہم انہیں تلاش کر رہے تھے چند گھنٹوں سے۔ پولیس سے رابطہ کیا تو سالار کا نام اور نمبر دے دیا انہوں نے۔"

فرقان نے انہیں سعیدہ اماں کے بارے میں بتایا اور پھر سعیدہ اماں کی بات فون پر ان سے کرائی۔ سالار بھی باہر لاؤنج میں آ گیا۔

سعیدہ اماں فون پر گفتگو میں مصروف تھیں۔

"ڈاکٹر صاحب کی عزیزہ ہیں یہ۔"

فرقان نے دھیمی آواز میں اس کے قریب آ کر کہا۔

"ڈاکٹر سبط علی صاحب کی؟" سالار حیران ہوا۔

"ہاں، ان ہی کی۔"

سالار نے بے اختیار اطمینان بھرا سانس لیا۔

"بھائی صاحب کہہ رہے ہیں تم سے بات کرانے کو۔"

سعیدہ اماں نے فرقان سے کہا۔

فرقان تیزی سے ان کی طرف بڑھا اور ریسیور لے کر کاغذ پر کچھ نوٹ کرنے لگا۔ ڈاکٹر سبط علی اسے ایڈریس لکھوا رہے تھے۔

سعیدہ اماں نے قدرے حیرانی سے لاؤنج کے دروازے میں کھڑے سالار کو دیکھا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" ان کی نظریں سالار کے ایپرن پر جمی تھیں۔

وہ کچھ شرمندہ ہو گیا۔

"میں۔۔۔۔ برتن دھو رہا تھا۔"

سالار واپس کچن میں آیا اور اس نے ایپرن اتار دیا۔ ویسے بھی برتن وہ تقریباً دھو چکا تھا۔

"سالار! آؤ پھر انہیں چھوڑ آتے ہیں۔"

اسے اپنے عقب میں فرقان کی آواز آئی۔

"یہ کام بعد میں کر لینا۔"

"تم گاڑی کی چابی لو، میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔" سالار نے کہا۔

اگلے دس منٹ میں وہ نیچے سالار کی گاڑی میں تھے۔ فرقان اگلی سیٹ پر تھا اور اس کے باوجود پچھلی سیٹ پر بیٹھی سعیدہ اماں سے گفتگو میں مصروف تھا۔ ساتھ ساتھ وہ سالار کو راستے کے بارے میں ہدایات بھی دیتا جا رہا تھا۔

بہت تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ بیس منٹ میں مطلوبہ محلے اور گلی میں تھے۔ بڑی گلی میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد وہ دونوں انہیں اندر گلی میں ان کے گھر تک چھوڑنے گئے۔ سعیدہ اماں کو اب رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی گلی کو پہچانتی تھیں۔

وہ فخریہ انداز میں کچھ جتاتے ہوئے سالار کو بتاتی گئیں۔

"حلوائی کی دوکان۔۔۔۔ گٹر کے سیمنٹ والے ڈھکن۔۔۔۔ پرویز صاحب کا گھر۔۔۔۔"

"جی!" سالار مسکراتے ہوئے سر ہلاتا رہا۔

اس نے ان کو یہ نہیں بتایا کہ ان کی بتائی ہوئی ساری نشانیاں صحیح تھیں۔ صرف وہ اسے ایک غلط علاقے میں لے گئی تھیں۔

"آمنہ بیچاری پریشان ہو رہی ہو گی۔" انہوں نے سرخ اینٹ کی بنی ہوئی ایک حویلی نما دو منزلہ مکان کے سامنے رکتے ہوئے 275 دفعہ کہا۔

فرقان نے آگے بڑھ کر بیل بجائی۔ سالار قدرے ستائشی انداز میں حویلی پر نظریں دوڑاتا رہا۔ وہ یقیناً کافی پرانی حویلی تھی مگر مسلسل دیکھ بھال کی وجہ سے وہ اس گلی میں سب سے باوقار لگ رہی تھی۔

"تم لوگوں کو اب میں نے چائے پیئے بغیر نہیں جانے دینا۔" سعیدہ اماں نے کہا۔

"میری وجہ سے تم لوگوں کو بہت پریشانی ہوئی۔ خاص طور پر سالار کو۔ بچہ مجھے سارا دن لیے پھرتا رہا۔" سعیدہ اماں نے سالار کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں، سعیدہ اماں! چائے ہم پھر کبھی پئیں گے، آج ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

"ہاں سعیدہ اماں! آج چائے نہیں پئیں گے۔ کبھی آکر آپ کے پاس کھانا کھائیں گے۔"

فرقان نے بھی جلدی سے کہا۔

"دیکھ لینا، ایسا نہ ہو کہ یاد ہی نہ رہے تمہیں۔"

"لیں، بھلا کھانا کیسے بھولیں گے ہم۔ وہ جو آپ پالک گوشت کی ترکیب بتا رہی تھیں، وہی بنا کر کھلایئے گا۔"

فرقان نے کہا۔ اندر سے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔ سعیدہ اماں کی بیٹی دروازہ کھولنے آ رہی تھی اور اس نے دروازے سے کچھ فاصلے پر ہی سعیدہ اماں اور فرقان کی آوازیں سن لی تھیں، اس لئے اس نے کچھ بھی پوچھے بغیر دروازے کا بولٹ اندر سے اتارتے ہوئے دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔

"اچھا سعیدہ اماں! خدا حافظ۔" فرقان نے سعیدہ اماں کو دروازے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ سالار اس سے پہلے ہی پلٹ چکا تھا۔



گاڑی میں بیٹھ کر اسے سٹارٹ کرتے ہوئے سالار نے فرقان سے کہا۔

"تمہاری سب سے ناپسندیدہ ڈش، پالک گوشت ہے اور تم ان سے کیا کہہ رہے تھے؟"

فرقان نے قہقہہ لگایا۔ "کہنے میں کیا حرج ہے، ویسے ہو سکتا ہے وہ واقعی میں اتنا اچھا پکائیں کہ میں کھانے پر مجبور ہو جاؤں۔"

"تم جاؤ گے ان کے گھر؟"

سالار گاڑی مین روڈ پر لاتے ہوئے حیران ہوا۔

"بالکل جاؤں گا، وعدہ کیا ہے میں نے اور تم نے۔"

"میں تو نہیں جاؤں گا۔" سالار نے انکار کیا۔

"جان نہ پہچان، منہ اٹھا کر ان کے گھر کھانا کھانے پہنچ جاؤں۔"

"ڈاکٹر سبط علی صاحب کی فرسٹ کزن ہیں وہ اور مجھ سے زیادہ تو تمہاری جان پہچان ہے ان کے ساتھ۔" فرقان نے کہا۔

"وہ اور معاملہ تھا، انہیں مدد کی ضرورت تھی، میں نے کر دی اور بس اتنا کافی ہے۔ ان کے بیٹے یہاں ہوتے تو اور بات تھی لیکن اس طرح اکیلی عورتوں کے گھر تو میں کبھی نہیں جاؤں گا۔" سالار سنجیدہ تھا۔

"میں کون سا اکیلا جانے والا ہوں یار! بیوی بچوں کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ جانتا ہوں میرا اکیلا ان کے ہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ نوشین بھی ان سے مل کر خوش ہو گی۔"

"ہاں، بھابھی کے ساتھ چلے جانا، کوئی حرج نہیں۔" سالار مطمئن ہوا۔

"میں جاؤں۔۔۔۔؟ تم کو بھی تو ساتھ چلنا ہے، انہوں نے تمہیں بھی دعوت دی ہے۔"

"میں تو نہیں جاؤں گا، میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ تم ہو آنا، کافی ہے۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم ان کے خاص مہمان ہو، تمہارے بغیر تو سب کچھ پھیکا رہے گا۔"

سالار کو اس کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔ اس نے گردن موڑ کر فرقان کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے انہیں تم داماد کے طور پر پسند آ گئے ہو۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" سالار نے اسے ناراضگی سے دیکھا۔

"اچھا۔۔۔۔ دیکھ لینا، پرپوزل آئے گا تمہارا اس گھر سے۔ سعیدہ اماں کو تم ہر طرح سے اچھے لگے ہو۔ ہر بات پوچھی ہے انہوں نے مجھ سے تمہارے بارے میں۔ یہ بھی کہ تمہارا شادی کا کوئی ارادہ ہے کہ نہیں اور ہے تو کب تک کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا کہ جیسے ہی کوئی اچھا پرپوزل ملا وہ فوراً کر لے گا پھر وہ اپنی بیٹی کے بارے میں بتانے لگیں۔ اب جتنی تعریفیں وہ اپنی بیٹی کی کر رہی تھیں اگر ہم اس میں سے پچاس فیصد بھی سچ سمجھ لیں تو بھی وہ لڑکی۔۔۔۔ کیا نام لے رہی تھیں۔۔۔۔ ہاں آمنہ۔۔۔۔ تمہارے لئے بہترین ہو گی۔"

"شرم آنی چاہئیے تمہیں ڈاکٹر سبط علی صاحب کی رشتہ دار ہیں وہ اور تم ان کے بارے میں فضول باتیں کر رہے ہو۔" سالار نے اسے جھڑکا۔

فرقان سنجیدہ ہو گیا۔

"میں کوئی غلط بات نہیں کر رہا ہوں، تمہارے لئے تو یہ اعزاز کی بات ہونی چاہئیے کہ تمہاری شادی ڈاکٹر سبط علی صاحب کے خاندان میں ہو۔۔۔۔"

"جسٹ اسٹاپ اٹ فرقان! یہ مسئلہ کافی ڈسکس ہو گیا، اب ختم کرو۔" سالار نے سختی سے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے، ختم کرتے ہیں پھر کبھی بات کریں گے۔"

فرقان نے اطمینان سے کہا۔ سالار نے گردن موڑ کر چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ڈرائیونگ کر رہے ہو، سڑک پر دھیان رکھو۔" فرقان نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ سالار کچھ ناراضی کے عالم میں سڑک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سعیدہ اماں کے ساتھ ان کا رابطہ وہیں ختم نہیں ہوا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ ایک شام ڈاکٹر سبط علی کے ہاں تھے جب انہوں نے اپنے لیکچر کے بعد ان دونوں کو روک لیا۔

"سعیدہ آپا آپ لوگوں سے ملنا چاہتی ہیں، مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ میں آپ لوگوں کے ہاں انہیں لے جاؤں، میں نے ان کو بتایا کہ شام کو وہ لوگ میری طرف آئیں گے، آپ یہیں مل لیں۔ آپ لوگوں نے شاید کوئی وعدہ کیا تھا ان کے ہاں جانے کا، مگر گئے نہیں۔"

فرقان نے معنی خیز نظروں سے سالار کو دیکھا۔ وہ نظریں چرا گیا۔

"نہیں، ہم لوگ سوچ رہے تھے مگر کچھ مصروفیت تھی اس لئے نہیں جا پائے۔" فرقان نے جواباً کہا۔

وہ دونوں ڈاکٹر سبط علی کے ساتھ ان کے ڈرائینگ روم میں چلے آئے جہاں کچھ دیر بعد سعیدہ اماں بھی آ گئیں اور آتے ہی ان کی شکایات اور ناراضی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فرقان انہیں مطمئن کرنے میں مصروف رہا جبکہ سالار خاموشی سے بیٹھا رہا۔

اگلے ویک اینڈ پر فرقان نے سالار کو سعیدہ اماں کی طرف جانے کے پروگرام کے بارے میں بتایا۔ سالار کو اسلام آباد اور پھر وہاں سے گاؤں جانا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی مصروفیت بتا کر سعیدہ اماں سے معذرت کر لی۔

ویک اینڈ گزارنے کے بعد لاہور واپسی پر فرقان نے اسے سعیدہ اماں کے ہاں گزارے جانے والے وقت کے بارے میں بتایا۔ وہ اپنی فیملی کے ساتھ وہاں گیا تھا۔

"سالار! میں سعیدہ اماں کی بیٹی سے بھی ملا تھا۔"

فرقان نے بات کرتے ہوئے اچانک کہا۔

"بہت اچھی لڑکی ہے، سعیدہ اماں کے برعکس خاصی خاموش طبع لڑکی ہے۔ بالکل تمہاری طرح، تم دونوں کی بڑی اچھی گزرے گی۔ نوشین کو بھی بہت اچھی لگی ہے۔"

"فرقان! تم صرف دعوت تک ہی رہو تو بہتر ہے۔" سالار نے اسے ٹوکا۔

"میں بہت سیریس ہوں سالار!" فرقان نے کہا۔

"میں بھی سیریس ہوں۔" سالار نے اسی انداز میں کہا۔ "تمہیں پتا ہے فرقان! تم جتنا شادی پر اصرار کرتے ہو، میرا شادی سے اتنا ہی دل اٹھتا جاتا ہے اور یہ سب تمہاری ان باتوں کی وجہ سے ہے۔"

سالار نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"میری باتوں کی وجہ سے نہیں۔ تم صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم امامہ کی وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔"

فرقان یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"اوکے۔۔۔۔۔ صاف صاف کہہ دیتا ہوں، میں امامہ کی وجہ سے شادی کرنا نہیں چاہتا پھر۔۔۔۔۔؟"

سالار نے سرد مہری سے کہا۔

"یہ ایک بچگانہ سوچ ہے۔" فرقان اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوکے، فائن۔ بچگانہ سوچ ہے پھر؟" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

Then you should get rid of it(تب تمہیں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئیے)۔ فرقان نے نرمی سے کہا۔

I don’t want to get rid of it.... So?(میں اس سے چھٹکارا نہیں چاہتا۔۔۔۔۔ پھر؟)۔

سالار نے ترکی بہ ترکی کہا۔ فرقان کچھ دیر لاجواب ہو کر اسے دیکھتا رہا۔

"میرے سامنے دوبارہ تم سعیدہ اماں کی بیٹی کی بات مت کرنا اور اگر تم سے وہ اس بارے میں بات کریں بھی تو تم صاف صاف کہہ دینا کہ مجھے شادی نہیں کرنی، میں شادی شدہ ہوں۔"

"اوکے، نہیں کروں گا اس بارے میں تم سے بات۔ غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

فرقان نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے صلح جوئی سے کہا۔



"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں اس لئے تمہیں بلوایا ہے۔" سکندر نے مسکراتے ہوئے سالار کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ طیبہ کے ساتھ اس وقت لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے اور سالار ان کے فون کرنے پر اس ویک اینڈ اسلام آباد آیا ہوا تھا۔

سکندر عثمان نے قدرے ستائشی نظروں سے اپنے تیسرے بیٹے کو دیکھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ان کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد اب کپڑے تبدیل کر کے ان کے پاس آیا تھا۔ سفید شلوار قمیض اور گھر میں پہنی جانے والی سیاہ چپل میں وہ اپنے عام سے حلیے کے باوجود بہت باوقار لگ رہا تھا۔ شاید یہ اس کے چہرے کی سنجیدگی تھی یا پھر شاید وہ آج پہلی بار کئی سالوں کے بعد

اسے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور اعتراف کر رہے تھے کہ اس کی شخصیت میں بہت وقار اور ٹھہراؤ آ گیا ہے۔

انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ سالار کی وجہ سے انہیں اپنے سوشل سرکل میں اہمیت اور عزت ملے گی۔ وہ جانتے تھے بہت جگہوں پر اب ان کا تعارف سالار سکندر کے حوالے سے ہوتا تھا اور انہیں اس پر خوشگوار حیرت ہوتی تھی۔ اس نے اپنی پوری ٹین ایج میں انہیں بری طرح خوار اور پریشان کیا تھا اور ایک وقت تھا، جب انہیں اپنے اس بیٹے کا مستقبل سب سے تاریک لگتا تھا۔ اپنی تمام غیر معمولی صلاحیتوں اور قابلیت کے باوجود مگر ان کے اندازے اور خدشات صحیح ثابت نہیں ہوئے تھے۔

طیبہ نے خشک میوے کی پلیٹ سالار کی طرف بڑھائی۔

سالار نے چند کاجو اٹھا لئے۔

"میں تمہاری شادی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

کاجو منہ میں ڈالتے ہوئے وہ ایک دم رک گیا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ سکندر عثمان اور طیبہ بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔

"اب تمہیں شادی کر ہی لینی چاہئیے سالار"!

سکندر نے کہا۔ سالار نے غیر محسوس انداز میں ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاجو دوبارہ خشک میوے کی پلیٹ میں رکھ دیئے۔

"میں اور طیبہ تو حیران ہو رہے تھے کہ اتنے رشتے تو تمہارے بھائیوں میں سے کسی کے نہیں آئے جتنے تمہارے لئے آ رہے ہیں۔"

سکندر نے بڑے شگفتہ انداز میں کہا۔

"میں نے سوچا، کچھ بات وات کریں تم سے۔"

وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

"زاہد ہمدانی صاحب کو جانتے ہو؟" عثمان سکندر نے ایک بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کے ہیڈ کا نام لیا۔

"جی۔۔۔۔ان کی بیٹی میری کولیگ ہے۔"

"رمشہ نام ہے شاید؟"

"جی۔"

"کیسی لڑکی ہے؟"

وہ سکندر عثمان کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ ان کا سوال بہت "واضح" تھا۔

"اچھی ہے۔" اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

"تمہیں پسند ہے؟"

"کس لحاظ سے؟"

"میں رمشہ کے پروپوزل کی بات کر رہا ہوں۔" سکندر عثمان نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"زاہد پچھلے کئی ہفتے سے مجھ سے اس سلسلے میں بات کر رہا ہے۔ اپنی وائف کے ساتھ ایک دو بار وہ ہماری طرف آیا بھی ہے۔ ہم لوگ بھی ان کی طرف گئے ہیں۔ پچھلے ویک اینڈ پر رمشہ سے بھی ملے ہیں۔ مجھے اور طیبہ کو تو بہت اچھی لگی ہے۔ بہت well behaved ہے اور تمہارے ساتھ بھی اس کی اچھی خاصی دوستی ہے۔ ان لوگوں کی خواہش ہے بلکہ اصرار ہے کہ تمہارے ذریعے دونوں فیملیز میں کوئی رشتہ داری بن جائے۔"

"پاپا میری رمشہ کے ساتھ کوئی دوستی نہیں ہے۔" سالار نے مدھم اور ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہ میری کولیگ ہے، جان پہچان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت اچھی لڑکی ہے مگر میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم کہیں اور انٹرسٹڈ ہو؟"

سکندر نے اس سے پوچھا۔ وہ خاموش رہا۔ سکندر اور طیبہ کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"اگر تمہاری کہیں اور دلچسپی ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہمیں خوشی ہوگی وہاں تمہاری شادی کی بات کرتے ہوئے اور یقیناً ہم تم پر بھی کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گے اس سلسلے میں۔"

سکندر نے نرمی سے کہا۔

"میں بہت عرصہ پہلے شادی کر چکا ہوں۔"

ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ سکندر کو کوئی دشواری نہیں ہوئی یہ سمجھنے میں کہ اس کا اشارہ کس طرف تھا۔ ان کے چہرے پر یک دم سنجیدگی آ گئی۔

"امامہ کی بات کر رہے ہو؟"

وہ خاموش رہا۔ سکندر بہت دیر تک بے یقینی سے اسے دیکھتے رہے۔

"اتنے عرصے سے اس لئے شادی نہیں کر رہے؟"

سکندر کو جیسے ایک شاک لگا تھا۔ ان کا خیال تھا وہ اسے بھلا چکا تھا۔ آخر یہ آٹھ سال پرانی بات تھی۔

"اب تک تو وہ شادی کر چکی ہوگی، اپنی زندگی آرام سے گزار رہی ہوگی۔ تمہاری اور اس کی شادی تو کب کی ختم ہو چکی۔"

سکندر نے اس سے کہا۔

"نہیں پاپا! اس کے ساتھ میری شادی ختم نہیں ہوئی۔" اس نے پہلی بار سر اٹھا کر کہا۔

"تم نے اسے نکاح نامے میں طلاق کا اختیار دیا تھا اور۔۔۔۔۔ مجھے یاد ہے تم اسے ڈھونڈنا چاہتے تھے تاکہ طلاق دے سکو۔"

سکندر نے جیسے اسے یاد کرایا۔

"میں نے اسے ڈھونڈا تھا مگر وہ مجھے نہیں ملی اور وہ یہ بات نہیں جانتی کہ اس کے پاس طلاق کا ختیار ہے۔ وہ جہاں بھی ہوگی ابھی تک میری ہی بیوی ہوگی۔"

"سالار! آٹھ سال گزر چکے ہیں۔ ایک دو سال کی بات تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ یہ جان گئی ہو کہ طلاق کا اختیار اس کے پاس ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اب بھی تمہاری بیوی ہی ہو۔"

سکندر نے قدرے مضطرب ہو کر کہا۔

"میرے علاوہ تو کوئی دوسرا اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا اور میں نے اسے اس حق کے بارے میں نہیں بتایا اور جب تک وہ میرے نکاح میں ہے مجھے کہیں اور شادی نہیں کرنی۔"

"تمہارا کانٹیکٹ ہے اس کے ساتھ؟" سکندر نے بہت مدھم آواز میں کہا۔

"نہیں۔"

"آٹھ سال سے اس سے تمہارا رابطہ نہیں ہوا۔ اگر ساری عمر نہ ہوا تب تم کیا کرو گے؟"

وہ خاموش رہا اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

سکندر عثمان کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتے رہے۔

"تم نے مجھ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم اس لڑکی کے ساتھ ایموشنلی انوالوڈ ہو۔ تم نے تو مجھے یہی بتایا تھا کہ تم نے صرف وقتی طور پر اس کی مدد کی تھی وہ کسی اور لڑکے سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔"

سالار اس بار بھی خاموش رہا۔

سکندر عثمان چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔ وہ اپنے اس تیسرے بیٹے کو کبھی نہیں جان سکے تھے۔ اس کے دل میں کیا تھا وہ اس تک کبھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ جس لڑکی کے لئے وہ آٹھ سال ضائع کر چکا تھا اور باقی کی زندگی ضائع کرنے کے لئے تیار تھا، اس کے ساتھ اس کے جذباتی تعلق کی شدت کیسی ہو سکتی تھی یہ اب شاید اسے لفظوں میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کمرے میں خاموشی کا ایک لمبا وقفہ آیا پھر سکندر عثمان اٹھ کر اپنے ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔ ان کی واپسی چند منٹوں کے بعد ہوئی۔ صوفہ پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے سالار کی طرف ایک لفافہ بڑھا دیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے وہ لفافہ پکڑ لیا۔

"امامہ نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔"

وہ سانس نہیں لے سکا۔ سکندر عثمان ایک بار پھر صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔

"یہ پانچ چھ سال پہلے کی بات ہے وہ تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ فون ناصرہ نے اٹھایا تھا اور اس نے امامہ کی آواز پہچان لی تھی۔ تب تم پاکستان میں تھے۔ ناصرہ نے تمہارے بجائے مجھ سے اس کی بات کرائی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے اس کی بات کراؤں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم مر چکے ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ تم سے رابطہ کرے اور جس مصیبت سے ہم چھٹکارا پا چکے ہیں اس میں دوبارہ پڑیں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری بات پر یقین کر لے گی کیونکہ تم کئی بار خودکشی کی کوشش کر چکے تھے۔ وہ وسیم کی بہن تھی تمہارے بارے میں یہ سب

جانتی ہو گی۔ کم از کم ایک ایسی کوشش کی تو وہ خود گواہ تھی۔ میں اسے نکاح نامے میں موجود طلاق کے اختیار کے بارے میں نہیں بتا سکا نہ ہی اس طلاق نامے کے بارے میں جو میں نے تمہاری طرف سے تیار کرایا تھا۔ تمہیں جب میں نے امریکہ بھجوایا تھا تو تم سے ایک سادہ کاغذ پر سائن لیے تھے، میں چاہتا تھا کہ مجھے ضرورت پڑے تو میں خود ہی طلاق نامہ تیار کرا لوں۔ یہ قانونی یا جائز تھا کہ نہیں اس کا پتا نہیں مگر میں نے اسے تیار کرا لیا تھا اور میں امامہ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا اور اسے تمام پیپرز بھی دینا چاہتا تھا مگر اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے نمبر ٹریس آؤٹ کرایا وہ کسی پی سی او کا تھا۔ اس کے کچھ دنوں بعد بیس ہزار کے کچھ ٹریولرز چیک مجھے اس نے ڈاک کے ذریعے بھجوائے اس کے ساتھ ایک خط بھی تھا۔ شاید تم نے اسے کچھ رقم دی تھی۔ اس نے وہ واپس کی تھی۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں بتایا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم دوبارہ اس معاملے میں انوالو ہو۔ میں امامہ کی فیملی سے خوفزدہ تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ تب بھی تمہاری تاک میں ہوں گے اور میں چاہتا تھا تم اپنا کیریئر بناتے رہو۔"

وہ لفافہ ہاتھ میں پکڑے رنگ بدلتے ہوئے چہرے کے ساتھ سکندر عثمان کو دیکھتا رہا، کسی نے بہت آہستگی کے ساتھ اس کے وجود سے جان نکال لی تھی۔ اس نے لفافے کو ٹیبل پر رکھ دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ طیبہ اور سکندر اس کے ہاتھ کی کپکپاہٹ کو دیکھ سکیں۔۔۔۔ وہ دیکھ چکے تھے مگر اس کے حواس چند لمحوں کے لئے بالکل کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔ اپنے سامنے

پڑی ٹیبل پر رکھے اس لفافے پر ہاتھ رکھے وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اسے ٹیبل پر رکھے رکھے اس نے اس کے اندر موجود کاغذ کو نکال لیا۔

ڈیئر انکل سکندر!

مجھے آپ کے بیٹے کی موت کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا۔ میری وجہ سے آپ لوگوں کو چند سال بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے سالار کو کچھ رقم ادا کرنی تھی۔ وہ میں آپ کو بھجوا رہی ہوں۔

خداحافظ

امامہ ہاشم

سالار کو لگا وہ واقعی مر گیا ہے۔ سفید چہرے کے ساتھ اس نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو دوبارہ لفافے میں ڈال دیا۔ کچھ بھی کہے بغیر اس نے لفافہ تھاما اور اٹھ کھڑا ہوا۔ سکندر اور طیبہ دم بخود اسے دیکھ رہے تھے جب وہ سکندر کے پاس سے گزرنے لگا تو وہ اٹھ کھڑے ہوگئے۔

"سالار۔۔۔۔۔!"

وہ رک گیا۔ سکندر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جو کچھ بھی ہوا۔۔۔۔۔نادانستگی میں ہوا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم۔۔۔۔۔اگر تم نے کبھی مجھے امامہ کے بارے میں اپنی فیلنگز بتائی ہوتیں تو میں کبھی یہ سب نہ کرتا۔ میں اس سارے معاملے کو کسی اور طرح ہینڈل کرتا یا پھر اس کے ساتھ تمہارا رابطہ کرا دیتا۔ میرے بارے میں اپنے دل میں کوئی شکایت یا گلہ مت رکھنا۔"

سالار نے سر نہیں اٹھایا۔ ان سے نظر نہیں ملائی مگر سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ اسے ان سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ سکندر نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا، سکندر چاہتے تھے وہ وہاں سے چلا جائے۔ انہوں نے اس کے ہونٹوں کو کسی بچے کی طرح کپکپاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بار بار انہیں بھینچ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند منٹ اور وہاں رہتا تو شاید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا۔ سکندر اپنے پچھتاوے میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

طیبہ نے اس ساری گفتگو میں کوئی مداخلت نہیں کی، مگر سالار کے باہر جانے کے بعد انہوں نے سکندر کی دل جوئی کرنے کی کوشش کی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے جو کچھ کیا اس کی بہتری کے لئے کیا۔ وہ سمجھ جائے گا۔"

وہ سکندر کے چہرے سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکتی تھیں۔ سکندر ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کمرے میں چکر لگا رہے تھے۔

"یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ مجھے سالار سے پوچھے بغیر یا اس کو بتائے بغیر یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ مجھے امامہ سے اس طرح کا جھوٹ بھی نہیں بولنا چاہیئے تھا۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر تاسف آمیز انداز میں ایک ہاتھ کو مٹھی کی صورت میں بھینچے ہوئے کھڑکی میں جا کر کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی بہت محتاط انداز میں سڑک پر پھسل رہی تھی۔ سالار کئی سال بعد پہلی بار اس سڑک پر رات کے اس پہر گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ رات اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چل رہی تھی۔ اسے لگا آٹھ سال اڑ کر غائب ہو گئے تھے۔ سب کچھ وہی تھا۔ وہیں تھا۔

کوئی بڑی آہستگی سے اس کے برابر میں آبیٹھا۔اس نے اپنے آپ کو فریب کی گرفت میں آنے دیا۔ گردن موڑ کر برابر والی سیٹ کو نہیں دیکھا۔الوژن کو حقیقت بننے دیا۔جانتے بوجھتے کھلی آنکھوں کے ساتھ۔ کوئی اب سسکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔

ڈیئر انکل سکندر!

مجھے آپ کے بیٹے کی موت کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا۔میری وجہ سے آپ لوگوں کو چند سال بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے سالار کو کچھ رقم ادا کرنی تھی۔ وہ میں آپ کو بھجوا رہی ہوں۔

خداحافظ

امامہ ہاشم

ایک بار پھر اس خط کی تحریر اس کے ذہن میں گونجنے لگی تھی۔

وہ سکندر عثمان کے پاس سے آکر بہت دیر تک خط لئے اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔

اس نے امامہ کو کوئی رقم نہیں دی تھی مگر وہ جانتا تھا اس نے اس کا کون سا قرض لوٹایا تھا۔ موبائل فون کی قیمت، اور اس کے بلز، وہ خالی الذہنی کے عالم میں اپنے بیڈ پر بیٹھے نیم تاریک کمرے کی کھڑکیوں سے باہر اس کے گھر کی عمارت کو دیکھتا رہا۔ ساری دنیا یک دم جیسے ہر زندہ شے سے خالی ہو گئی تھی۔

اس نے خط پر تاریخ پڑھی، وہ امامہ کے گھر سے جانے کے تقریباً ڈھائی سال بعد بھیجا گیا تھا۔

ڈھائی سال بعد اگر وہ بیس ہزار روپے اسے بھجوا رہی تھی تو اس کا مطلب تھا وہ خیریت سے تھی۔ کم از کم اس کے امامہ کے بارے میں بدترین اندیشے درست ثابت نہیں ہوئے تھے۔ اسے خوشی تھی لیکن اگر اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ سالار مر چکا تھا تو پھر وہ اس کی زندگی سے بھی نکل چکا گیا تھا اور اس کا کیا مطلب تھا وہ یہ بھی جانتا تھا۔

کئی گھنٹے وہ اسی طرح وہیں بیٹھا رہا پھر پتا نہیں اس کے دل میں کیا آیا، اپنا بیگ پیک کر کے وہ گھر سے نکل آیا۔

اور اب وہ اس سڑک پر تھا۔ اسی دھند میں، اسی موسم میں، سب کچھ جیسے دھواں بن رہا تھا یا پھر دھند۔ چند گھنٹوں کے بعد وہ اسی ہوٹل نما سروس سٹیشن کے پاس جا پہنچا۔ اس نے گاڑی روک لی۔ دھند میں ملفوف وہ عمارت اب بالکل بدل چکی تھی۔ گاڑی کو موڑ کر وہ سڑک سے

اتار کر اندر لے آیا۔ پھر دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا، آٹھ سال پہلے کی طرح آج بھی وہاں خاموشی کا راج تھا۔ صرف لائٹس کی تعداد پہلے سے زیادہ تھی۔ اس نے ہارن نہیں دیا، اس لئے اندر سے کوئی نہیں نکلا۔ برآمدے میں اب وہ پانی کا ڈرم نہیں تھا۔ وہ برآمدے سے گزر تے ہوئے اندر جانے لگا، تب ہی اندر سے ایک شخص نکل آیا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا سالار نے اس سے کہا۔

"میں چائے پینا چاہتا ہوں۔"

اس نے جماہی لی اور واپس مڑ گیا۔

"آجائیں۔۔۔۔۔"

سالار اندر چلا گیا۔ یہ وہی کمرہ تھا مگر اندر سے کچھ بدل چکا تھا۔ پہلے کی نسبت میزوں اور کرسیوں کی تعداد زیادہ تھی اور کمرے کی حالت بھی بہت بہتر ہو چکی تھی۔

"چائے لیں گے یا ساتھ کچھ اور بھی؟" اس آدمی نے مڑ کر اچانک پوچھا۔

"صرف چائے۔"

سالار ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

آدمی کاؤنٹر کے عقب میں اب اسٹوو جلانے میں مصروف ہو چکا تھا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟" اس نے چائے کے لئے کیتلی اوپر رکھتے ہوئے سالار سے پوچھا۔

جواب نہیں آیا۔

اس شخص نے گردن موڑ کر دیکھا۔ چائے پینے کے لئے آنے والا وہ شخص کمرے کے ایک کونے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ بالکل پتھر کے کسی مجسمے کی طرح بے حس و حرکت۔

وہ نماز پڑھ کر اس کے بالمقابل میز کے دوسری جانب کرسی پر آبیٹھی تھی۔ کچھ کہے بغیر اس نے میز پر پڑا چائے کا کپ اٹھایا اور اسے پینے لگی۔ لڑکا تب تک برگر لے آیا تھا اور اب ٹیبل پر برگر رکھ رہا تھا۔ سالار تیکھی نظروں کے ساتھ برگر کی پلیٹ کو دیکھ رہا تھا، جو اس کے سامنے رکھی جا رہی تھی۔ جب لڑکے نے پلیٹ رکھ دی تو سالار نے کانٹے کے ساتھ برگر کا اوپر والا حصہ اٹھایا اور تنقیدی نظروں سے فلنگ کا جائزہ لیا پھر چھری اٹھا کر اس نے لڑکے سے کہا جو اب امامہ کے برگر کی پلیٹ اس کے سامنے رکھ چکا تھا۔

"یہ شامی کباب ہے؟"

وہ filling کی اوپر والی تہہ کو الگ کر رہا تھا۔

"یہ آملیٹ ہے؟" اس نے نیچے موجود آملیٹ کو چھری کی مدد سے تھوڑا اونچا کیا۔

"اور یہ کیچپ، تو چکن کہاں ہے؟ میں نے تمہیں چکن بر گر لانے کو کہا تھا نا؟"

اس نے اکھڑ لہجے میں لڑکے سے کہا۔

امامہ تب تک خاموشی سے بر گر اٹھا کر کھانے میں مصروف ہو چکی تھی۔

"یہ چکن بر گر ہے۔" لڑکے نے قدرے گڑ بڑا کر کہا۔

"کیسے چکن بر گر ہے؟ اس میں کہیں چکن نہیں ہے۔" سالار نے چیلنج کیا۔

"ہم اسے ہی چکن بر گر کہتے ہیں۔" وہ لڑکا اب نروس ہو رہا تھا۔

"اور جو سادہ بر گر ہے اس میں کیا ڈالتے ہو؟"

"اس میں بس شامی کباب ہوتا ہے۔ انڈہ نہیں ہوتا۔"

"اور انڈہ ڈال کر سادہ بر گر چکن بر گر بن جاتا ہے، چونکہ انڈے سے مرغی نکلتی ہے اور مرغی کے گوشت کو چکن کہتے ہیں اس لئے directly نہیں تو indirectly یہ چکن بر گر بنتا ہے۔"

سالار نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ وہ لڑکا کھسیانے انداز میں ہنسا۔ امامہ ان دونوں کی گفتگو پر توجہ دیئے بغیر ہاتھ میں پکڑا بر گر کھانے میں مصروف تھی۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔" سالار نے کہا۔

لڑکے نے یقیناً سکون کا سانس لیا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ چھری اور کانٹے کو رکھ کر سالار نے بائیں ہاتھ سے بر گر کو اٹھا لیا۔ بر گر کھاتے ہوئے امامہ نے پہلی بار پلیٹ سے سالار کے ہونٹوں تک بائیں ہاتھ میں بر گر کے سفر کو تعجب آمیز نظروں سے دیکھا اور یہ تعجب ایک لمحے میں غائب ہو گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر بر گر کھانے میں مصروف تھی۔ سالار نے اپنے بر گر کو دانتوں سے کاٹا ایک لمحہ کے لئے منہ چلایا اور پھر بر گر کو اپنی پلیٹ میں اچھال دیا۔

"فضول بر گر ہے۔ تم کس طرح کھا رہی ہو؟" سالار نے لقمے کو بمشکل حلق سے نگلتے ہوئے کہا۔

"اتنا برا نہیں ہے جتنا تمہیں لگ رہا ہے۔" امامہ نے بے تاثر انداز میں کہا۔

"ہر چیز میں تمہارا اسٹینڈرڈ بڑا لو ہے امامہ! وہ چاہے بر گر ہو یا شوہر۔"

بر گر کھاتے ہوئے امامہ کا ہاتھ رک گیا۔ سالار نے اس کے سفید چہرے کو ایک پل میں سرخ ہوتے دیکھا۔ سالار کے چہرے پر ایک تپا دینے والی مسکراہٹ آئی۔

"میں جلال انصر کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے جیسے امامہ کو یاد دلایا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" امامہ نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"میرا اسٹینڈرڈ واقعی بہت لو ہے۔" وہ ایک بار پھر برگر کھانے لگی۔

"میں نے سوچا تم برگر میرے منہ پر دے مارو گی۔" سالار نے دبی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں رزق جیسی نعمت کو کیوں ضائع کروں گی۔"

"یہ اتنا برابر گر نعمت ہے؟" اس نے تضحیک آمیز انداز میں کہا۔

"اور کون کون سی نعمتیں ہیں اس وقت تمہارے پاس۔۔۔۔۔"

"انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ یہ میری زبان پر ذائقہ چکھنے کی جو حس ہے یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ میں اگر کوئی چیز کھاتی ہوں تو اس میں اس کا ذائقہ محسوس کر سکتی ہوں۔ بہت سے لوگ اس نعمت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔"

"اور ان لوگوں میں ٹاپ آف دی لسٹ سالار سکندر کا نام ہو گا، ہے نا؟"

اس نے امامہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی تیز آواز میں اس کی بات کاٹی۔

"سالار سکندر کم از کم اس طرح کی چیزیں کھا کر انجوائے نہیں کر سکتا۔"

اس شخص نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھ دیا۔ سالار یک دم چونک گیا۔ سامنے والی کرسی اب خالی تھی۔

"ساتھ میں کچھ اور چاہئیے؟" آدمی نے کھڑے کھڑے پھر پوچھا۔

"نہیں، بس چائے کافی ہے۔" سالار نے چائے کا کپ اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"آپ اسلام آباد سے آئے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔"

"لاہور جا رہے ہیں؟" اس نے ایک اور سوال کیا۔

اس بار سالار نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ وہ اب چائے کا گھونٹ لے رہا تھا۔ اس آدمی کو شبہ ہوا اس نے چائے پینے والے شخص کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی دیکھی ہے۔

"میں کچھ دیر یہاں اکیلا بیٹھنا چاہتا ہوں۔" اس نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے سر اٹھائے بغیر کہا۔

وہ شخص کچھ تعجب سے اسے دیکھتا ہوا واپس کچن میں چلا گیا اور ثانوی نوعیت کے کاموں میں مصروف گاہے بگاہے دور سے سالار پر نظریں دوڑاتا رہا۔

پورے پندرہ منٹ بعد اس نے سالار کو ٹیبل چھوڑ کر کمرے سے نکلتے دیکھا۔ وہ آدمی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کچن سے کمرے میں واپس آیا مگر اس سے پہلے کہ وہ سالار کے پیچھے باہر

جاتا، میز پر خالی کپ کے نیچے پڑے ایک نوٹ نے اسے روک لیا۔ وہ بھونچکا سا اس نوٹ کو دیکھتا رہا، پھر اس نے آگے بڑھ کر اس نوٹ کو پکڑا اور تیزی سے کمرے سے باہر آ گیا۔ سالار کی گاڑی اس وقت ریورس ہوتے ہوئے مین روڈ پر جا رہی تھی۔ اس آدمی نے حیرانی سے اس دور جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑے اس ہزار روپے کے نوٹ کو برآمدے میں لگی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں دیکھا۔

"نوٹ اصلی ہے مگر آدمی بے وقوف۔۔۔۔"

اس نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے زیر لب تبصرہ کیا اور نوت کو جیب میں ڈال لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سکندر عثمان صبح ناشتے کی میز پر آئے تو بھی ان کے ذہن میں سب سے پہلے سالار کا ہی خیال آیا تھا۔

"سالار کہاں ہے؟ اسے بلاؤ۔"

انہوں نے ملازم سے کہا۔ "سالار صاحب تو رات کو ہی چلے گئے تھے۔"

سکندر اور طیبہ نے بے اختیار ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا۔

"کہاں چلے گئے۔۔۔۔؟ گاؤں؟"

"نہیں، واپس لاہور چلے گئے۔ انہوں نے سالار کا نمبر ڈائل کیا۔ موبائل آف تھا۔ انہوں نے اس کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا۔

وہاں جوابی مشین لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے پیغام ریکارڈ کرائے بغیر فون بند کر دیا۔ کچھ پریشان سے وہ دوبارہ ناشتے کی میز پر آ بیٹھے۔

"فون پر کانٹیکٹ نہیں ہوا؟" طیبہ نے پوچھا۔

"نہیں موبائل آف ہے۔ اس کے فلیٹ پر آنسر فون لگا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیوں چلا گیا؟"

"آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔۔ ناشتہ کریں۔" طیبہ نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"تم کرو۔۔۔۔ میرا موڈ نہیں ہے۔"

وہ اٹھ کر باہر نکل گئے۔ طیبہ بے اختیار سانس لے کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سالار نے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولا، باہر فرقان تھا۔ وہ پلٹ کر اندر آ گیا۔

"تم کب آئے؟" فرقان نے قدرے حیرانی سے اس کے پیچھے اندر آتے ہوئے کہا۔

"آج صبح۔۔۔۔" سالار نے صوفے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔۔۔۔" تمہیں گاؤں جانا تھا؟" فرقان نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو پارکنگ میں تمہاری گاڑی دیکھ کر آ گیا۔ بندہ آتا ہے تو بتا ہی دیتا ہے۔"

سالار جواب میں کچھ کہے بغیر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" فرقان نے پہلی بار اس کے چہرے کو دیکھا اور تشویش میں مبتلا ہوا۔

"کیا ہوا؟" سالار نے جواباً کہا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں، تمہیں کیا ہوا ہے؟" فرقان نے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔"

"گھر میں سب خیریت ہے؟"

"ہاں۔۔۔۔"

"تو پھر تم۔۔۔۔ سر میں درد ہے؟ میگرین؟"

فرقان اب اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔" سالار نے مسکرانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کا فائدہ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا۔

"تو پھر ہوا کیا ہے تمہیں؟ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔"

"میں رات سویا نہیں، ڈرائیو کرتا رہا ہوں۔"

سالار نے بڑے عام سے انداز میں کہا۔

"تو اب سو جاتے۔ یہاں آ کر فلیٹ پر، صبح سے کیا کر رہے ہو؟" فرقان نے کہا۔

"کچھ بھی نہیں۔۔۔۔"

"سوئے کیوں نہیں۔۔۔۔؟"

"نیند نہیں آ رہی۔۔۔۔"

"تم تو سلیپنگ پلز لے کر سو جاتے ہو، پھر نیند نہ آنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

فرقان کو تعجب ہوا۔

"بس آج نہیں لینا چاہتا تھا میں۔ یا یہ سمجھ لو کہ آج میں سونا نہیں چاہتا تھا۔"

"کھانا کھایا ہے؟"

"نہیں، بھوک نہیں لگی۔۔۔۔۔"

"دو بج رہے ہیں۔" فرقان نے جیسے اسے جتایا۔

"میں کھانا بھجواتا ہوں کھالو۔۔۔۔ تھوڑی دیر سو جاؤ پھر رات کو نکلتے ہیں آؤٹنگ کے لئے۔"

"نہیں، کھانا مت بھجوانا۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ شام کو اٹھوں گا تو باہر جا کر کہیں کھاؤں گا۔"

سالار کہتے ہوئے صوفہ پر لیٹ گیا اور اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ فرقان کچھ دیر بیٹھا اسے دیکھتا رہا، پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

رمشہ نے سالار کے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ اس نے ریسیپشن کی طرف جاتے ہوئے سالار کے کمرے کی کھڑکیوں کے چند کھلے ہوئے بلائنڈز میں اسے اندر دیکھا تھا۔ کوریڈور میں سے جانے کی بجائے وہ رک گئی۔ سالار ٹیبل پر اپنی کہنیاں ٹکائے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے ہوئے تھا۔ رمشہ جانتی تھی کہ اسے کبھی کبھار میگرین کا درد ہوتا تھا۔ وہ ریسیپشن کی طرف جانے کی بجائے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

سالار اسے دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔ وہ اب ٹیبل پر کھلی ایک فائل کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" رمشہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔"

اس نے رمشہ کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ رمشہ واپس جانے کی بجائے آگے بڑھ آئی۔

"نہیں تم ٹھیک نہیں لگ رہے۔" اس نے سالار کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم پلیز اس فائل کو لے جاؤ۔۔۔۔۔ اسے دیکھ لو۔۔۔۔۔ میں دیکھ نہیں پا رہا۔۔۔۔۔"

سالار نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے فائل بند کر کے ٹیبل پر اس کی طرف کھسکا دی۔

"میں دیکھ لیتی ہوں، تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے تو گھر چلے جاؤ۔"

رمشہ نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں، بہتر ہے۔ میں گھر چلا جاؤں۔" اس نے اپنا بریف کیس نکال کر اسے کھولا اور اپنی چیزیں اندر رکھنا شروع کر دیں۔ رمشہ بغور اس کا جائزہ لیتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گیارہ بجے آفس سے واپس گھر آ گیا تھا۔ یہ چوتھا دن تھا جب وہ مسلسل اسی حالت میں تھا۔ یک دم، ہر چیز میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

بینک میں اپنی جاب

لمز (LUMS) کے لیکچرز

ڈاکٹر سبط علی کے ساتھ نشست۔۔۔۔

فرقان کی کمپنی

گاؤں کا اسکول۔

مستقبل کے منصوبے اور پلاننگ

اسے کوئی چیز بھی اپنی طرف کھینچ نہیں پا رہی تھی۔

وہ جس امکان کے پیچھے کئی سال پہلے سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گیا تھا وہ "امکان" ختم ہو گیا تھا۔ اور اسے کبھی اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ختم ہونے سے اس کے لئے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ وہ مسلسل اپنے آپ کو اس حالت سے باہر لانے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا اور وہ ناکام ہو رہا تھا۔

محض یہ تصور کہ وہ کسی اور شخص کی بیوی بن کر کسی اور کے گھر میں رہ رہی ہو گی۔ سالار سکندر کے لئے اتنا ہی جان لیوا تھا جتنا ماضی کا یہ اندیشہ کہ وہ غلط ہاتھوں میں نہ چلی گئی ہو اور اس ذہنی حالت میں اس نے عمرہ پر جانے کا فیصلہ کیا تھا وہ واحد جگہ تھی جو اس کی زندگی میں اچانک آ جانے والی اس بے معنویت کو ختم کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ احرام باندھے خانہ کعبہ کے صحن میں کھڑا تھا۔ خانہ کعبہ میں کوئی نہیں تھا۔ دور دور تک کسی وجود کا نشان نہیں تھا۔ رات کے پچھلے پہر آسمان پر چاند اور ستاروں کی روشنی نے صحن

کے ماربل سے منعکس ہو کر وہاں کی ہر چیز کو ایک عجیب سی دودھیا روشنی میں نہلا دیا تھا۔ چاند اور ستاروں کے علاوہ وہاں اور کوئی روشنی نہیں تھی۔

خانہ کعبہ کے غلاف پر لکھی ہوئی آیات، سیاہ غلاف پر عجیب طرح سے روشن تھے۔ ہر طرف گہرا سکوت تھا اور اس گہرے سکوت کو صرف ایک آواز توڑ رہی تھی۔ اس کی آواز۔۔۔۔۔ اس کی اپنی آواز۔۔۔۔۔ وہ مقام ملتزم کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی نظریں خانہ کعبہ کے دروازے پر تھیں اور وہ سر اٹھائے بلند آواز سے کہنے لگا۔

"لبیک اللھم لبیک ☆ لبیک لاشریک لک لبیک ☆ إن الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک ☆"

(حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک حمد و ثنا تیرے لئے ہے، نعمت تیری ہے، بادشاہی تیری ہے کوئی تیرا شریک نہیں)۔

پوری وقت سے گونجتی ہوئی اس کی آواز خانہ کعبہ کے سکوت کو توڑ رہی تھی، اس کی آواز خلا کی وسعتوں تک جاری تھی۔

"لبیک الھم لبیک۔۔۔۔۔"

ننگے پاؤں، نیم برہنہ وہاں کھڑا وہ اپنی آواز پہچان رہا تھا۔

"لبیک لاشریک لک لبیک۔۔۔۔۔ وہ صرف اس کی آواز تھی۔ ☆ إن الحمد والنعمۃ لک والملک۔"

اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو اس کی ٹھوڑی سے نیچے اس کے پیروں کی انگلیوں پر گر رہے تھے۔

"لاشریک لک۔۔۔۔۔"

اس کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"لبیک الھم لبیک۔۔۔۔۔"

اس نے خانہ کعبہ کے غلاف پر کندہ آیات کو یک دم بہت روشن دیکھا۔ اتنا روشن کہ وہ جگمگانے لگی تھیں۔ آسمان پر ستاروں کی روشنی بھی اچانک بڑھ گئی۔ وہ ان آیات کو دیکھ رہا

تھا۔ مبہوت سحر زدہ، کسی معمول کی طرح، زبان پر ایک ہی جملہ لئے۔۔۔۔اس نے خانہ کعبہ کے دروازے کو بہت آہستہ ہستہ کھلتے دیکھا۔

"لبیک الھم لبیک۔۔۔۔"

اس کی آواز اور بلند ہو گئی۔ ایک درد کی طرح، ایک سانس، ایک لے۔

"لبیک لا شریک لک لبیک۔۔۔۔"

اس وقت پہلی بار اس نے اپنی آواز میں کسی اور آواز کو مدغم ہوتے محسوس کیا۔

"اِن الحمد والنعمۃ۔۔۔۔"

اس کی آؤاز کی طرح وہ آواز بلند نہیں تھی۔ کسی سرگوشی کی طرح تھی۔ کسی گونج کی طرح، مگر وہ پہچان سکتا تھا وہ اس کی آواز کی گونج نہیں تھی۔ وہ کوئی اور آواز تھی۔

"لک والملک۔۔۔۔"

اس نے پہلی بار خانہ کعبہ میں اپنے علاوہ کسی اور کی موجودگی کو محسوس کیا۔

"لا شریک لک۔۔۔۔"

خانہ کعبہ کا دروازہ کھل رہا تھا۔

"لبیک الھم لبیک۔۔۔۔"

وہ اس نسوانی آواز کو پہچانتا تھا۔

"لبیک لا شریک لک۔"

وہ اس کے ساتھ وہی الفاظ دہرا رہی تھی۔

"لبیک اِن الحمد والنعمۃ۔"

آواز دائیں طرف نہیں تھی بائیں طرف تھی۔ کہاں۔۔۔۔اس کی پشت پر۔ چند قدم کے فاصلے پر۔

"لک والملک لا شریک لک۔"

اس نے جھک کر اپنے پاؤں پر گرنے والے آنسوؤں کو دیکھا اس کے پاؤں بھیگ چکے تھے۔

اس نے سر اٹھا کر خانہ کعبہ کے دروازے کو دیکھا۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ اندر روشنی تھی۔ دودھیا روشنی۔ اتنی روشنی کہ اس نے بے اختیار گھٹنے ٹیک دیئے۔ وہ اب سجدہ کر رہا تھا، روشنی کم ہو رہی تھی۔ اس نے سجدے سے سر اٹھایا، روشنی اور کم ہو رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ خانہ کعبہ کا دروازہ اب بند ہو رہا تھا۔ روشنی اور کم ہوتی جا رہی تھی اور تب اس نے ایک بار پھر سرگوشی کی صورت میں وہی نسوانی آواز سنی۔

اس بار اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔



سالار کی آنکھ کھل گئی۔ وہ حرم شریف کے ایک برآمدے کے ستون سے سر ٹکائے ہوئے تھا۔ وہ کچھ دیر ستانے کے لئے وہاں بیٹھا تھا مگر نیند نے عجیب انداز میں اس پر غلبہ پایا۔

وہ امامہ تھی۔ بے شک امامہ تھی۔ سفید احرام میں اس کے پیچھے کھڑی۔ اس نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی مگر ایک جھلک بھی اسے یقین دلانے کے لئے کافی تھی کہ وہ امامہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔ خالہ الذہنی کے عالم میں لوگوں کو ادھر سے ادھر جاتے دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا۔

آٹھ سال سے زیادہ ہو گیا تھا اسے اس عورت کو دیکھے جسے اس نے آج وہاں حرم شریف میں دیکھا تھا کسی زخم کو پھر ادھیڑ اگیا تھا۔ اس نے گلاسز اتار دیئے اور دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔

آنکھوں سے ابلتے گرم پانی کو رگڑتے، آنکھوں کو مسلتے اسے خیال آیا۔ یہ حرم شریف تھا۔ یہاں اسے کسی سے آنسو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں سب آنسو بہانے کے لئے ہی آتے تھے۔ اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیئے۔ اس پر رقت طاری ہو رہی تھی۔ وہ سر جھکائے بہت دیر وہاں بیٹھا روتا رہا۔

پھر اسے یاد آیا، وہ ہر سال وہاں عمرہ کرنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ وہ امامہ ہاشم کی طرف سے بھی عمرہ کیا کرتا تھا۔

وہ اس کی عافیت اور لمبی زندگی کے لئے بھی دعا مانگا کرتا تھا۔

وہ امامہ ہاشم کو ہر پریشانی سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی دعا مانگا کرتا تھا۔

اس نے وہاں حرم شریف میں اتنے سالوں میں اپنے اور امامہ کے لئے ہر دعا مانگ چھوڑی تھی۔ جہاں بھر کی دعائیں۔ مگر اس نے وہاں حرم شریف میں امامہ کو کبھی اپنے لئے نہیں مانگا تھا۔ عجیب بات تھی مگر اس نے وہاں امامہ کے حصول کے لئے کبھی دعا نہیں کی تھی۔ اس کے آنسو یک دم تھم گئے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وضو کے بعد اس نے عمرے کے لئے احرام باندھا۔ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس بار اتفاقاً اسے مقام ملتزم کے پاس جگہ مل گئی۔ وہاں، جہاں اس نے اپنے آپ کو خواب میں کھڑے دیکھا تھا۔

اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے اس نے دعا کرنا شروع کی۔

"یہاں کھڑے ہو کر تجھ سے انبیاء دعا مانگا کرتے تھے۔ ان کی دعاؤں میں اور میری دعا میں بہت فرق ہے۔"

وہ گڑگڑا رہا تھا۔

"میں نبی ہوتا تو نبیوں جیسی دعا کرتا مگر میں تو عام بشر ہوں اور گناہ گار بشر۔ میری خواہشات، میری آرزوئیں سب عام ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر کبھی کوئی کسی عورت کے لئے نہیں رویا ہو گا۔ میری ذلت اور پستی کی اس سے زیادہ انتہا کیا ہو گی کہ میں یہاں کھڑا۔۔۔۔ حرم پاک میں کھڑا۔۔۔۔ ایک عورت کے لئے گڑگڑا رہا ہوں مگر مجھے نہ اپنے دل پر اختیار ہے نہ اپنے آنسوؤں پر۔

یہ میں نہیں تھا جس نے اس عورت کو اپنے دل میں جگہ دی، یہ تو نے کیا۔ کیوں میرے دل میں اس عورت کے لئے اتنی محبت ڈال دی کہ میں تیرے سامنے کھڑا بھی اس کو یاد کر رہا

ہوں؟ کیوں مجھے اس قدر بے بس کر دیا کہ مجھے اپنے وجود پر بھی کوئی اختیار نہیں رہا؟ میں وہ بشر ہوں جسے تو نے ان تمام کمزوریوں کے ساتھ بنایا۔ میں وہ بشر ہوں جسے تیرے سوا کوئی راستہ دکھانے والا نہیں، اور وہ عورت، وہ عورت میری زندگی کے ہر راستے پر کھڑی ہے۔ مجھے کہیں جانے کہیں پہنچنے نہیں دے رہی یا تو اس کی محبت کو اس طرح میرے دل سے نکال دے کہ مجھے کبھی اس کا خیال تک نہ آئے یا پھر اسے مجھے دے دے۔ وہ نہیں ملے گی تو میں ساری زندگی اس کے لئے ہی روتا رہوں گا۔ وہ مل جائے گی تو تیرے علاوہ میں کسی کے لئے آنسو نہیں بہا سکوں گا۔ میرے آنسوؤں کو خالص ہونے دے۔

میں یہاں کھڑا تجھ سے پاک عورتوں میں سے ایک کو مانگتا ہوں۔

میں امامہ ہاشم کو مانگتا ہوں۔

میں اپنی نسل کے لئے اس عورت کو مانگتا ہوں، جس نے آپ کے پیغمبر ﷺ کی محبت میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ جس نے ان کے لئے اپنی زندگی کی تمام آسائشات کو چھوڑ دیا۔

اگر میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی نیکی کی ہے، تو مجھے اس کے عوض امامہ ہاشم دے دے۔ تو چاہے تو یہ اب بھی ہو سکتا ہے۔ اب بھی ممکن ہے۔

مجھے اس آزمائش سے نکال دے۔ میری زندگی کو آسان کر دے۔

آٹھ سال سے میں جس تکلیف میں ہوں مجھے اس سے رہائی دے دے۔

سالار سکندر پر ایک بار پھر رحم کر، وہی جو تیری صفات میں افضل ترین ہے۔

وہ سر جھکائے وہاں بلک رہا تھا۔ اسی جگہ پر جہاں اس نے خود کو خواب میں دیکھا تھا مگر اس بار اس کی پشت پر امامہ ہاشم نہیں تھی۔

بہت دیر تک گڑگڑانے کے بعد وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ آسمان پر ستاروں کی روشنی اب بھی مدھم تھی۔ خانہ کعبہ روشنیوں سے اب بھی بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ لوگوں کا ہجوم رات کے اس پہر بھی اسی طرح تھا۔ خواب کی طرح خانہ کعبہ کا دروازہ بھی نہیں کھلا تھا۔ اس کے باوجود وہاں سے ہٹتے ہوئے سالار سکندر کو اپنے اندر سکون اترتا محسوس ہوا تھا۔

وہ اس کیفیت سے باہر آ رہا تھا جس میں وہ پچھلے ایک ماہ سے تھا۔ ایک عجیب سا قرار تھا جو اس دعا کے بعد اسے ملا تھا اور وہ اسی قرار اور طمانیت کو لیے ہوئے ایک ہفتے کے بعد پاکستان لوٹ آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں اگلے سال پی ایچ ڈی کے لئے امریکہ جا رہا ہوں۔"

فرقان نے بے اختیار چونک کر سالار کو دیکھا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔۔" سالار حیرانی سے مسکرایا۔

"کیا مطلب کا کیا مطلب؟ میں پی ایچ ڈی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یوں اچانک۔۔۔۔۔؟"

"اچانک تو نہیں۔ پی ایچ ڈی کرنی تو تھی مجھے۔ بہتر ہے ابھی کر لوں۔" سالار اطمینان سے بتا رہا تھا۔

وہ دونوں فرقان کے گاؤں سے واپس آ رہے تھے۔ فرقان ڈرائیو کر رہا تھا جب سالار نے اچانک اسے اپنی پی ایچ ڈی کے ارادے کے بارے میں بتایا۔

"میں نے بینک کو بتا دیا ہے، میں نے ریزائن کرنے کا سوچا ہے۔ لیکن وہ مجھے چھٹی دینا چاہ رہے ہیں۔ ابھی میں نے سوچا نہیں کہ ان کی اس آفر کو قبول کر لوں یا ریزائن کر دوں۔"

"تم ساری پلاننگ کیے بیٹھے ہو۔"

"ہاں یار۔۔۔۔۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔۔۔۔۔ میں واقعی اگلے سال پی ایچ ڈی کے لئے جا رہا ہوں۔"

"چند ماہ پہلے تک تو تمہارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"ارادے کا کیا ہے، وہ تو ایک دن میں بن جاتا ہے۔"

سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے کھڑکی کے شیشے سے باہر نظر آنے والے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ویسے بھی بینکنگ سے متعلق ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں لیکن یہاں میں پچھلے کچھ سالوں میں اتنا مصروف رہا ہوں کہ اس پر کام نہیں کر سکا۔ میں چاہتا ہوں پی ایچ ڈی کے دوران میں یہ کتاب لکھ کر شائع بھی کرالوں۔ میرے پاس کچھ فرصت ہو گی تو میں یہ کام آسانی سے کر لوں گا۔"

فرقان کچھ دیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

"اور اسکول۔۔۔۔؟ اس کا کیا ہو گا؟"

"اس کا کچھ نہیں ہو گا۔ یہ ایسے ہی چلتا رہے گا۔ اس کا انفراسٹرکچر بھی بہتر ہوتا جائے گا۔ بورڈ آف گورنرز ہے، وہ لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ تم ہو۔۔۔۔ میں نے پاپا سے بھی بات کی ہے وہ بھی آیا کریں گے یہاں پر۔۔۔۔ میرے نہ ہونے سے کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا۔ یہ سکول بہت پہلے سالار سکندر کی تھمائی ہوئی لاٹھیاں چھوڑ چکا ہے۔ آئندہ بھی اسے ان کی

ضرورت نہیں پڑے گی مگر میں مکمل طور پر اس سے قطع تعلق نہیں کر رہا ہوں۔ میں اس کو دیکھتا رہوں گا۔ کبھی میری مدد کی ضرورت پڑی تو آجایا کروں گا۔ پہلے بھی تو ایسا ہی کیا کرتا تھا۔"

وہ اب تھرمس میں سے چائے کپ میں ڈال رہا تھا۔

"پی ایچ ڈی کے بعد کیا کرو گے؟" فرقان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"واپس آؤں گا۔ پہلے کی طرح یہیں پر کام کروں گا۔ ہمیشہ کے لئے نہیں جا رہا ہوں۔"

سالار نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے کو تھپکا۔

"کیا چند سال بعد نہیں جا سکتے تم؟"

"نہیں، جو کام آج ہونا چاہئیے اس آج ہی ہونا چاہئیے۔ میرا موڈ ہے پڑھنے کا۔ چند سال بعد شاید خواہش نہ رہے۔"

سالار نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا وہ اب بائیں ہاتھ سے ریڈیو کو ٹیون کرنے میں مصروف تھا۔

"روٹری (Rotary) کلب والے اگلے ویک اینڈ پر ایک فنکشن کر رہے ہیں، میرے پاس انویٹیشن آیا ہے۔ چلو گے ؟"

اس نے ریڈیو کو ٹیون کرتے ہوئے فرقان سے پوچھا۔

"کیوں نہیں چلوں گا۔ ان کے پروگرام دلچسپ ہوتے ہیں۔"

فرقان نے جواباً کہا۔ گفتگو کا موضوع بدل چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس دن اتوار تھا۔ سالار صبح دیر سے اٹھا۔

اخبار لے کر سرخیوں پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ کچن میں ناشتہ تیار کرنے لگا۔ اس نے صرف منہ ہاتھ دھویا تھا۔ شیو نہیں کی۔ نائٹ ڈریس کے اوپر ہی اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا سویٹر پہن لیا اس نے کتیلی میں چائے کا پانی ابھی رکھا ہی تھا جب ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ وہ اخبار ہاتھ میں پکڑے کچن سے باہر آ گیا، دروازہ کھولنے پر اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا جب اس نے سعیدہ اماں کو وہاں کھڑا پایا۔ سالار نے دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم ! کیسی ہیں آپ ؟"

"اللہ کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو ؟"

انہوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کے سر پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے۔

"میں بھی ٹھیک ہوں، آپ اندر آئیں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک لگ تو نہیں رہے ہو۔ کمزور ہو رہے ہو، چہرہ بھی کالا ہو رہا ہے۔" انہوں نے اپنی عینک کے شیشوں کے پیچھے سے اس کے چہرے پر غور کیا۔

"رنگ کالا نہیں ہوا، میں نے شیو نہیں کی۔" سالار نے بے اختیار اپنی مسکراہٹ روکی۔ وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا اندر آ گیا۔

"لو بھلا شیو کیوں نہیں کی۔ اچھا داڑھی رکھنا چاہتے ہو۔۔۔۔۔ بہت اچھی بات ہے۔ نیکی کا کام ہے۔ بہت اچھا کر رہے ہو۔"

وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"نہیں اماں! داڑھی نہیں رکھ رہا ہوں۔۔۔۔آج اتوار ہے۔دیر سے اٹھا ہوں کچھ دیر پہلے ہی۔اس لئے شیو نہیں کی۔" وہ ان کی بات پر محظوظ ہوا۔

"دیر سے کیوں اٹھے۔۔۔۔بیٹا! دیر سے نہ اٹھا کرو۔ صبح جلدی اٹھ کر فجر کی نماز پڑھا کرو۔۔۔۔چہرے پر رونق آتی ہے۔اسی لئے تو تمہارا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔صبح نماز پڑھ کر بندہ قرآن پڑھے پھر سیر کو چلا جائے۔صحت بھی ٹھیک رہتی ہے اور اللہ بھی خوش ہوتا ہے۔"

سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں نماز پڑھ کر سویا تھا۔صرف اتوار والے دن ہی دیر تک سوتا ہوں۔ورنہ روز صبح وہی کرتا ہوں جو آپ کہہ رہی ہیں۔"

وہ اس کی وضاحت پر بے حد خوش نظر آنے لگیں۔

"بہت اچھی بات ہے۔۔۔۔اسی لئے تو تمہارا چہرہ چمک رہا ہے۔رونق نظر آرہی ہے۔"

انہوں نے اپنے بیان میں ایک بار پھر تبدیلی کی۔

"آپ کیا لیں گی؟"

وہ اپنے چہرے پر کوئی تبصرہ نہیں سننا چاہتا تھا،اس لئے موضوع بدلا۔

"ناشتا کریں گی؟"

"نہیں،میں ناشتا کر کے آئی ہوں۔صبح چھ سات بجے میں ناشتہ کر لیتی ہوں۔گیارہ ساڑھے گیارہ تو میں دوپہر کا کھانا بھی کھا لیتی ہوں۔"

انہوں نے اپنے معمولات سے آگاہ کیا۔

"تو پھر دوپہر کا کھانا کھا لیں۔ساڑھے دس تو ہو رہے ہیں۔"

"نہیں ابھی تو مجھے بھوک ہی نہیں۔تم میرے پاس آ کر بیٹھو۔"

"میں آتا ہوں ابھی۔۔۔۔"

وہ ان کے انکار کے باوجود کچن میں آگیا۔

"پورے چھ ماہ سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔تم نے ایک بار بھی شکل نہیں دکھائی۔حالانکہ وعدہ کیا تھا تم نے۔"

اسے کچن میں ان کی آواز سنائی دی۔

"میں بہت مصروف تھا اماں جی۔۔۔۔"

اس نے اپنے لئے چائے تیار کرتے ہوئے کہا۔

"لو ایسی بھی کیا مصروفیت۔۔۔۔۔ارے بچے! مصروف وہ ہوتے ہیں، جن کے بیوی بچے ہوتے ہیں نہ تم نے گھر بسایا، نہ تم گھر والوں کے ساتھ رہ رہے ہو۔۔۔۔۔ پھر بھی کہتے ہو مصروف تھا۔۔۔۔۔"

وہ ٹوسٹر سے سلائس نکالتے ہوئے ان کی بات پر مسکرایا۔

"اب یہی دیکھو، یہ تمہارے کرنے کے کام تو نہیں ہیں۔"

وہ اسے چائے کی ٹرے لاتے دیکھ کر خفگی سے بولیں۔

"میں تو کہتی ہوں یہ کام مرد کے کرنے والے ہیں ہی نہیں۔"

وہ کچھ کہے بغیر مسکراتے ہوئے میز پر برتن رکھنے لگا۔

"اب دیکھو بیوی ہوتی تو یہ کام بیوی کر رہی ہوتی۔ مرد اچھا لگتا ہی نہیں ایسے کام کرتے ہوئے۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں اماں جی! مگر اب مجبوری ہے۔ اب بیوی نہیں ہے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔"

سالار نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ انہیں اس کی بات پر جھٹکا لگا۔

"یہ کیا بات ہوئی، کیا کیا جا سکتا ہے؟ ارے بچے! دنیا لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ تمہارے تو اپنے ماں باپ بھی ہیں۔ ان سے کہو۔۔۔۔۔ تمہارا رشتہ طے کریں۔ یا تم چاہو تو میں کوشش کروں۔"

سالار کو یک دم صورت حال کی سنگینی کا احساس ہونے لگا۔

"نہیں، نہیں اماں جی! آپ چائے پئیں میں بہت خوش ہوں، اپنی زندگی سے۔۔۔۔۔ جہاں تک گھر کے کاموں کا تعلق ہے تو وہ تو ہمارے پیغمبر ﷺ بھی کر لیا کرتے تھے۔"

"لو اب تم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ میں تو تمہاری بات کر رہی ہوں۔" وہ کچھ گڑبڑا گئیں۔

"آپ یہ بسکٹ لیں اور کیک بھی۔۔۔۔۔"

سالار نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ارے ہاں، جس کام کے لئے میں آئی ہوں وہ تو بھول ہی گئی۔"

انہیں اچانک یاد آیا، اپنے ہاتھ میں پکڑا بڑا سا بیگ انہوں نے کھول کر اندر کچھ تلاش کرنا شروع کر دیا۔

"تمہاری بہن کی شادی طے ہو گئی ہے۔"

سالار کو چائے پیتے بے اختیار اچھو لگا۔

"میری بہن کی۔۔۔۔۔اماں جی! میری بہن کی شادی تو پانچ سال پہلے ہو گئی تھی۔"

اس نے کچھ ہکا بکا ہوتے ہوئے بتایا۔ وہ اتنی دیر میں اپنے بیگ سے ایک کارڈ برآمد کر چکی تھیں۔

"ارے میں اپنی بیٹی کی بات کر رہی ہوں۔ آمنہ کی، تمہاری بہن ہی ہوئی نا۔۔۔۔۔"

انہوں نے اس کے جملے پر بڑے افسوس کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے کارڈ تھمایا۔

سالار کو بے اختیار ہنسی آئی کل تک وہ اسے اس کی بیوی بنانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں اور اب یک دم بہن بنا دیا، مگر اس کے باوجود سالار کو بے تحاشا اطمینان محسوس ہوا۔ کم از کم اب اسے ان سے یا ان کی بیٹی سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔

بہت مسرور سا ہو کر اس نے کارڈ پکڑ لیا۔

"بہت مبارک ہو۔۔۔۔۔کب ہو رہی ہے شادی؟" اس نے کارڈ کھولتے ہوئے کہا۔

"اگلے ہفتے۔۔۔۔۔"

"چلیں اماں جی! آپ کی فکر تو ختم ہو گئی۔"

سالار نے "میری" کے بجائے "آپ کی" کا لفظ استعمال کیا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے، بہت اچھی جگہ رشتہ ہو گیا۔ میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی پھر میں بھی اپنے بیٹوں کے پاس انگلینڈ چلی جاؤں گی۔"

سالار نے کارڈ پر ایک سرسری سی نظر دوڑائی۔

"یہ کارڈ تمہیں دینے خاص طور پر آئی ہوں۔۔۔۔۔اس بار کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔ تمہیں شادی پر آنا ہے۔ بھائی بن کر رخصت کرنا ہے بہن کو۔"

سالار نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے چائے کا کپ لیا۔

"آپ فکر نہ کریں، میں ضرور آؤں گا۔"

وہ کپ نیچے رکھ کر سلائس پر مکھن لگانے لگا۔

"یہ فرقان کا کارڈ بھی لے کر آئی ہوں میں۔۔۔۔۔اس کو بھی دینے جانا ہے۔"

انہیں اب فرقان کی یاد ستانے لگی۔

"فرقان کو تو آج بھابھی کے ساتھ اپنے سسرال جانا تھا۔ اب تک تو نکل چکا ہو گا۔ آپ مجھے دے دیں، میں اسے دے دوں گا۔" سالار نے کہا۔

"تم اگر بھول گئے تو؟" وہ مطمئن نہیں ہوئیں۔

"میں نہیں بھولوں گا، اچھا میں فون پر اس سے آپ کی بات کرا دیتا ہوں۔"

وہ یک دم خوش ہو گئیں۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے، تم فون پر اس سے میری بات کرا دو۔"

سالار اٹھ کر فون اسی میز پر لے آیا۔ فرقان کا موبائل نمبر ڈائل کر کے اس نے اسپیکر آن کر دیا اور خود ناشتہ کرنے لگا۔

"فرقان! سعیدہ اماں آئی ہوئی ہیں میرے پاس۔"

فرقان کے کال ریسیو کرنے پر اس نے بتایا۔

"ان سے بات کرو۔"

وہ خاموش ہو گیا، اب فرقان اور سعیدہ اماں کے درمیان بات ہو رہی تھی۔

دس منٹ بعد جب یہ گفتگو ختم ہوئی تو سالار ناشتہ کر چکا تھا۔ برتن کچن میں رکھتے ہوئے اسے خیال آیا۔

"آئی کس کے ساتھ تھیں آپ؟" وہ باہر نکل آیا۔

"اپنے بیٹے کے ساتھ۔" سعیدہ اماں نے اطمینان سے کہا۔

"اچھا، بیٹا آ گیا آپ کا؟ چھوٹا والا یا بڑا والا؟"

سالار نے دلچسپی لی۔

"میں ساتھ والوں کے راشد کی بات کر رہی ہوں۔" سعیدہ اماں نے بے اختیار برا مانا۔

سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سعیدہ اماں کے لئے ہر لڑکا اپنا بیٹا اور ہر لڑکی اپنی بیٹی تھی۔ وہ بڑے آرام سے رشتے گھڑ لیتی تھیں۔

"تو وہ کہاں ہے؟" سالار نے پوچھا۔

"وہ چلا گیا، موٹر سائیکل پر آئی ہوں اس کے ساتھ۔ آندھی کی رفتار سے چلائی ہے اس نے۔ نو بجے بیٹھی ہوں، پورے ساڑھے دس بجے ادھر پہنچا دیا اس نے۔ میری ایک نہیں سنی اس نے۔ سارا راستہ۔۔۔۔۔ بار بار یہی کہتا رہا آہستہ چلا رہا ہوں۔ یہاں اتارتے وقت کہنے لگا آپ

کے ساتھ موٹر سائیکل پر میرا آخری سفر تھا۔ دوبارہ کہیں لے کر جانا ہوا تو پیدل لے کر جاؤں گا آپ کو۔۔۔۔۔"

سالار کو ہنسی آئی۔ آدھ گھنٹہ میں طے ہونے والے راستے کو ڈیڑھ گھنٹے میں طے کرنے والے کی جھنجھلاہٹ کا وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ بوڑھوں کے ساتھ وقت گزارنا خاصا مشکل کام تھا۔ یہ وہ سعیدہ اماں کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات میں ہی جان گیا تھا۔

"تو واپس کیسے جائیں گی۔ راشد لینے آئے گا آپ کو؟"

"ہاں، اس نے کہا تو ہے کہ میچ ختم ہونے کے بعد آپ کو لے جاؤں گا۔ اب دیکھو کب آتا ہے۔"

وہ اسے ایک بار پھر اپنی بیٹی اور اس کے ہونے والے سسرال کے بارے میں اطلاعات پہنچانے لگیں۔

وہ مسکراتے ہوئے بڑی فرمانبرداری سے سنتا رہا۔

اس قسم کی معلومات میں اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی مگر سعیدہ اماں اب اس کے ساتھ بینکنگ کے بارے میں تو گفتگو نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کی باتیں رتی بھر اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھیں مگر وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ ہر بات سمجھ رہا ہے۔

دوپہر کا کھانا اس نے ان کے ساتھ کھایا۔ اس نے ان کے سامنے فریزر سے کچھ نکال کر گرم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ایک بار پھر شادی کے فوائد اور ضرورت پر لیکچر نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ریسٹورنٹ فون کر کے لنچ کا آرڈر دیا۔ ایک گھنٹے کے بعد کھانا آگیا۔

کھانے کے وقت تک راشد نہیں آیا تو سالار نے ان کی تشویش کو کم کرنے کے لئے کہا۔

"میں گاڑی پر چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔"

وہ فوراً تیار ہو گئیں۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے، اس طرح تم میرا گھر بھی دیکھ لو گے۔"

"اماں جی! میں آپ کا گھر جانتا ہوں۔"

سالار نے کار کی چابی تلاش کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اس گلی میں تھا جہاں سعیدہ اماں کا گھر تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر انہیں اندر گلی میں دروازے تک چھوڑ گیا۔ انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی، جسے اس نے شکریہ کے ساتھ رد کر دیا۔

"آج نہیں۔۔۔۔۔ آج بہت کام ہیں۔"

وہ اپنی بات کہہ کر پچھتایا۔

"بچے اسی لئے کہتی ہوں شادی کر لو۔ بیوی ہو گی تو خود سارے کام دیکھے گی۔ تم کہیں آ جا سکو گے۔ اب یہ کوئی زندگی ہے کہ چھٹی کے دن بھی گھر کے کام لے کر بیٹھے رہو۔" انہوں نے افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اب میں جاؤں؟"

اس نے کمال فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ہاں ٹھیک ہے جاؤ، مگر یاد رکھنا شادی پر ضرور آنا۔ فرقان سے بھی ایک بار پھر کہہ دینا کہ وہ بھی آئے اور اس کو کارڈ ضرور پہنچا دینا۔"

سالار نے ان کے دروازے پر لگی ہوئی ڈور بیل بجائی اور خدا حافظ کہتے ہوئے پلٹا۔

اپنے پیچھے اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ سعیدہ اماں اب اپنی بیٹی سے کچھ کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"پھر کیا پروگرام ہے، چلو گے؟"

فرقان نے اگلے دن شام کو اس سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں تو اس ویک اینڈ پر کراچی جا رہا ہوں۔ آئی بی اے کے ایک سیمینار کے لئے۔ اتوار کو میری واپسی ہو گی۔ میں تو آ کر بس سوؤں گا۔

"Nothing else۔ تم چلے جانا۔، میں لفافہ دے دوں گا، وہ تم میری طرف سے معذرت کرتے ہوئے دے دینا۔" سالار نے کہا۔

"کتنے افسوس کی بات ہے سالار! وہ خود کارڈ دے کر گئی ہیں، اتنی محبت سے بلایا ہے۔"

فرقان نے کہا۔

"جانتا ہوں لیکن میں ادھر جا کر وقت ضائع نہیں کر سکتا۔"

"ہم بس تھوڑی دیر بیٹھیں گے پھر آ جائیں گے۔"

"فرقان! میری واپسی کنفرم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے میں اتوار کو آ ہی نہ سکوں یا اتوار کی رات کو آؤں۔"

"بے حد فضول آدمی ہو تم۔ وہ بڑی مایوس ہوں گی۔"

"کچھ نہیں ہوگا، میرے نہ ہونے سے ان کی بیٹی کی شادی تو نہیں رک جائے گی۔ ہو سکتا ہے انہیں پہلے ہی میرے نہ آنے کا اندازہ ہو اور ویسے بھی فرقان! تم اور میں کوئی اتنے اہم مہمان نہیں ہیں۔"

سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"بہر حال میں اور میری بیوی تو جائیں گے، چاہے ہم کم اہم مہمان ہی کیوں نہ ہوں۔"

فرقان نے ناراضی سے کہا۔

"میں نے کب روکا ہے، ضرور جاؤ، تمہیں جانا بھی چاہئیے۔ سعیدہ اماں کے ساتھ تمہاری مجھ سے زیادہ بے تکلفی اور دوستی ہے۔" سالار نے کہا۔

"مگر سعیدہ اماں کو میرے بجائے تمہارا زیادہ خیال رہتا ہے۔" فرقان نے جتایا۔

"وہ مروت ہوتی ہے۔" سالار نے اس کی بات کو سنجیدگی سے لئے بغیر کہا۔

"جو بھی ہوتا ہے بہر حال تمہارا خیال تو ہوتا ہے انہیں۔ چلو اور کچھ نہیں تو ڈاکٹر سبط علی کی عزیزہ سمجھ کر ہی تم ان کے ہاں چلے جاؤ۔" فرقان نے ایک اور حربہ آزمایا۔

"ڈاکٹر صاحب تو خود یہاں نہیں ہیں۔ وہ تو خود شادی میں شرکت نہیں کر رہے اور اگر وہ یہاں ہوتے بھی تو کم از کم مجھے تمہاری طرح مجبور نہیں کرتے۔"

"اچھا، میں بھی نہیں کرتا تمہیں مجبور۔ نہیں جانا چاہتے تو مت جاؤ۔"

فرقان نے کہا۔

سالار ایک بار پھر اپنے لیپ ٹاپ کے ساتھ مصروف ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک سرسبز و وسیع سبزہ زار تھا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ وسیع کھلے سبزہ زار میں درخت تھے مگر زیادہ بلند نہیں۔ خوبصورت بھولدار جھاڑیاں تھیں، چاروں طرف خاموشی تھی۔ وہ دونوں کسی درخت کے سائے میں بیٹھنے کے بجائے ایک پھولدار جھاڑی کے قریب دھوپ میں بیٹھے تھے۔ امامہ اپنے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ہوئے بیٹھی تھی اور وہ گھاس پر چت لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ان دونوں کے جوتے کچھ فاصلے پر پڑے ہوئے تھے۔ امامہ نے اس بار خوبصورت سفید چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ امامہ اس سے کچھ کہتے ہوئے دور کسی چیز کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے اس کی چادر کے ایک پلو سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ یوں جیسے دھوپ کی شعاعوں سے آنکھوں کو بچانا چاہتا ہو۔ اس کی چادر نے اسے عجیب سا سکون اور سرشاری دی تھی۔ امامہ

نے چادر کے سرے کو اس کے چہرے سے ہٹانے یا کھینچنے کی کوشش نہیں کی۔ دھوپ اس کے جسم کو تراوٹ بخش رہی تھی۔ آنکھیں بند کئے وہ اپنے چہرے پر موجود چادر کے لمس کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ نینداسے اپنی گرفت میں لے رہی تھی۔

سالار نے یک دم آنکھیں کھول دیں۔ وہ اپنے بیڈ پر چت لیٹا ہوا تھا۔ کسی چیز نے اس کی نیند کو توڑ دیا تھا۔ وہ آنکھیں کھولے کچھ دیر بے یقینی سے اپنے ارد گرد کے ماحول کو دیکھتا رہا۔ یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں اسے ہونا چاہئیے تھا۔ ایک اور خواب۔۔۔۔۔ایک اور الوژن۔۔۔۔۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تب اس کو اس موبائل فون کی آواز نے متوجہ کیا، جو مسلسل اس کے سرہانے بج رہا تھا۔ یہ فون ہی تھا جو اسے اس خواب سے باہر لے آیا تھا۔ قدرے جھنجھلاتے ہوئے لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر اس نے موبائل اٹھایا۔ دوسری طرف فرقان تھا۔

"کہاں تھے سالار! کب سے فون کر رہا ہوں۔ اٹینڈ کیوں نہیں کر رہے تھے؟" فرقان نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"میں سو رہا تھا۔" سالار نے کہا اور اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظر اب پہلی بار گھڑی پر پڑی جو چار بجا رہی تھی۔

"تم فوراً سعیدہ اماں کے ہاں چلے آؤ۔" دوسری طرف سے فرقان نے کہا۔

"کیوں؟ میں نے تمہیں بتایا تھا، میں تو۔۔۔۔"

فرقان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں جانتا ہوں، تم نے مجھے کیا بتایا تھا مگر یہاں کچھ ایمر جنسی ہو گئی ہے۔"

"کیسی ایمر جنسی؟" سالار کو تشویش ہوئی۔

"تم یہاں آؤ گے تو پتا چل جائے گا۔ تم فوراً یہاں پہنچو، میں فون بند کر رہا ہوں۔"

فرقان نے فون بند کر دیا۔

سالار کچھ پریشانی کے عالم میں فون کو دیکھتا رہا۔ فرقان کی آواز سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ پریشان تھا مگر سعیدہ اماں کے ہاں پریشانی کی نوعیت کیا ہو سکتی تھی۔

پندرہ منٹ میں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد گاڑی میں تھا۔ فرقان کی اگلی کال اس نے کار میں ریسیو کی۔

"تم کچھ بتاؤ تو سہی، ہوا کیا ہے؟ مجھے پریشان کر دیا ہے تم نے۔" سالار نے اس سے کہا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، تم ادھر ہی آرہے ہو۔ یہاں آؤ گے تو تمہیں پتا چل جائے گا۔ میں فون پر تفصیلی بات نہیں کر سکتا۔"

فرقان نے ایک بار پھر فون بند کر دیا۔

تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے آدھے گھنٹے کا سفر تقریباً بیس منٹ میں طے کیا۔ فرقان اسے سعیدہ اماں کے گھر کے باہر ہی مل گیا۔ سالار کا خیال تھا کہ سعیدہ اماں کے ہاں اس وقت بہت چہل پہل ہوگی مگر ایسا نہیں تھا۔ وہاں دور دور تک کسی بارات کے آثار نہیں تھے۔ فرقان کے ساتھ وہ بیرونی دروازے کے بائیں طرف بنے ہوئے ایک پرانی طرز کے ڈرائینگ روم میں آ گیا۔

"آخر ہوا کیا ہے جو تمہیں مجھے اس طرح بلانا پڑ گیا؟"

سالار اب الجھ رہا تھا۔

"سعیدہ اماں اور ان کی بیٹی کے ساتھ ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔" فرقان نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"کیسا مسئلہ؟"

"جس لڑکے سے ان کی بیٹی کی شادی ہو رہی تھی اس لڑکے نے کہیں اور اپنی مرضی سے شادی کر لی ہے۔"

"مائی گڈنیس۔" سالار کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ان لوگوں نے ابھی کچھ دیر پہلے سعیدہ اماں کو یہ سب فون پر بتا کر ان سے معذرت کی ہے۔ وہ لوگ اب بارات نہیں لا رہے۔ میں ابھی کچھ دیر پہلے ان لوگوں کے ہاں گیا ہوا تھا، مگر وہ لوگ واقعی مجبور ہیں۔ انہیں اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے، اس لڑکے نے بھی انہیں صرف فون پر ہی اس کی اطلاع دی ہے۔" فرقان تفصیل بتانے لگا۔

"اگر وہ لڑکا شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو اسے بہت پہلے ہی ماں باپ کو صاف صاف بتا دینا چاہئیے تھا۔ بھاگ کر شادی کر لینے کی ہمت تھی تو ماں باپ کو پہلے اس شادی سے انکار کر دینے کی بھی ہمت ہونی چاہئیے تھی۔" سالار نے ناپسندیدگی سے کہا۔

"سعیدہ اماں کے بیٹوں کو اس وقت یہاں ہونا چاہئیے تھا، وہ اس معاملے کو ہینڈل کر سکتے تھے۔"

"لیکن اب وہ نہیں ہیں تو کسی نہ کسی کو تو سب کچھ دیکھنا ہے۔"

"سعیدہ اماں کے کوئی اور قریبی رشتہ دار نہیں ہیں؟" سالار نے پوچھا۔

"نہیں، میں نے ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر سبط علی صاحب سے بات کی ہے فون پر۔" فرقان نے اسے بتایا۔

"لیکن ڈاکٹر صاحب بھی فوری طور پر تو کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں ہوتے تو اور بات تھی۔" سالار نے کہا۔

"انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہاری فون پر ان سے بات کراؤں۔" فرقان کی آواز اس بار کچھ دھیمی تھی۔

"میری بات۔۔۔۔ لیکن کس لئے؟ سالار کچھ حیران ہوا۔

"ان کا خیال ہے کہ اس وقت تم سعیدہ اماں کی مدد کر سکتے ہو۔"

"میں؟" سالار نے چونک کر کہا۔ "میں کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟"

"آمنہ سے شادی کر کے۔"

سالار دم بخود پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" اس نے بمشکل فرقان سے کہا۔

"ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔" سالار کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"پھر تمہیں پتا نہیں ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فرقان برق رفتاری سے اٹھ کر اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

"کیا سوچ کر تم نے یہ بات کہی ہے۔" سالار اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"میں نے یہ سب تم سے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر کہا ہے۔" سالار کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"تم نے انہیں میرا نام کیوں دیا؟"

"میں نے نہیں دیا سالار! انہوں نے خود تمہارا نام لیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تم سے درخواست کروں کہ میں اس وقت سعیدہ اماں کی بیٹی سے شادی کر کے اس کی مدد کروں۔"

کسی نے سالار کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچی تھی یا سر سے آسمان، اسے اندازہ نہیں ہوا۔ وہ پلٹ کر واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں شادی شدہ ہوں فرقان! تم نے انہیں بتایا۔"

"ہاں میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ تم نے کئی سال پہلے ایک لڑکی سے نکاح کیا تھا، مگر پھر وہ لڑکی دوبارہ تمہیں نہیں ملی۔"

"پھر؟"

"وہ اس کے باوجود یہی چاہتے ہیں کہ تم آمنہ سے شادی کرلو۔"

"فرقان۔۔۔۔میں۔۔۔۔"وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔

"اورامامہ۔۔۔۔اس کا کیا ہوگا؟"

"تمہاری زندگی میں امامہ کہیں نہیں ہے۔اتنے سالوں میں کون جانتا ہے،وہ کہاں ہے۔ہے بھی کہ نہیں۔"

"فرقان۔۔۔۔"سالار نے ترشی سے اس کی بات کاٹی۔"اس بات کورہنے دوکہ وہ ہے یا نہیں۔مجھے صرف یہ بتاؤکہ اگر کل امامہ آجاتی ہوتو۔۔۔۔توکیا ہوگا؟"

"تم یہ بات ڈاکٹر صاحب سے کہو۔"فرقان نے کہا۔

"نہیں،تم یہ سب کچھ سعیدہ اماں کو بتاؤ،ضروری تو نہیں ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کو قبول کر لیتی جس نے کہیں اور شادی کی ہے۔"

"وہ اگر بارات لے کر آجاتا تو شاید یہ بھی ہو جاتا۔مسئلہ تو یہی ہے کہ وہ آمنہ سے دوسری شادی پر بھی تیار نہیں ہے۔"

"اسے ڈھونڈا جا سکتا ہے۔"

"ہاں،ڈھونڈا جا سکتا ہے مگر یہ کام اس وقت نہیں ہو سکتا۔"

"ڈاکٹر صاحب نے آمنہ کے لئے غلط انتخاب کیا ہے۔میں۔۔۔۔میں آمنہ کو کیا دے سکتا ہوں۔میں تو اس آدمی سے بھی بدتر ہوں جو ابھی اسے چھوڑ گیا ہے۔"

سالار نے بے چارگی سے کہا۔

"سالار!انہیں اس وقت کسی کی ضرورت ہے،ضرورت کے وقت صرف وہی آدمی سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے،جو سب سے زیادہ قابل اعتبار ہو۔تم زندگی میں اتنے بہت سے لوگوں کی مدد کرتے آرہے ہو،کیا ڈاکٹر سبط علی صاحب کی مدد نہیں کر سکتے۔"

"میں نے لوگوں کی پیسے سے مدد کی ہے۔ڈاکٹر صاحب مجھ سے پیسہ نہیں مانگ رہے۔"

اس سے پہلے کہ فرقان کچھ کہتا اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔اس نے نمبر دیکھ کر موبائل سالار کی طرف بڑھا دیا۔

"ڈاکٹر صاحب کی کال آرہی ہے۔"

سالار نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ موبائل پکڑ لیا۔

وہاں بیٹھے موبائل کان سے لگائے سالار کو پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ زندگی میں ہر بات، ہر شخص سے نہیں کہی جاسکتی۔ وہ جو کچھ فرقان سے کہہ سکتا تھا وہ ان سے اونچی آواز میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں دلائل دے سکتا تھا نہ بہانے بنا سکتا تھا۔ انہوں نے مخصوص نرم لہجے میں اس سے درخواست کی تھی۔

"اگر آپ اپنے والدین سے اجازت لے سکیں تو آمنہ سے شادی کر لیں۔ وہ میری بیٹی جیسی ہے۔ آپ سمجھیں میں اپنی بیٹی کے لئے آپ سے درخواست کر رہا ہوں، آپ کو تکلیف دے رہا ہوں لیکن میں ایسا کرنے کے لئے مجبور ہوں۔"

"آپ جیسا چاہیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔"

اس نے مدھم آواز میں ان سے کہا۔

"آپ مجھ سے درخواست نہ کریں، آپ مجھے حکم دیں۔" اس نے خود کو کہتے پایا۔

فرقان تقریباً دس منٹ کے بعد اندر آیا۔ سالار موبائل فون ہاتھ میں پکڑے گم صم فرش پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"ڈاکٹر صاحب سے بات ہو گئی تمہاری؟"

فرقان نے اس کے بالمقابل ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے مدھم آواز میں اس سے پوچھا۔

سالار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر سینٹر ٹیبل پر اس کا موبائل رکھ دیا۔

"میں رخصتی ابھی نہیں کراؤں گا۔ بس نکاح کافی ہے۔"

اس نے چند لمحوں بعد کہا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔ فرقان کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔ وہ "مقدر" کا شکار ہونے والا پہلا انسان نہیں تھا۔



سڑک پر گہما گہمی نہ ہونے کے برابر تھی۔ رات بہت تیزی سے گزرتی جا رہی تھی۔ گہری دھند ایک بار پھر ہر چیز کو اپنے حصار میں لے رہی تھی۔

سڑک پر جلنے والی سٹریٹ لائٹس کی روشنی دھند کو چیرتے ہوئے اس بالکونی کی تاریکی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی جہاں منڈیر کے پاس ایک اسٹول پر، سالار بیٹھا ہوا تھا۔ منڈیر پر اس کے سامنے کافی کا ایک مگ پڑا ہوا تھا، جس میں سے اٹھنے والی گرم بھاپ دھند کے پس منظر میں عجیب سی شکلیں بنانے میں مصروف تھی اور وہ۔۔۔۔ وہ سینے پر دونوں ہاتھ لپیٹے یک ٹک نیچے سنسان سڑک کو دیکھ رہا تھا جو دھند کے اس غلاف میں بہت عجیب نظر آ رہی تھی۔

رات کے دس بج رہے تھے اور وہ چند منٹ پہلے ہی گھر پہنچا تھا۔ سعیدہ اماں کے گھر نکاح کے بعد وہ وہاں رکا نہیں تھا۔ اسے وہاں عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی لے کر بے مقصد شام سے رات تک سڑکوں پر پھرتا رہا۔ اس کا موبائل آف تھا۔ وہ بیرونی دنیا سے اس وقت کوئی رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ موبائل آن ہوتا تو فرقان اس سے رابطہ کرتا۔ بہت سی وضاحتیں دینے کی کوشش کرتا یا ڈاکٹر سبط علی رابطہ کرتے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتے۔

وہ یہ دونوں چیزیں نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس وقت مکمل خاموشی چاہتا تھا۔ اٹھتی ہوئی بھاپ کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر چند گھنٹے پہلے کے واقعات کے بارے میں سوچا۔ سب کچھ ایک خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ کاش خواب ہی ہوتا۔ اسے وہاں بیٹھے کئی ماہ پہلے حرم پاک میں مانگی جانے والی دعا یاد آئی۔

"تو کیا اسے میری زندگی سے نکال دینے کا فیصلہ ہوا ہے۔" اس نے تکلیف سے سوچا۔

"تو پھر یہ اذیت بھی تو ختم ہونی چاہیئے۔ میں نے اس اذیت سے رہائی بھی تو مانگی تھی۔ میں نے اس کی یادوں سے فرار بھی تو چاہا تھا۔" اس نے منڈیر پر رکھا گرم کافی کا کپ اپنے سرد ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تو امامہ ہاشم بالآخر تم میری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔"

اس نے کافی کی تلخی اپنے اندر اتاری۔

"اور اب کیا میں پچھتاؤں کہ کاش میں کبھی سعیدہ اماں کو اس سڑک پر نہ دیکھ پاتا یا میں ان کو لفٹ نہ دیتا۔ ان کا گھر مل جاتا اور میں انہیں وہاں ڈراپ کر کے آجاتا۔ ان کو اپنے گھر نہ لاتا، نہ روابط بڑھتے، نہ وہ اس شادی پر مجھے بلاتیں یا پھر کاش میں آج کراچی میں ہی نہ ہوتا۔ یہاں ہوتا ہی نہیں یا میں موبائل آف کر کے سوتا۔ فون کا ریسیور رکھ دیتا۔ فرقان کی کال ریسیو ہی نہ کرتا یا پھر کاش میں ڈاکٹر سبط علی کو نہ جانتا ہوتا کہ ان کے کہنے پر مجھے مجبور نہ ہونا پڑتا یا پھر شاید مجھے یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ امامہ میرے لئے نہیں ہے۔" اس نے کافی کا مگ دوبارہ منڈیر پر رکھ دیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے، پھر جیسے کوئی خیال آنے پر اپنا والٹ نکال لیا۔ والٹ کی ایک جیب سے اس نے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کر کھول لیا۔

ڈیئر انکل سکندر!

مجھے آپ کے بیٹے کی موت کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا۔ میری وجہ سے آپ لوگوں کو چند سال بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے سالار کو کچھ رقم ادا کرنی تھی۔ وہ میں آپ کو بھجوا رہی ہوں۔

خدا حافظ

امامہ ہاشم

اس نے نو ماہ میں کتنی بار اس کاغذ کو پڑھا تھا اسے یاد نہیں تھا۔اس کاغذ کو چھوتے ہوئے اسے اس کاغذ میں امامہ کا لمس محسوس ہوتا تھا۔اس کے ہاتھ سے لکھا ہوا اپنا نام۔۔۔۔۔کاغذ پر تحریر ان چند جملوں میں اس کے لئے کوئی اپنائیت نہیں تھی۔وہ یہ بھی جانتا تھا کہ امامہ کو اس کی موت کی خبر پر بھی کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔وہ خبر اس کے لئے ڈھائی سال بعد رہائی کا پیغام بن کر آئی تھی۔اسے کیسے افسوس ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ چند جملے اس لئے بہت اہم ہو گئے تھے۔

اس نے کاغذ پر لکھے جملوں پر اپنی انگلیاں پھیریں۔اس نے آخر میں لکھے امامہ ہاشم کے نام کو چھوا۔۔۔۔پھر کاغذ کو دوبارہ اسی طرح تہہ کر کے والٹ میں رکھ لیا۔

منڈیر پر کافی کا مگ سرد ہو چکا تھا۔سالار نے ٹھنڈی کافی کے باقی مگ کو ایک گھونٹ میں اپنے اندر انڈیل لیا۔

ڈاکٹر سبط علی ایک ہفتے تک لندن سے واپس پاکستان پہنچ رہے تھے اور اسے ان کا انتظار تھا۔ امامہ ہاشم کے بارے میں جو کچھ وہ اتنے سالوں سے انہیں نہیں بتا سکا تھا وہ انہیں اب بتانا چاہتا

تھا۔اپنے ماضی کے بارے میں جو کچھ وہ انہیں نہیں بتا پایا تھا اب وہ ان سے کہہ دینا چاہتا تھا۔ اسے اب پرواہ نہیں تھی وہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رمضان کی چار تاریخ تھی،جب ڈاکٹر سبط علی واپس آ گئے تھے۔وہ رات کو کافی دیر سے آئے تھے اور سالار نے اس وقت انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔وہ رات کو ان کے پاس پہلے کی طرح جانا چاہتا تھا مگر دوپہر کو خلاف توقع بینک میں ان کا فون آ گیا۔سالار کے نکاح کے بعد یہ ان کا سالار سے تیسرا رابطہ تھا۔وہ کچھ دیر اس کا حال احوال دریافت کرتے رہے پھر انہوں نے اس سے کہا۔

"سالار! آپ آج رات کو نہ آئیں،شام کو آ جائیں۔افطاری میرے ساتھ کریں۔"

"ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔" سالار نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر ان کے درمیان مزید گفتگو ہوتی رہی پھر ڈاکٹر سبط علی نے فون بند کر دیا۔

وہ اس دن بینک سے کچھ جلدی نکل آیا۔اپنے فلیٹ پر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ جب ان کے پاس پہنچا اس وقت افطاری میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔

ڈاکٹر سبط علی کا ملازم اسے اجتماع والے بیرونی کمرے کے بجائے سیدھا اندر لاؤنج میں لے آیا تھا۔ ڈاکٹر سبط علی نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس سے بغلگیر ہونے کے بعد بڑی محبت کے ساتھ اس کا ماتھا چوما۔

"پہلے آپ ایک دوست کی حیثیت سے یہاں آتے تھے، آج آپ گھر کا ایک فرد بن کر یہاں آئے ہیں۔"

وہ جانتا تھا ان کا اشارہ کس طرف تھا۔

"آیئے بیٹھیے۔" وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود دوسرے صوفہ پر بیٹھ گئے۔

"بہت مبارک ہو۔ اب تو آپ بھی گھر والے ہو گئے ہیں۔"

سالار نے خاموش نظروں اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

"میں بہت خوش ہوں کہ آپ کی شادی آمنہ سے ہوئی ہے۔ وہ میرے لئے میری چوتھی بیٹی کی طرح ہے اور اس رشتے سے آپ بھی میرے داماد ہیں۔"

سالار نے نظریں جھکا لیں۔ اس کی زندگی میں امامہ ہاشم کا باب نہ لکھا ہوا ہوتا تو شاید ان کے منہ سے یہ جملہ سن کر وہ اپنے آپ پر فخر کرتا مگر سارا فرق امامہ ہاشم تھی۔ سارا فرق وہی ایک لڑکی پیدا کر رہی تھی وہ جو تھی اور نہیں تھی۔

ڈاکٹر سبط علی کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"آپ اتنے سالوں سے میرے پاس آرہے ہیں آپ نے کبھی مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ نکاح کر چکے ہیں۔ تب بھی نہیں جب ایک دو بار آپ سے شادی کا ذکر ہوا۔"

سالار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"میں آپ کو بتانا چاہتا تھا مگر۔۔۔۔۔ وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گیا۔

"سب کچھ اتنا عجیب تھا کہ میں آپ کو کیا بتاتا۔" اس نے دل میں کہا

"کب ہوا تھا آپ کا نکاح؟" ڈاکٹر سبط علی دھیمے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ "ساڑھے آٹھ سال پہلے، تب میں اکیس سال کا تھا۔" اس نے کسی شکست خوردہ معمول کی طرح کہا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ انہیں سب کچھ بتاتا گیا۔ ڈاکٹر سبط علی نے ایک بار بھی اسے نہیں ٹوکا تھا۔ اس کے خاموش ہونے کے بعد بھی بہت دیر تک وہ چپ رہے تھے۔

بہت دیر بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔

"آمنہ بہت اچھی لڑکی ہے اور وہ خوش قسمت ہے کہ اسے ایک صالح مرد ملا ہے۔"

ان کی بات سالار کو ایک چابک کی طرح لگی۔

"صالح؟ میں صالح مرد نہیں ہوں ڈاکٹر صاحب! میں تو۔۔۔۔۔اسفل السافلین ہوں۔آپ مجھے جانتے ہوتے تو میرے لئے کبھی یہ لفظ استعمال نہ کرتے نہ اس لڑکی کے لئے میرا انتخاب کرتے جسے آپ اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں۔"

"ہم سب اپنی زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر "زمانہ جاہلیت" سے ضرور گزرتے ہیں، بعض گزر جاتے ہیں، بعض ساری زندگی اسی زمانے میں گزار دیتے ہیں۔آپ اس میں سے گزر چکے ہیں۔آپ کا پچھتاوا بتا رہا ہے کہ آپ گزر چکے ہیں۔میں آپ کو پچھتاوے سے رکوں گا نہ توبہ اور دعا سے، آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنی ساری زندگی یہ کریں، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ شکر بھی ادا کریں کہ آپ نفس کی تمام بیماریوں سے چھٹکارا پا چکے ہیں۔"

اگر دنیا آپ کو اپنی طرف نہیں کھینچتی، اگر اللہ کے خوف سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں، اگر دوزخ کا تصور آپ کو ڈراتا ہے، اگر آپ اللہ کی عبادت اس طرح کرتے ہیں جس طرح کرنی چاہئیے، اگر نیکی آپ کو اپنی طرف راغب کرتی ہے اور برائی سے آپ رک جاتے ہیں تو پھر آپ صالح ہیں۔کچھ صالح ہوتے ہیں، کچھ صالح بنتے ہیں، صالح ہونا خوش قسمتی کی بات ہے، صالح بننا دودھاری تلوار پر چلنے کے برابر ہے۔اس میں زیادہ وقت لگتا ہے، اس میں زیادہ تکلیف سہنی پڑتی ہے۔میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ صالح ہیں کیونکہ آپ صالح بنے ہیں، اللہ آپ سے بڑے کام لے گا۔"

سالار کی آنکھوں میں نمی آ گئی انہوں نے ایک بار پھر امامہ ہاشم کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا، کچھ نہیں کہا تھا۔کیا اس کا مطلب تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی سے نکل گئی؟ کیا اس کا مطلب تھا کہ وہ آئندہ بھی کبھی اس کی زندگی میں نہیں آئے گی؟ اسے اپنی زندگی آمنہ کے ساتھ ہی گزارنے پڑے گی؟ اس کا دل ڈوبا۔وہ ڈاکٹر صاحب کے منہ سے امامہ کے حوالے سے کوئی تسلی، کوئی دلاسا، کوئی امید چاہتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب خاموش تھے۔وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

"میں آپ کے لئے اور آمنہ کے لئے بہت دعا کروں گا بلکہ میں بہت دعا کر کے آیا ہوں خانہ کعبہ میں۔۔۔۔۔روضہ رسول ﷺ پر۔" وہ لندن سے واپسی پر عمرہ کر کے آئے تھے۔
سالار نے سر جھکا لیا۔دور اذان کی آواز آ رہی تھی۔ملازم افطاری کے لئے میز تیار کر رہا تھا۔ اس نے بوجھل دل کے ساتھ ڈاکٹر سبط علی کے ساتھ بیٹھ کر روزہ افطار کیا پھر وہ اور ڈاکٹر سبط علی نماز پڑھنے کے لئے قریبی مسجد میں چلے گئے۔وہاں سے واپسی پر اس نے ڈاکٹر سبط علی کے ہاں کھانا کھایا اور پھر اپنے فلیٹ پر واپس آ گیا۔



"کل میرے ساتھ سعیدہ اماں کے ہاں چل سکتے ہو؟"

اس نے ڈاکٹر سبط علی کے گھر سے واپسی کے بعد دس بجے کے قریب فرقان کو فون کیا۔ فرقان ہاسپٹل میں تھا اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔

"ہاں، کیوں نہیں۔ کوئی خاص کام ہے؟"

"میں آمنہ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

فرقان کچھ دیر بول نہیں سکا۔ سالار کا لہجہ بہت ہموار تھا۔ وہاں کسی تلخی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

"کیسی باتیں؟"

"کوئی تشویش ناک بات نہیں ہے۔" سالار نے جیسے اسے تسلی دی۔

"پھر بھی۔" فرقان نے اصرار کیا۔

"تم پھر امامہ کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟"

"تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ چلو گے؟"

سالار نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

"ہاں، چلوں گا۔"

"تو پھر میں تمہیں کل ہی بتاؤں گا کہ مجھے اس سے کیا بات کرنی ہے۔"

اس سے پہلے کہ فرقان کچھ کہتا، فون بند ہو گیا۔



"تم اس سے امامہ کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟" فرقان نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سالار سے پوچھا۔

"نہیں، صرف امامہ کے بارے میں نہیں اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو میں کرنا چاہتا ہوں۔"

"فار گاڈ سیک سالار! گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش مت کرو۔" فرقان نے ناراضی سے کہا۔

"اس کو میری ترجیحات اور مقاصد کا پتا ہونا چاہیئے۔ اب اسے ساری زندگی گزارنی ہے میرے ساتھ۔"

سالار نے اس کی ناراضی کی پرواہ کئے بغیر کہا۔

"پتا چل جائے گا اسے، سمجھ دار لڑکی ہے وہ اور اگر کچھ بتانا ہی ہے تو گھر لا کر بتانا۔ وہاں پینڈورا باکس کھول کر مت بیٹھنا۔"

"گھر لا کر بتانے کا کیا فائدہ، جب اس کے پاس واپسی کا کوئی راستہ ہی نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں وہ میری باتوں کو سنے، سمجھے، سوچے اور پھر کوئی فیصلہ کرے۔"

"اب کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی وہ۔ تمہارا اور اس کا نکاح ہو چکا ہے۔"

"رخصتی تو نہیں ہوئی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کیوں نہیں پڑتا۔ اگر اس کو میری بات پر اعتراض ہوا تو وہ اس رشتے کے بارے میں نظر ثانی کر سکتی ہے۔" سالار نے سنجیدگی سے کہا۔

فرقان نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور اس نظر ثانی کے لئے تم کس طرح کے حقائق اور دلائل پیش کرنے والے ہو اس کے سامنے؟"

"میں اسے صرف چند باتیں بتانا چاہتا ہوں جس کا جاننا اس لئے ضروری ہے۔" سالار نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"وہ ڈاکٹر سبط علی کی رشتہ دار ہیں، میں اس حوالے سے اس کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے نہیں کہا ہوتا تو یہ رشتہ قائم بھی نہ ہوتا لیکن میں۔۔۔۔۔"

فرقان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے، تم کو اس سے جو کہنا ہے، کہہ لینا لیکن امامہ کے ذکر کو ذرا کم ہی رکھنا کیونکہ وہ اگر کسی بات سے ہرٹ ہوئی تو وہ یہی بات ہو گی، باقی چیزوں کی پرواہ وہ شاید نہ کرے۔ آفٹر آل۔ دوسری بیوی ہونا یا کہلانا آسان نہیں ہوتا۔"

فرقان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور میں چاہتا ہوں وہ یہ بات محسوس کرے، سوچے اس کے بارے میں۔۔۔۔۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں بگڑا۔ تم کہتے ہو وہ خوبصورت ہے، پڑھی لکھی ہے، اچھی فیملی سے تعلق ہے اس کا۔۔۔۔۔"

فرقان نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔

"ختم کرو اس موضوع کو سالار! تم کو اس سے جو کچھ کہنا ہے، اسے جو سمجھانا ہے جا کہ کہہ لینا۔۔۔۔"

"میں اس سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" سالار نے کہا۔

"میں سعیدہ اماں سے کہہ دوں گا۔ وہ تمہیں اکیلے میں اس سے بات کرا دیں گی۔"

فرقان نے اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ آدھ گھنٹہ میں سعیدہ اماں کے ہاں پہنچ گئے۔ دروازہ سعیدہ اماں نے ہی کھولا تھا اور سالار اور فرقان کو دیکھ کر وہ جیسے خوشی سے بے حال ہو گئی تھیں۔ وہ ان دونوں کو اسی بیٹھک نما کمرے میں لے گئیں۔

"سعیدہ اماں! سالار، آمنہ سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

فرقان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ سعیدہ اماں کچھ الجھیں۔

"کیسی باتیں؟" وہ اب سالار کی طرف دیکھ رہی تھیں جو خود بھی بیٹھنے کے بجائے فرقان کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

"ہیں چند باتیں، جو وہ اس سے کرنا چاہتا ہے مگر پریشانی والی کوئی بات نہیں۔" فرقان نے انہیں تسلی دی۔

سعیدہ اماں ایک بار پھر سالار کو دیکھنے لگیں۔ اس نے نظریں چرا لیں۔

"اچھا۔۔۔۔ پھر تم میرے ساتھ آ جاؤ بیٹا! آمنہ اندر ہے۔ ادھر آ کر اس سے مل لو۔"

سعیدہ اماں کہتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئیں۔ سالار نے ایک نظر فرقان کو دیکھا پھر وہ خود بھی سعیدہ اماں کے پیچھے چلا گیا۔

بیٹھک بیرونی دروازے کے بائیں جانب تھی۔ دائیں جانب اوپر جانے والی سیڑھیاں تھیں۔ بیرونی دروازے سے کچھ آگے بالکل سامنے کچھ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد لکڑی کا ایک اور پرانی طرز کا بہت بڑا دروازہ تھا جو اس وقت کھلا ہوا تھا اور وہاں سرخ اینٹوں کا بڑا وسیع صحن نظر آ رہا تھا۔

سعیدہ اماں کا رخ انہی سیڑھیوں کی طرف تھا۔ سالار ان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ سعیدہ اماں اب سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔ وہ جب سیڑھیاں چڑھ کر صحن میں داخل ہو گئیں تو سالار بھی کچھ جھجکتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

وسیع سرخ اینٹوں کے صحن کے دونوں اطراف دیواروں کے ساتھ کیاریاں بنائی گئی تھیں جن میں لگے ہوئے سبز پودے اور بیلیں سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی دیواروں کے بیک گراونڈ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ صحن کے ایک حصے میں دھوپ تھی اور دن کے اس حصے میں بھی وہ دھوپ بے حد تیز تھی۔ دھوپ نے سرخ رنگ کو کچھ اور نمایاں کر دیا تھا۔

آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ کر سالار نے صحن میں قدم رکھ دیا اور وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ صحن کے دھوپ والے حصے میں رکھی چارپائی کے سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ شاید ابھی چارپائی سے اتری تھی۔ اس کی پشت سالار کی طرف تھی۔ وہ سفید کرتے اور سیاہ شلوار میں ملبوس تھی اور نہا کر نکلی تھی۔ اس کی کمر سے کچھ اوپر اس کے سیاہ گیلے بال لٹوں کی صورت میں اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا سفید دوپٹہ چارپائی پر پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے کرتے کی آستینوں کو کہنیوں تک فولڈ کرتے ہوئے سالار کی طرف مڑی۔

سالار سانس نہیں لے سکا۔ اس نے زندگی میں اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی تھی یا پھر اسے اس لڑکی سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں لگا تھا۔ وہ یقیناً آمنہ تھی۔ اس کے گھر میں آمنہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں لیا تھا۔ دھڑکن رکی تھی یا رواں وہ جان نہیں سکا۔

اس کے اور آمنہ کے درمیان بہت فاصلہ تھا آستین موڑتے ہوئے آمنہ کی پہلی نظر سعیدہ اماں پر پڑی۔

"سالار بیٹا آیا ہے۔"

سعیدہ اماں بہت آگے بڑھ آئی تھیں۔ آمنہ نے گردن کو ترچھا کرتے ہوئے صحن کے دروازے کی طرف دیکھا۔ سالار نے اسے بھی ٹھٹکتے دیکھا، پھر وہ مڑی۔ اس کی پشت ایک بار پھر سالار کی طرف تھی۔ سالار نے اسے جھکتے اور چارپائی سے دوپٹہ اٹھاتے دیکھا۔ دوپٹے کو سینے پر پھیلاتے ہوئے اس نے اس کے ایک پلو کے ساتھ اپنے سر اور پشت کو بھی ڈھانپ لیا تھا۔

سالار اب اس کی پشت پر بکھرے بال نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اسے آمنہ کے اطمینان نے حیران کیا تھا، وہاں کوئی گھبراہٹ، کوئی جلدی، کوئی حیرانی نہیں تھی۔

سعیدہ اماں نے مڑ کر سالار کو دیکھا پھر اسے دروازے میں ہی کھڑے دیکھ کر انہوں نے کہا۔

"ارے بیٹا! وہاں کیوں کھڑے ہو، اندر آؤ۔ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔"

آمنہ نے دوپٹہ اوڑھنے کے بعد مڑ کر اسے ایک بار پھر دیکھا تھا۔ وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر، دم بخود، بے حس و حرکت۔

آمنہ کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ وہ اب آگے گیا تھا۔

"یہ آمنہ ہے، میری بیٹی۔" سعیدہ اماں نے اس کے قریب آنے پر تعارف کرایا۔

"السلام علیکم!" سالار نے آمنہ کو کہتے سنا۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ وہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اسے دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ نروس ہو رہا تھا۔ آمنہ نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا تھا۔

"سالار! تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

سعیدہ اماں نے آمنہ کو بتایا۔

آمنہ نے ایک بار پھر سالار کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں، دونوں نے بیک وقت نظریں چرائیں۔

آمنہ نے سعیدہ اماں کو دیکھا اور سالار نے آمنہ کی کلائیوں تک مہندی کے نقش و نگار سے بھرے ہاتھوں کو۔

یک دم اسے لگا کہ وہ اس لڑکی سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

"سالار بیٹا! اندر کمرے میں چلتے ہیں۔ وہاں تم اطمینان سے آمنہ سے بات کر لینا۔"

سعیدہ اماں نے اس بار سالار کو مخاطب کیا۔

سعیدہ اماں کہتے ہوئے اندر برآمدے کی طرف بڑھیں۔ سالار نے آمنہ کو سر جھکائے ان کی پیروی کرتے دیکھا۔ وہ وہیں کھڑا اسے اندر جاتا دیکھتا رہا۔ سعیدہ اماں کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔ آمنہ نے دروازے کے پاس پہنچ کر مڑتے مڑتے اسے دیکھا۔ سالار نے برق رفتاری سے نظریں جھکا لیں۔ آمنہ نے مڑ کر اسے دیکھا پھر شاید وہ حیران ہوئی۔ سالار اندر کیوں نہیں آرہا تھا۔ سالار نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر جھکائے قدم آگے بڑھا دیئے۔ آمنہ کچھ مطمئن ہو کر مڑ کر کمرے میں داخل ہو گئی۔

سالار جب کمرے میں داخل ہوا تو سعیدہ اماں پہلے ہی ایک کرسی پر بیٹھ چکی تھیں۔ آمنہ لائٹ آن کر رہی تھی۔ سالار کو دھوپ سے اندر آکر خنکی کا احساس ہوا۔

"بیٹھو بیٹا!" سعیدہ اماں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔ سالار کرسی پر بیٹھ گیا۔ آمنہ لائٹ آن کرنے کے بعد اس سے کچھ فاصلے پر ان کے بالمقابل ایک کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

سالار منتظر تھا کہ سعیدہ اماں چند لمحوں میں وہاں سے اٹھ کر چلی جائیں گی۔ فرقان نے واضح طور پر انہیں بتایا تھا کہ وہ اس سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا، مگر چند لمحوں کے بعد سالار کو

اندازہ ہو گیا کہ اس کا یہ انتظار بے کار تھا۔ وہ شاید یہ بھول گئی تھیں کہ سالار تنہائی میں آمنہ سے ملنا چاہتا تھا یا پھر ان کا یہ خیال تھا کہ وہ تنہائی صرف فرقان کی عدم موجودگی کے لئے تھی۔ سالار نے انہیں اس میں شامل نہیں کیا ہو گا یا پھر وہ ابھی سالار کو اتنا قابل اعتبار نہیں سمجھتیں کہ اپنی بیٹی کے ساتھ اسے اکیلا چھوڑ دیتیں۔

سالار کو آخری اندازہ صحیح لگا۔ وہ اس سے جو کچھ اور جتنا کچھ کہنا چاہتا تھا، سعیدہ اماں کے سامنے نہیں کہنا چاہتا تھا، وہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے ذہن کو کھنگالنے کی کوشش کی۔ اسے کچھ تو کہنا ہی تھا، وہ کچھ نہیں ڈھونڈ سکا۔ اس کا ذہن خالی تھا۔

نیم تاریک خنک کمرے میں بالکل خاموشی تھی۔ وہ اب دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے فرش پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

آمنہ نے کمرے میں کوئی فینسی لائٹ روشن کی تھی۔ اونچی دیواروں والا فرنیچر سے بھرا ہوا وہ وسیع و عریض کمرہ شاید سیٹنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس میں بہت زیادہ دروازے تھے اور تمام دروازے بند تھے۔ کمرے میں موجود واحد کھڑکی برآمدے میں کھلتی تھی اور اس کے آگے پردے تھے۔ فرش کو بھاری بھرکم میرون نقش و نگار کے قالین سے ڈھکا گیا تھا اور فینسی لائٹ کمرے کو پوری طرح روشن کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

کم از کم کمرے میں سالار کو تاریکی ہی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ اس کے احساسات تھے یا پھر۔

مجھے اپنے optician سے آج ضرور ملنا چاہیئے۔ قریب کے ساتھ ساتھ شاید میری دور کی نظر بھی کمزور ہو گئی ہے۔

سالار نے مایوسی سے سوچا۔ سینٹر ٹیبل کے دوسری طرف بیٹھی آمنہ کو وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر نظر قالین پر جمادی پھر اس نے یک دم آمنہ کو اٹھتے دیکھا۔ وہ دیوار کے پاس جا کر کچھ اور لائٹس آن کر رہی تھی۔ کمرہ ٹیوب لائٹ کی روشنی میں جگمگا اٹھا۔ فینسی لائٹ بند ہو گئی۔ سالار حیران ہوا۔ آمنہ نے پہلے ٹیوب لائٹ آن کیوں نہیں کی تھی، پھر اچانک اسے احساس ہوا وہ بھی نروس تھی۔

آمنہ دوبارہ پھر اس کے سامنے کاؤچ پر آ کر نہیں بیٹھی۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر سعیدہ اماں کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ سالار نے اس بار اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسی طرح قالین کو گھورتا رہا۔ سعیدہ اماں کا صبر بالآخر جواب دے گیا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کھنکھار کر سالار کو متوجہ کیا۔

"کرو بیٹا! وہ باتیں، جو تم نے آمنہ سے تنہائی میں کرنی تھیں۔"

انہوں نے سالار کو بڑے پیار سے یاد دلایا۔

"اتنی دیر سے چپ بیٹھے ہو، میرا تو دل ہول رہا ہے۔"

سالار نے ایک گہرا سانس لیا، پھر سعیدہ اماں اور آمنہ کو باری باری دیکھا۔

"کچھ نہیں، میں بس انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔"

اس نے اپنے لہجے کو حتی الامکان ہموار رکھتے ہوئے کہا۔ سعیدہ اماں کے چہرے پر بشاشت آ گئی۔

"تو اتنی سی بات تھی اور فرقان نے مجھے ڈرا ہی دیا۔ ہاں ہاں ضرور دیکھو، کیوں نہیں۔ بیوی ہے تمہاری۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ ان سے کہہ دیں کہ سامان پیک کر لیں، میں باہر انتظار کرتا ہوں۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا سعیدہ اماں سے بولا۔ آمنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ سعیدہ اماں بھی حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"مگر بیٹا! تم تو صرف کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے اس سے، پھر رخصتی۔۔۔۔ میرا مطلب ہے میں چاہتی تھی باقاعدہ رخصت کروں اور۔۔۔۔"

سالار نے نرمی سے سعیدہ اماں کی بات کاٹی۔

"آپ یہ سمجھ لیں کہ میں باقاعدہ رخصت کروانے کے لئے ہی آیا ہوں۔"

سعیدہ اماں کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا! تم اگر ایسا چاہتے ہو تو ایسا ہی سہی مگر افطار کے لئے رکو۔ چند گھنٹے ہی باقی ہیں، کھانا تو کھا کر جاؤ۔"

"نہیں، مجھے اور فرقان کو کچھ کام ہے۔ میں اسے صرف ایک گھنٹے کے لئے لے کر آیا تھا۔ زیادہ دیر رکنا ممکن نہیں ہے میرے لئے۔" وہ کھڑے کھڑے کہہ رہا تھا۔

"لیکن اماں! مجھے تو سامان پیک کرنے میں بہت دیر لگے گی۔"

آمنہ نے وہیں کرسی پر بیٹھے ہوئے پہلی بار ساری گفتگو میں حصہ لیا۔ سالار نے مڑ کر اسے دیکھے بغیر سعیدہ اماں سے کہا۔

"سعیدہ اماں! آپ ان سے کہیں یہ آرام سے پیکنگ کر لیں، میں باہر انتظار کروں گا۔ جتنی دیر یہ چاہیں۔"

وہ اب کمرے سے نکل گیا تھا۔



فرقان نے حیرانی سے سالار کو دیکھا۔ وہ بیٹھک میں داخل ہو رہا تھا۔

"تم اتنی جلدی واپس آ گئے، میں تو سوچ رہا تھا تم خاصی دیر کے بعد واپس آؤ گے۔"

سالار جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بیٹھ گیا۔

فرقان نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"خیریت ہے؟"

"ہاں۔"

"آمنہ سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"پھر کیا؟"

"چلیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں آمنہ کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔"

"کیا؟" فرقان بھونچکا رہ گیا۔

"تم تو اس سے بات کرنے کے لئے آئے تھے۔"

سالار جواب دینے کے بجائے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ یک دم رخصتی کا کیوں سوچ لیا؟"

"بس سوچ لیا۔"

اس بار فرقان نے اسے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔



دو گھنٹے کے بعد آمنہ جب فرقان اور سالار کے ساتھ سالار کے فلیٹ پر پہنچی، تب افطار میں زیادہ وقت نہیں تھا۔ سالار نے افطاری کا سامان راستے سے لے لیا تھا۔ فرقان ان دونوں کو افطاری کے لئے اپنے فلیٹ پر لے جانا چاہتا تھا مگر سالار اس پر رضامند نہیں ہوا۔ فرقان نے اپنی بیوی کو بھی سالار کے فلیٹ پر بلوالیا۔

افطاری کے لئے ٹیبل فرقان کی بیوی نے ہی تیار کیا تھا۔ آمنہ نے مدد کرنے کی کوشش کی تھی جسے فرقان اور اس کی بیوی نے رد کر دیا۔ سالار نے مداخلت نہیں کی تھی۔ وہ موبائل لے کر بالکونی میں چلا گیا۔ لاونج میں بیٹھے کھڑکیوں کے شیشوں کے پار آمنہ نے اسے بالکونی میں ٹہلتے موبائل پر کسی سے بات کرتے دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

اس نے سعیدہ اماں کے گھر سے اپنے فلیٹ تک ایک بار بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ یہ صرف فرقان تھا جو وقتاً فوقتاً اسے مخاطب کرتا رہا تھا اور اب بھی یہی ہو رہا تھا۔

سالار نے وہ خاموشی افطار کی میز پر بھی نہیں توڑی۔ فرقان اور اس کی بیوی ہی آمنہ کو مختلف چیزیں سرو کرتے رہے۔ آمنہ نے اس کی خاموشی اور سرد مہری کو محسوس کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

افطار کے بعد وہ فرقان کے ساتھ مغرب کی نماز کے لئے نکل آیا تھا۔ فرقان کو مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد ہاسپٹل جانا تھا۔

مسجد سے نکل کر فرقان کے ساتھ کار پارکنگ کی طرف آتے ہوئے فرقان نے اس سے کہا۔

"تم بہت زیادہ خاموش ہو۔" سالار نے ایک نظر اسے دیکھا مگر کچھ کہے بغیر چلتا رہا۔

"کیا تمہیں کچھ کہنا نہیں ہے؟"

وہ مسلسل اس کی خاموشی کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سالار نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

مغرب کے وقت ہی دھند نمودار ہونے لگی تھی۔ ایک گہرا سانس لے کر اس نے فرقان کو دیکھا۔

"نہیں، مجھے کچھ نہیں کہنا۔"

چند لمحے ساتھ چلنے کے بعد فرقان نے اسے بڑبڑاتے سنا۔

"میں آج کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں ہوں۔"

فرقان کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔ ساتھ چلتے چلتے اس نے سالار کا کندھا تھپتھپایا۔

میں تمہارے احساسات سمجھ سکتا ہوں مگر زندگی میں یہ سب ہوتا رہتا ہے، تم امامہ کے لئے جو کچھ کر سکتے تھے تم نے کیا۔ جتنا انتظار کر سکتے تھے تم نے کیا۔ آٹھ نو سال کم نہیں ہوتے۔ اب تمہاری قسمت میں اگر یہی لڑکی ہے تو ہم یا تم کیا کر سکتے ہیں۔"

سالار نے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس گھر میں آنا امامہ کا مقدر نہیں تھا، آمنہ کا مقدر تھا۔ سو وہ آگئی۔ اس سے نکاح ہوئے سات دن ہوئے ہیں اور آٹھویں دن وہ یہاں ہے۔ امامہ کے ساتھ نکاح کو نو سال ہونے والے ہیں وہ آج تک تمہارے پاس نہیں آسکی۔ کیا تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ امامہ تمہارے مقدر میں نہیں ہے۔"

وہ پوری دلجمعی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہماری بہت ساری خواہشات ہوتی ہیں۔ بعض خواہشات اللہ پوری کر دیتا ہے، بعض نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے امامہ کے نہ ملنے میں تمہاری لئے بہتری ہو۔ ہو سکتا ہے اللہ نے تمہیں آمنہ کے لئے ہی رکھا ہو۔ ہو سکتا ہے آج سے چند سال بعد تم اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکو۔"

وہ دونوں اب پارکنگ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ فرقان کی گاڑی شروع میں ہی کھڑی تھی۔

"میں نے اپنی زندگی میں ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا جس کی ہر خواہش پوری ہو، جس نے جو چاہا ہو پالیا ہو پھر شکوہ کس بات کا۔ آمنہ کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزارنے کی کوشش کرو۔"

وہ دونوں اب گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ فرقان نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا مگر بیٹھنے سے پہلے اس نے سالار کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے باری باری اس کے دونوں گالوں کو نرمی سے چوما۔

"تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تم نے ایک نیکی کی ہے اور اس نیکی کا اجر اگر تمہیں یہاں نہیں ملے گا تو اگلی دنیا میں مل جائے گا۔"

وہ اب سالار کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سالار سر کو ہلکا سا خم کرتے ہوئے تھوڑا سا مسکرایا۔

فرقان نے ایک گہرا سانس لیا۔ آج کے دن یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو اس نے سالار کے چہرے پر دیکھی تھی۔ اس نے خود بھی مسکراتے ہوئے سالار کی پشت تھپتھپائی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

سالار نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ فرقان اگنیشن میں چابی لگا رہا تھا۔ جب اس نے سالار کو کھڑکی کا شیشہ انگلی سے بجاتے دیکھا۔ فرقان نے شیشہ نیچے گرا دیا۔

"تم کہہ رہے تھے کہ تم نے آج تک کوئی ایسا انسان نہیں دیکھا، جس نے جس چیز کی بھی خواہش کی ہو اسے مل گئی ہو۔"

سالار کھڑکی پر جھکے پُر سکون آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ فرقان نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بے حد پُر سکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"پھر تم مجھے دیکھو کیونکہ وہ انسان میں ہوں، جس نے آج تک جو بھی چاہا اسے وہ مل گیا۔"

فرقان کو لگا اس کا ذہن غم کی وجہ سے متاثر ہو رہا تھا۔

"جسے تم میری نیکی کہہ رہے ہو وہ دراصل میرا "اجر" ہے جو مجھے زمین پر ہی دے دیا گیا ہے۔ مجھے آخرت کے انتظار میں نہیں رکھا گیا اور میرا مقدر آج بھی وہی ہے جو نو سال پہلے تھا۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر گہری آواز میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے وہی عورت دی گئی ہے جس کی میں نے خواہش کی تھی، امامہ ہاشم اس وقت میرے گھر پہ ہے، خدا حافظ۔"

فرقان دم بخود دور جاتے ہوئے اس کی پشت دیکھتا رہا۔ وہ کیا کہہ گیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"شاید میں ٹھیک سے اس کی بات نہیں سن پایا۔۔۔۔یا پھر شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔۔۔یا پھر شاید اس نے صبر کر لیا ہے۔۔۔۔۔امامہ ہاشم۔۔۔۔۔؟" سالار اب بہت دور نظر آ رہا تھا۔



لاہور پہنچنے کے بعد اس کے لئے اگلا مرحلہ کسی کی مدد حاصل کرنا تھا مگر کس کی؟ وہ ہاسٹل نہیں جا سکتی تھی۔ وہ جویریہ اور باقی لوگوں سے رابطہ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اس کے گھر والے اس کی دوستوں سے واقف تھے اور چند گھنٹوں میں وہ اسے لاہور میں ڈھونڈنے والے تھے، بلکہ ہو سکتا ہے اب تک اس کی تلاش شروع ہو چکی ہو اور اس صورت حال میں ان لوگوں سے رابطہ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس کے لئے صبیحہ کی صورت میں واحد آپشن رہ جاتا تھا، مگر وہ اس بات سے واقف نہیں تھی کہ وہ ابھی پشاور سے واپس آئی تھی یا نہیں۔

صبیحہ کے گھر پر ملازم کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ لوگ ابھی پشاور میں ہی تھے۔

"واپس کب آئیں گے؟" اس نے ملازم سے پوچھا۔ وہ اسے جانتا تھا۔

"کیا آپ کے پاس وہاں کا فون نمبر ہے؟" اس نے قدرے مایوسی کے عالم میں پوچھا۔

"جی، وہاں کا فون نمبر میرے پاس ہے۔" ملازم نے اس سے کہا۔

"وہ آپ مجھے دے دیں۔ میں فون پر اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اسے کچھ تسلی ہوئی۔ ملازم اسے اندر لے آیا۔ ڈرائنگ روم میں اسے بٹھا کر اس نے وہ نمبر لا دیا۔ اس نے موبائل پر وہیں بیٹھے بیٹھے صبیحہ کو رنگ کیا۔ فون پشاور میں گھر کے کسی فرد نے اٹھایا تھا۔ اور اسے بتایا کہ صبیحہ باہر گئی ہوئی ہے۔

امامہ نے فون بند کر دیا۔

"صبیحہ سے میری بات نہیں ہو سکی۔ میں کچھ دیر بعد اسے دوبارہ فون کروں گی۔" اس نے پاس کھڑے ملازم سے کہا۔

"تب تک میں یہیں بیٹھوں گی۔"

ملازم سر ہلاتے ہوئے چلا گیا۔ اس نے ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ صبیحہ کو فون کیا۔ وہ اس کی کال پر حیران تھی۔

اس نے مختصر طور پر اپنا گھر چھوڑ آنے کے بارے میں بتایا۔ اس نے اسے سالار سے اپنے نکاح کے بارے میں نہیں بتایا کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی صبیحہ اس سارے معاملے کو کس طرح دیکھے گی۔

"امامہ! تمہارے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ تم اس معاملے میں کورٹ سے رابطہ کرو۔ تبدیلی مذہب کے حوالے سے پروٹیکشن مانگو۔" صبیحہ نے اس کی ساری گفتگو سننے کے بعد کہا۔

"میں یہ کرنا نہیں چاہتی۔"

"کیوں؟"

"صبیحہ! میں پہلے ہی اس مسئلے کے بارے میں بہت سوچ چکی ہوں۔ تم میرے بابا کی پوزیشن اور اثر ورسوخ سے واقف ہو۔ پریس تو طوفان اٹھا دے گا۔ میری فیملی کو بہت ساری پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں یہ تو نہیں چاہتی کہ میرے گھر پر پتھراؤ ہو، میری وجہ سے میرے گھر والوں کی زندگی کو خطرہ ہو اور آج تک جتنی لڑکیوں نے اسلام قبول کر کے

کورٹ پروٹیکشن لینے کی کوشش کی ہے ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ کورٹ دارالامان بھجوادیتی ہے۔ وہ جیل بھجوانے کے مترادف ہے۔ کیس کا فیصلہ کتنی دیر تک ہو، کچھ پتا نہیں۔

گھر والے ایک کے بعد ایک کیس فائل کرتے رہتے ہیں۔ کتنے سال اس طرح گزر جائیں گے، کچھ پتا نہیں ہوتا اگر کسی کو کورٹ آزاد رہنے کی اجازت دے بھی دے تو وہ لوگ اتنے مسئلے کھڑے کرتے رہتے ہیں کہ بہت ساری لڑکیاں واپس گھر والوں کے پاس چلی جاتی ہیں۔ میں نہ تو دارالامان میں اپنی زندگی برباد کرنا چاہتی ہی نہ ہی لوگوں کی نظروں میں آنا چاہتی ہوں۔ میں نے خاموشی کے ساتھ گھر چھوڑا ہے اور میں اسی خاموشی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہاری بات سمجھ سکتی ہوں امامہ! لیکن مسائل تو تمہارے لئے ابھی بھی کھڑے کئے جائیں گے۔ وہ تمہیں تلاش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیں گے اور ان لوگوں کے لئے مسائل پیدا ہوں گے جو تمہیں پناہ دیں گے اور وہ جب تمہیں ڈھونڈنا شروع کریں گے تو مجھ تک پہنچنا تو ان کے لئے بہت آسان ہوگا۔ تمہاری مدد کرکے ہمیں بہت خوشی ہوگی مگر میرے ابو یہی چاہیں گے کہ مدد چھپ کر کرنے کی بجائے کھل کر کی جائے اور کورٹ اس معاملے میں یقیناً تمہارے حق میں اپنا فیصلہ دے گا۔ تم ابھی میرے گھر پر ہی رہو۔ میں اس

بارے میں ملازم کو کہہ دیتی ہوں اور آج میں ابو سے بات کرتی ہوں ہم کوشش کریں گے، کل لاہور واپس آجائیں۔"

امامہ نے ملازم کو بلا کر فون اس کے حوالے کر دیا۔ صبیحہ نے ملازم کو کچھ ہدایت دیں اور پھر رابطہ منقطع کر دیا۔

"میں صبیحہ بی بی کا کمرہ کھول رہا ہوں، آپ وہاں چلی جائیں۔" ملازم نے اس سے کہا۔

وہ صبیحہ کے کمرے میں چلی آئی مگر اس کی تشویش اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ صبیحہ کے نقطہ نظر کو سمجھ سکتی تھی۔ وہ یقیناً یہ نہیں چاہتی تھی کہ خود صبیحہ اور اس کی فیملی پر کوئی مصیبت آئے۔ اس معاملے میں صبیحہ کے اندیشے درست تھے۔ اگر ہاشم مبین کو یہ پتا چل جاتا کہ اسے صبیحہ کی فیملی نے پناہ دی تھی تو وہ ان کے جانی دشمن بن جاتے۔ شاید اس لئے صبیحہ نے اس سے قانون کی مدد لینے کے لئے کہا تھا مگر یہ راستہ اس کے لئے زیادہ دشوار تھا۔

جماعت کے اتنے بڑے لیڈر کی بیٹی کا اس طرح مذہب چھوڑ دینا پوری جماعت کے منہ پر طمانچے کے مترادف تھا اور وہ جانتے تھے کہ اس سے پورے ملک میں جماعت اور خود ان کے خاندان کو کتنی زک پہنچے گی اور وہ اس بے عزتی سے بچنے کے لئے کس حد تک جا سکتے تھے، امامہ جانتی نہیں تھی مگر اندازہ کر سکتی تھی۔

وہ صبیحہ کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی جب اس کے ذہن میں ایک جھماکے کے ساتھ سیدہ مریم سبط علی کا خیال آیا تھا۔ وہ صبیحہ کی دوست اور کلاس فیلو تھی۔ وہ اس سے کئی بار ملتی رہی تھی۔ ایک بار صبیحہ کے گھر پر ہی مریم کو اس کے قبول اسلام کا پتا چلا تھا۔ وہ شاید صبیحہ کی واحد دوست تھی جسے صبیحہ نے امامہ کے بارے میں بتا دیا تھا اور مریم بہت حیران نظر آئی تھی۔

"تمہیں اگر کبھی میری کسی مدد کی ضرورت ہوئی تو مجھے ضرور بتانا بلکہ بلا جھجک میرے پاس آجانا۔"

اس نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ امامہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ بعد میں بھی امامہ سے ہونے والی ملاقاتوں میں وہ ہمیشہ اس سے اسی گرم جوشی کے ساتھ ملتی رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے اس کا کیوں خیال آیا تھا یا وہ کس حد تک اس کی مدد کر سکتی تھی مگر اس وقت اس نے اس سے بھی رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے موبائل سے فون کرنا چاہا مگر موبائل کی بیٹری ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اسے ری چارج کرنے کے لئے لگایا اور خود لاؤنج میں آکر اپنی ڈائری سے مریم کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

فون ڈاکٹر سبط نے اٹھایا تھا۔

"میں مریم سے بات کرنا چاہتی ہوں، میں ان کی دوست ہوں۔"

اس نے اپنا تعارف کروایا۔ اس نے پہلی بار مریم کو فون کیا تھا۔

"میں بات کرواتا ہوں۔" انہوں نے فون ہولڈر رکھنے کا کہا۔ کچھ سیکنڈز کے بعد امامہ نے دوسری طرف مریم کی آواز سنی۔

"ہیلو۔۔۔۔۔"

"ہیلو مریم! میں امامہ بات کر رہی ہوں۔"

"امامہ۔۔۔۔۔ امامہ ہاشم؟" مریم نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ اسے اپنے بارے میں بتاتی گئی۔ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی جب اس نے بات ختم کی تو مریم نے کہا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں صبیحہ کے گھر پر ہوں، مگر صبیحہ کے گھر پر کوئی نہیں ہے۔ صبیحہ پشاور میں ہے۔"

اس نے صبیحہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں اسے نہیں بتایا۔

"تم وہیں رہو۔میں ڈرائیور کو بھجواتی ہوں۔تم اپنا سامان لے کر اسکے ساتھ آجاؤ۔۔۔۔۔ میں اتنی دیر میں اپنی امی اور ابو سے بات کرتی ہوں۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔یہ صرف اتفاق تھا کہ اس نے ڈاکٹر سبط کے گھر کی جانے والی کال سالار کے موبائل سے نہیں کی تھی ورنہ سکندر عثمان ڈاکٹر سبط علی کے گھر بھی پہنچ جاتے اور اگر امامہ کو یہ خیال آجاتا کہ وہ موبائل کے بل سے اسے ٹریس آوٹ کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ لاہور آکر ایک بار بھی موبائل استعمال نہ کرتی۔

یہ ایک اور اتفاق تھا کہ ڈاکٹر سبط علی نے اپنے آفس کی گاڑی اور ڈرائیور کو اسے لینے کے لئے بھجوایا تھا،ورنہ صبیحہ کا ملازم مریم کی گاڑی اور ڈرائیور کو پہچان لیتا کیونکہ مریم اکثر وہاں آیا کرتی تھی اور صبیحہ کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی یہ جان جاتے کہ وہ صبیحہ کے گھر سے کہاں گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آدھ گھنٹہ بعد ملازم نے ایک گاڑی کے آنے کی اطلاع دی۔وہ اپنا بیگ اٹھانے لگی۔

"کیا آپ جارہی ہیں؟"

"ہاں۔۔۔۔۔"

"مگر صبیحہ بی بی تو کہہ رہی تھیں کہ آپ یہاں رہیں گی۔"

"نہیں۔۔۔۔۔میں جارہی ہوں۔۔۔۔۔اگر صبیحہ کا فون آئے تو آپ اسے بتادیں کہ میں چلی گئی ہوں۔"اس نے دانستہ طور پر اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ مریم کے گھر جارہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ پہلی بار مریم کے گھر گئی تھی۔اس کا خیال تھا کہ وہاں جا کر اسے ایک بار پھر مریم اور اس کے والدین کو اپنے بارے میں سب کچھ بتانا پڑے گا۔وہ ذہنی طور پر خود کو سوالوں کے لئے تیار کر رہی تھی مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

"ہم لوگ تو ناشتہ کر چکے ہیں تم ناشتہ کر لو۔"

مریم نے پورچ میں اس کا استقبال کیا تھا اور اسے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔اندر لاؤنج میں ڈاکٹر سبط علی اور ان کی بیوی سے اس کا تعارف کروایا گیا۔وہ بڑے تپاک سے ملے۔امامہ کے چہرے پر اتنی سراسیمگی اور پریشانی تھی کہ ڈاکٹر سبط علی کو اس پر ترس آیا۔

"میں کھانا لگواتی ہوں۔ مریم تم اسے اس کا کمرہ دکھادو۔۔۔۔۔تاکہ یہ کپڑے چینج کرلے۔" سبط علی کی بیوی نے مریم سے کہا۔

وہ جب کپڑے بدل کر آئی تو ناشتہ لگ چکا تھا۔اس نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔

"امامہ! اب آپ جا کر سو جائیں۔ میں آفس جارہا ہوں، شام کو واپسی پر ہم آپ کے مسئلے پر بات کریں گے۔"

ڈاکٹر سبط علی نے اسے ناشتہ ختم کرتے دیکھ کر کہا۔

"مریم! تم اسے کمرے میں لے جاؤ۔" وہ خود لاؤنج سے نکل گئے۔

وہ مریم کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"امامہ! اب تم سو جاؤ۔۔۔۔۔تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے کہ تم پچھلے کئی گھنٹوں سے نہیں سوئیں۔ عام طور پر تھکن اور پریشانی میں نیند نہیں آتی اور تم اس وقت اس کا شکار ہو گی۔ میں تمہیں کوئی ٹیبلٹ لا کر دیتی ہوں اگر نیند آگئی تو ٹھیک ورنہ ٹیبلٹ لے لینا۔"

وہ کمرے سے باہر نکل گئی، کچھ دیر بعد اس کی واپسی ہوئی پانی کا گلاس اور ٹیبلٹ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم بالکل ریلیکس ہو کر سو جاؤ۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم سمجھو کہ تم اپنے گھر میں ہو۔" وہ کمرے کی لائٹ آف کرتی ایک بار پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔

صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے مگر ابھی تک باہر بہت دھند تھی اور کمرے کی کھڑکیوں پر پردے ہونے کی وجہ سے کمرے میں اندھیرا کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔اس نے کسی معمول کی طرح ٹیبلٹ پانی کے ساتھ نگل لی۔ اس کے بغیر نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔اس کے ذہن میں اتنے بہت سے خیالات آرہے تھے کہ بیڈ پر لیٹ کر نیند کا انتظار کرنا مشکل ہو جاتا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے اپنے اعصاب پر ایک غنودگی طاری ہوتی محسوس کی۔



وہ جس وقت دوبارہ اٹھی اس وقت کمرہ مکمل طور پر تاریک ہو چکا تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر دیوار کی طرف گئی اور اس نے لائٹ جلادی۔ وال کلاک پر رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ وہ فوری طور پر اندازہ نہیں کر سکی کہ یہ اتنی لمبی نیند ٹیبلٹ کا اثر تھی یا پھر پچھلے کئی دنوں سے صحیح طور پر نہ سو سکنے کی۔

"جو کچھ بھی تھا وہ صبح سے بہت بہتر حالت میں تھی۔اسے بے حد بھوک لگ رہی تھی، مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ گھر کے افراد اس وقت جاگ رہے ہوں گے یا نہیں۔ بہت آہستگی سے وہ دروازہ کھول کر لاؤنج میں نکل آئی۔ڈاکٹر سبط علی لاؤنج کے ایک صوفے پر بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔دروازہ کھلنے کی آواز سن کر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"اچھی نیند آئی؟" وہ بڑی بشاشت سے بولے۔

"جی۔۔۔۔!" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اب ایسا کریں کہ وہ سامنے کچن ہے، وہاں چلی جائیں۔ کھانا رکھا ہوا ہے۔ گرم کریں۔ وہاں ٹیبل پر ہی کھالیں اس کے بعد چائے کے دو کپ بنائیں اور یہاں آجائیں۔"

وہ کچھ کہے بغیر کچن میں چلی گئی۔ فریج میں رکھا ہوا کھانا نکال کر اس نے گرم کیا اور کھانے کے بعد چائے لے کر لاؤنج میں آگئی۔ چائے کا ایک کپ بنا کر اس نے ڈاکٹر سبط علی کو دیا۔

وہ کتاب میز پر رکھ چکے تھے۔ دوسرا کپ لے کر وہ ان کے بالمقابل دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ اندازہ کر چکی تھی کہ وہ اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے۔

"چائے بہت اچھی ہے۔"

انہوں نے ایک سپ لے کر مسکراتے ہوئے کہا وہ اتنی نروس تھی کہ ان کی تعریف پر مسکرا سکی نہ شکریہ ادا کر سکی۔ وہ صرف انہیں دیکھتی رہی۔

"امامہ! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی دورائے نہیں ہو سکتی مگر فیصلہ بہت بڑا ہے اور اتنے بڑے فیصلے کرنے کے لئے بہت ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس کم عمری میں، مگر بعض دفعہ فیصلے کرنے کے لئے اتنی جرات کی ضرورت نہیں ہوتی جتنی ان پر قائم رہنے کے لئے ہوتی ہے۔ آپ کو کچھ عرصہ بعد اس کا اندازہ ہو گا۔"

وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"میں آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا مذہب کی تبدیلی کا فیصلہ صرف مذہب کے لئے ہے یا کوئی اور وجہ بھی ہے۔"

وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے مجھے زیادہ واضح طور پر یہ سوال پوچھنا چاہیے کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کسی لڑکے میں دلچسپی رکھتی ہیں اور اس کے کہنے پر یا اس کے لئے آپ نے گھر سے نکلنے کا فیصلہ کیا ہو یا مذہب بدلنے کا۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ مت سوچنا کہ اگر ایسی کوئی وجہ

ہو گی تو میں آپ کو برا سمجھوں گا یا آپ کی مدد نہیں کروں گا۔ میں یہ صرف اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ اگر ایسا ہوا تو پھر مجھے اس لڑکے اور اس کے گھر والوں سے بھی ملنا ہو گا۔"

ڈاکٹر سبط اب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس وقت امامہ کو پہلی بار مریم سے اتنی دیر سے رابطہ کرنے پر پچھتاوا ہوا اگر سالار کی بجائے ڈاکٹر سبط، جلال سے یا اس کے گھر والوں سے بات کرتے تو شاید۔۔۔۔۔"اس نے بوجھل دل سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"کیا آپ کو واقعی یقین ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے؟" انہوں نے ایک بار پھر پر سکون انداز میں اس سے کہا۔

"جی۔۔۔ میں نے اسلام کسی لڑکے کے لئے قبول نہیں کیا۔" وہ اس بار جھوٹ نہیں بول رہی تھی، اس نے اسلام واقعی جلال انصر کے لئے قبول نہیں کیا تھا۔

"پھر آپ کو اندازہ ہونا چاہیے کہ آپ کو کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"مجھے اندازہ ہے۔"

"آپ کے والد ہاشم مبین صاحب سے میں واقف ہوں۔ جماعت کے بہت سر گرم اور بارسوخ لیڈر ہیں اور آپ کا ان کے مذہب سے تائب ہو کر اس طرح گھر سے چلے آنا ان کے

لئے ایک بہت بڑا دھچکا ہے۔ آپ کو ڈھونڈنے اور واپس لے جانے کے لئے وہ زمین آسمان ایک کر دیں گے۔"

"مگر میں کسی بھی قیمت پر واپس نہیں جاؤں گی۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔"

"گھر آپ نے چھوڑ دیا ہے۔ اب آپ آگے کیا کریں گی؟" امامہ کو اندیشہ ہوا کہ وہ اسے کورٹ میں جانے کا مشورہ دیں گے۔

"میں کورٹ میں نہیں جاؤں گی۔ میں کسی کے بھی سامنے آنا نہیں چاہتی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سامنے آکر میرے لئے بہت زیادہ مسائل پیدا ہو جائیں گے۔"

"پھر آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟" انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سامنے نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ میڈیکل کالج میں اپنی اسٹڈیز جاری نہیں رکھ سکیں گی۔"

"میں جانتی ہوں۔" اس نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"میں ویسے بھی خود تو میڈیکل کی تعلیم افورڈ کر بھی نہیں سکتی۔"

"اور اگر کسی دوسرے میڈیکل کالج میں کسی دوسرے شہر یا صوبے میں آپ کی مائیگریشن کروا دی جائے تو؟"

"نہیں، وہ مجھے ڈھونڈ لیں گے۔ ان کے ذہن میں بھی سب سے پہلے یہی آئے گا کہ میں مائیگریشن کروانے کی کوشش کروں گی اور اتنے تھوڑے سے میڈیکل کالجز میں مجھے ڈھونڈنا بہت آسان کام ہے۔"

"پھر۔۔۔۔؟"

"میں بی ایس سی میں کسی کالج میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں مگر کسی دوسرے شہر میں۔۔۔۔ لاہور میں وہ ایک ایک کالج چھان ماریں گے اور میں اپنا نام بھی بدلوانا چاہتی ہوں۔۔۔۔ اگر آپ ان دونوں کاموں میں میری مدد کر سکیں تو میں بہت احسان مند رہوں گی۔"

ڈاکٹر سبط علی بہت دیر خاموش رہے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ پھر انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"امامہ! ابھی کچھ عرصہ آپ کو یہیں رہنا چاہیے، پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے گھر والے آپ کی تلاش میں کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔ چند ہفتے انتظار کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں آگے کیا کرنا ہے۔ آپ اس گھر میں بالکل محفوظ ہیں۔۔۔۔ آپ کو اس حوالے سے کوئی

پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ کورٹ میں نہیں جانا چاہتیں؟ میں آپ کو اس کے لئے مجبور بھی نہیں کروں گا اور آپ کو یہ ڈر نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی یہاں تک آ جائے گا یا آپ کو زبردستی یہاں سے لے جائے گا۔ آپ کے ساتھ کوئی بھی کسی بھی طرح کی زبردستی نہیں کر سکتا۔"

انہوں نے اس رات اسے بہت سی تسلیاں دی تھیں۔ اسے ڈاکٹر سبط علی کی شکل دیکھ کر بے اختیار ہاشم مبین یاد آتے رہے۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرے دن ڈاکٹر سبط علی شام پانچ بجے کے قریب اپنے آفس سے آئے تھے۔

"صاحب آپ کو اپنی اسٹڈی میں بلا رہے ہیں۔"

وہ اس وقت مریم کے ساتھ کچن میں تھی جب ملازم نے آ کر اسے پیغام دیا۔

"آؤ امامہ! بیٹھو۔" اسٹڈی کے دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہونے پر ڈاکٹر سبط علی نے اس سے کہا وہ اپنی ٹیبل کی ایک دراز سے کچھ پیپرز نکال رہے تھے وہ وہاں رکھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آج میں نے کچھ معلومات کروائی ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کے گھر والے آپ کی تلاش میں کہاں تک پہنچے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔"

انہوں نے دراز بند کرتے ہوئے کہا۔

"یہ سالار سکندر کون ہے؟"

ان کے اگلے سوال نے اس کے دل کی دھڑکن کو چند لمحوں کے لئے روک دیا تھا۔ وہ اب کرسی پر بیٹھے اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے کی فق ہوتی ہوئی رنگت نے انہیں بتا دیا کہ وہ نام امامہ کے لئے اجنبی نہیں تھا۔

"سالار۔۔۔۔! ہمارے ساتھ۔۔۔۔والے۔۔۔۔گھر۔۔۔۔میں۔۔۔۔ رہتا۔۔۔۔۔ہے۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"اس نے میری بہت مدد کی ہے۔ گھر سے نکلنے میں۔۔۔۔اسلام آباد سے لاہور مجھے وہی چھوڑ کر گیا تھا۔"

وہ دانستہ رک گئی۔

"کیا اس کے ساتھ نکاح کے بارے میں بھی بتانا چاہئے؟" وہ گومگو میں تھی۔

"آپ کے والد نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی ہے، آپ کو اغوا کرنے کے الزام میں۔"

امامہ کے چہرے کی رنگت اور زرد ہو گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ سالار سکندر اتنی جلدی پکڑا جائے گا اور اب اس کے گھر والے یقیناً جلال انصر تک بھی پہنچ جائیں گے اور وہ نکاح اور اس کے بعد کیا وہ یہاں آ جائیں گے۔

"کیا وہ پکڑا گیا؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"نہیں۔۔۔۔۔یہ ٹریس آؤٹ کر لیا گیا تھا کہ وہ اس رات کسی لڑکی کے ساتھ لاہور تک آیا تھا لیکن اس کا اصرار ہے کہ وہ آپ نہیں تھیں۔ کوئی دوسری لڑکی تھی۔ اس کی کوئی گرل فرینڈ۔۔۔۔اور اس نے اس کا ثبوت بھی دے دیا ہے۔"

ڈاکٹر سبط علی نے دانستہ طور پر یہ نہیں بتایا کہ وہ لڑکی کوئی طوائف تھی۔

"پولیس اسے گرفتار اس کے اپنے والد کی وجہ سے نہیں کر سکی۔ اس کے ثبوت دینے کے باوجود آپ کے گھر والوں کا یہی اصرار ہے کہ آپ کی گمشدگی میں وہی ملوث ہے۔ امامہ! کیسا لڑکا ہے یہ سالار سکندر؟"

ڈاکٹر سبط نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے اچانک پوچھا۔

"بہت برا۔" بے اختیار امامہ کے منہ سے نکلا۔ "بہت ہی برا۔"

"مگر آپ تو یہ کہہ رہی تھیں کہ اس نے آپ کی بہت مدد کی ہے۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔"

"ہاں، اس نے میری مدد کی ہے مگر وہ بہت برے کردار کا لڑکا ہے۔ میری مدد شاید اس نے اس لئے کی ہے کیونکہ میں نے ایک بار اسے فرسٹ ایڈ دی تھی۔ اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی تب۔۔۔۔۔ اور شاید اس لئے بھی اس نے میری مدد کی ہو گی کیونکہ میرا بھائی اس کا دوست ہے۔ ورنہ وہ بہت برا لڑکا ہے۔ وہ ذہنی مریض ہے۔ پتا نہیں عجیب باتیں کرتا ہے۔ عجیب حرکتیں کرتا ہے۔"

امامہ کے ذہن میں اس وقت اس کے ساتھ کئے گئے سفر کی یاد تازہ تھی جس میں وہ پورا راستہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتی رہی تھی۔ ڈاکٹر سبط علی نے سر ہلایا۔

"پولیس آپ کی فرینڈز سے بھی پوچھ گچھ کر رہی ہے اور صبیحہ کے گھر تک بھی پولیس گئی ہے۔ صبیحہ پشاور سے واپس آگئی ہے، مگر مریم نے صبیحہ کو یہ نہیں بتایا کہ آپ ہمارے یہاں ہیں۔ آپ اب صبیحہ سے رابطہ مت کریں۔ اسے فون بھی مت کریں کیونکہ ابھی وہ اس کے گھر کو انڈر آبزرویشن رکھیں گے اور فون کو بھی وہ خاص طور پر چیک کریں گے، بلکہ آپ اب کسی بھی دوست سے فون پر کانٹیکٹ مت کرنا نہ ہی یہاں سے باہر جانا۔"

انہوں نے اسے ہدایت دیں۔

"میرے پاس موبائل ہے۔ اس پر بھی کانٹیکٹ نہیں کر سکتی؟"

وہ چونکے۔

"آپ کا موبائل ہے؟"

"نہیں، اسی لڑکے سالار کا ہے۔"

وہ سالار تک پہنچ گئے تو موبائل تک بھی پہنچ جائیں گے۔" وہ بات کرتے کرتے رک گئے۔

"جو کال آپ نے ہمارے گھر کی تھی وہ اس موبائل سے کی تھی؟" اس بار ان کی آواز میں کچھ تشویش تھی۔

"نہیں، وہ میں نے صبیحہ کے گھر سے کی تھی۔"

"آپ اب اس موبائل پہ دوبارہ کوئی کال کرنا نہ کال ریسیور کرنا۔"

وہ کچھ مطمئن ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے کچھ دنوں میں اسے ڈاکٹر سبط سے اس کی تلاش کے سلسلے میں اور خبریں موصول ہوتی رہی تھیں۔ان کے ذرائع معلومات جو بھی تھے مگر وہ بے حد باوثوق تھے۔اسے ہر جگہ ڈھونڈا جا رہا تھا۔میڈیکل کالج،ہاسپٹل،کلاس فیلوز۔۔۔ہاسٹل،روم میٹس اور فرینڈز۔۔۔ہاشم مبین نے اسے ڈھونڈنے کے لئے نیوز پیپر کا سہارا نہیں لیا تھا۔میڈیا کی مدد لینے کا نتیجہ ان کے لئے رسوا کن ثابت ہوتا۔

وہ جس حد تک اس کی گمشدگی کو خفیہ رکھنے کی کوشش کر سکتے تھے کر رہے تھے، مگر وہ پولیس کی مدد حاصل کئے ہوئے تھے۔ان کی جماعت بھی اس سلسلے میں ان کی پوری مدد کر رہی تھی۔

وہ لوگ صبیحہ تک پہنچ گئے تھے مگر وہ یہ جان نہیں پائے تھے کہ وہ لاہور آنے کے بعد اس کے گھر گئی تھی۔شاید یہ صبیحہ کے ان دنوں پشاور میں ہونے کا نتیجہ تھا جن دنوں امامہ اپنے گھر سے چلی آئی تھی۔ورنہ شاید صبیحہ اور اس کے گھر والوں کو بھی کچھ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا۔

مریم نے صبیحہ کو امامہ کی اپنے ہاں موجودگی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔اس نے مکمل طور پر یوں ظاہر کیا تھا جیسے امامہ کی اس طرح کی گمشدگی باقی اسٹوڈنٹس کی طرح اس کے لئے بھی حیران کن بات تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند ہفتے گزر جانے کے بعد جب امامہ کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ ڈاکٹر سبط علی کے ہاں محفوظ ہے اور کوئی بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تو اس نے سالار سکندر کو فون کیا۔وہ اس سے نکاح کے پیپرز لینا چاہتی تھی اور تب پہلی بار یہ جان کر اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ سالار نے نہ تو طلاق کا حق اسے تفویض کیا تھا اور نہ ہی وہ اسے طلاق دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ڈاکٹر سبط علی کے گھر پہنچنے کے بعد اس نے پہلی بار موبائل کا استعمال کیا تھا اور وہ بھی کسی کو بتائے بغیر اور سالار سے فون پر بات کرنے کے بعد اسے اپنی حماقت کا شدت سے احساس ہوا۔۔۔اسے سالار جیسے شخص پر کبھی بھی اس حد تک اعتماد نہیں کرنا چاہیے تھا اور اسے پیپرز کو دیکھنے میں کتنا وقت لگ سکتا تھا جو اس نے انہیں دیکھنے سے اجتناب کیا اور پھر آخر اس نے پیپرز کی ایک کاپی فوری طور پر اس سے کیوں نہیں لی۔کم از کم اس وقت جب وہ اپنے گھر سے نکل آئی تھی۔

اسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شخص اس کے لئے کتنی بڑی مصیبت بن گیا تھا اور آئندہ آنے والے دنوں میں۔۔۔۔وہ اب ہر بات پر پچھتا رہی تھی۔اگر اسے اندازہ ہوتا کہ وہ ڈاکٹر سبط

علی جیسے آدمی کے پاس پہنچ جائے گی تو وہ کبھی بھی نکاح کرنے کی حماقت نہ کرتی اور سالار جیسے آدمی کے ساتھ تو کبھی بھی نہیں۔

اور اگر اسے یقین ہوتا کہ ڈاکٹر سبط علی ہر حالت میں اس کی مدد کریں گے تو وہ کم از کم سالار کے بارے میں ان سے جھوٹ نہ بولتی پھر وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتے، مگر اب جب وہ انہیں بڑے دعوے اور یقین کے ساتھ یہ یقین دلا چکی تھی کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ کسی بھی طرح انوالو نہیں تھی تو اس نکاح کا انکشاف اور وہ بھی اس لڑکے کے ساتھ۔۔۔۔۔ جس کی برائیوں کے بارے میں وہ ڈاکٹر سبط علی سے بات کر چکی تھی اور جس کے بارے میں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ امامہ کے والدین نے اس کے خلاف اغوا کا کیس فائل کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اگر اب ڈاکٹر سبط علی کو یہ حقائق بتانے کی کوشش کرے گی تو ان کا ردعمل کیا ہو گا اور وہ کم از کم اس وقت وہ واحد ٹھکانہ کھونے کے لئے تیار نہیں تھی۔

اگلے کئی دن اس کی بھوک پیاس بالکل ختم ہو گئی۔ مستقبل یکدم بھوت بن گیا تھا اور سالار سکندر۔۔۔۔ اسے اس شخص سے اتنی نفرت محسوس ہو رہی تھی کہ اگر وہ اس کے سامنے آجاتا تو وہ اسے شوٹ کر دیتی۔ اسے عجیب عجیب خدشے اور اندیشے تنگ کرتے رہتے۔ پہلے اگر اسے صرف اپنے گھر والوں کا خوف تھا تو اب اس خوف کے ساتھ سالار کا خوف بھی شامل

ہو گیا تھا اگر اس نے میری تلاش شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

اس کا وزن یکدم کم ہونے لگا۔ وہ پہلے بھی خاموش رہتی تھی مگر اب اس کی خاموشی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھی اور یہ سب کچھ ڈاکٹر سبط علی اور ان کے گھر والوں سے پوشیدہ نہیں تھا ان سب نے اس سے باری باری ان اچانک آنے والی تبدیلیوں کی وجہ جاننے کی کوشش کی لیکن وہ انہیں ٹالتی رہی۔

"تم پہلے بھی اداس اور پریشان لگی تھیں مگر اب ایک دو ہفتے سے بہت زیادہ پریشان لگتی ہو۔ کیا پریشانی ہے امامہ؟"

سب سے پہلے مریم نے اس سے اس بارے میں پوچھا۔

"نہیں، کوئی پریشانی نہیں۔ بس میں گھر کو مس کرتی ہوں۔"

امامہ نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں، میں یہ نہیں مان سکتی۔ آخر اب اچانک اتنا کیوں مس کرنے لگی انہیں کہ کھانا پینا بھول گئی ہو۔ چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑنے لگے ہیں اور وزن کم ہوتا جا رہا ہے۔ کیا تم بیمار ہونا چاہتی ہو؟"

وہ مریم کی کہی ہوئی کسی بات کو رد نہیں کر سکتی تھی۔وہ جانتی تھی کہ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر کوئی بھی اس کی پریشانی کا اندازہ باآسانی لگا سکتا ہے اور شاید یہ اندازہ بھی یہ کہ پریشانی کسی نئے مسئلے کا نتیجہ تھی مگر وہ اس معاملے میں بے بس تھی۔وہ سالار کے ساتھ ہونے والے نکاح اور اس سے متعلقہ خدشات کو اپنے ذہن سے نکال نہیں پارہی تھی۔

"مجھے اب اپنے گھر والے زیادہ یاد آنے لگے ہیں۔جوں جوں دن گزر رہے ہیں وہ مجھے زیادہ یاد آرہے ہیں۔"

امامہ نے مدھم آواز میں اس سے کہا اور یہ جھوٹ نہیں تھا اسے واقعی اب اپنے گھر والے پہلے سے زیادہ یاد آنے لگے تھے۔

وہ کبھی بھی اتنا لمبا عرصہ ان سے الگ نہیں رہی تھی اور وہ بھی مکمل طور پر اس طرح کٹ کر۔لاہور ہاسٹل میں رہتے ہوئے بھی وہ مہینے میں ایک بار ضرور اسلام آباد جاتی اور ایک دو بار وسیم یا ہاشم مبین لاہور اس سے ملنے چلے آتے اور فون تو وہ اکثر ہی کرتی رہتی تھی مگر اب یکدم اسے یوں لگنے لگا تھا جیسے وہ سمندر میں موجود کسی ویران جزیرے پر آن بیٹھی ہو۔جہاں دور دور تک کوئی تھا ہی نہیں اور وہ چہرے۔۔۔۔۔جن سے اسے سب سے زیادہ محبت تھی وہ خوابوں اور خیالوں کے علاوہ نظر آ ہی نہیں سکتے تھے۔

پتا نہیں مریم اس کے جواب سے مطمئن ہوئی یا نہیں مگر اس نے موضوع بدل دیا تھا۔شاید اس نے سوچا ہو گا کہ اس طرح اس کا ذہن بٹ جائے گا۔



ڈاکٹر سبط علی کی تین بیٹیاں تھیں، مریم ان کی تیسری بیٹی تھی۔ان کی بڑی دونوں بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی۔جب کہ مریم ابھی میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ڈاکٹر سبط نے امامہ کو اپنی بڑی دونوں بیٹیوں سے بھی متعارف کروایا تھا۔وہ دونوں بیرون شہر مقیم تھیں اور ان کا رابطہ زیادہ تر فون کے ذریعہ ہی ہوتا تھا مگر یہ اتفاق ہی تھا کہ امامہ کے وہاں آنے کے چند ہفتوں کے دوران وہ دونوں باری باری کچھ دنوں کے وہاں آئیں۔

امامہ سے ان کا رویہ مریم سے مختلف نہیں تھا۔ان کے رویے میں اس کے لئے محبت اور مانوسیت کے علاوہ کچھ نہیں تھا لیکن امامہ کو انہیں دیکھ کر ہمیشہ اپنی بڑی بہنیں یاد آجاتیں اور پھر جیسے سب کچھ یاد آجاتا۔اپنا گھر۔۔۔۔۔بابا۔۔۔۔۔بڑے بھائی۔۔۔۔۔وسیم۔۔۔۔۔اور سعد۔۔۔۔۔سعد سے اس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا۔ان کی جماعت کے بااثر خاندان اپنے گھروں میں اولاد ہونے کے باوجود بے سہارا یتیم بچوں میں سے کسی ایک لڑکے کو گود

میں لینے لگے تھے۔ یہ اپنی جماعت کے افراد کی مستقبل میں تعداد بڑھانے کے لئے کوششوں کا ایک ضروری حصہ تھی۔ ایسا بچہ ہمیشہ عام مسلمانوں کے بچوں میں سے ہی ہوتا اور ہمیشہ لڑکا ہوتا۔ سعد بھی اسی سلسلے میں بہت چھوٹی عمر میں اس کے گھر آیا تھا۔ وہ اس وقت اسکول کے آخری سالوں میں تھی اور اسے گھر میں ہونے والے اس عجیب اضافے نے کچھ حیران کیا تھا۔

"ہم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرنے کے لئے سعد کو گود لیا ہے، تاکہ ہم بھی دوسرے لوگوں پر احسانات کر سکیں اور نیکی کا یہ سلسلہ جاری رہے۔"

اس کی امی نے اس کے استفسار پر اسے بتایا۔

"تم سمجھو، وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔"

تب اسے اپنے بابا اور امی پر بہت فخر ہوا تھا۔ وہ کتنے عظیم لوگ تھے کہ ایک بے سہارا بچے کو اچھی زندگی دینے کے لئے گھر لے آئے تھے، اسے اپنا نام دے رہے تھے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے ساتھ بانٹ رہے تھے۔ اس نے تب غور نہیں کیا تھا کہ ایسا ہی ایک بچہ اس کے تایا اعظم کے گھر پر بھی کیوں تھا۔ ایسا ہی ایک بچہ اس کے چھوٹے چچا کے گھر پر کیوں تھا؟ ایسے ہی بہت سے دوسرے بچے ان کے جاننے والے کچھ اور بااثر خاندانوں کے گھر پر کیوں

تھے؟ اس کے لئے بس یہی کافی تھی کہ وہ ایک اچھا کام کر رہے تھے۔ ان کے جماعت ایک "اچھے" کام کی ترویج کر رہی تھی۔ یہ اس نے بہت بعد جانا تھا کہ اس "اچھے" کام کی حقیقت کیا تھی؟

سعد اس سے بہت مانوس تھا۔ اس کا زیادہ وقت امامہ کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ وہ شروع کے کئی سال امامہ کے کمرے میں اس کے بیڈ پر ہی سوتا رہا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد میڈیکل کالج سے وہ جب بھی اسلام آباد آتی، وہ سعد کو حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بتاتی رہتی۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ کسی چیز کو منطقی طریقے سے نہیں سمجھایا جا سکتا تھا مگر وہ اس سے صرف ایک بات کہتی رہی۔

"جیسے اللہ ایک ہوتا ہے اسی طرح ہمارے پیغمبر محمد ﷺ بھی ایک ہی ہیں۔ ان سا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"

وہ اسے ساتھ یہ تاکید بھی کرتی رہتی کہ وہ ان دونوں کی آپس کی باتوں کے بارے میں کسی کو بھی نہیں بتائے اور امامہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی یہ کوشش بے کار تھی۔ سعد کو بھی بچپن ہی سے مذہبی اجتماعات میں لے جایا جانے لگا اور وہ اس اثر کو قبول کر رہا تھا۔ وہ ہمیشہ یہ سوچتی کہ وہ میڈیکل کی تعلیم کے بعد سعد کو لے کر اپنے گھر والوں سے الگ ہو جائے گی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ کس قدر مشکل کام تھا۔

اس نے گھر سے بھاگتے ہوئے بھی سعد کو اپنے ساتھ لے آنے کا سوچا تھا مگر یہ کام ناممکن تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسے لاتے ہوئے خود بھی پکڑی جائے۔ وہ اسے وہاں چھوڑ آئی تھی اور اب ڈاکٹر سبط کے ہاں پہنچ جانے کے بعد اسے اس کا بار بار خیال آتا اگر وہ کسی طرح اسے وہاں سے لے آتی تو وہ بھی اس دلدل سے نکل سکتا تھا مگر ان تمام سوچوں، تمام خیالوں نے اپنے گھر والوں کے لئے اس کی محبت کو کم نہیں کیا نہ اپنے گھر والوں کے لئے، نہ جلال انصر کے لئے۔

وہ ان کا خیال آنے پر رونا شروع ہوتی تو ساری رات روتی ہی رہتی۔ شروع کے دنوں میں وہ ایک الگ کمرے میں تھی اور مریم کو اس کا اندازہ نہیں تھا مگر ایک رات وہ اچانک اس کے کمرے میں اپنی کوئی کتاب لینے آئی۔ رات کے پچھلے پہر اسے قطعاً یہ اندازہ نہیں تھا کہ امامہ جاگ رہی ہو گی اور نہ صرف جاگ رہی تھی بلکہ رو رہی ہو گی۔

امامہ کمرے کی لائٹ آف کئے اپنے بیڈ پر کمبل اوڑھے رو رہی تھی جب اچانک دروازہ کھلا تو اس نے کمبل سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ وہ نہیں جانتی تھی مریم کو کیسے اس کے جاگنے کا اندازہ ہوا تھا۔

"امامہ! جاگ رہی ہو؟"

اس نے امامہ کو آواز دی۔ امامہ نے حرکت نہیں کی مگر پھر مریم اس کی طرف چلی آئی اور اس نے کمبل اس کے چہرے سے ہٹا دیا۔

"میرے اللہ۔۔۔۔۔ تم رو رہی ہو۔۔۔۔۔ اور اس وقت؟"

وہ اس کے پاس ہی تشویش کے عالم میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔ امامہ کی آنکھیں بری طرح سوجی ہوئی تھیں اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، مگر اسے سب سے زیادہ ندامت پکڑے جانے کی تھی۔

"اس لئے تمہیں راتوں کو نیند نہیں آتی کیونکہ تم روتی رہتی ہو اور صبح یہ کہہ دیتی ہو کہ رات کو سونے میں دقت ہوئی اس لئے آنکھیں سوجی ہوئی ہیں۔ بس تم آج سے یہاں نہیں سوؤ گی۔ اٹھو میرے کمرے میں چلو۔"

اس نے کچھ برہمی کے عالم میں اسے کھینچ کر اٹھایا۔ امامہ ایک لفظ نہیں بول سکی۔ وہ اس وقت بے حد شرمندہ تھی۔

مریم نے اس کے بعد اسے اپنے کمرے میں ہی سلانا شروع کر دیا۔ راتوں کو دیر تک رونے کا وہ سلسلہ ختم ہو گیا مگر نیند پر اس کا اب بھی کوئی اختیار نہیں تھا۔ اسے نیند بہت دیر سے آتی تھی۔

کئی بار مریم کی عدم موجودگی میں اس کی میڈیکل کی کتابیں دیکھتی اور اسکا دل بھر آتا۔ وہ جانتی تھی سب کچھ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

صبح مریم اور ڈاکٹر سبط کے گھر سے چلے جانے کے بعد وہ سارا دن آنٹی کے ساتھ گزار دیتی یا شاید وہ سارا دن اس کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ اسے اکیلا نہ رہنے دینے کی کوشش میں مصروف رہتی تھیں مگر ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہ پتا نہیں کن کن سوچوں میں ڈوبی رہتی تھی۔

اس نے سالار کے ساتھ دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کی ذہنی پریشانی میں اضافے کے علاوہ اس رابطے سے اسے کچھ حاصل نہیں ہونے والا تھا۔



اسے ڈاکٹر سبط علی کے ہاں آئے تین ماہ ہو گئے تھے جب ایک دن انہوں نے رات کو اسے بلایا۔

"آپ کو اپنا گھر چھوڑے کچھ وقت بیت گیا ہے۔ آپ کے گھر والوں نے آپ کی تلاش ابھی تک ختم تو نہیں کی ہو گی مگر چند ماہ پہلے والی تندی و تیزی نہیں رہی ہو گی اب۔۔۔۔۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ اب آگے کیا کرنا چاہتی ہیں۔"

انہوں نے مختصر تمہید کے بعد کہا۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا میں اسٹڈیز جاری رکھنا چاہتی ہوں۔"

وہ اس کی بات پر کچھ دیر خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔

"امامہ! آپ نے اپنی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" وہ ان سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"شادی۔۔۔۔؟ کیا مطلب۔۔۔۔؟" وہ بے اختیار ہکلائی۔

"آپ جن حالات سے گزر رہی ہیں ان میں آپ کے لئے سب سے بہترین راستہ شادی ہی ہے کسی اچھی فیملی میں شادی ہو جانے سے آپ اس عدم تحفظ کا شکار نہیں رہیں گی جس کا شکار آپ ابھی ہیں۔ میں چند اچھے لڑکوں اور فیملیز کو جانتا ہوں میں چاہتا ہوں ان میں سے کسی کے ساتھ آپ کی شادی کر دی جائے۔"

وہ بالکل سفید چہرے کے ساتھ انہیں چپ چاپ دیکھتی رہی۔ وہ ان کے پاس آنے سے بہت پہلے اپنے لئے اسی حل کو منتخب کر چکی تھی اور اسی ایک حل کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ سالار سکندر سے نکاح کی حماقت کر چکی تھی۔

اس وقت اگر وہ سالار سکندر سے نکاح نہ کر چکی ہوتی تو وہ بلا حیل و حجت ڈاکٹر سبط علی کی بات ماننے پر تیار ہو جاتی۔ وہ جانتی تھی ان حالات میں کسی اچھی فیملی میں شادی اسے کتنی اور کن مصیبتوں سے بچا سکتی تھی۔ اس نے آج تک کبھی خود مختار زندگی نہیں گزاری تھی۔ وہ ہر چیز کے لئے اپنی فیملی کی محتاج رہی تھی اور وہ یہ تصور کرتے ہوئے بھی خوفزدہ رہتی تھی کہ آخر وہ کب اور کس طرح صرف اپنے بل بوتے پر زندگی گزار سکے گی۔

مگر سالار سے وہ نکاح اس کے گلے کی ایسی ہڈی بن گیا تھا جسے وہ نہ نگل سکتی تھی اور نہ اگل سکتی تھی۔

"نہیں میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"کیوں؟" اس کے پاس اس سوال کا جواب موجود تھا، مگر حقیقت بتانے کے لئے حوصلہ نہیں تھا۔

ڈاکٹر سبط علی اس کے بارے میں کیا سوچتے یہ کہ وہ ایک جھوٹی لڑکی ہے جو اب تک انہیں دھوکا دیتے ہوئے ان کے پاس رہ رہی تھی۔ یا یہ کہ شاید۔۔۔۔۔ وہ سالار سے شادی کے لئے ہی اپنے گھر سے نکلی تھی اور باقی سب کچھ کے بارے میں جھوٹ بول رہی تھی۔

اور اگر انہوں نے حقیقت جان لینے پر اس کی مدد سے معذرت کر لی یا اسے گھر سے چلے جانے کا کہا تو۔۔۔۔؟ اور اگر انہوں نے اس کے والدین سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔۔؟ وہ تین ماہ سے ڈاکٹر سبط علی کے پاس تھی۔ وہ کتنے اچھے تھے وہ بخوبی جانتی تھی لیکن وہ اس قدر خوفزدہ اور محتاط تھی کہ وہ کسی قسم کا رسک لینے پر تیار نہیں تھی۔

"میں پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں تاکہ کسی پر بوجھ نہ بنوں۔ کسی پر بھی۔۔۔۔۔ شادی کر لینے کی صورت میں اگر مجھے بعد میں کبھی کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو میں کیا کروں گی۔ اس وقت تو میرے لئے شاید تعلیم حاصل کرنا بھی ممکن نہیں رہے گا۔"

اس نے ایک لمبی خاموشی کے بعد جیسے کسی فیصلہ پر پہنچتے ہوئے ڈاکٹر سبط علی سے کہا۔

"امامہ! ہم ہمیشہ آپ کی مدد کرنے کے لئے موجود رہیں گے۔ آپ کی شادی کر دینے کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ میرے گھر سے آپ کا تعلق ختم ہو جائے گا یا میں آپ سے جان چھڑانا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ آپ میرے لئے میری چوتھی بیٹی ہیں۔"

امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں آپ پر کوئی دباؤ نہیں ڈالوں گا جو آپ چاہیں گی وہی ہو گا یہ صرف میری ایک تجویز تھی۔"

ڈاکٹر سبط علی نے کہا۔

"کچھ سال گزر جانے دیں اس کے بعد میں شادی کر لوں گی۔ جہاں بھی آپ کہیں گے۔" اس نے ڈاکٹر سبط علی سے کہا۔ "مگر ابھی فوری طور پر نہیں۔"

ابھی مجھے سالار سکندر سے جان چھڑانی ہے۔ اس سے طلاق لینے کا کوئی راستہ تلاش کرنا ہے۔"

وہ ان سے بات کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"کس شہر میں پڑھنا چاہتی ہیں آپ؟"

ڈاکٹر سبط علی نے مزید کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔

"کسی بھی شہر میں، میری کوئی ترجیح نہیں ہے۔" اس نے ان سے کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے گھر سے آتے ہوئے، اپنے سارے ڈاکومنٹس اپنے پاس موجود زیورات اور رقم بھی لے آئی تھی۔ جب ڈاکٹر سبط علی نے اس گفتگو کے چند دن بعد اسے بلا کر ملتان میں اس کے ایڈمیشن کے فیصلے کے بارے میں بتانے کے ساتھ اس کے ڈاکومنٹس کے بارے میں پوچھا تو وہ اس بیگ کو لے کر ان کے پاس چلی آئی اس نے ڈاکومنٹس کا ایک لفافہ نکال کر انہیں دیا پھر زیورات کا لفافہ نکال کر ان کی میز پر رکھ دیا۔

"میں یہ زیورات اپنے گھر سے لائی ہوں۔ یہ بہت زیادہ تو نہیں ہیں مگر پھر بھی اتنے ہیں کہ میں انہیں بیچ کر کچھ عرصہ آسانی سے اپنی تعلیم کے اخراجات اٹھا سکتی ہوں۔"

"نہیں، یہ زیورات بیچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ کی شادی میں کام آئیں گے۔ جہاں تک تعلیمی اخراجات کا تعلق ہے تو آپ کو پتا ہونا چاہئے کہ آپ میری ذمہ داری ہیں۔ آپ کو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

وہ بات کرتے کرتے چونکے۔ ان کی نظر اس کے ٹیبل پر رکھے چھوٹے سے کھلے بیگ کے اندر تھی۔ امامہ نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا۔ وہ بیگ میں نظر آنے والے چھوٹے سے پستول کو

دیکھ رہے تھے۔امامہ نے قدرے شرمندگی کے عالم میں اس پسٹل کو بھی نکال کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"یہ میرا پسٹل ہے۔میں یہ گھر سے لائی ہوں،میں نے آپ کو بتایا تھا مجھے سالار سے مدد لینی تھی اور وہ اچھا لڑکا نہیں تھا۔"

وہ انہیں اس کے بارے میں مزید نہیں بتاسکتی تھی۔ڈاکٹر سبط علی پستول کو اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔

"چلانا آتا ہے آپ کو اسے؟"

امامہ نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"کالج میں این سی سی کی ٹریننگ ہوتی تھی۔میرا بھائی وسیم بھی رائفل شوٹنگ کلب میں جایا کرتا تھا کبھی کبھار مجھے بھی ساتھ لے جاتا تھا۔میں نے اپنے بابا سے ضد کر کے خریدا تھا۔یہ گولڈ پلیٹڈ ہے۔"

وہ ان کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔

"آپ کے پاس اس کا لائسنس ہے؟"

"ہے مگر وہ ساتھ لے کر نہیں آئی۔"

"پھر آپ اسے یہیں پر رہنے دیں۔ملتان ساتھ لے کر نہ جائیں۔زیورات کو لا کر میں رکھوا دیتے ہیں۔"امامہ نے سر ہلا دیا۔



وہ چند ماہ کے بعد ملتان اپنی اسٹڈیز کے سلسلے کو ایک بار پھر جاری رکھنے کے لئے آگئی تھی۔ ایک شہر سے دوسرے شہر،دوسرے سے تیسرے شہر۔۔۔۔ایک ایسا شہر جس کے بارے میں اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا،مگر اس نے تو خواب میں اور بہت کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔کیا اس نے کبھی یہ سوچا تھا کہ وہ بیس سال کی عمر میں ایک بار پھر بی ایس سی میں داخلہ لے گی۔اس عمر میں جب لڑکیاں بی ایس سی کر چکی ہوتی ہیں۔۔۔۔

کیا اس نے کبھی یہ سوچا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے میڈیکل کالج چھوڑ دے گی۔

کیا اس نے کبھی یہ سوچا تھا کہ وہ اپنے والدین کے لئے کبھی اس قدر تکلیف اور شرمندگی کا باعث بنے گی۔

کیااس نے کبھی یہ سوچا تھا کہ وہ اسجد کے بجائے کسی اور سے محبت کرے گی اور پھر اس سے شادی کے لئے یوں پاگلوں کی طرح کوشش کرے گی۔

کیااس نے کبھی یہ سوچا تھا کہ ان کوششوں میں ناکامی کے بعد وہ سالار سکندر جیسے کسی لڑکے کے ساتھ اپنی مرضی سے نکاح کرلے گی۔

اور کیااس نے یہ سوچا تھا کہ ایک بار گھر سے نکل جانے کے بعد اسے ڈاکٹر سبط علی کے گھرانے جیسا گھر مل سکے گا۔

اسے باہر کی دنیا میں پھرنے کی عادت نہیں تھی اور اسے باہر کی دنیا میں پھرنا نہیں پڑا تھا۔ اپنے گھر سے نکلتے وقت اس نے اللہ سے اپنی حفاظت کی بے تحاشا دعائیں مانگی تھیں۔اس نے دعائیں کی تھیں کہ اسے دربدر نہ پھرنا پڑے۔وہ اتنی بولڈ نہیں تھی کہ وہ مردوں کی طرح ہر جگہ دندناتی پھرتی۔

اور واقعی نہیں جانتی تھی کہ جب اسے اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کے سلسلے میں خود جگہ جگہ پھرنا پڑے گا۔ہر طرح کے مردوں اور لوگوں کا سامنا کرناپڑے گا تو وہ کیسے کرے گی۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کے پیچھے فیملی بیک گراؤنڈ نام کی کوئی چیز نہیں رہی تھی۔

وہ اپنی فیملی کے سائے کے نیچے لاہور آکر میڈیکل کالج میں پڑھنا اور آگے تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر جانے کے خواب دیکھنا اور بات تھی۔۔۔۔۔تب اس کے لئے کوئی مالی مسائل نہیں تھے اور ہاشم مبین احمد کے پاس اتنی دولت اور اثرورسوخ تھا کہ صرف ہاشم مبین احمد کے نام کا حوالہ کسی بھی شخص کو اس سے بات کرتے ہوئے مرعوب اور محتاط کردینے کے لئے کافی تھا۔

گھر سے نکلنے کے بعد اسے جس ماحول کے سامنے کا خدشہ تھا اس ماحول کا سامنا اسے نہیں کرنا پڑا تھا۔پہلے سالار اسے بخیریت لاہور چھوڑ گیا تھا اور اس کے بعد ڈاکٹر سبط علی تک رسائی جس کے بعد اسے اپنے چھوٹے بڑے کسی کام کے لئے کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

ڈاکومنٹس میں نام کی تبدیلی، ملتان میں ایڈمیشن۔۔۔۔۔ہاسٹل میں رہائش کا انتظام۔اس کے تعلیمی اخراجات کی ذمہ داری۔۔۔۔۔وہ اس ایک نعمت کے لئے اللہ کا جتنا شکر ادا کرتی وہ کم تھا۔کم از کم اسے کسی برے ماحول میں بقا کی جنگ لڑنے کے لئے جگہ جگہ دھکے کھانے نہیں پڑے تھے۔



وہ ملتان چلی آئی، یہ اس کے لئے زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ایک مشکل اور تکلیف دہ دور۔وہ ہاسٹل میں رہ رہی تھی اور وہ عجیب زندگی تھی۔ بعض دفعہ اسے اسلام آباد میں اپنا گھر اور خاندان کے لوگ اتنی شدت سے یاد آتے کہ اس کا دل چاہتا وہ بھاگ کر ان کے پاس چلی جائے۔ بعض دفعہ وہ بغیر کسی وجہ کے رونے لگتی۔ بعض دفعہ اس کا دل چاہتا وہ جلال انصر سے رابطہ کرے۔اسے وہ بے تحاشا یاد آتا۔وہ بی ایس سی کر رہی تھی اور اس کے ساتھ بی ایس سی کرنے والی لڑکیاں وہی تھیں جو ایف ایس سی میں میرٹ لسٹ پر نہیں آسکی تھیں اور اب وہ بی ایس سی کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں جانے کی خواہش مند تھیں۔

"میڈیکل کالج۔۔۔۔۔ڈاکٹر۔" اس کے لئے بہت عرصے تک یہ دونوں الفاظ نشتر بنے رہے۔ کئی بار وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر حیران ہوتی رہتی۔ آخر وہاں کیا تھا جو ہر چیز کو مٹھی کی ریت بنا رہا تھا۔ کئی بار اسے جویریہ سے کی جانے والی اپنی باتیں یاد آتیں۔

"میں اگر ڈاکٹر نہیں بن سکی تو میں تو زندہ ہی نہیں رہ سکوں گی۔ میں مر جاؤں گی۔"

وہ حیران ہوتی وہ مری تو نہیں تھی۔اسی طرح زندہ تھی۔

"پاکستان کی سب سے مشہور آئی اسپیشلسٹ؟"

سب کچھ ایک خواب ہی رہا تھا۔۔۔۔وہ ہر چیز کے اتنے پاس تھی وہ ہر چیز سے اتنا دور تھی۔

اس کے پاس گھر نہیں تھا۔

اس کے پاس گھر والے نہیں تھے۔اس کے پاس اسجد نہیں تھا۔میڈیکل کی تعلیم نہیں تھی۔ جلال بھی نہیں تھا۔وہ زندگی کی ان آسائشوں سے ایک ہی جھٹکے میں محروم ہو گئی تھی جن کی وہ عادی تھی اور اس کے باوجود وہ زندہ تھی۔امامہ کو کبھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر بہادر تھی یا کبھی ہو سکتی تھی مگر وہ ہو گئی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تکلیف میں کمی ہونا شروع ہو گئی تھی۔یوں جیسے اسے صبر آ رہا تھا۔اللہ کے بعد شاید زمین پر یہ ڈاکٹر سبط تھے جن کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی تھی۔

مہینے میں ایک بار ویک اینڈ پر وہ ان کے پاس لاہور آتی۔وہ وقتاً فوقتاً اسے ہاسٹل فون کرتے رہتے، اسے کچھ نہ کچھ بھجواتے رہتے۔ان کی بیٹیاں اور بیوی بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔وہ ان کے نزدیک ان کے گھر کا ایک فرد بن چکی تھی اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو میرا کیا ہوتا۔وہ کئی بار سوچتی۔



ملتان میں اپنے قیام کے دوران بھی اس نے سالار کو کبھی اپنے ذہن سے فراموش نہیں کیا تھا۔ تعلیم کا سلسلہ باقاعدہ طور پر شروع کرنے کے بعد وہ ایک بار اس سے رابطہ کرنا چاہتی تھی اور اگر وہ پھر اسے طلاق دینے سے انکار کر دیتا تو وہ بالآخر ڈاکٹر سبط علی کو اس تمام معاملے کے بارے میں بتا دینا چاہتی تھی۔

اور سالار سے رابطہ اس نے بی ایس سی کے امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد لاہور آنے سے پہلے کیا۔ اپنے پاس موجود سالار کے موبائل کا استعمال وہ بہت پہلے ترک کر چکی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ دو سال کے عرصہ میں سالار دوبارہ اسی موبائل کا استعمال کرنا شروع کر چکا ہے یا پھر اس نئے نمبر کو استعمال کر رہا تھا جو اس نے اپنا موبائل دے دینے کے بعد دیا تھا۔

ایک پی سی او سے اس نے سب سے پہلے اس کا نیا نمبر ڈائل کیا۔ وہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنے پاس موجود موبائل کے نمبر کو ڈائل کیا۔۔۔۔ وہ نمبر بھی کسی کے استعمال میں نہیں تھا۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اب وہ کوئی اور نمبر لئے ہوئے تھا اور وہ نمبر اس کے پاس نہیں تھا۔

اس نے بالآخر گھر کا نمبر ڈائل کیا کچھ دیر تک بیل ہوتی رہی، پھر فون اٹھا لیا۔

"ہیلو۔۔۔۔!" کسی عورت نے دوسری طرف سے کہا۔

"ہیلو میں سالار سکندر سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" امامہ نے کہا۔

"سالار صاحب سے۔۔۔۔! آپ کون بول رہی ہیں۔"

امامہ کو اچانک محسوس ہوا جیسے اس عورت کے لہجے میں یکدم تجسس پیدا ہوا تھا۔

امامہ کو پتا نہیں کیوں اس کی آواز شناسا سی لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اچانک اس عورت نے بڑی پرجوش آواز میں کہا۔ "امامہ بی بی آپ امامہ بی بی ہیں؟"

ایک کرنٹ کھا کر امامہ نے بے اختیار کریڈل دبا دیا۔ وہ کون تھی جس نے اسے صرف آواز سے پہچان لیا تھا۔ اتنے سالوں بعد بھی۔۔۔۔ اور اتنی جلدی وہ بھی سالار سکندر کے گھر پر۔۔۔۔

کچھ دیر اس کے ہاتھ کانپتے رہے۔ وہ پی سی او کے اندر والے کیبن میں تھی اور کچھ دیر ریسیور اسی طرح ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔

"جو بھی ہو مجھے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اسلام آباد سے اتنی دور ہوں کہ یہاں مجھ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس نے سوچا اور پی سی او کے مالک کو ایک بار پھر کال ملانے کے لئے کہا۔

فون کی گھنٹی بجنے پر اس بار فون اٹھالیا گیا تھا۔ مگر اس بار بولنے والا کوئی مرد تھا اور وہ سالار نہیں تھا۔ یہ وہ آواز سنتے ہی جان گئی تھی۔

"میں سالار سکندر سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ امامہ ہاشم ہیں؟"

مرد نے کھردری آواز میں کہا۔ اس بار امامہ کو کوئی شاک نہیں لگا۔

"جی۔۔۔۔" دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"آپ ان سے میری بات کروادیں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" دوسری طرف سے کہا۔

"کیوں؟"

"سالار زندہ نہیں ہے۔"

"کیا؟" بے اختیار امامہ کے حلق سے نکلا۔

"وہ مر گیا؟"

"ہاں۔۔۔۔۔"

"کب۔۔۔۔۔؟"

اس بار مرد خاموش رہا۔

"آپ سے آخری بار ان کا رابطہ کب ہوا؟"

اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس آدمی نے کہا۔

"چند سال پہلے۔۔۔۔۔ڈھائی سال پہلے۔"

"ایک سال پہلے اس کی ڈیتھ ہوئی ہے۔ آپ۔۔۔۔۔"

امامہ نے کچھ بھی اور سننے سے پہلے فون بند کر دیا۔ کچھ کہنے اور سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ آزاد ہو چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ایک انسان کے طور پر اسے اس کی موت پر افسوس ہونا چاہیے تھا مگر اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ اگر اس نے اس طرح اسے طلاق دینے سے انکار نہ کیا ہوتا تو یقیناً اس کے لئے دکھ محسوس کرتی مگر اس وقت ڈھائی سال کے بعد اسے بے اختیار سکون اور خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ تلوار جو اس کے سر لٹکی ہوئی تھی وہ غائب ہو چکی تھی۔

اسے اب ڈاکٹر سب علی کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں تھی وہ صحیح معنوں میں آزاد ہو چکی تھی وہ اس کا وہاں ہاسٹل میں آخری دن تھا اور اس رات اس نے سالار سکندر کے لئے بخشش کے لئے دعا کی۔

وہ اس کی موت کے بعد اسے معاف کر چکی تھی اور وہ اس کی موت پر بے پناہ خوش تھی۔



اس سے فون پر بات کرنے والی وہی ملازمہ تھی جو سالار کے ساتھ ساتھ اس کے گھر میں بھی کام کرتی رہی تھی اور اس نے امامہ کی آواز کو فوراً پہچان لیا تھا۔امامہ کے فون بند کرتے ہی وہ کچھ اضطراب اور جوش و خروش کے عالم میں سکندر عثمان کے پاس پہنچ گئی۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس دن طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ گھر پر ہی تھے۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ایک لڑکی کا فون آیا ہے۔۔۔۔وہ سالار صاحب سے بات کرنا چاہتی تھی۔"

"تو تم بات کروا دیتیں۔" سکندر عثمان قدرے لاپروائی سے بولے۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ سالار بھی ان دنوں پاکستان آیا ہوا تھا اور گھر پر موجود تھا۔ ملازمہ کچھ ہچکچائی۔

"صاحب جی! وہ امامہ بی بی تھیں۔"

سکندر عثمان کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھوٹتے چھوٹتے بچا، وہ یکدم حواس باختہ نظر آنے لگے۔

"امامہ ہاشم۔۔۔۔ہاشم کی بیٹی؟" ملازمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سکندر عثمان کا سر گھومنے لگا۔

"تو کیا سالار ہر ایک کو بے وقوف بنا رہا ہے وہ ابھی تک امامہ کے ساتھ رابطے میں ہے اور وہ جانتا ہے وہ کہاں ہے۔ تو پھر یقیناً وہ اس سے ملتا بھی رہا ہو گا۔" انہوں نے بے اختیار سوچا۔

"اس نے تمہیں خود اپنا نام بتایا۔؟" انہوں نے چائے کا کپ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔۔ میں نے ان کی آواز پہچان لی اور جب میں نے ان کا نام لیا انہوں نے فون بند کر دیا۔" ملازمہ نے سکندر عثمان کو بتایا۔ "مگر مجھے یقین ہے وہ ان ہی کی آواز تھی۔ مجھے کم از کم اس بارے میں کوئی دھوکہ نہیں ہو سکتا۔" اس سے پہلے کہ سکندر عثمان کچھ کہتے انہوں نے فون کی گھنٹی سنی مگر اس بار وہ ڈائننگ روم میں موجود ایکسٹینشن کی طرف بڑھ گئے اور انہوں نے فون اٹھا لیا۔ دوسری طرف موجود لڑکی ایک بار پھر سالار سکندر کا پوچھ رہی تھی۔ ان کے استفسار پر اس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ امامہ ہاشم ہی تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کیوں

مگر بے اختیار ان کے دل میں آیا کہ وہ اسے سالار کے مرنے کی خبر دے دیں، تاکہ وہ دوبارہ کبھی ان کے گھر فون نہ کرے۔ انہیں اس سے بات کر کے یہ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ وہ بہت عرصے سے سالار کے ساتھ رابطہ نہیں کر سکی ہے اور اس کے پاس ان کے بیان کی صداقت کو پرکھنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ دوبارہ رابطہ نہ کرتی تو ان کی جان اس سے ہمیشہ چھوٹ سکتی تھی۔ وہ ابھی تک اس ایک سال کو اپنے ذہن سے نکال نہیں سکے تھے۔ جب امامہ کی گمشدگی کے فوراً بعد سالار پر شبہ ہونے کی وجہ سے ہاشم مبین احمد نے ان کے لئے ہر قسم کی پریشانی کھڑی کی تھی۔

بہت سے سرکاری دفاتر جہاں پہلے ان کی فرم کی فائلز بہت آسانی سے نکل آئی تھیں۔ مہینوں پھنسی رہیں۔ ان کے گھر دھمکی آمیز کالز اور خط آتے رہے۔ کئی لوگوں نے بالواسطہ طور پر ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ ہاشم مبین احمد کی بیٹی کی واپسی کے لئے ان کی مدد کریں۔ ایک لمبے عرصے تک سالار کی نگرانی کی گئی اور نگرانی کا یہ سلسلہ صرف پاکستان ہی نہیں باہر میں بھی جاری رہا۔ مگر جب کسی طرح بھی امامہ سے اس کے رابطے کا کوئی ثبوت یا سراغ نہیں ملا تو رفتہ رفتہ یہ تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔

سکندر عثمان کی بے پناہ کوشش کے باوجود بھی ہاشم مبین کے ساتھ ان کے تعلقات بحال نہیں ہوئے مگر ان کی طرف سے عدم تحفظ کا اندیشہ ختم ہو گیا تھا اور اب ڈھائی سال بعد وہ

لڑکی ایک بار پھر سالار سے رابطہ کرنا چاہتی تھی وہ کسی صورت بھی دوبارہ ان حالات کا سامنا نہ خود کرنا چاہتے تھے نہ ہی سالار کو کرنے دینا چاہتے تھے۔

اگر وہ خود ہاشم مبین احمد کی ٹکر کے آدمی نہ ہوتے تو وہ اب تک اس سے زیادہ نقصان اٹھا چکے ہوتے، جتنا نقصان انہوں نے اس ایک سال اور خاص طور پر شروع کے چند ماہ میں اٹھایا تھا۔ وہ امامہ کو اس طلاق نامے کی ایک کاپی بھجوانا چاہتے تھے جو سالار کی طرف سے انہوں نے تیار کیا تھا اور انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ جائز تھا یا نہیں۔ وہ صرف امامہ کو یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ سالار یا اس کے خاندان کے ساتھ اس کا تعلق ہونا چاہیے نہ ہی ہو گا۔

اگر کچھ تھا بھی تو وہ سالار کی موت اور اس سے پہلے کے تحریر شدہ اس طلاق نامے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا مگر یہ ایک اور اتفاق تھا کہ امامہ نے ان کی بات مکمل طور پر سنے بغیر فون بند کر دیا انہوں نے فون کو ٹریس آؤٹ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ ملتان کے ای پی سی او کا ثابت ہوا سالار ایک ہفتہ بعد واپس امریکہ جانے والا تھا اور انہوں نے اس ایک ہفتہ اس کی مکمل طور پر نگرانی کروائی۔ وہ ملازموں کو ہدایت دے چکے تھے کہ کسی کا بھی فون آئے وہ کسی بھی صورت سالار سے بات نہ کروائیں، چاہے فون کسی مرد کا ہو یا عورت کا جب تک وہ خود یہ نہ جان لیں کہ فون کرنے والا کون تھا۔ ملازمہ کو بھی وہ سختی کے ساتھ منع کر چکے تھے کہ وہ

سالار کو امامہ کی اس کال کے بارے میں نہ بتائے۔ایک ہفتے کے بعد جب سالار واپس امریکہ چلا گیا تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

سر پر آئی ہوئی آفت ایک بار پھر ٹل گئی تھی۔سالار کی واپسی کے چند ہفتے بعد انہیں ایک لفافہ موصول ہوا تھا۔

امامہ نے لاہور پہنچنے کے بعد وہ موبائل بیچ دیا تھا۔وہ اسے واپس نہیں بھجوا سکتی تھی اور سالار کی وفات کے بعد اب یہ امکان نہیں تھا کہ کبھی اس کے ساتھ آمنا سامنا ہونے کی صورت میں وہ اسے وہ موبائل واپس دے سکے گی۔اس نے موبائل بیچنے سے ملنے والی رقم کے ساتھ اپنے پاس موجود کچھ اور رقم شامل کی۔وہ اندازاً ان کالز کے بل کی رقم تھی جو ڈھائی تین سال پہلے سالار نے ادا کئے ہوں گے اور چند دوسرے اخراجات جو اپنے گھر قید کے دوران اور وہاں سے لاہور فرار کے دوران سالار نے اس پر کئے تھے۔اس کے ساتھ سکندر عثمان کے نام ایک مختصر نوٹ بھجوایا۔ٹریولرز چیکس۔اس کے سر پر موجود اس آدمی کا قرض بھی اتر گیا تھا۔

اس رقم اور اس کے ساتھ ملنے والے نوٹ سے سکندر عثمان کو تسلی ہو گئی تھی کہ وہ دوبارہ اس سے رابطہ نہیں کرے گی اور یہ بھی کہ اس نے واقعی ان کی بات پر یقین کر لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملتان سے بی ایس سی کرنے کے بعد وہ لاہور چلی آئی تھی۔اسے گھر چھوڑے تین سال ہونے والے تھے اور اس کا خیال تھا کہ اب کم از کم اسے تلاش نہیں کیا جائے گا، جس طرح پہلے کیا جاتا رہا تھا۔اگر کیا بھی گیا تو صرف میڈیکل کالجز پر نظر رکھی جائے گی۔اس کا یہ اندازہ صحیح ثابت ہوا تھا۔

اس نے پنجاب یونیورسٹی میں کیمسٹری میں ایم ایس سی کے لئے ایڈمیشن لے لیا تھا۔اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی وہ بے حد محتاط تھی۔یہ لاہور تھا یہاں کسی وقت کوئی بھی اسے پہچان سکتا تھا۔ملتان میں وہ صرف چادر اوڑھ کر کالج جاتی تھی۔لاہور میں اس نے نقاب لگانا شروع کر دیا۔

لاہور میں دوبارہ واپسی کے بعد وہ ڈاکٹر سبط علی کے ساتھ نہیں رہی تھی، وہ سعیدہ اماں کے پاس رہنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سعیدہ اماں سے اس کی پہلی ملاقات ڈاکٹر سبط علی نے ملتان جانے سے پہلے لاہور میں کروائی تھی۔ سعدہ اماں کے بہت سے عزیز و اقارب ملتان میں رہتے تھے۔ ڈاکٹر سبط علی امامہ کو ان سے آگاہ کرنا چاہتے تھے، تاکہ ملتان میں قیام کے دوران کسی بھی ضرورت یا ایمر جنسی میں وہ ان کی مدد لے سکے۔

سعیدہ اماں ایک پینسٹھ ستر سالہ بے حد باتونی اور ایکٹو عورت تھیں۔ وہ لاہور کے اندرون شہر میں ایک پرانی حویلی میں تنہا رہتی تھیں۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا جبکہ دو بیٹے بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہیں مقیم تھے۔ وہ دونوں شادی شدہ تھے اور ان کے بے حد اصرار کے باوجود سعیدہ اماں باہر جانے پر تیار نہیں تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے باری باری ہر سال پاکستان آیا کرتے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔ ڈاکٹر سبط علی سے ان کی قرابت داری تھی۔ وہ ان کے کزن ہوتے تھے۔

ڈاکٹر سبط علی نے امامہ کے بارے میں پہلے ہی سعیدہ اماں کو بتا دیا تھا۔ اس لئے جب وہ ان کے ساتھ ان کے گھر پہنچی تو وہ بڑی گرمجوشی سے اس سے ملی تھیں۔ انہوں نے ملتان میں موجود تقریباً اپنے ہر رشتے دار کے بارے میں تفصیلات اس کے گوش گزار کر دی تھیں اور پھر شاید اس سب کو ناکافی جانتے ہوئے انہوں نے خود ساتھ چل کر اسے ہاسٹل چھوڑ آنے کی آفر کی جسے ڈاکٹر سبط علی نے نرمی سے رد کر دیا تھا۔

"نہیں آپا! آپ کو زحمت ہو گی۔" ان کے بے حد اصرار کے باوجود وہ نہیں مانے تھے۔

"بہتر تو یہ ہے بھائی صاحب کہ آپ اسے میرے بھائیوں میں سے کسی سے گھر ٹھہرا دیں۔ بچی کو گھر جیسا آرام اور ماحول ملے گا۔

انہیں اچانک ہاسٹل پر اعتراض ہونے لگا اور پھر انہوں نے ہاسٹل کی زندگی کے کئی مسائل کے بارے میں روشنی ڈالی تھی مگر ڈاکٹر سبط علی اور خود وہ بھی کسی کے گھر میں رہنا نہیں چاہتی تھی۔ ہاسٹل بہترین آپشن تھا۔



سعیدہ اماں سے اس کی دوسری ملاقات ملتان جانے کے چند ماہ بعد اس وقت ہوئی تھی جب ایک دن اچانک اسے کسی خاتون ملاقاتی کی اطلاع ہاسٹل میں دی گئی تھی۔ کچھ دیر کے لئے وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ وہاں اس طرح اچانک اس سے ملنے کون آ سکتا تھا اور وہ بھی ایک خاتون۔۔۔۔ مگر سعیدہ اماں کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ وہ اس سے اسی گرمجوشی سے ملی تھیں، جس طرح لاہور میں ملی تھیں۔ وہ تقریباً دو ہفتے ملتان میں رہی تھیں اور ان دو ہفتوں

میں کئی بار اس سے ملنے آئیں۔ایک بار وہ ان کے ساتھ ہاسٹل سے ان کے بھائی کے گھر بھی گئی۔

پھر یہ جیسے ایک معمول بن گیا تھا۔وہ چند ماہ ملتان آتیں اور اپنے قیام کے دوران باقاعدگی سے اس کے پاس آتی رہتیں۔وہ خود جب مہینے میں ایک بار لاہور آتی تو ان سے ملنے کے لئے بھی جاتی۔کئی بار جب اس کی چھٹیاں زیادہ ہوتیں تو وہ اسے وہاں ٹھہرنے کے لئے اصرار کرتیں۔وہ کئی بار وہاں رہی تھی۔سرخ اینٹوں کا بنا ہوا وہ پرانا گھر اسے اچھا لگتا تھا یا پھر یہ تنہائی کا وہ احساس تھا جو وہ ان کے ساتھ شئیر کر رہی تھی۔اس کی طرح وہ بھی تنہا تھیں۔اگرچہ ان کی یہ تنہائی ان کے ہمہ وقت میل جول کی وجہ سے کم ہو جاتی تھی مگر اس کے باوجود امامہ ان کے احساسات کو بنا کوشش کئے سمجھ سکتی تھی۔

لاہور واپس شفٹ ہونے سے بہت عرصہ پہلے ہی انہوں نے امامہ سے یہ جان لینے کے بعد کہ وہ ایم ایس سی لاہور سے کرنا چاہ رہی ہے،اسے ساتھ رکھنے کے لئے اصرار کرنا شروع کر دیا۔

اسی عرصے کے دوران ڈاکٹر سبط علی کی سب سے بڑی بیٹی ان کے پاس بچوں سمیت کچھ عرصہ کے لئے رہنے چلی آئیں۔ان کے شوہر پی ایچ ڈی کے لئے بیرون ملک چلے گئے تھے۔وہ ڈاکٹر سبط علی کے بھتیجے تھے۔جانے سے پہلے وہ اپنی فیملی کو ان کے ہاں ٹھہرا گئے۔ڈاکٹر

سبط علی کے گھر میں جگہ کی کمی نہیں تھی مگر امامہ اب ان کے گھر میں رہنا نہیں چاہ رہی تھی۔وہ جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتی تھی۔ڈاکٹر سبط علی کے احسانات کا بوجھ پہلے ہی اسے زیر بار کر رہا تھا۔وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ان کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کرے اور اس کے بعد اس کے جاب کرنے پر بھی وہ اسے کہیں اور رہنے نہ دیتے لیکن اگر وہ پہلے ہی علیحدہ رہائش اختیار رکھتی تو اس کے لئے ان سے اپنی بات منوانا آسان ہوتا۔سعیدہ اماں کا گھر اسے اپنی رہائش کے لئے بہت مناسب لگا تھا۔وہ جاب شروع کرنے پر انہیں مجبور کر کے کرائے کی مد میں کچھ نہ کچھ لینے پر مجبور کر سکتی تھی مگر ڈاکٹر سبط علی شاید یہ سب کبھی گوارا نہ کرتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر سبط علی کے لئے اس کا فیصلہ ایک شاک کی طرح تھا۔

"کیوں آمنہ! میرے گھر پر کیوں نہیں رہ سکتیں آپ؟" انہوں نے بہت ناراضی سے اس سے کہا۔"سعیدہ آپا کے ساتھ کیوں رہنا چاہتی ہیں؟"

"وہ بہت اصرار کر رہی ہیں۔"

"میں انہیں سمجھادوں گا۔"

"نہیں، میں خود بھی ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ میں ان کے ساتھ رہوں گی تو ان کی تنہائی دور ہو جائے گی۔"

"یہ کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ ان کے پاس جب چاہیں جاسکتی ہیں، مگر ساتھ رہنے کے لئے نہیں۔"

"پلیز، آپ مجھے وہاں رہنے کی اجازت دے دیں، میں وہاں زیادہ خوش رہوں گی۔ میں اب آہستہ آہستہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتی ہوں۔"

ڈاکٹر سبط علی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

پیروں پر کھڑے ہونے سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

"میں آپ پر بہت لمبے عرصے تک بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ پہلے ہی میں بہت سال سے آپ پر انحصار کر رہی ہوں، مگر ساری زندگی تو میں آپ پر بوجھ بن کر نہیں گزار سکتی۔"

وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔ اسے لگا اس کے آخری جملے نے ڈاکٹر سبط علی کو تکلیف دی تھی۔ اسے پچھتاوا ہوا۔

"میں نے کبھی بھی آپ کو بوجھ نہیں سمجھا آمنہ! کبھی بھی نہیں۔ بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں اور میرے لئے آپ ایک بیٹی کی طرح ہیں پھر یہ بات۔۔۔۔۔ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔"

"میں جانتی ہوں ابو! مگر میں صرف اپنی فیلنگز کی بات کر رہی ہوں۔ دوسرے پر ڈیپینڈنٹ ہونا بہت تکلیف دہ بات ہے۔ میں سعیدہ اماں کے ساتھ رہ کر زیادہ پرسکون رہوں گی میں انہیں پے (pay) کروں گی۔ آپ کو میں کبھی پے (pay) کرنا چاہوں بھی تو نہ کر سکوں گی۔ شاید مجھے دس زندگیاں بھی ملیں تو میں آپ کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتی مگر اب بس۔۔۔۔۔ اب اور نہیں۔۔۔۔۔ میں نے زندگی کو گزارنے کے سارے طریقے ابھی سیکھنے ہیں۔ مجھے سیکھنے دیں۔"

ڈاکٹر سبط علی نے اس کے بعد اسے دوبارہ اپنے گھر میں رہنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے لئے بھی ان کی احسان مند تھی۔

سعیدہ اماں کے ساتھ رہنے کا تجربہ اس کے لئے ہاسٹل میں یا ڈاکٹر سبط علی کے ہاں رہنے سے بالکل مختلف تھا۔ اسے ان کے پاس ایک عجیب سی آزادی اور خوشی کا احساس ہوا تھا۔ وہ بالکل

اکیلی رہتی تھیں۔ صرف ایک ملازمہ تھی جو دن کے وقت گھر کے کام کر دیا کرتی تھی اور شام کو واپس چلی جایا کرتی تھی۔ وہ بے حد سوشل لائف گزارتی تھیں۔ محلے میں ان کا بہت آنا جانا تھا۔ اور نہ صرف محلے میں بلکہ اپنے رشتے داروں کے ہاں بھی اور ان کے گھر بھی اکثر کوئی نہ کوئی آتا رہتا تھا۔

انہوں نے محلے میں ہر ایک سے امامہ کا تعارف اپنی بھانجی کہہ کر کروایا تھا اور چند سالوں کے بعد یہ تعارف بھانجی سے بیٹی میں تبدیل ہو گیا تھا، اگرچہ محلے والے پچھلے تعارف سے واقف تھے، مگر اب کسی نئے ملنے والے سے جب وہ امامہ کو بیٹی کی حیثیت سے متعارف کرواتیں تو کسی کو کوئی تجسس نہیں ہوتا تھا۔ لوگ سعیدہ اماں کی عادت سے واقف تھے کہ وہ کتنا محبت بھرا دل رکھتی تھیں۔ ان کے بیٹے بھی امامہ سے واقف تھے بلکہ وہ باقاعدگی سے فون پر سعیدہ اماں سے بات کرتے ہوئے اس کا حال احوال بھی دریافت کرتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی اور بچے بھی اس سے بات چیت کرتے رہتے تھے۔

ان کے بیٹے ہر سال پاکستان آیا کرتے تھے اور ان کے قیام کے دوران بھی امامہ کو کبھی ایسا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جیسے وہ ان کی فیملی کا حصہ نہیں تھی، بعض دفعہ اسے یوں ہی لگتا جیسے وہ واقعی سعیدہ اماں کی بیٹی اور ان کے بیٹوں کی بہن تھی۔ ان دونوں کے بچے اسے پھپھو کہا کرتے تھے۔

پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کرنے کے بعد اس نے ڈاکٹر سبط علی کے توسط سے ایک فارماسیوٹیکل کمپنی میں جاب شروع کر دی۔ اس کی جاب بہت اچھی تھی اور پہلی بار اس نے مالی طور پر خود مختاری حاصل کر لی تھی۔ یہ ویسی زندگی نہیں تھی جیسی وہ اپنے والدین کے گھر گزارتی تھی نہ ہی ویسی تھی جیسی زندگی کے وہ خواب دیکھا کرتی تھی مگر یہ ویسی بھی نہیں تھی جن خدشات کا وہ گھر سے نکلتے وقت شکار تھی۔ وہ ہر ایک کے بارے میں نہیں کہہ سکتی مگر اس کے لئے زندگی معجزات کا دوسرا نام تھی۔ سالار سکندر جیسے لڑکے سے اس طرح کی مدد، ڈاکٹر سبط علی تک رسائی۔۔۔۔۔ سعیدہ اماں جیسے خاندان سے ملنا۔ تعلیم کا مکمل کرنا اور پھر وہ جاب۔۔۔۔۔ صرف جلال انصر تھا جس کا خیال ہمیشہ اسے تکلیف میں مبتلا کر دیتا تھا اور شاید اسے مل جاتا تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی۔

آٹھ سالوں نے اس میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں۔ گھر سے نکلتے وقت وہ جانتی تھی کہ اب دنیا میں اس کے نخرے اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اسے کسی سے کوئی توقعات وابستہ کرنی تھیں نہ ہی ان کے پورا نہ ہونے پر تکلیف محسوس کرنی تھی۔ اس کا رونا دھونا بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتا جا رہا تھا۔ بیس سال کی عمر میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوفزدہ اور پریشان ہونے والی امامہ ہاشم آہستہ آہستہ اپنا وجود کھوتی گئی تھی۔ نئی نمودار ہونے والی امامہ زیادہ پراعتماد اور مضبوط اعصاب رکھتی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت زیادہ محتاط

بھی ہو گئی تھی۔ ہر چیز کے بارے میں، اپنی گفتگو کے بارے میں۔ اپنے طور اطوار کے بارے میں۔

ڈاکٹر سبط علی اور سعیدہ اماں دونوں کے خاندانوں نے اسے بہت محبت اور اپنائیت دی تھی لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ کوشش کرتی تھی کہ وہ کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرے، جو انہیں قابلِ اعتراض یا ناگوار لگے۔ ہاشم مبین کے گھر میں اسے یہ ساری احتیاطیں نہیں کرنی پڑتی تھیں مگر وہاں سے نکل کر اسے یہ سب کچھ سیکھنا پڑا تھا۔

سعیدہ اماں کی گمشدگی کے دوران وہ آفس میں تھی۔ چار بجے کے قریب جب وہ گھر آئی تو گھر کو تالا لگا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس تالے کی دوسری چابی تھی، کیونکہ اس سے پہلے بھی سعیدہ اماں کئی بار ادھر اُدھر چلی جایا کرتی تھیں۔ اسے تشویش نہیں ہوئی۔

لیکن جب مغرب کی اذان ہونے لگی تو وہ پہلی بار فکر مند ہوئی کیونکہ وہ شام کو بتائے بغیر کبھی یوں غائب نہیں ہوئی تھیں ساتھ والوں کے ہاں پتا کرنے پر اسے پتا چلا کہ ان کا بیٹا انہیں بلال کے گھر صبح چھوڑ آیا تھا۔ سعیدہ اماں پہلے بھی اکثر وہاں آتی جاتی رہتی تھیں اس لئے امامہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے وہاں فون کیا تو اسے پتا چلا کہ وہ دوپہر کو وہاں سے جا چکی تھیں اور تب پہلی بار اسے صحیح معنوں میں تشویش ہونے لگی۔

اس نے باری باری ہر اس جگہ پتا کیا جہاں وہ جا سکتی تھیں مگر وہ کہیں بھی نہیں ملیں اور تب اس نے ڈاکٹر سبط علی کو اطلاع دی۔ اس کی حالت تب تک بے حد خراب ہو چکی تھی۔ سعیدہ اماں کا میل جول اپنے محلے تک ہی تھا۔ وہ اندرون شہر کے علاوہ کسی جگہ کو اچھی طرح نہیں جانتی تھیں۔ انہیں کسی دوسرے جگہ جانا ہوتا تو وہ ہمسایوں کے کسی لڑکے کے ساتھ جاتیں یا پھر امامہ کے ساتھ اور یہی بات امامہ کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

دوسری طرف سالار اندرون شہر کے سوا شہر کے تمام پوش علاقوں سے واقف تھا۔ اگر اسے اندرون شہر کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی ہوتیں تب بھی وہ سعیدہ اماں کے ادھورے پتے کے باوجود کسی نہ کسی طرح ان کے گھر پہنچ جاتا۔

ڈاکٹر سبط علی نے رات گئے اسے سعیدہ اماں کی خیریت سے اپنے کسی جاننے والے کے پاس ہونے کی اطلاع دی اور امامہ کی جیسے جان میں جان آئی۔

مزید ایک گھنٹے بعد دروازے کی بیل بجی تھی اور اس نے تقریباً بھاگتے ہوئے جا کر دروازہ کھولا۔ دروازے کی اوٹ سے اس نے سعیدہ اماں کے پیچھے کھڑے ایک خوش شکل آدمی کو دیکھا، جس نے دروازہ کھلنے پر اسے سلام کیا اور پھر سعیدہ اماں کو خدا حافظ کہتے ہوئے مڑ گیا اور اس دوسرے دراز قامت شخص کے پیچھے چلنے لگا جس کی امامہ کی طرف پشت تھی۔ امامہ نے اس پر غور نہیں کیا وہ تو بے اختیار سعیدہ اماں سے لپٹ گئی تھی۔

سعیدہ اماں اگلے کئی دن اس کے سامنے ان دونوں کا نام لیتی رہیں، سالار اور فرقان۔ امامہ کو پھر بھی شبہ نہیں ہوا کہ وہ سالار۔۔۔۔۔ سالار سکندر بھی ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔ مردہ لوگ زندہ نہیں ہو سکتے تھے اور اسے اگر اس کی موت کا یقین نہ بھی ہوتا تب بھی سالار سکندر جیسا شخص نہ تو ڈاکٹر سبط علی کا شناسا ہو سکتا تھا نہ ہی اس میں اس طرح کی اچھائیاں ہو سکتی تھیں جن اچھائیوں کا ذکر سعیدہ اماں وقتاً فوقتاً کرتی رہتی تھیں۔

اس کے کچھ عرصے بعد اس نے جس شخص کو اس رات سعیدہ اماں کے ساتھ سیڑھیوں پر کھڑے دیکھا تھا اس شخص سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی۔ فرقان اپنی بیوی کے ساتھ ان کے ہاں آیا تھا۔ اسے وہ اور اس کی بیوی دونوں اچھے لگے تھے پھر وہ چند ایک بار اور ان کے گھر آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی شناسائی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اسے جاب کرتے تب دو سال ہو چکے تھے۔ کچھ وقت شاید اور اسی طرح گزر جاتا۔ اگر وہ اتفاقاً ایک روز اس سڑک سے نہ گزرتی جہاں جلال کے بنائی ہوئے ہاسپٹل کے باہر اس کا نام آویزاں تھا۔ جلال انصر کا نام اس کے قدم روک دینے کے لئے کافی تھا مگر کچھ دیر تک ہاسپٹل کے باہر اس کا نام دیکھتے رہنے کے بعد اس نے طے کیا تھا کہ وہ دوبارہ اس سڑک پر کبھی نہیں آئے گی۔

جلال شادی کر چکا تھا۔ یہ وہ گھر چھوڑتے وقت ہی سالار سے جان چکی تھی اور وہ دوبارہ اس کی زندگی میں نہیں آنا چاہتی تھی مگر اس کا یہ فیصلہ دیرپا ثابت نہیں ہوا۔

دو ہفتے کے بعد فارماسیوٹیکل کمپنی کے آفس میں ہی اس کی ملاقات رابعہ سے ہوئی۔ رابعہ وہاں کسی کام سے آئی تھی۔ چند لمحوں کے لئے تو اسے اپنے سامنے دیکھ کر اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح کا ردعمل ظاہر کرے۔ یہ مشکل رابعہ نے آسان کر دی۔ وہ اس سے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ملی تھی۔

"تم یک دم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ کالج اور ہاسٹل میں تو ایک لمبا عرصہ طوفان مچا رہا۔"

رابعہ نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔ امامہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"بس میں گھر سے چلی گئی تھی۔ کیوں گئی تھی تم تو جانتی ہی ہو گی۔" امامہ نے مختصراً کہا۔

"ہاں، مجھے کچھ اندازہ تو تھا ہی مگر میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ ویسے ہم لوگوں کی بڑی کم بختی آئی۔ میری، جویریہ، زینب، سب کی۔۔۔۔۔ پولیس تک نے پوچھ گچھ کی ہم سے۔ ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا تمہارے بارے میں، مگر ہاسٹل اور کالج میں بہت ساری باتیں پھیل گئی تھیں تمہارے بارے میں۔"

رابعہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی مسلسل بولے جا رہی تھی۔

"تم اکیلی ہی گئی تھیں؟" اس نے بات کرتے کرتے اچانک پوچھا۔

"ہاں۔" امامہ انٹر کام پر چائے کا کہتے ہوئے بولی۔

"مگر گئی کہاں تھیں؟"

"کہیں نہیں، یہیں لاہور میں تھی۔ تم بتاؤ، تم کیا کر رہی ہو آج کل اور جویریہ۔۔۔۔۔ باقی سب۔"

امامہ نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"میں پریکٹس کر رہی ہوں لاہور میں۔ جویریہ اسلام آباد میں ہوتی ہے۔ شادی ہو گئی ہے اس کی ایک ڈاکٹر سے۔ میری بھی فاروق سے ہوئی ہے۔ تمہیں تو یاد ہوگا کلاس فیلو تھا میرا۔"

امامہ مسکرائی۔ "اور زینب؟" اس کا دل بے اختیار دھڑکا تھا۔

"ہاں، زینب آج کل انگلینڈ میں ہوتی ہے۔ ریزیڈنسی کر رہی ہے وہاں اپنے شوہر کے ساتھ۔ اس کے بھائی کے ہاسپٹل میں ہی فاروق پریکٹس کرتے ہیں۔"

امامہ نے بے اختیار اسے دیکھا۔ "جلال انصر کے ہاسپٹل میں؟"

"ہاں، اسی کے ہاسپٹل میں۔ وہ اسپیشلائزیشن کر کے آیا ہے کچھ عرصہ پہلے لیکن بے چارے کے ساتھ بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔ چند ماہ پہلے طلاق ہو گئی ہے۔ حالانکہ اتنا اچھا بندہ ہے مگر۔"

امامہ اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکی۔

"طلاق۔۔۔۔۔! کیوں؟"

"پتا نہیں، فارق نے پوچھا تھا اس سے۔ کہہ رہا تھا انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہوئی۔ بیوی بھی بڑی اچھی تھی اس کی۔ ڈاکٹر ہے وہ بھی لیکن پتا نہیں کیوں طلاق ہو گئی۔ ہم لوگوں کا تو خاصا آنا جانا تھا ان کے گھر میں۔ ہمیں کبھی بھی اندازہ نہیں ہوا کہ ایسا کوئی مسئلہ ہے دونوں کے درمیان۔ ایک بیٹا ہے تین سال کا۔ وہ جلال کے پاس ہی ہے۔ اس کی بیوی واپس امریکہ چلی گئی ہے۔"

رابعہ لاپروائی سے تمام تفصیلات بتا رہی تھی۔

"تم اپنے بارے میں بتاؤ یہ تو میں جان گئی ہوں کہ یہاں جاب کر رہی ہو، مگر اسٹڈیز تو تم نے مکمل نہیں کی۔"

"ایم ایس سی کیا ہے کیمسٹری میں۔"

"اور شادی وغیرہ؟"

"وہ ابھی نہیں۔"

"پیرنٹس کے ساتھ تمہارا جھگڑا ختم ہوا یا نہیں؟"

امامہ نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

"نہیں۔" پھر اس نے مدھم آواز میں کہا۔

وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی رہی پھر چلی گئی۔ امامہ باقی کا سارا وقت آفس میں ڈسٹرب رہی۔ اس نے جلال انصر کو کبھی بھلایا نہیں تھا۔ وہ اسے بھلا نہیں سکتی تھی۔ اس نے صرف اپنی زندگی سے اس کو الگ کر دیا تھا مگر وہاں بیٹھے ہوئے اس دن اسے احساس ہوا کہ یہ بھی ایک خوش گمانی یا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ جلال انصر کو اپنی زندگی سے الگ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ صرف اس کی زندگی میں داخل ہو کر اسے کسی پریشانی سے دوچار کرنا چاہتی تھی نہ ہی اس کی ازدواجی زندگی کو خراب کرنا چاہتی تھی لیکن یہ جاننے کے بعد کہ اس کی ازدواجی زندگی پہلے ہی ناکام ہو چکی ہے اور وہ ایک بار پھر اکیلا تھا۔ اسے یاد آیا آٹھ سال پہلے وہ کس طرح اس شخص کے حصول کے لئے بچوں کی طرح مچلتی رہی تھی۔ وہ اسے حاصل نہیں کر سکی تھی۔ تب بہت سی دیواریں، بہت سی رکاوٹیں تھیں جنہیں وہ پار کر سکتی تھی نہ جلال انصر کر سکتا تھا۔

مگر اب بہت وقت گزر چکا تھا۔ ان رکاوٹوں میں سے اب کچھ بھی ان دونوں کے درمیان نہیں تھا۔ اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ ایک شادی کر چکا تھا یا اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔

"مجھے اس کے پاس ایک بار پھر جانا چاہیے، شاید وہ اب بھی میرے بارے میں سوچتا ہو شاید اسے اب اپنی غلطی کا احساس ہو۔" امامہ نے سوچا تھا۔

اس نے آخری بار فون پر بات کرتے ہوئے اس سے جو کچھ کہا تھا، امامہ اس کے لئے اس کو معاف کر چکی تھی۔ جلال کی جگہ جو بھی ہوتا وہ یہی کہتا۔ صرف ایک لڑکی کے لئے تو کوئی بھی اتنے رسک نہیں لیتا اور پھر اس کا کیریئر بھی تھا جسے وہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کے پیرنٹس کی اس سے کچھ امیدیں تھیں جنہیں وہ ختم نہیں کر سکتا تھا۔ میری طرح وہ بھی مجبور تھا۔ بہت سال پہلے کہے گئے اس کے جملوں کی بازگشت نے بھی اسے دلبرداشتہ یا اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔

"مجھے اس کے پاس جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے یہ موقع مجھے اللہ نے ہی دیا ہو۔ ہو سکتا ہے اللہ نے میری دعاؤں کو اب قبول کر لیا ہو۔ ہو سکتا ہے اللہ کو مجھ پر اب رحم آ گیا ہو۔"

وہ بار بار سوچ رہی تھی۔

"ورنہ اس طرح اچانک رابعہ میرے سامنے کیوں آجاتی۔ مجھے کیوں یہ پتا چلتا کہ اس کی بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہو سکتا ہے اب میں اس کے سامنے جاؤں تو۔۔۔۔۔۔" وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ جلال انصر کے پاس دوبارہ جانا چاہتی تھی۔



"میں ڈاکٹر جلال انصر سے ملنا چاہتی ہوں۔" امامہ نے ریپشنسٹ سے کہا۔

"اپائنٹمنٹ ہے آپ کی؟ اس نے پوچھا۔

"نہیں، اپائنٹمنٹ تو نہیں ہے۔"

"پھر تو وہ آپ سے نہیں مل سکیں گے۔ اپائنٹمنٹ کے بغیر وہ کسی پیشنٹ کو نہیں دیکھتے۔" اس نے بڑے پروفیشنل انداز میں کہا۔

"میں پیشنٹ نہیں ہوں۔ ان کی دوست ہوں۔" امامہ نے کاؤنٹر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر صاحب جانتے ہیں کہ آپ اس وقت ان سے ملنے آئیں گی؟" ریپشنسٹ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

"ایک منٹ، میں ان سے پوچھتی ہوں۔" اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" وہ ریپشنسٹ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"امامہ ہاشم۔" اسے یاد نہیں اس نے کتنے سالوں بعد اپنا نام لیا تھا۔

"سر! کوئی خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی دوست ہیں۔ امامہ ہاشم نام ہے ان کا۔"

وہ دوسری طرف سے جلال کی گفتگو سنتی رہی۔

"اوکے سر۔" پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"آپ اندر چلی جائیں۔" ریپشنسٹ نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ جلال انصر کا ایک مریض باہر نکل رہا تھا اور وہ خود اپنی میز کے پیچھے کھڑا تھا۔ امامہ نے اس کے چہرے پر حیرت دیکھی تھی۔ وہ اپنے دھڑکتے دل کی آواز باہر تک سن سکتی تھی۔ اس نے جلال انصر کو آٹھ سال اور کتنے ماہ کے بعد دیکھا تھا۔ امامہ نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اسے یاد نہیں آیا۔

"What a pleasant surprise Imama" (کیسا خوشگوار سرپرائز ہے امامہ!)۔

جلال نے آگے بڑھ کر اس کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا، تم کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"

وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر بولی۔ پچھلے آٹھ سال سے یہ چہرہ ہر وقت اس کے ساتھ رہا تھا اور یہ آواز بھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، آؤ بیٹھو۔"

اس نے اپنی ٹیبل کے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ خود ٹیبل کے دوسری جانب اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ہمیشہ سے جانتی تھی۔ وہ جلال انصر کو جب بھی دیکھے گی اس کا دل اسی طرح بے قابو ہو گا مگر اتنی خوشی، ایسی سرشاری تھی جو وہ اپنے رگ وپے میں خون کی طرح دوڑتی محسوس کر رہی تھی۔

"کیا پیو گی؟ چائے، کافی سوفٹ ڈرنک؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"جو آپ چاہیں۔"

"اوکے، کافی منگوا لیتے ہیں۔ تمہیں پسند تھی۔"

وہ انٹر کام اٹھا کر کسی کو کافی بھجوانے کی ہدایت دے رہا تھا اور وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر داڑھی اب نہیں تھی۔ اس کا ہیر اسٹائل مکمل طور پر تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کا وزن پہلے کی نسبت کچھ بڑھ گیا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت بہت پر اعتماد اور بے تکلف نظر آ رہا تھا۔

"تم آج کل کیا کر رہی ہو؟" ریسیور رکھتے ہی اس نے امامہ سے پوچھا۔

"ایک فارماسیوٹیکل کمپنی میں کام کر رہی ہوں۔"

"ایم بی بی ایس تو چھوڑ دیا تھا تم نے۔"

"ہاں، ایم ایس سی کیا ہے کیمسٹری میں۔"

"کونسی کمپنی ہے؟" امامہ نے نام بتایا۔

"وہ تو بہت اچھی کمپنی ہے۔"

وہ کچھ دیر اس کمپنی کے بارے میں تعریفی تبصرہ کرتا رہا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"میں اسپیشلائزیشن کر کے آیا ہوں۔"

وہ اپنے بارے میں بتانے لگا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر کسی معمول کی طرح اسے دیکھتی رہی۔ بعض لوگوں کو صرف دیکھنا ہی کتنا کافی ہوتا ہے۔ اس نے اسے بات کرتے دیکھ کر سوچا تھا۔

"ایک سال ہوا ہے اس ہاسپٹل کو شروع کئے اور بہت اچھی پریکٹس چل رہی ہے میری۔"

وہ بولتا رہا۔ کافی آچکی تھی۔

"تمہیں میرا کیسے پتا چلا؟" وہ کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"میں نے آپ کے ہاسپٹل کے بورڈ پر آپ کا نام پڑھا پھر رابعہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ جانتے ہوں گے۔ زینب بھی واقف تھی اس سے۔"

"رابعہ فاروق کی بات کر رہی ہو۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کا شوہر ڈاکٹر فاروق میرے ساتھ کام کرتا ہے۔" اس نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

"ہاں، وہی۔۔۔۔۔ پھر میں یہاں آگئی۔"

امامہ نے ابھی کافی نہیں پی تھی۔ کافی بہت گرم تھی اور بہت گرم چیزیں نہیں پیتی تھی۔ اس نے کسی زمانے میں میز کے دوسری جانب بیٹھے ہوئے شخص کو آئیڈلائز کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس میں ہر خوبی تھی، ہر وہ خوبی جو ایک مکمل مرد میں ہونی چاہیے۔ ہر وہ خوبی جو وہ اپنے شوہر میں دیکھنا چاہتی تھی۔ ساڑھے آٹھ سال گزر گئے تھے اور امامہ کو یقین تھا کہ وہ اب بھی ویسا ہی ہے۔ چہرے سے داڑھی کے ہٹ جانے کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اب حضرت محمد ﷺ سے محبت نہ رہی ہو۔ اپنے ہاسپٹل کی کامیابی کے قصیدے پڑھتے ہوئے بھی امامہ اس کی اسی آواز کو اپنے کانوں میں گونجتا ہوا محسوس کر رہی تھی، جس آواز نے ایک بار اس کی زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ آسان کر دیا تھا۔

وہ اس کے منہ سے کامیاب پریکٹس اور شہرت کا سن کر مسرور تھی۔ جلال نے زندگی میں ان ہی کامیابیوں کو سمیٹنے کے لئے ساڑھے آٹھ سال پہلے اسے چھوڑ دیا تھا مگر وہ خوش تھی۔ آج سب کچھ جلال انصر کی مٹھی میں تھا۔ کم از کم آج فیصلہ کرنے میں اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

"تم نے شادی کر لی؟" بات کرتے کرتے اس نے اچانک پوچھا۔

"نہیں۔"امامہ نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"تو پھر تم کہاں رہتی ہو، کیا اپنے پیرنٹس کے پاس ہو؟"جلال اس بار کچھ سنجیدہ تھا۔

"نہیں۔"

"پھر؟"

"اکیلی رہتی ہوں، پیرنٹس کے پاس کیسے جاسکتی تھی۔"اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"آپ نے شادی کرلی؟"جلال نے کافی کا ایک گھونٹ لیا۔

"ہاں، شادی کرلی اور علیحدگی بھی ہو گئی۔ تین سال کا ایک بیٹا ہے میرا۔ میرے پاس ہی ہوتا ہے۔"جلال نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری۔"امامہ نے اظہار افسوس کیا۔

"نہیں،ایسی کوئی بات نہیں۔اچھا ہوا یہ شادی ختم ہوگئی۔"

"It was not a marriage, it was a mess"(یہ شادی نہیں تھی، ایک بکھیڑا تھا)۔

جلال نے کافی کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی پھر اس خاموشی کو امامہ نے توڑا۔

"بہت سال پہلے ایک بار میں نے آپ کو پرو پوز کیا تھا جلال؟"

جلال اسے دیکھنے لگا۔

"پھر میں نے آپ سے شادی کے لئے ریکوئسٹ کی تھی۔ آپ اس وقت مجھ سے شادی نہیں کرسکے۔"

"کیا میں یہ ریکویسٹ آپ سے دوبارہ کرسکتی ہوں؟"

اس نے جلال انصر کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔

"اب تو حالات بدل چکے ہیں۔ آپ کسی پر ڈیپنڈنٹ نہیں ہیں۔ نہ ہی میرے پیرنٹس کے کسی ردعمل کا آپ کو اندیشہ ہوگا نہ ہی آپ کے پیرنٹس اعتراض کریں گے۔ اب تو آپ مجھ سے شادی کرسکتے ہیں۔"

وہ جلال کا جواب سننے کے لئے رکی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔اس کی خاموشی نے امامہ کے اعصاب کو مضمحل کیا۔شاید یہ اس لئے خاموش ہے کیونکہ اسے اپنی پہلی شادی یا بیٹے کا خیال

ہو گا۔امامہ نے سوچا۔مجھے اسے بتانا چاہیے کہ مجھے اس کی پہلی شادی کی کوئی پروا نہیں ہے،نہ ہی اس بات پر اعتراض کہ اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔

"جلال مجھے آپ کی شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"امامہ! یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں ممکن نہیں ہے۔کیا آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے؟"

"محبت کی بات نہیں ہے امامہ! اب بہت وقت گزر چکا ہے۔ویسے بھی ایک شادی ناکام ہونے کے بعد میں فوری طور پر دوسری شادی نہیں کرنا چاہتا۔میں اپنے کیرئیر پر دھیان دینا چاہتا ہوں۔"

"جلال! آپ کو مجھ سے تو کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔میرے ساتھ تو آپ کی شادی ناکام نہیں ہو سکتی۔"

"پھر بھی۔۔۔میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔"جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں انتظار کر سکتی ہوں۔"

جلال نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے امامہ! میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ تم سے شادی کر سکوں۔"

وہ دم سادھے اسے دیکھتی رہی۔

"یہ شادی میں نے اپنی مرضی سے کی تھی۔دوبارہ میں اپنی مرضی نہیں کرنا چاہتا۔دوسری شادی میں اپنے پیرنٹس کی مرضی سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ اپنے پیرنٹس کو میرے بارے میں بتادیں۔شاید وہ آپ کو اجازت دے دیں۔"اس نے ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"نہیں بتا سکتا۔امامہ دیکھو! کچھ حقائق ہیں جن کا سامنا مجھے اور تمہیں بہت حقیقت پسندی سے کرنا چاہیے۔میں اپنے لئے تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی زمانے میں،میں بھی تمہارے ساتھ انوالو تھا یا یہ کہہ لو کہ محبت کرتا تھا۔میں آج بھی تمہارے لئے دل میں بہت خاص جذبات رکھتا ہوں اور ہمیشہ رکھوں گا مگر زندگی جذبات کے سہارے نہیں گزاری جاسکتی۔"

وہ رکا۔امامہ کافی کے کپ سے اٹھتے دھویں کے پار اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تم جب سات آٹھ سال پہلے اپنا گھر چھوڑ رہی تھیں تو میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ اس طرح نہ کرو لیکن تم نے اس معاملے کو اپنی مرضی سے ہینڈل کیا۔ اپنے پیرنٹس کو مجھ سے شادی کے لئے کنوینس کرنے کے بجائے تم مجھے مجبور کرتی رہیں کہ میں تم سے چھپ کر شادی کرلوں۔ میں ایسا نہیں کر سکا اور نہ ہی یہ مناسب سمجھا۔ مذہب کی بات اپنی جگہ، مگر مذہب کے ساتھ معاشرہ بھی تو کوئی چیز ہوتا ہے جس میں ہم رہتے ہیں اور جس کی ہمیں پرواہ کرنی چاہیے۔"

امامہ کو یقین نہیں آیا۔ وہ یہ سب اس شخص کے منہ سے سن رہی تھی جو۔۔۔۔۔۔

"تم تو چلی گئیں مگر تمہارے جانے کے بعد تمہارا اس طرح غائب ہو جانا کتنا بڑا اسکینڈل ثابت ہوا اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔ تمہارے پیرنٹس نے پریس میں یہ خبر نہیں آنے دی مگر پورے میڈیکل کالج کو تمہارے اس طرح چلے جانے کا پتا تھا۔ پولیس نے تمہاری بہت ساری فرینڈز اور کلاس فیلوز سے تمہارے بارے میں انوسٹی گیشن کی۔ زینب بھی اس میں شامل تھی۔ خوش قسمتی سے ہم بچ گئے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"میں نے اتنے سال محنت کر کے اپنا مقام بنایا ہے۔ میں اتنا بہادر نہیں ہوں کہ میں تم سے شادی کر کے لوگوں کی چہ مگوئیوں کا نشانہ بنوں۔ میرا اٹھنا بیٹھنا ڈاکٹرز کی کمیونٹی میں ہے اور امامہ ہاشم کی میری بیوی کے طور پر واپسی مجھے اسکینڈلائز کر دے گی۔ تم سے شادی کر کے میں لوگوں سے نظریں نہیں چرانا چاہتا۔ تم اتنے سال کہاں رہی ہو، کیسے رہی ہو، یہ بہت اہم سوالات ہیں۔ میرے پیرنٹس کو تمہاری کسی بات پر یقین نہیں آئے گا اور مجھے لوگوں کی نظروں میں اپنا یہ مقام برقرار رکھنا ہے تم بہت اچھی ہو مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ تم اچھی لڑکی نہیں ہو اور میں کسی اسکینڈلائزڈ لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی یہ کہے کہ میری بیوی کا کردار اچھا نہیں ہے۔ آئی ہوپ، تم میری پوزیشن کو سمجھ سکتی ہو۔"

کافی کے کپ سے اٹھتا دھواں ختم ہو چکا تھا مگر جلال انصر کا چہرہ ابھی کسی دھویں کے پیچھے چھپا نظر آ رہا تھا یا پھر یہ اس کی آنکھوں میں اترنے والی دھند تھی جس نے جلال انصر کو غائب کر دیا تھا۔

کرسی کے دونوں ہتھوں کا سہارا لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"ہاں، میں سمجھ سکتی ہوں۔" اس نے اپنے آپ کو کہتے سنا۔ "خدا حافظ۔"

"آئی ایم سوری امامہ!" جلال معذرت کر رہا تھا۔امامہ نے اسے نہیں دیکھا۔وہ جیسے نیند کی حالت میں چلتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئی۔

شام کے سات بج چکے تھے،اندھیرا چھا چکا تھا۔سڑکوں پر اسٹریٹ لائٹس اور نیون سائن بورڈز روشن تھے۔سڑک پر بہت زیادہ ٹریفک تھی۔اس پورے روڈ پر دونوں طرف ڈاکٹرز کے کلینک تھے۔اسے یاد تھا کسی زمانے میں اس کی بھی خواہش تھی کہ اس کا بھی ایسا ہی کلینک ہو۔اسے یہ بھی یاد تھا کہ وہ بھی اپنے نام کے آگے اسی طرح کوالی فیکیشنز کی ایک لمبی لسٹ دیکھنا چاہتی تھی بالکل ویسے ہی جس طرح جلال انصر کے نام کے ساتھ تھیں۔بالکل ویسے ہی جس طرح اس روڈ پر لگے ہوئے بہت سے ڈاکٹرز کے نام کے آگے تھیں۔یہ سب ہو سکتا تھا،یہ سب ممکن تھا،اس کے ہاتھ کی مٹھی میں تھا اگر وہ۔۔۔۔۔وہ بہت سال پہلے اپنے گھر سے نہ نکلی ہوتی۔

وہ بہت دیر تک جلال کے ہاسپٹل کے باہر سڑک پر کھڑی خالی الذہنی کی کیفیت میں سڑک پر دوڑتی ٹریفک کو دیکھتی رہی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں سے کہاں جائے اس نے ایک بار پھر مڑ کر ہاسپٹل کے ماتھے پر جگمگاتے الیکٹرک بورڈ پر ڈاکٹر جلال انصر کا نام دیکھا۔

"تم اچھی لڑکی ہو،مگر لوگ تمہیں اچھا نہیں سمجھتے۔"

اسے چند منٹ پہلے کہے ہوئے اس کے الفاظ یاد آئے،وہاں کھڑے اسے پہلی بار پتا چلا کہ اس نے اپنی پوری زندگی یک طرفہ محبت میں گزاری تھی۔جلال انصر کو اس سے کبھی محبت تھی ہی نہیں۔نہ ساڑھے آٹھ سال پہلے،نہ ہی اب۔۔۔۔۔اس کو صرف امامہ کی ضرورت نہیں تھی،اس کے ساتھ منسلک باقی چیزوں کی بھی ضرورت تھی۔اس کا لمبا چوڑا فیملی بیک گراؤنڈ۔۔۔۔۔۔سوسائٹی میں اس کے خاندان کا نام اور مرتبہ۔۔۔۔۔۔اس کے خاندان کے کانٹیکٹس۔۔۔۔۔اس کے خاندان کی دولت۔۔۔۔۔۔جس کے ساتھ نتھی ہو کر وہ جمپ لگا کر راتوں رات اپر کلاس میں آ جاتا۔۔۔۔۔۔اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ وہ صرف اس کی محبت میں مبتلا تھا۔۔۔۔۔اس کا خیال تھا کہ وہ ایک بار بھی اس کے کردار کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرے گا۔وہ کم از کم یہ یقین ضرور رکھے گا کہ وہ غلط راستے پر نہیں چل سکتی مگر وہ پھر غلط تھی۔۔۔۔۔اس کے نزدیک وہ اسکینڈلائزڈ لڑکی تھی جس کے دفاع میں اپنی فیملی یا دوسرے لوگوں سے کچھ کہنے کے لئے اس کے پاس کوئی لفظ نہیں تھا۔

ساڑھے آٹھ سال پہلے گھر چھوڑتے ہوئے وہ جانتی تھی کہ لوگ اس کے بارے میں بہت کچھ کہیں گے۔وہ اپنے لئے کانٹوں بھرا راستہ،زہر اگلتی زبانیں اور طنز کرتی نظریں چن رہی تھی مگر یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ان لوگوں میں جلال انصر بھی شامل ہو گا۔زہر اگلتی باتوں میں ایک زبان اس کی بھی ہو گی۔وہ زندگی میں کم از کم جلال انصر کو اپنے کردار کے اچھا ہونے کے بارے میں کوئی صفائی یا وضاحت نہیں دینا چاہتی تھی۔وہ اس کو کوئی صفائی دے

ہی نہیں سکتی تھی۔اس کے لفظوں نے ساڑھے آٹھ سال بعد پہلی بار اسے صحیح معنوں میں حقیقت کے تپتے ہوئے صحرا میں پھینک دیا تھا۔وہ معاشرے کے لئے outcast بن چکی تھی۔

"توامامہ ہاشم یہ ہے تمہاری اوقات،ایک اسکینڈلائزڈ اور داغ دار لڑکی اور تم اپنے آپ کو کیا سمجھے بیٹھی تھیں۔"

وہ فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ہر بورڈ،ہر نیون سائن کو پڑھتے ہوئے۔۔۔۔۔وہاں لگے ہوئے بہت سے ڈاکٹروں کے ناموں سے وہ واقف تھی۔ان میں سے کچھ اس کے کلاس فیلوز تھے۔کچھ اس سے جونیئر،کچھ اس سے سینئر اور وہ خود کہاں کھڑی تھی کہیں بھی نہیں۔

"تم دیکھنا امامہ!تم کس طرح ذلیل وخوار ہوگی،تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا،کچھ بھی نہیں۔"

اس کے کانوں میں ہاشم مبین کی آواز گونجنے لگی تھی۔اس نے اپنے گالوں پر سیال مادے کو بہتے محسوس کیا۔آس پاس موجود روشنیاں اب اس کی آنکھوں کو اور چندھیانے لگی تھیں۔ جلال انصر برا آدمی نہیں تھا۔بس وہ،وہ نہیں تھا جو سمجھ کر وہ اس کی طرف گئی تھی۔کیسا دھوکا تھا جو اس نے کھایا تھا۔جان بوجھ کر کھلی آنکھوں کے ساتھ،وہ بھی ایک مادہ پرست تھا مکمل مادہ پرست۔صرف اس کا یہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا اور اس کے لئے یہ سب ناقابل

یقین تھا۔وہ برا آدمی نہیں تھا اس کی اپنی اخلاقیات تھیں اور وہ ان کے ساتھ جی رہا تھا۔امامہ ہاشم کو آج اس نے وہ اخلاقیات بتادی تھیں۔اس نے ایسی تضحیک اور تحقیر آٹھ سالوں میں پہلی بار دیکھی تھی اور وہ بھی اس شخص کے ہاتھوں جسے وہ خوبیوں کا مجموعہ سمجھتی رہی تھی اور خوبیوں کے اس مجموعے کی نظروں میں وہ کیا تھی؟گھر سے بھاگی ہوئی ایک اسکینڈلائزڈ لڑکی۔آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو اس کی آنکھوں سے امڈ رہا تھا اور اس میں سب کچھ بہہ رہا تھا،سب کچھ اس نے بے رحمی کے ساتھ آنکھوں کو رگڑا۔اپنی چادر کے ساتھ گیلے چہرے کو خشک کرتے ہوئے ایک رکشے کو روک کر وہ اس میں بیٹھ گئی۔

دروازہ سعیدہ اماں نے کھولا تھا۔وہ سر جھکائے اس طرح اندر داخل ہوئی کہ اس کے چہرے پر ان کی نظر نہ پڑی۔

"کہاں تھیں تم امامہ؟رات ہوگئی میرا تو دل گھبرا رہا تھا۔ساتھ والوں کے گھر جانے ہی والی تھی میں کہ کوئی تمہارے آفس جاکر تمہارا پتا کرے۔"

سعیدہ اماں دروازہ بند کر کے تشویش کے عالم میں اس کے پیچھے آئی تھیں۔

"کہیں نہیں اماں!بس آفس میں کچھ کام تھا اس لئے دیر ہوگئی۔"

اس نے ان سے چند قدم آگے چلتے ہوئے پیچھے مڑے بغیر ان سے کہا۔ "پہلے تو کبھی تمہیں آفس میں دیر نہیں ہوئی۔ پھر آج کیا ہو گیا کہ رات ہو گئی۔ آخر آج کیوں اتنی دیر روکا انہوں نے تمہیں؟" سعیدہ اماں کو اب بھی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"اس کے بارے میں میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آئندہ دیر نہیں ہو گی۔" وہ اسی طرح اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"کھانا گرم کر دوں یا تھوڑی دیر بعد کھاؤ گی؟" انہوں نے اس کے پیچھے آتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کے لئے سونا چاہتی ہوں۔"

اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"درد کیوں ہو رہا ہے؟ کوئی دوائی دے دوں یا چائے بنا دوں۔" سعیدہ اماں کو اور تشویش لاحق ہوئی۔

"اماں! پلیز مجھے سونے دیں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہوئی تو میں آپ سے کہہ دوں گی۔"

اس کے سر میں واقعی درد ہو رہا تھا۔ سعیدہ اماں کو شاید اندازہ ہو گیا کہ ان کی تشویش اس وقت اسے بے آرام کر رہی ہے۔

"ٹھیک ہے تم سو جاؤ۔" وہ جانے کے لئے پلٹیں۔

امامہ نے اپنے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی، اس نے اسی طرح اندھیرے میں دروازے کو بند کیا اور اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئی۔ اپنا کمبل کھینچ کر اس نے سیدھا لیٹتے ہوئے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ وہ اس وقت صرف سونا چاہتی تھی۔ وہ کچھ بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھی نہ جلال انصر سے ہونے والی کچھ دیر پہلے کی گفتگو نہ ہی کچھ اور۔۔۔۔۔۔ وہ رونا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اسے نیند کیسے آ گئی یہ وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ بہت گہری نیند سوئی تھی۔



وہ اس سے تین قدم آگے کھڑا تھا۔ اتنا قریب کہ وہ ہاتھ بڑھاتی تو اس کا کندھا چھو لیتی۔ وہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اس کے کندھے سے اوپر خانہ کعبہ کے کھلتے ہوئے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ نور کے اس سیلاب کو دیکھ رہی تھی جس نے وہاں موجود ہر چیز

کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ خانہ کعبہ کے غلاف پر تحریر آیات کو با آسانی دیکھ سکتی تھی۔ وہ آسمان پر موجود ستاروں کی روشنی کو یک دم بڑھتے محسوس کر سکتی تھی۔

ان میں سے آگے کھڑا شخص تلبیہ پڑھ رہا تھا۔ وہاں گونجنے والی واحد آواز اسی کی آواز تھی۔ خوش الحان آواز۔۔۔۔۔اس نے بے اختیار اپنے آپ کو اس کے پیچھے وہی کلمات دہراتے پایا۔ اسی طرح جس طرح وہ پڑھ رہا تھا۔ مگر زیر لب پھر وہ اپنی آواز اس کی آواز میں ملانے لگی۔ اسی کی طرح زیر لب۔۔۔۔۔پھر اس کی آواز بلند ہونے لگی پھر اس کو احساس ہوا۔۔۔۔۔وہ اپنی آواز اس کی آواز کے ساتھ بلند نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے کوشش ترک کر دی۔ وہ اس کی آواز میں آواز ملاتی رہی۔

خانہ کعبہ کا دروازہ کھل چکا تھا۔ اس نے اس شخص کو آگے بڑھ کر دروازے کے پاس جا کر کھڑے ہوتے دیکھا۔ اس نے اسے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے دیکھا۔ وہ دعا کر رہا تھا وہ اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھ نیچے کر لئے۔ وہ اب نیچے بیٹھ کر زمین پر سجدہ کر رہا تھا، کعبہ کے دروازے کے سامنے۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ اب وہ کھڑا ہو رہا تھا۔ وہ پلٹنے والا تھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کی آواز شناسا تھی مگر چہرہ، چہرہ دیکھے بغیر۔۔۔۔۔۔وہ اب مڑ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ چند لمحوں کے لئے اسے لگا وہ وہیں ہو، خانہ کعبہ میں۔ پھر جیسے وہ حقیقت میں واپس آگئی۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ جلا دی اور پھر بیڈ پر آکر دوبارہ بیٹھ گئی۔ اسے خواب پوری جزئیات سمیت یاد تھا، یوں جیسے اس نے کوئی فلم دیکھی ہو، مگر اس آدمی کا چہرہ وہ اسے نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کے مڑنے سے پہلے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔

"خوش الحان آواز، جلال انصر کے سوا کس کی ہو سکتی تھی۔" اس نے سوچا۔

"مگر وہ شخص دراز قد تھا۔ جلال انصر سانولا تھا، اس شخص کے احرام میں سے نکلے ہوئے کندھے اور بازوؤں کی رنگت صاف تھی اور اس کی آواز وہ شناسا تھی۔ وہ یہ پہچان نہیں پا رہی تھی کہ وہ جلال کی آواز تھی یا کسی اور کی۔

خواب بہت عجیب تھا مگر اس کے سر کا درد غائب ہو چکا تھا اور وہ حیران کن طور پر پرسکون تھی۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ آن کی۔ وال کلاک ایک بجا رہا تھا۔ امامہ کو یاد آیا وہ رات کو عشاء کی نماز پڑھے بغیر ہی سو گئی تھی۔ اس نے کپڑے بھی تبدیل نہیں کئے تھے نہ ہی سونے سے پہلے وضو کیا تھا۔ اس نے کپڑے تبدیل کئے اور اپنے کمرے سے باہر آگئی۔

سعیدہ اماں کے کمرے میں روشنی نہیں تھی۔ وہ سو رہی تھیں۔ پورے گھر میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صحن میں بلب جل رہا تھا۔ ہلکی ہلکی دھند کی موجودگی بھی بلب کی روشنی میں محسوس کی جاسکتی تھی۔ صحن کی دیواروں کے ساتھ چڑھی سبز بیلیں سرخ اینٹوں کی دیواروں کے ساتھ بالکل ساکت تھیں۔ وہ وضو کرنے کے لئے صحن کے دوسری طرف موجود باتھ روم میں جانا چاہتی تھی مگر صحن میں جانے کے بجائے وہ برآمدے کے ستون کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اپنے سوئیٹر کی آستینوں کو اوپر کرتے ہوئے اس نے اپنی شرٹ کی آستینوں کے بٹن کھولتے ہوئے انہیں اوپر فولڈ کر دیا۔ چند لمحوں کے لئے اسے جھرجھری آئی۔ خنکی بہت زیادہ تھی پھر وہ ان بیلوں کو دیکھنے لگی۔ ایک بار پھر جلال انصر کے ساتھ شام کو ہونے والی ملاقات اسے یاد آرہی تھی مگر اس بار اس کی باتوں کی گونج اسے اشک بار نہیں کر رہی تھی۔

دستگیری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی

میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

تہ بہ تہ تیرگیاں ذہن پر جب ٹوٹتی ہیں

نور ہو جاتا ہے کچھ اور ہویدا تیرا

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا

اس کی دولت ہے فقط نقش کف پا تیرا

ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ گزرے ہوئے پچھلے ساڑھے آٹھ سالوں میں یہ آواز۔۔۔۔۔ اور یہ الفاظ اس کے ذہن سے کبھی معدوم نہیں ہوئے تھے اور پھر اسے کچھ دیر پہلے کے خواب میں سنائی دینے والی وہ دوسری آواز یاد آئی۔

"لبیک الھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمتہ لک والملک لاشریک لک۔"

وہ آواز مانوس اور شناسا تھی مگر جلال انصر کی آواز کے علاوہ وہ اور کسی آواز سے واقف نہیں تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس نے خواب میں دیکھے ہوئے اس منظر کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ مقام ملتزم، خانہ کعبہ کا کھلا دروازہ غلاف کعبہ کی وہ روشن آیات۔۔۔۔۔ وہ پر سکون، ٹھنڈی معطر رات۔۔۔۔۔ خانہ کعبہ کے دروازے سے پھوٹتی وہ دھودھیا روشنی اور سجدہ کرتا تلبیہ پڑھتا وہ مرد۔۔۔۔۔ امامہ نے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر تک وہ صحن میں اتری دھند میں نظریں جمائے اس آدمی کے بارے میں سوچتی رہی۔

اس آدمی کے برہنہ کندھے کی پشت پر ہلکے ہلکے بالوں کے زخم کا ایک مندمل شدہ نشان تھا۔ امامہ کو حیرت ہو رہی تھی۔ خواب کی اس طرح کی جزئیات اسے پہلے کبھی یاد نہیں رہی تھیں۔ اس نے زندگی میں پہلی بار خانہ کعبہ کو خواب میں دیکھا تھا اور وہاں بیٹھے اسے خواہش

ہوئی تھی کہ کاش وہ کبھی اسی طرح مسجد نبوی ﷺ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے کھڑی ہو اسی طرح مسجد نبوی ﷺ خالی ہو، وہاں صرف وہ ہو، وہ اندازہ نہیں کر سکی کہ وہ کتنی دیر وہاں اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ اپنے گرد و پیش میں تب لوٹی تھی جب سعیدہ اماں تہجد پڑھنے کے لئے وضو کرنے کی خاطر باہر صحن میں نکلی تھیں۔ امامہ کو وہاں اس وقت دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

"تمہارے سر کا درد کیسا ہے؟" اس کے پاس کھڑے ہو کر انہوں نے پوچھا۔

"اب تو درد نہیں ہے۔" امامہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"رات کو کھانا کھائے بغیر ہی سو گئی تھیں؟" وہ اس کے پاس برآمدے کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

وہ خاموش رہی۔ سعیدہ اماں ایک گرم اونی شال اوڑھے ہوئے تھیں۔ امامہ نے ان کے کندھے پر اپنا چہرہ ٹکا دیا۔ اس کے سن چہرے کو گرم شال سے ایک عجیب سی آسودگی کا احساس ہوا۔

"اب تم شادی کر لو آمنہ!۔" سعیدہ اماں نے اس سے کہا وہ اسی طرح گرم شال میں اپنا چہرہ چھپائے رہی۔ سعیدہ اماں پہلی بار یہ بات نہیں کہہ رہی تھیں۔

"آپ کر دیں۔" وہ ہمیشہ ان کی اس بات پر خاموشی اختیار کر لیتی تھی۔ کیوں؟ وجہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی لیکن آج پہلی بار وہ خاموش نہیں رہی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟" سعیدہ اماں اس کی بات پر حیران ہوئی تھیں۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" امامہ نے سر ان کے کندھے سے اٹھا لیا۔

"تمہیں کوئی پسند ہے؟" سعیدہ اماں نے اس سے پوچھا۔ وہ سر جھکائے صحن کے فرش کو دیکھ رہی تھی۔

"کوئی مجھے پسند ہے؟" "نہیں مجھے کوئی بھی پسند نہیں ہے۔" سعیدہ اماں کو اس کی آواز بھرائی ہوئی لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ کہتیں اس نے ایک بار پھر ان کی شال میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔

"تمہاری شادی ہو جائے تو میں بھی انگلینڈ چلی جاؤں گی۔"

انہوں نے اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے کہا اور اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے انہیں احساس ہوا کہ وہ ان کی شال میں منہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"آمنہ! آمنہ بیٹا کیا ہوا؟" انہوں نے پریشان ہو کر اس کا چہرہ اٹھانے کی کوشش کی۔

وہ کامیاب نہیں ہوئیں۔ وہ اسی طرح ان کے ساتھ لگ کر روتی رہی۔

"اللہ کے لئے۔۔۔۔۔کچھ تو بتاؤ، کیوں رو رہی ہو؟" وہ دل گرفتہ ہو گئیں۔

"کچھ نہیں بس۔۔۔۔۔بس ایسے ہی۔۔۔۔۔سر میں درد ہو رہا ہے۔" انہوں نے زبردستی اس کا گیلا چہرہ اوپر کیا تھا۔ وہ اب اپنی آستینوں سے چہرہ پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے سعیدہ اماں سے آنکھیں نہیں ملائی تھیں۔ سعیدہ اماں ہکا بکا اسے باتھ روم کی طرف جاتے دیکھتی رہیں۔

سعیدہ اماں اس کی شادی کی بات کرنے والی اکیلی نہیں تھیں۔ اس کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ڈاکٹر سبط علی نے ایک بار پھر اس سے شادی کا ذکر کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تب اس نے کیوں انکار کر دیا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اب آزاد تھی۔

"مجھے کچھ عرصہ جاب کر لینے دیں اس کے بعد میں شادی کر لوں گی۔" اس نے ڈاکٹر سبط علی سے کہا تھا۔ شاید یہ پچھلے کئی سالوں سے ڈاکٹر سبط علی پر مالی طور پر ایک بوجھ بننے کا احساس تھا، جس سے وہ نجات حاصل کرنا چاہتی تھی یا پھر کہیں اس کے لاشعور میں یہ چیز تھی کہ ڈاکٹر سبط علی کو اس کی شادی پر ایک بار پھر اخراجات کرنے پڑیں گے اور وہ یہ چاہتی

تھی کہ وہ ان اخراجات کے لئے خود کچھ جمع کرنے کی کوشش کر لے۔ اس نے یہ بات ڈاکٹر سبط علی کو نہیں بتائی تھی مگر اس نے ان سے جاب کی اجازت لے لی تھی۔

شاید وہ کچھ عرصہ ابھی مزید جاب کرتی رہتی، مگر جلال انصر سے اس ملاقات کے بعد وہ ایک تکلیف دہ ذہنی دھچکے سے دوچار ہوئی تھی اور اس نے یکدم سعیدہ اماں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ سعیدہ اماں نے ڈاکٹر سبط علی سے اس بات کا ذکر کیا یا نہیں مگر وہ خود ان دنوں مکمل طور پر اس کے لئے رشتے کی تلاش میں سرگرداں تھیں اور اس کوشش کا نتیجہ فہد کی صورت میں نکلا تھا۔

فہد ایک کمپنی میں اچھے عہدے پر کام کر رہا تھا اور اس کی شہرت بھی بہت اچھی تھی۔ فہد کے گھر والے اسے پہلی ہی بار دیکھ کر پسند کر گئے تھے اور اس کے بعد سعیدہ اماں نے ڈاکٹر سبط علی سے اس رشتے کی بات کی۔

ڈاکٹر سبط علی کو کچھ تامل ہوا۔۔۔۔۔شاید وہ اس کی شادی اب بھی اپنے جاننے والوں میں کرنا چاہتے تھے، مگر سعیدہ اماں کی فہد اور اس کے گھر والوں کی بے پناہ تعریفوں کے بعد اور فہد اور اس کے گھر والوں سے خود ملنے کے بعد انہوں نے سعیدہ اماں کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، البتہ انہوں نے فہد کے بارے میں بہت چھان بین کروائی تھی اور پھر وہ بھی مطمئن ہو گئے تھے۔

فہد کے گھر والے ایک سال کے اندر شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پھر اچانک انہوں نے چند ماہ کے اندر شادی پر اصرار کرنا شروع کر دیا۔ یہ صرف اتفاق ہی تھا کہ ڈاکٹر سبط علی اسی دوران اپنی کچھ مصروفیات کی وجہ سے انگلینڈ میں تھے جب فہد کے گھر والوں کے اصرار پر تاریخ طے کر دی گئی تھی۔ سعیدہ اماں فون پر ان سے مشورہ کرتی رہی تھیں اور ڈاکٹر سبط علی نے انہیں اپنا انتظار کرنے کے لئے کہا تھا۔ وہ فوری طور پر وہاں نہیں آ سکتے تھے، البتہ انہوں نے کلثوم آنٹی کو واپس پاکستان بھجوا دیا تھا۔

اس کی شادی کی تیاری کلثوم آنٹی اور مریم نے ہی کی تھی جو راولپنڈی سے کچھ ہفتوں کے لئے اپنی سسرال لاہور آ گئی تھی۔ ڈاکٹر سبط علی نے اس کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد فون پر اس سے طویل گفتگو کی تھی۔ ان کی تینوں بیٹیوں کی شادی ان کے اپنے خاندان میں ہی ہوئی تھی اور ان کے سسرال میں سے کسی نے بھی جہیز نہیں لیا تھا، مگر ڈاکٹر سبط علی نے تینوں بیٹیوں کے جہیز کے لئے مخصوص کی جانے والی رقم انہیں تحفتاً دے دی تھی۔

"ساڑھے آٹھ سال پہلے جب آپ میرے گھر آئی تھیں اور میں نے آپ کو اپنی بیٹی کہا تھا تو میں نے آپ کے لئے بھی کچھ رقم رکھی تھی۔ وہ رقم آپ کی امانت ہے۔ آپ اسے ویسے لے لیں یا پھر میں مریم اور کلثوم سے کہہ دوں گا کہ وہ آپ کے جہیز کی تیاری پر اسے خرچ

کریں۔ سعیدہ آپا کی خواہش تھی کہ شادی ان کے گھر پر ہو ورنہ میں چاہتا تھا کہ یہ شادی میرے گھر پر ہو۔ آپ کے گھر پر۔۔۔۔۔" انہوں نے اس سے کہا تھا۔

"مجھے اس بات پر بہت رنج ہے کہ میں اپنی چوتھی بیٹی کی شادی میں شرکت نہیں کر سکوں گا مگر شاید اس میں ہی کوئی بہتری ہے۔ میں پھر بھی آخری وقت تک کوشش کروں گا کہ کسی طرح شادی پر آ جاؤں۔"

وہ ان کی باتوں کے جواب میں بالکل خاموش رہی تھی۔ اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا نہ ہی یہ اصرار کیا تھا کہ وہ اپنی شادی پر اپنی رقم خرچ کرے گی اور نہ ہی یہ کہ وہ شادی ان کی رقم سے نہیں کرنا چاہتی۔ اس دن اس کا دل چاہا ان کا ایک اور احسان لینے کو۔ وہ اس پر اتنے احسان کر چکے تھے کہ اب اسے ان احسانوں کی عادت ہونے لگی تھی۔ اسے صرف ان سے ایک گلہ تھا وہ آخر اس کی شادی میں شرکت کیوں نہیں کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہد کے گھر والوں کا اصرار تھا کہ شادی سادگی سے ہو اور اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ امامہ خود بھی شادی سادگی سے کرنا چاہتی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ فہد کے گھر والوں کا سادگی پر اصرار دراصل کچھ اور وجوہات کی بناء پر تھا۔

اس کا نکاح مہندی والی شام کو ہونا تھا، مگر اس شام کو سہ پہر کے قریب فہد کے گھر والوں کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی کہ نکاح اگلے دن یعنی شادی والے دن ہی ہوگا۔ تب تک اسے یا سعیدہ اماں کو کوئی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ فہد کے گھر میں کوئی مسئلہ تھا۔ مہندی کی ویسے بھی کوئی لمبی چوڑی تقریب نہیں تھی۔ صرف سعیدہ اماں کے بہت قریبی لوگ تھے یا پھر نزدیکی ہمسائے۔ نکاح کی تقریب کے لئے جس کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا وہ ان لوگوں کو سرو کر دیا گیا۔

شادی کی تقریب بھی سادگی سے گھر پر ہی ہونی تھی۔ چار بجے بارات کو آنا تھا اور چھ بجے رخصتی ہونی تھی۔ لیکن بارات آنے سے ایک گھنٹہ پہلے فہد کے گھر والوں نے سعیدہ اماں کو فہد کی روپوشی کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے اس رشتے سے معذرت کر لی۔

امامہ کو چار بجے تک اس سارے معاملے کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ فہد کے گھر سے عروسی لباس پہلے بھجوا دیا گیا تھا اور وہ اس وقت وہ لباس پہنے تقریباً تیار تھی جب مریم اس کے کمرے میں چلی آئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ اس نے امامہ کو کپڑے تبدیل کرنے کے لئے

کہا، اس نے امامہ کو فوری طور پر یہ نہیں بتایا تھا کہ فہد کے گھر والے انکار کر کے جا چکے تھے۔ اس نے امامہ سے صرف یہی کہا کہ فہد کے گھر والوں نے شادی کینسل کر دی ہے اس کے گھر میں کسی قریبی عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ یہ بتا کر بہت افراتفری میں کمرے سے باہر نکل گئی۔ امامہ نے کپڑے تبدیل کر لئے لیکن اس وقت اس کی چھٹی حس نے اسے اس پریشانی سے آگاہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے مریم کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی اور باہر موجود لوگوں کے تاثرات نے اس کے تمام شبہات کی تصدیق کر دی تھی۔ وہ سعیدہ اماں کے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ کلثوم آنٹی، میمونہ نورالعین آپا۔۔۔۔۔۔ ہمسائے میں رہنے والی چند عورتیں، مریم اور سعیدہ اماں۔۔۔۔ مریم، سعیدہ اماں کو پانی پلا رہی تھی۔ وہ بہت نڈھال نظر آ رہی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے اس کے دل کی دھڑکن رکی۔ انہیں کیا ہوا تھا۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی سب کی نظریں اس پر پڑیں۔ میمونہ آپا اس کی طرف تیزی سے بڑھیں۔

"آمنہ! تم باہر جاؤ۔" انہوں نے اسے ساتھ لے جانے کی کوشش کی۔

"اماں کو کیا ہوا ہے؟" وہ ان کی طرف بڑھ گئی۔ کلثوم آنٹی نے کمرے میں موجود لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ وہ سعیدہ اماں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"انہیں کیا ہوا ہے؟" اس نے بے تابی سے مریم سے پوچھا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ سعیدہ اماں کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ امامہ کو دیکھ رہی تھیں مگر اسے یوں لگا جیسے وہ اس وقت اسے دیکھ نہیں پا رہیں۔ گلاس ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے انہوں نے اسے ساتھ لگا کر رونا شروع کر دیا۔

کمرہ خالی ہو چکا تھا۔ صرف ڈاکٹر سبط علی کی فیملی وہاں تھی۔

"کیا ہوا ہے اماں؟ مجھے بتائیں۔" امامہ نے انہیں نرمی سے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"فہد نے اپنے گھر والوں کو بتائے بغیر گھر سے جا کر کسی اور سے شادی کر لی ہے۔" مریم نے مدھم آواز میں کہا۔ "وہ لوگ کچھ دیر پہلے معذرت کرنے آئے تھے۔ وہ لوگ یہ رشتہ ختم کر گئے ہیں۔"

چند منٹ تک وہ بالکل ساکت رہی تھی۔ خون کی گردش، دل کی دھڑکن، چلتی ہوئی سانس۔۔۔۔۔ چند سیکنڈز سب کچھ جیسے رک گیا تھا۔

"کیا میرے ساتھ یہ بھی ہونا تھا؟" اس نے بے اختیار سوچا۔

"کوئی بات نہیں اماں! آپ کیوں رو رہی ہیں؟" اس نے بڑی سہولت سے سعیدہ اماں کے آنسو صاف کیے۔ سب کچھ ایک بار پھر بحال ہو گیا تھا سوائے اس کی رنگت کے وہ فق تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔" سعیدہ اماں کو اس کی باتوں پر اور رونا آیا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔۔" امامہ نے انہیں بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"اماں! چھوڑیں ناں۔ کوئی بات نہیں، آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ لیٹ جائیں، کچھ دیر آرام کر لیں۔" وہ انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں تمہارے دل کی حالت کو سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے غم کو جانتی ہوں۔ آمنہ! میری بچی مجھے معاف کر دو۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔" انہیں تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔

"مجھے کوئی غم نہیں ہے اماں! کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سعیدہ اماں سے کہا۔

سعیدہ اماں یکدم روتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

امامہ کسی سے کوئی بات کہے بغیر ایک بار پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس کے بیڈ پر تمام چیزیں اسی طرح پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے انہیں سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس وقت وہاں بیٹھی رو رہی ہوتی مگر وہ غیر معمولی طور پر پرسکون تھی۔

"اگر میں جلال کے نہ ملنے پر صبر کر سکتی ہوں تو یہ تو پھر ایک ایسا شخص تھا جس کے ساتھ میری کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی۔" اس نے اپنے عروسی لباس کو تہ کرتے ہوئے سوچا۔

"زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا، یہاں بھی لوگوں کے سامنے نظریں چرا کر اور سر جھکا کر چلنا پڑے گا۔ کچھ باتیں اور بے عزتی برداشت کرنی پڑے گی تو پھر کیا ہوا۔ اس میں میرے لئے نیا کیا ہے۔"

مریم کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے ساتھ چیزیں سمیٹنے لگی۔

"ابو کو فون کر دیا ہے۔" اس نے امامہ کو بتایا۔

وہ پہلی بار کچھ جھنجھلائی۔

"کیوں خوامخواہ تم لوگ انہیں تنگ کر رہے ہو۔ انہیں وہاں سکون سے رہنے دو۔"

"اتنا بڑا حادثہ ہو گیا ہے اور تم۔۔۔۔۔"

اس نے مریم کی بات کاٹ دی۔

"مریم میری زندگی میں اس سے بڑے حادثے ہو چکے ہیں۔ یہ کیا معنی رکھتا ہے۔ مجھے تکلیف سہنے کی عادت ہو چکی ہے۔ تم سعیدہ اماں کو تسلی دو۔ مجھے کچھ نہیں ہوا میں بالکل ٹھیک ہوں اور ابو کو بھی خوامخواہ تنگ نہ کرو۔ وہ وہاں پریشان ہوں گے۔"

مریم کو چیزیں سمیٹتے ہوئے وہ ابنارمل لگی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی۔ کلثوم آنٹی، سعیدہ اماں کے ساتھ یکدم اندر آ گئیں۔ امامہ کو ان دونوں کے چہرے بہت عجیب لگے۔ کچھ دیر پہلے کے برعکس وہ دونوں بے حد خوش نظر آ رہی تھیں۔ اس کے کسی سوال سے پہلے کلثوم آنٹی نے اسے سالار کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ وہ دم بخود ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو تمہارا نکاح اس سے کر دیا جائے؟" آنٹی نے اس سے پوچھا۔

"سبط علی اسے بہت اچھی طرح جانتے تھے، وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔" وہ اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"اگر ابو اسے جانتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ جیسا بہتر سمجھیں کریں۔"

"اس کا ایک دوست تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔" وہ اس مطالبے پر کچھ حیران ہوئی تھی مگر اس نے فرقان سے ملنے سے انکار نہیں کیا۔

"میرے دوست نے آٹھ نو سال پہلے ایک لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اپنی پسند سے۔"

وہ چپ چاپ فرقان کو دیکھتی رہی۔

"وہ آپ سے شادی پر تیار ہے، مگر وہ اس لڑکی کو طلاق دینا نہیں چاہتا۔ کچھ وجوہات کی بنا پر وہ لڑکی اس کے ساتھ نہیں رہی لیکن وہ اب بھی اسے اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو یہ سب بتا دوں تا کہ اگر آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہو تو اس بات کو یہیں ختم کر دیں گے لیکن میں آپ سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ شاید وہ لڑکی اسے کبھی بھی نہ ملے، آٹھ نو سال سے اس کا میرے دوست کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے۔ یہ ایک موہوم سی امید ہے، جس پر وہ اس کا انتظار کر رہا ہے۔ ڈاکٹر سبط علی صاحب آپ کو اپنی بیٹی سمجھتے ہیں اور اس حوالے سے آپ میری بہن کی طرح ہیں۔ اس وقت اس صورت حال سے نکلنے کے لئے یہی بہتر ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔ وہ لڑکی اسے کبھی بھی نہیں ملے گی کیونکہ نہ تو وہ اسے پسند کرتی تھی نہ ہی آج تک اس نے اس سے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر اتنا لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔"

وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"دوسری بیوی۔۔۔۔۔ تو امامہ ہاشم یہ ہے تمہاری وہ تقدیر جواب تک تم سے پوشیدہ تھی۔" اس نے سوچا۔

"اگر ڈاکٹر سبط علی اس شخص کے بارے میں یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کو میرے لئے منتخب کر رہے ہیں تو ہو سکتا ہے میرے لئے یہی بہتر ہو۔ میں جلال کی بھی تو دوسری بیوی بننے کے لئے تیار تھی، اس سے محبت کرنے کے باوجود۔۔۔۔۔ اور اس شخص کی بیوی بننے پر مجھے کیا اعتراض ہو گا جس سے مجھے محبت بھی نہیں ہے۔"

اسے ایک بار پھر جلال یاد آیا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ان کی بیوی جب بھی آئے وہ اسے رکھ سکتے ہیں۔ میں بڑی خوشی سے ان کو یہ اجازت دیتی ہوں۔" مدھم آواز میں کسی ملال کے بغیر اس نے فرقان سے کہا۔

پندرہ منٹ بعد اسے پہلا شاک اس وقت لگا تھا جب نکاح خواں نے اس کے سامنے سالار سکندر کا نام لیا تھا۔

"سالار سکندر۔۔۔۔۔ولد سکندر عثمان۔" اسے نکاح خواں کے منہ سے نکلنے والے لفظوں سے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ وہ نام ایسے نہیں تھے جو ہر شخص کے ہوتے۔

"سالار سکندر۔۔۔۔۔سکندر عثمان؟ اور پھر اس ترتیب میں۔۔۔۔۔کیا۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔شخص زندہ۔۔۔۔۔ہے؟"

اس کے سر پر جیسے آسمان آ گرا تھا۔ اس کے چہرے پر چادر کا گھونگھٹ نہ ہوتا تو اس وقت اس کے چہرے کے تاثرات نے سب کو پریشان کر دیا ہوتا۔ نکاح خواں اپنے کلمات دوبارہ دہرا رہا تھا۔

امامہ کا ذہن ماؤف اور دل ڈوب رہا تھا اگر یہ شخص زندہ تھا تو۔۔۔۔۔میں تو اب تک اس کے نکاح میں ہوں۔ میرے خدا۔۔۔۔۔یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر سبط علی اسے کیسے جانتے ہیں۔ اس کے ذہن میں ایک فشار برپا تھا۔

"آمنہ۔۔۔۔۔بیٹا! ہاں کہو۔" سعیدہ اماں نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"سالار سکندر جیسے شخص کے لئے ہاں۔۔۔۔۔؟"

اس کا دل کسی نے اپنی مٹھی میں لے کر بھینچا۔۔۔۔۔وہ "ہاں" کے علاوہ اس وقت کچھ اور کہہ ہی نہ سکتی تھی۔ خوف اور شاک کے عالم میں اس نے کاغذات پر دستخط کئے تھے۔

"کاش کوئی معجزہ ہو۔ یہ وہ سالار سکندر نہ ہو۔ یہ سب ایک اتفاق ہو۔" اس نے اللہ سے دعا کی تھی۔

ان سب لوگوں کے کمرے سے چلے جانے کے بعد مریم نے اس کے چہرے سے چادر ہٹا دی۔ اس کے چہرے کا رنگ بالکل سفید ہو چکا تھا۔

"کیا ہوا؟ مریم کی تشویش میں اضافہ ہو گیا۔ وہ سمجھ نہیں سکی۔ وہ اس سے کیا کہہ رہی تھی۔ اس کا ذہن کہیں اور تھا۔

"مریم Just do me a favour!" اس نے مریم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں نے نکاح کر لیا ہے، مگر میں آج رخصتی نہیں چاہتی۔ تم سعیدہ اماں سے کہو میں ابھی رخصتی نہیں چاہتی۔"

اس کے لہجے میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا کہ مریم اٹھ کر باہر نکل گئی وہ بہت جلد ہی واپس آگئی۔

"امامہ رخصتی نہیں ہو رہی ہے۔ سالار بھی رخصتی نہیں چاہتا۔

امامہ کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کچھ کم ہو گئی۔

"ابو کا فون آنے والا ہے تمہارے لئے، وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے امامہ کو مزید اطلاع دی۔ وہ فون سننے کے لئے دوسرے کمرے میں آگئی۔ انہوں نے کچھ دیر بعد اسے فون کیا تھا۔ وہ اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ امامہ کا دل رونے کا چاہا۔

"سالار بہت اچھا انسان ہے۔" وہ کہہ رہے تھے۔ "میری خواہش تھی کہ آپ کی شادی اسی سے ہو مگر چونکہ آپ سعیدہ آپا کے پاس رہ رہی تھیں اس لئے میں نے ان کی خواہش اور انتخاب کو مقدم سمجھا۔"

وہ سانس لینے تک کے قابل نہیں رہی تھی۔

"مجھے یہ علم نہیں تھا کہ سالار نے اس سے پہلے کبھی شادی کی تھی مگر تھوڑی دیر پہلے فرقان نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے۔ وہ صرف ضرورتاً کیا جانے والا کوئی نکاح تھا۔ فرقان نے مجھے تفصیل نہیں بتائی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میرے جاننے والوں میں سالار سے اچھا کوئی شخص ہوتا تو اس کے نکاح کے بارے میں جان لینے کے بعد میں آپ کی شادی سالار سے کرنے کے بجائے کہیں اور کر دیتا لیکن میرے ذہن میں سالار کے علاوہ اور کوئی آیا ہی نہیں۔ آپ خاموش کیوں ہیں آمنہ؟"

انہیں بات کرتے کرتے اس کا خیال آیا۔

"ابو! آپ واپس کب آئیں گے؟"

"میں ایک ہفتے تک آ رہا ہوں۔" ڈاکٹر سبط علی نے کہا۔

"مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ مجھے آپ کو بہت کچھ بتانا ہے۔"

"آپ خوش نہیں ہیں؟" ڈاکٹر سبط علی کو اس کے لہجے نے پریشان کیا۔

"آپ پاکستان آجائیں پھر میں آپ سے بات کروں گی۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔



وہ رات کو سونے سے پہلے وضو کے لئے باتھ روم میں گئی۔ وضو کر کے واپس آتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ صحن میں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ گھر میں اس وقت کوئی مہمان نہیں تھا۔ وہ اور سعیدہ اماں ہمیشہ کی طرح تنہا تھے۔ سعیدہ اماں تھکاوٹ کی وجہ سے بہت جلد سو گئی تھیں۔ وہ ملازمہ کے ساتھ گھر میں موجود کام نبٹاتی رہی۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ملازمہ بھی اپنا کام ختم کر کے سونے کے لئے چلی گئی۔ وہ شادی کے کاموں کی وجہ سے پچھلے کچھ دنوں سے وہیں رہ رہی تھی۔ امامہ کچن اور اپنے کمرے کے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام نپٹاتی رہی۔

وہ جس وقت ان سب کاموں سے فارغ ہوئی اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ وہ بہت تھک چکی تھی مگر سونے سے پہلے وضو کرنے کے بعد صحن سے گزرتے ہوئے یکدم ہی اس کا دل اپنے کمرے میں جانے کو نہیں چاہا۔ وہ وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی۔ صحن میں جلنے والی روشنیوں میں اس نے اپنے ہاتھ اور کلائیوں پر لگی ہوئی مہندی کو دیکھا۔ مہندی بہت اچھی رچی تھی۔ اس کے ہاتھ کہنیوں تک سرخ بیل بوٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے کل بہت سالوں کے بعد پہلی بار بڑے شوق سے مہندی لگوائی تھی۔ اسے مہندی بہت پسند تھی۔ تہواروں کے علاوہ بھی وہ اکثر اپنے ہاتھوں پر مہندی لگایا کرتی تھی مگر ساڑھے آٹھ سال پہلے اپنے گھر سے نکل آنے کے بعد اس نے کبھی مہندی نہیں لگائی تھی۔ غیر محسوس طور پر ان تمام چیزوں سے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی مگر ساڑھے آٹھ سال کے بعد پہلی بار اس نے بڑے شوق سے اپنے ہاتھوں پر نقش و نگار بنوائے تھے نہ صرف ہاتھوں پر بلکہ پیروں پر بھی۔

وہ اپنے پیروں کو دیکھنے لگی۔ شال کو اپنے گرد لپیٹتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو اس کے نیچے چھپالیا۔

"اسجد سے جلال۔۔۔۔۔ جلال سے فہد۔۔۔۔۔ اور فہد سے سالار۔۔۔۔۔ ایک شخص کو میں نے رد کیا۔ دو نے مجھے رد کیا اور چوتھا شخص جو میری زندگی میں شامل ہوا وہ سب سے بدترین ہے۔۔۔۔۔ سالار سکندر۔"

اس کے اندر دھواں سا بھر گیا۔ وہ اپنے اسی حلیے کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔ کھلا گریبان، گلے میں لٹکتی زنجیر، ہیر بینڈ میں بندھے بال، چبھتی ہوئی تضحیک آمیز نظریں، دائیں گال پر مذاق اڑاتی مسکراہٹ کے ساتھ پڑنے والا ڈمپل، کلائیوں میں لٹکتے بینڈز اور بریسلٹ، عورتوں کی تصویروں والی تنگ جینز۔

وہ جیسے اس کی زندگی کے سب سے خوبصورت خواب کی سب سے بھیانک تعبیر بن کر سامنے آیا تھا۔ اس کے دل میں سالار سکندر کے لئے ذرہ برابر عزت نہ تھی۔

"میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں مگر میں اتنی بری نہیں ہوں کہ تمہارے جیسا برا مرد میری زندگی میں آئے۔" اس نے کئی سال پہلے فون پر اس سے کہا تھا۔

"شاید اسی لئے جلال نے بھی تم سے شادی نہیں کی کیونکہ نیک مردوں کے لئے نیک عورتیں ہوتی ہیں، تمہارے جیسی نہیں۔"

سالار نے جواباً کہا تھا۔ امامہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"چاہے کچھ ہو جائے سالار! میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ تم واقعی مر جاتے تو زیادہ اچھا تھا۔" وہ بڑبڑائی تھی۔

اس وقت ایک لمحے کے لئے بھی اسے خیال نہیں آیا تھا کہ سالار نے کبھی اس پر کوئی احسان کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر سبط علی جس رات پاکستان واپس آئے تھے اس رات امامہ ان کے گھر پر ہی تھی مگر رات کو اس نے ان سے سالار کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مریم ابھی لاہور میں ہی تھی اس لئے وہ سب آپس میں خوش گپیوں میں مصروف رہے۔

اگلے دن صبح بھی وہ سب اسی طرح اکٹھے بیٹھے باتیں کرتے رہے، وہ امامہ کو ان تحائف کے بارے میں بتاتے رہے جو وہ انگلینڈ سے امامہ اور سالار کے لئے لے کر آئے تھے۔ امامہ خاموشی سے سنتی رہی۔

"سالار بھائی کو تو آج افطاری پر بلائیں۔" یہ مریم کی تجویز تھی۔

ڈاکٹر سبط علی نے مریم کے کہنے پر سالار کو فون کیا۔ امامہ تب بھی خاموش رہی۔

وہ دوپہر کی نماز پڑھنے کے لئے باہر جانے لگے تو امامہ ان کے ساتھ باہر پورچ تک آگئی۔

"ابو! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"ابھی؟" ڈاکٹر سبط علی نے حیرانی سے کہا۔

"نہیں، آپ نماز پڑھ آئیں پھر واپسی پر۔"

وہ کچھ دیر تشویش سے اسے دیکھتے رہے اور پھر کچھ کہے بغیر باہر چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں سالار سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔" وہ مسجد سے واپسی پر اسے لے کر اپنی اسٹڈی میں آگئے تھے اور امامہ نے بلا کسی تمہید یا توقف کے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

"آمنہ!" وہ دم بخود رہ گئے۔

"میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" وہ مسلسل فرش پر غور کر رہی تھی۔

"آمنہ! آپ کے ساتھ اس کی دوسری شادی ضرور ہے لیکن اس کی پہلی بیوی کا کوئی پتا نہیں ہے۔ فرقان بتا رہا تھا کہ تقریباً نو سال سے ان دونوں میں کوئی رابطہ نہیں ہے اور شادی بھی نہیں، صرف نکاح ہوا تھا۔"

ڈاکٹر سبط علی اس کے انکار کو پہلی شادی کے ساتھ جوڑ رہے تھے۔

"کون جانتا ہے وہ کہاں ہے، کہاں نہیں۔ نو سال بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے۔"

"میں اس کی پہلی بیوی کو جانتی ہوں۔" اس نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔

"آپ؟" ڈاکٹر سبط علی کو یقین نہیں آیا۔

"وہ میں ہوں۔" اس نے پہلی بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

وہ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

"آپ کو یاد ہے نو سال پہلے میں ایک لڑکے کے ساتھ اسلام آباد سے لاہور آئی تھی جس کے بارے میں آپ نے مجھے بعد میں بتایا تھا کہ میری فیملی نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی ہے۔"

"سالار سکندر۔۔۔۔" ڈاکٹر سبط علی نے بے اختیار اس کی بات کاٹی۔

"یہ وہی سالار سکندر ہے؟" امامہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جیسے شاک میں تھے۔ سالار سکندر سے ان کی فرقان کے توسط سے پہلی ملاقات امامہ کے گھر سے چلے آنے کے چار سال بعد ہوئی تھی اور ان کے ذہن میں کبھی یہ نہیں آیا کہ اس سالار کا امامہ سے کوئی تعلق ہو سکتا تھا۔ چار سال پہلے سنے جانے والے ایک نام کو وہ چار سال بعد ملنے والے ایک دوسرے شخص کے ساتھ منتھی نہیں کر سکتے تھے اور کر بھی دیتے اگر وہ چار سال پہلے والے سالار سے ہی ملتے مگر وہ جس شخص سے ملے تھے، وہ حافظ قرآن تھا۔ اس کے انداز اطوار اور گفتار میں کہیں اس ذہنی مرض کا عکس نہیں پایا جاتا تھا جس کا حوالہ انہیں امامہ نے کئی بار دیا تھا۔ ان کا دھوکا کھا جانا ایک فطری امر تھا یا پھر یہ سب اسی طرح سے طے کیا گیا تھا۔

"اور آپ نے نو سال پہلے اس سے شادی کی تھی؟" وہ ابھی بھی بے یقینی کا شکار تھے۔

"صرف نکاح۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"اور پھر اس نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ ڈاکٹر سبط علی بہت دیر خاموش رہے تھے پھر انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے تھا آمنہ! میں آپ کی مدد کر سکتا تھا۔"

امامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مجھے آپ پر اعتبار کر لینا چاہیے تھا مگر اس وقت میرے لئے یہ بہت مشکل تھا۔ آپ کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ میں اس وقت کس ذہنی کیفیت سے گزر رہی تھی یا پھر شاید میری قسمت میں یہ آزمائش بھی لکھی تھی اسے آنا ہی تھا۔"

وہ بات کرتے کرتے رکی پھر اس نے نم آنکھوں کے ساتھ سر اٹھا کر ڈاکٹر سبط علی کو دیکھا اور مسکرانے کی کوشش کی۔

"لیکن اب تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تو آپ طلاق لینے میں میری مدد کر سکتے ہیں۔"

"نہیں، میں اب اس طلاق میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ آمنہ! میں نے اس سے آپ کی شادی کروائی ہے۔" انہوں نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"اسی لئے تو میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔ آپ اس سے مجھے طلاق دلوا دیں۔"

"لیکن کیوں، میں کیوں اس سے آپ کو طلاق دلوا دوں؟"

"کیونکہ۔۔۔۔ کیونکہ وہ ایک۔۔۔۔ اچھا آدمی نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنی زندگی کو سالار جیسے آدمی کے ساتھ گزارنے کا نہیں سوچا۔ ہم دو مختلف دنیاؤں کے لوگ ہیں۔" وہ بے حد دلبرداشتہ ہو رہی تھی۔

"میں نے کبھی اللہ سے شکایت نہیں کی ابو! میں نے کبھی اللہ سے شکایت نہیں کی مگر اس بار مجھے اللہ سے بہت شکایت ہے۔"

وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"میں اتنی محبت کرتی ہوں اللہ سے۔۔۔۔ اور دیکھیں اللہ نے میرے ساتھ کیا کیا۔ میرے لئے دنیا کے سب سے برے آدمی کو چنا۔"

وہ اب رو رہی تھی۔

"لڑکیاں اتنا کچھ مانگتی ہیں۔۔۔۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں مانگا، صرف ایک "صالح آدمی" مانگا تھا۔ اس نے مجھے وہ تک نہیں دیا۔ کیا اللہ نے مجھے کسی صالح آدمی کے قابل نہیں سمجھا۔" وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

"امامہ! وہ صالح آدمی ہے۔"

"آپ کیوں اسے صالح آدمی کہتے ہیں؟ وہ صالح آدمی نہیں ہے۔ میں اس کو جانتی ہوں، میں اس کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"میں بھی اس کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"آپ اس کو اتنا نہیں جانتے جتنا میں جانتی ہوں۔ وہ شراب پیتا ہے، وہ نفسیاتی مریض ہے کئی بار خودکشی کی کوشش کر چکا ہے۔ گریبان کھلا چھوڑ کر پھرتا ہے۔ عورت کو دیکھ کر اپنی نظر تک نیچی رکھنا نہیں جانتا اور آپ کہتے ہیں وہ صالح آدمی ہے؟"

"امامہ! میں اس کے ماضی کو نہیں جانتا، میں اس کے حال کو جانتا ہوں۔ وہ ان میں سے کچھ بھی نہیں جو آپ کہہ رہی ہیں۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرتا۔ وہ جھوٹا مکار ہے میں اس کو جانتی ہوں۔"

"وہ ایسا نہیں ہے۔"

"ابو! وہ ایسا ہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے اسے واقعی آپ سے محبت ہو۔ وہ آپ کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہو۔"

"مجھے ایسی محبت کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اس کی نظروں سے گھن آتی ہے۔ مجھے اس کے کھلے گریبان سے گھن آتی ہے۔ میں ایسے کسی آدمی کی محبت نہیں چاہتی۔ وہ بدل نہیں سکتا۔ ایسے لوگ کبھی نہیں بدلتے۔ وہ صرف اپنے آپ کو چھپا لیتے ہیں۔"

"نہیں، سالار ایسا کچھ نہیں کر رہا۔"

"ابو! میں سالار جیسے کسی شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ ہر چیز کا مذاق اڑاتا ہے۔ مذہب کا، زندگی کا، عورت کا۔۔۔۔ کیا ہے جسے وہ چٹکیوں میں اڑانا نہیں جانتا۔ جس شخص کے نزدیک میرا اپنے مذہب کو چھوڑ دینا ایک حماقت ہے، جس کے نزدیک مذہب پر بات کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے جو صرف "What is next to ecstasy" کا مطلب جاننے کے لئے خودکشیاں کرتا پھرتا ہو، جس کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف عیش ہے۔ وہ میرے ساتھ محبت کرے بھی تو کیا صرف محبت کی بنیاد پر میں اس کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہوں؟ میں نہیں گزار سکتی۔"

"ساڑھے آٹھ سال سے وہ آپ کے ساتھ قائم ہونے والے اس اتفاقیہ رشتے کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ آپ کو آپ کے تمام نظریات اور عقائد کو جانتے ہوئے بھی اور وہ آپ کے انتظار میں بھی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ آپ اس کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جائیں گی۔ کیا ان ساری خواہشوں کے ساتھ اس نے اپنے اندر کچھ تبدیلی نہیں کی ہو گی؟"

"میں نے اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی۔ میں نے اس کے ساتھ نہیں رہنا۔" وہ اب بھی اپنی بات پر مصر تھی۔ "مجھے حق ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ نہ رہوں۔"

"لیکن اللہ یہ کیوں کر رہا ہے کہ اس شخص کو بار بار آپ کے سامنے لا رہا ہے۔ دو دفعہ آپ کا نکاح ہوا اور دونوں دفعہ اسی آدمی سے۔"

وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"میں نے زندگی میں ضرور کوئی گناہ کیا ہو گا، اس لیے میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آمنہ! آپ کبھی ضد نہیں کرتی تھیں پھر اب کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" ڈاکٹر سبط علی حیران تھے۔

"آپ مجھے مجبور کریں گے تو میں آپ کی بات مان لوں گی کیونکہ آپ کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں تو آپ کی کسی بات کو رد کر ہی نہیں سکتی لیکن آپ اگر یہ کہیں گے کہ میں اپنی مرضی اور خوشی کے ساتھ اس کے ساتھ زندگی گزاروں تو وہ میں کبھی نہیں کر سکوں گی۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ کتنا تعلیم یافتہ ہے، کتنے اچھے عہدے پر کام کر رہا ہے یا مجھے کیا دے سکتا ہے۔ آپ ایک ان پڑھ آدمی سے شادی کر دیتے لیکن وہ اچھا انسان ہوتا تو میں کبھی آپ سے شکوہ نہیں کرتی لیکن سالار، وہ آنکھوں دیکھی مکھی ہے جس کو میں اپنی خوشی سے نگل نہیں سکتی۔ آپ سالار کے بارے میں وہ جانتے ہیں جو آپ نے سنا ہے۔ میں اس کے بارے میں وہ جانتی ہوں جو میں نے دیکھا ہے۔ ہم پندرہ سال ایک دوسرے کے ہمسائے رہے ہیں۔ آپ تو اس کو چند سالوں سے جانتے ہیں۔"

"آمنہ! میں آپ کو مجبور کبھی نہیں کروں گا۔ یہ رشتہ آپ اپنی خوشی سے قائم رکھنا چاہیں گی تو ٹھیک لیکن صرف میرے کہنے پر اسے قائم رکھنا چاہو تو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ایک بار سالار سے مل لیں پھر بھی اگر آپ کا یہی مطالبہ ہوا تو میں آپ کی بات مان لوں گا۔"

ڈاکٹر سبط علی بے حد سنجیدہ تھے۔

اسی وقت ملازم نے آ کر سالار کے آنے کی اطلاع دی۔ ڈاکٹر سبط علی نے اپنی گھڑی پر ایک نظر دوڑائی اور ملازم سے کہا۔

"انہیں اندر لے آؤ۔"

"یہاں؟" ملازم حیران ہوا۔

"ہاں یہیں پر۔" ڈاکٹر سبط علی نے کہا۔

امامہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ابھی اس طرح اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

اس کا اشارہ اپنی متورم آنکھوں اور سرخ چہرے کی طرف تھا۔

"آپ نے ابھی تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ آپ اسے دیکھ لیں۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں اس سے کہا۔

"یہاں نہیں، میں اندر کمرے میں سے اسے دیکھ لوں گی۔"

وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ اس نے اسے بند نہیں کیا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ ادھ کھلے دروازے سے لاؤنج سے آنے والی روشنی اتنی کافی نہیں تھی کہ کمرے کے اندر اچھی طرح سے دیکھا جاسکتا۔ وہ اپنے بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔

اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے اپنی انگلیوں سے اپنی آنکھوں کو مسلا۔ وہ جہاں بیٹھی تھی وہاں سے وہ لاؤنج کو بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ نو سال کے بعد اس نے ادھ کھلے دروازے سے لاؤنج میں نمودار ہوتے اس شخص کو دیکھا۔ جیسے وہ ایک طویل عرصہ پہلے مردہ سمجھ چکی تھی جس سے زیادہ نفرت اور گھن اسے کبھی کسی سے محسوس نہیں ہوئی تھی جسے وہ بدترین لوگوں میں سے ایک سمجھتی تھی اور جس کے نکاح میں وہ پچھلے کئی سالوں سے تھی۔

تقدیر کیا اس کے علاوہ کسی اور چیز کو کہتے ہیں؟

اپنی آنکھوں میں اترتی دھند کو انگلیوں کی پوروں سے صاف کیا۔ ڈاکٹر سبط علی اس سے گلے مل رہے تھے۔ اس کی پشت امامہ کی طرف تھی۔ اس نے معانقہ کرنے سے پہلے ہاتھ میں

پکڑے ہوئے پھول اور ایک پیکٹ سینٹر ٹیبل پر رکھا تھا۔ معانقے کے بعد وہ صوفے پر بیٹھ گیا اور تب پہلی بار امامہ نے اس کا چہرہ دیکھا۔

کھلا گریبان، گلے میں لٹکتی زنجیریں، ہاتھوں میں لٹکتے بینڈز، ربربینڈ میں بندھے بالوں کی پونی، وہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ وہ کریم کلر کے ایک سادہ شلوار سوٹ پہ واسکٹ پہنے ہوئے تھا۔

"ہاں ظاہر طور پر بہت بدل گیا ہے۔" اسے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی یقین نہیں کر سکتا کہ یہ کبھی۔۔۔۔۔اس کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وہ اب ڈاکٹر سبط علی سے باتیں کر رہا تھا۔ ڈاکٹر سبط علی اسے شادی کی مبارک باد دے رہے تھے۔ وہ وہاں بیٹھی ان دونوں کی آوازیں باآسانی سن سکتی تھی اور وہ ڈاکٹر سبط علی کے استفسار پر انہیں امامہ کے ساتھ ہونے والے اپنے نکاح کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ اپنے پچھتاوے کا اظہار کر رہا تھا کہ کس طرح اس نے جلال کی شادی کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا۔ کس طرح اس نے طلاق کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا۔

"میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اتنی تکلیف کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ وہ میرے ذہن سے نکلتی ہی نہیں۔"

وہ دھیمے لہجے میں ڈاکٹر سبط علی کو بتا رہا تھا۔

"بہت عرصے تو میں ابنارمل رہا۔اس نے مجھ سے حضرت محمد ﷺ کے واسطے مدد مانگی تھی۔یہ کہہ کر کہ میں ایک مسلمان ہوں، ختم نبوت پر یقین رکھنے والا مسلمان۔میں دھوکا نہیں دوں گا اسے اور میری پستی کی انتہا دیکھیں کہ میں نے اسے دھوکا دیا۔یہ جاننے کے باوجود کہ وہ میرے نبی ﷺ سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر گھر سے نکل آئی اور میں اس کا مزاق اڑاتا رہا، اسے پاگل سمجھتا اور کہتا رہا۔جس رات میں اسے لاہور چھوڑنے آیا تھا، اس نے مجھے راستے میں کہا تھا کہ ایک دن ہر چیز مجھے سمجھ آجائے گی، تب مجھے اپنی اوقات کا پتہ چل جائے گا۔"

وہ عجیب سے انداز میں ہنسا تھا۔

"اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔مجھے واقعی ہر چیز کی سمجھ آگئی۔اتنے سالوں میں، میں نے اللہ سے اتنی دعا اور توبہ کی ہے کہ۔۔۔۔۔"

وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔امامہ نے اسے سینٹر ٹیبل کے شیشے کے کنارے پر اپنی انگلی پھیرتے دیکھا۔وہ جانتی تھی کہ وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بعض دفعہ مجھے لگتا ہے کہ شاید میری دعا اور توبہ قبول ہوگئی۔" وہ رکا۔

"مگر اس دن۔۔۔۔۔میں آمنہ کے ساتھ نکاح کے کاغذات پر دستخط کر رہا تھا تو مجھے اپنی اوقات کا پتا چل گیا۔میری دعا اور توبہ کچھ بھی قبول نہیں ہوئی۔ایسا ہوتا تو مجھے امامہ ملتی، آمنہ نہیں۔خواہش تو اللہ انسان کو وہ دے دیتا ہے کہ معجزوں کے علاوہ کوئی چیز جسے پورا کر ہی نہیں سکتی۔میری خواہش دیکھیں میں نے اللہ سے کیا مانگا۔ایک ایسی لڑکی جسے کسی اور سے محبت ہے۔جو مجھے اسفل السافلین سمجھتی ہے، جسے میں نو سال سے ڈھونڈ رہا ہوں مگر اس کا کچھ پتا نہیں ہے۔

اور میں۔۔۔۔۔میں خواہش لئے پھر رہا ہوں اس کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کی۔یوں جیسے وہ مل ہی جائے گی، یوں جیسے وہ مل گئی تو میرے ساتھ رہنے کو تیار ہو جائے گی، یوں جیسے وہ جلال انصر کو بھلا چکی ہو گی۔ولیوں جتنی اور ولیوں جیسی عبادت کرتا تو شاید اللہ میرے لئے یہ معجزے کر دیتا پر میرے جیسے آدمی کے لئے۔۔۔۔۔میری اوقات تو یہ ہے کہ لوگ خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بخشش مانگتے ہیں۔میں وہاں کھڑا ہو کر بھی اسے ہی مانگتا رہا۔شاید اللہ کو یہی برا لگا۔"

امامہ کے جسم سے ایک کرنٹ گزرا تھا۔ایک جھماکے کی طرح وہ خواب اسے یاد آیا تھا۔

"میرے اللہ!" اس نے اپنے دونوں ہاتھ ہونٹوں پر رکھ لئے تھے۔وہ بے یقینی سے سالار کو دیکھ رہی تھی۔وہ خواب میں اس شخص کا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی۔"کیا وہ یہ شخص تھا، یہ جو

میرے سامنے بیٹھا ہے، یہ آدمی؟" اس نے خواب میں اس آدمی کو جلال سمجھا تھا مگر اسے یاد آیا جلال دراز قد نہیں تھا، وہ آدمی دراز قد تھا۔ سالار سکندر دراز قد تھا۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ جلال کی رنگت گندمی تھی۔ اس آدمی کی رنگت صاف تھی۔ سالار کی رنگت صاف تھی۔ اس نے خواب میں اس آدمی کے کندھے پر ایک تیسری چیز بھی دیکھی تھی۔ وہ تیسری چیز؟

اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے چہرے کو مکمل طور پر ڈھانپ لیا۔

وہ معجزوں کے نہ ہونے کی باتیں کر رہا تھا اور۔۔۔۔ اندر ڈاکٹر سبط علی خاموش تھے۔ وہ کیوں خاموش تھے۔ یہ صرف وہ اور امامہ جانتے تھے، سالار سکندر نہیں۔ امامہ نے اپنی آنکھیں رگڑیں اور چہرے سے ہاتھ ہٹا دیے۔ اس نے ایک بار پھر بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اس شخص کو دیکھا۔

نہ وہ ولی تھا نہ درویش۔۔۔۔ صرف سچے دل سے توبہ کرنے والا شخص تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے اسے پہلی بار احساس ہوا کہ جلال اور اس کے درمیان کیا چیز آ کر کھڑی ہو گئی تھی جس نے اتنے سالوں میں جلال کے لئے اس کی ایک دعا قبول نہیں ہونے دی۔ کونسی چیز آخری وقت میں فہد کی جگہ اس کو لے آئی تھی۔

اس شخص میں کوئی نہ کوئی بات تو ایسی ہو گی کہ اس کی دعائیں قبول ہوئیں، میری نہیں۔ ہر بار مجھے پلٹا کر اسی کی طرف بھیجا گیا۔

اس نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتے سوچا۔ اس نے ڈاکٹر سبط علی کو اسے صالح آدمی کہتے سنا۔ وہ جانتی تھی وہ یہ بات کس لئے کہہ رہے تھے۔ وہ سالار کو نہیں بتا رہے تھے۔ وہ امامہ کو بتا رہے تھے۔ وہ اسے صالح قرار نہ بھی دیتے تب بھی وہ اسے صالح ماننے پر مجبور تھی۔

اس کے پاس جو گواہی تھی وہ دنیا کی ہر گواہی سے بڑھ کر تھی۔ اس کے پاس جو ثبوت تھا اس کے بعد اور کسی ثبوت کی ضرورت تھی نہ گنجائش۔ اسے کیا "بتا" دیا گیا تھا، اسے کیا "جتا" دیا گیا تھا۔ وہ جانتی تھی۔۔۔۔ صرف وہی جان سکتی تھی۔

افطاری کے بعد سالار اور ڈاکٹر سبط علی نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں چلی آئی۔ ان کے آنے سے پہلے اس نے ملازم کے ساتھ مل کر کھانا لگا دیا تھا۔ سالار کی واپسی کھانے کے بعد ہوئی تھی اور اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر سبط علی جس وقت کچن میں آئی، اس وقت امامہ کچن کی میز پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی متورم تھیں مگر چہرہ پر سکون تھا۔

"میں نے سالار کو آپ کے بارے میں نہیں بتایا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ اب جلد از جلد اس سے مل کر بات کر لیں۔"

ڈاکٹر سبط علی نے اس سے کہا۔

"مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ پانی پیتے ہوئے رک گئی۔ "اسے اللہ نے میرے لئے منتخب کیا ہے اور میں اللہ کے انتخاب کو رد کرنے کی جرات نہیں کر سکتی۔ اس نے کہا ہے کہ وہ توبہ کر چکا ہے وہ نہ بھی کرتا ویسا ہی ہوتا جیسا پہلے تھا تب بھی میں اس کے پاس چلی جاتی اگر میں جان لیتی کہ اسے اللہ نے میرے لئے منتخب کیا ہے۔"

وہ اب دوبارہ پانی پی رہی تھی۔ "آپ اس سے کہیں مجھے لے جائے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سالار جس وقت مغرب کی نماز پڑھ کر آیا تب تک امامہ فرقان کی بیوی کے ساتھ کھانے کی میز پر کھانا لگا چکی تھی۔ فرقان اور سالار کی عدم موجودگی میں اس بار آمنہ اصرار کر کے اس کے ساتھ کام کرنے لگی۔

سالار کے آنے پر وہ اپنے فلیٹ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ سالار اور امامہ نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں، مجھے بچوں کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ وہ بے چارے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"آپ انہیں بھی یہیں بلوا لیں۔" سالار نے کہا۔

"نہیں بھئی، میں اس قسم کی فضول حرکت نہیں کر سکتی۔ امامہ تو پھر تمہیں پتا ہے یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے گی۔" نوشین نے اپنی بیٹی کا نام لیا۔

"سالار بڑا پیار کرتا ہے امامہ کے ساتھ۔"

فرقان کی بیوی نے امامہ سے کہا۔ ایک لمحے کے لئے سالار اور امامہ کی نظریں ملیں پھر سالار برق رفتاری سے مڑ کر ٹیبل پر پڑے گلاس میں جگ سے پانی انڈیلنے لگا۔ نوشین نے حیرانی سے امامہ کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا مگر وہ سمجھ نہیں پائیں۔

"تم لوگ کھانا کھاؤ۔ سحری بھی میں ملازم کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔ تم لوگ کچھ تیار مت کرنا۔"

ان کے جانے کے بعد سالار دروازہ بند کر کے واپس آ گیا۔ امامہ کو مخاطب کئے بغیر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا لیکن اس نے کھانا شروع نہیں کیا۔

امامہ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔اس کے بیٹھ جانے کے بعد سالار نے اپنے سامنے پڑے پلیٹ میں چاول نکالنا شروع کئے۔کچھ چاول نکال لینے کے بعد اس نے دائیں ہاتھ سے چاولوں کا ایک چمچ منہ میں ڈالا۔چند لمحوں کے لئے امامہ کی نظر اس کے دائیں ہاتھ سے ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر گئی۔سالار اس کی طرف متوجہ نہیں تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ کیا دیکھ رہی تھی۔

کھانا بہت خاموشی سے کھایا گیا۔امامہ کو اس کی خاموشی اب بری طرح چبھنے لگی تھی۔آخر وہ اس سے بات کیوں نہیں کر رہا تھا؟

"کیا مجھے دیکھ کر اتنا شاک لگا ہے اسے ؟ یا پھر ؟"

اسے اپنی بھوک غائب ہوتی محسوس ہوئی۔اسے اپنی پلیٹ میں موجود کھانا ختم کرنا مشکل لگنے لگا۔

سالار اس کے برعکس بہت اطمینان اور تیز رفتاری سے کھانا کھا رہا تھا۔اس نے جس وقت کھانا ختم کیا،اس وقت عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔

امامہ کے کھانا ختم کر کرنے کا انتظار کئے بغیر وہ میز سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔امامہ نے اپنی پلیٹ پیچھے سرکا دی۔

وہ میز پر پڑے برتن سمیٹنے لگی جب اس نے سالار کو تبدیل شدہ لباس میں برآمد ہوتے دیکھا۔ایک بار پھر اسے مخاطب کئے بغیر وہ فلیٹ سے نکل گیا تھا۔امامہ نے بچے ہوئے کھانے کو فریج میں رکھ دیا۔برتنوں کو سنک میں رکھنے کے بعد اس نے میز صاف کی اور خود بھی نماز پڑھنے چلی گئی۔



وہ عشاء کی نماز کے بعد جس وقت واپس لوٹا اس وقت وہ کچن میں برتن دھونے میں مصروف تھی۔سالار اپنے پاس موجود چابی سے فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آگیا۔سالار لاؤنج سے گزرتے ہوئے رک گیا۔کچن کے دروازے کی طرف امامہ کی پشت تھی اور وہ سنک کے سامنے کھڑی تھی۔اس کا دوپٹہ لاؤنج کے صوفے پر پڑا ہوا تھا۔

سالار نے پہلی بار اسے سعیدہ اماں کے ہاں کچھ گھنٹے پہلے دوپٹے کے بغیر دیکھا تھا اور اب وہ ایک بار پھر اسے دوپٹے کے بغیر دیکھ رہا تھا۔

نو سال پہلے وضو کرتے دیکھتے ہوئے اسے پہلی بار امامہ کو اس چادر کے بغیر دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی جو وہ اوڑھے رکھتی تھی۔نو سال بعد اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔اس نے

نو سال میں کئی بار اسے اپنے گھر میں "محسوس" کیا تھا مگر آج جب وہ اسے وہاں "دیکھ" رہا تھا تو وہ دم بخود تھا۔اس کے سیاہ بال ڈھیلے ڈھالے انداز میں جوڑے کی شکل میں لپیٹے گئے تھے اور سفید سویٹر کی پشت پر وہ یکدم بہت نمایاں ہو گئے تھے۔

نکاح نامے پر آمنہ مبین ولد ہاشم مبین احمد کو اپنی بیوی کے طور پر تسلیم کرنے کا اقرار کرتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شک پیدا نہیں ہوا تھا نہ ہی ہاشم مبین احمد کے نام نے اسے چونکایا تھا۔وہ سعیدہ اماں کی "بیٹی" سے شادی کر رہا تھا۔اس کا نام امامہ ہاشم بھی ہوتا تب بھی اس کے وہم و گمان میں بھی یہ کبھی نہیں آتا کہ یہ وہی امامہ تھی، کوئی اور نہیں اور اسے سعیدہ اماں کے صحن میں کھڑا دیکھ کر اسے ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ اس کا نکاح کس سے ہوا تھا۔



"تمہیں پتا ہے امامہ! نو سال میں کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ ہوتے ہیں؟"

خاموشی ٹوٹ گئی تھی۔اس کی آواز میں جسم کو چٹخا دینے والی ٹھنڈک تھی۔امامہ نے ہونٹ بھینچتے ہوئے نلکا بند کر دیا۔وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔اتنا قریب کہ وہ اگر مڑنے کی کوشش کرتی تو اس کا کندھا ضرور اس کے سینے سے ٹکرا جاتا۔اس نے مڑنے کی کوشش نہیں کی۔

وہ اپنی گردن کی پشت پر اس کے سانس لینے کی مدھم آواز سن سکتی تھی۔وہ اب اس کے جواب کا منتظر تھا۔اس کے پاس جواب نہیں تھا۔سنک کے کناروں پر ہاتھ جمائے وہ نلکے سے گرتے ہوئے چند آخری قطروں کو دیکھتی رہی۔

"کیا ان سالوں میں ایک بار بھی تم نے میرے بارے میں سوچا؟ سالار کے بارے میں؟"

اس کے سوال مشکل ہوتے جا رہے تھے۔وہ ایک بار پھر چپ رہی۔

"What is next to ecstasy?" وہ جواب کا انتظار کئے بغیر کہہ رہا تھا۔

"تم نے کہا تھا pain تم نے ٹھیک کہا تھا" It was pain

وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔

"میں یہاں اس گھر میں ہر جگہ تمہیں اتنی بار دیکھ چکا ہوں کہ اب تم میرے سامنے ہو تو مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

امامہ نے سنک کے کناروں کو اور مضبوطی سے تھام لیا۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو روکنے کے لئے وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"مجھے لگتا ہے، میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں کھولوں گا تو۔۔۔۔"

وہ رکا۔ امامہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

"تو سب کچھ ہو گا، بس تم نہیں ہو گی۔ آنکھیں بند کروں گا تو۔۔۔۔"

امامہ نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے گال بھیگ رہے تھے۔

"تو بھی اس خواب میں دوبارہ نہیں جا پاؤں گا۔ تم وہاں بھی نہیں ہو گی، مجھے تمہیں ہاتھ لگاتے ڈر لگتا ہے۔ ہاتھ بڑھاؤں گا تو سب کچھ تحلیل ہو جائے گا جیسے پانی میں نظر آنے والا عکس۔"

وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ ذرا جھکتا تو اس کے ہونٹ اس کے بالوں کو چھو جاتے مگر وہ اسے چھونا نہیں چاہتا تھا۔

"اور تم ہو کون امامہ۔۔۔۔؟ آمنہ۔۔۔۔؟ میرا وہم۔۔۔۔؟ یا پھر کوئی معجزہ؟"

"کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ مجھے۔۔۔۔ مجھے تم سے۔۔۔۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ امامہ کی آنکھوں سے نکلنے والا پانی اس کے چہرے کو بھگوتا ہوا اس کی ٹھوڑی سے ٹپک رہا تھا۔ وہ کیوں رکا تھا، وہ نہیں جانتی تھی مگر اسے زندگی میں کبھی خاموشی اتنی بری نہیں لگی تھی جتنی اس وقت لگی تھی۔ وہ بہت دیر خاموش رہا۔ اتنی دیر کہ وہ اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی اور تب اسے پتا چلا کہ وہ کیوں خاموش ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ بھی بھیگا ہوا تھا۔

وہ دونوں زندگی میں پہلی بار ایک دوسرے کو اتنے قریب سے دیکھ رہے تھے۔ اتنے قریب کہ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں نظر آنے والے اپنے اپنے عکس کو بھی دیکھ سکتے تھے پھر سالار نے نظریں چرانے کی کوشش کی تھی۔

وہ اپنے ہاتھ سے اپنے چہرے کو صاف کر رہا تھا۔

"تم مجھ سے اور میں تم سے کیا چھپائیں گے سالار! سب کچھ تو جانتے ہیں ہم ایک دوسرے کے بارے میں۔"

امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔ سالار نے ہاتھ روک کر سر اٹھایا۔

"میں کچھ نہیں چھپا رہا۔ میں آنسوؤں کو صاف کر رہا ہوں تاکہ تمہیں اچھی طرح دیکھ سکوں۔ تم پھر کسی دھند میں لپٹی ہوئی نظر نہ آؤ۔"

وہ اس کے کان کی لو میں لٹکنے والے ان موتیوں کو دیکھ رہا تھا جنہیں اس نے بہت سال پہلے بھی دیکھا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ آج وہ بہت قریب تھے۔ ایک بار ان موتیوں نے اسے بہت رلایا تھا۔ وہ موتی آج بھی رلا رہے تھے، اپنے ہر ہلکورے کے ساتھ، وہم سے جنبش، جنبش سے وہم بنتے ہوئے۔

وہ اپنے کانوں کی لوؤں پر اس کی محویت محسوس کر رہی تھی۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں کبھی تمہارے اتنے قریب کھڑے ہو کر تم سے بات کروں گی۔"

وہ مسکرایا لیکن نم آنکھوں کے ساتھ۔۔۔۔امامہ نے اس کے دائیں گال میں چند لمحوں کے لئے ابھرنے والا گڑھا دیکھا۔ مسکراتے ہوئے اس کے صرف ایک گال میں ڈمپل پڑتا تھا، دائیں گال میں اور نو سال پہلے امامہ کو اس ڈمپل سے بھی بڑی جھنجھلاہٹ ہوتی تھی۔ نو سال کے بعد اس ڈمپل نے پہلی بار عجیب سے انداز میں اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔

"میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی تمہارے کان میں موجود ائیر رنگ کو ہاتھ لگاؤں گا اور تم۔۔۔۔"

وہ اب اس کے دائیں کان میں ہلکورے لیتے ہوئے موتی کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے روک رہا تھا۔

"اور تم۔۔۔۔ تم مجھے ایک تھپڑ نہیں کھینچ مارو گی۔"

امامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ سالار کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اگلے لمحے وہ گیلے چہرے کے ساتھ بے اختیار ہنسی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"تمہیں ابھی بھی وہ تھپڑ یاد ہے۔ وہ ایک reflex action تھا اور کچھ نہیں۔"

امامہ نے ہاتھ کی پشت سے اپنے بھیگے گالوں کو صاف کیا۔ وہ ایک بار پھر مسکرایا۔ ڈمپل ایک بار پھر نمودار ہوا۔ اس نے بہت آہستگی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم جاننا چاہتے ہو کہ میں اتنے سال کہاں رہی، کیا کرتی رہی، میرے بارے میں سب کچھ؟"

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ رہا تھا۔

"میں کچھ جاننا نہیں چاہتا، کچھ بھی نہیں۔ تمہارے لئے اب میرے پاس کوئی اور سوال نہیں ہے۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ تم میرے سامنے کھڑی ہو، میرے سامنے تو ہو۔ میرے جیسا آدمی کسی سے کیا تحقیق کرے گا۔"

امامہ کے ہاتھ سالار کے سینے پر اس کے ہاتھوں کے نیچے دبے تھے۔ پانی نے اس کے ہاتھوں کو سرد کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کیوں اس کے ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھا۔ لاشعوری طور پر وہ اس کے ہاتھوں کی ٹھنڈک ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بڑا کسی بچے کے سرد ہاتھوں میں حرارت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس کے سینے پر ہاتھ رکھے وہ سویٹر کے نیچے سے اس کے دل کی دھڑکن کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ بے ترتیب تھی۔ تیز۔۔۔۔۔۔پرجوش۔۔۔۔۔کچھ کہتی ہوئی۔۔۔۔۔کچھ کہنے کی کوشش کرتی ہوئی۔۔۔۔۔اس کے سینے پر ہاتھ رکھے وہ اس وقت اس کے دل تک پہنچی ہوئی تھی، اسے شبہ نہیں تھا۔

وہ شخص اس سے محبت کرتا تھا، کیوں کرتا تھا؟ اس کا جواب سامنے کھڑا ہوا شخص بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے اس شخص سے یہ سوال کیا بھی نہیں تھا۔ سالار کی آنکھیں پرسکون انداز میں بند تھیں نہ بھی ہوتیں تب بھی ان آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اب اسے کوئی الجھن نہیں ہو رہی تھی۔ ان آنکھوں میں جو کچھ نو سال پہلے تھا اب نہیں تھا۔ جواب تھا وہ نو سال پہلے نہیں تھا۔

"ہم کیا ہیں، ہماری محبتیں کیا ہیں، کیا چاہتے ہیں، کیا پاتے ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اترنے لگی تھی۔

"جلال انصر۔۔۔۔۔اور سالار سکندر۔۔۔۔۔خواب سے حقیقت۔۔۔۔۔حقیقت سے خواب۔۔۔۔۔زندگی کیا اس کے سوا اور کچھ ہے؟"

امامہ نے آہستگی سے اپنے ہاتھ کھینچے۔ سالار نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک ثانیے کے لئے ابھرنے والے تاثر کو صرف وہی پہچان سکتی تھی۔

پریشانی، اضطراب، خوف۔۔۔۔۔تینوں میں سے کچھ تھا۔ امامہ نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا پھر سیاہ سوئیٹر کے گلے سے باہر نکلے ہوئے سفید کالرز کو دیکھا۔ کچھ کہے بغیر بہت نرمی کے ساتھ اس کی گردن کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اس نے سالار کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے پہلی بار سالار کے کولون کی ہلکی سی مہک کو محسوس کیا۔ نو سال پہلے وہ بہت تیز قسم کے پرفیومز استعمال کرتا تھا۔ نو سال بعد۔۔۔۔۔؟

سالار بالکل ساکت تھا۔ یوں جیسے اسے یقین نہیں آیا ہو۔ چند لمحوں کے بعد اس نے بڑی نرمی کے ساتھ امامہ کے گرد بازو پھیلائے۔

"I am honoured" (یہ میرے لئے اعزاز ہے)۔

امامہ نے اسے مدھم آواز میں کہتے سنا۔ وہ اس کی بند آنکھوں کو نرمی سے چوم رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سالار کے ساتھ خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سالار اس کے دائیں جانب تھا۔ وہ وہاں ان کی آخری رات تھی۔ وہ پچھلے پندرہ دن سے وہاں تھے۔ کچھ دیر پہلے انہوں نے تہجد ادا کی تھی۔ وہ تہجد کے نوافل کے بعد وہاں سے چلے جایا کرتے تھے۔ آج نہیں گئے، آج وہیں بیٹھے رہے۔ ان کے اور خانہ کعبہ کے دروازے کے درمیان بہت لوگ تھے اور بہت فاصلہ تھا۔ اس کے باوجود وہ دونوں جہاں بیٹھتے تھے وہاں سے وہ خانہ کعبہ کے دروازے کو بہت آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔

وہاں بیٹھتے وقت ان دونوں کے ذہن میں ایک ہی خواب تھا۔ وہ اس رات کو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ حرم پاک کے فرش پر اس جگہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے سالار سورۃ رحمٰن کی تلاوت کر رہا تھا۔ امامہ جان بوجھ کر اس کے برابر بیٹھنے کی بجائے بائیں جانب اس کے عقب میں بیٹھ گئی۔ سالار نے تلاوت کرتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے اپنے برابر والی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ امامہ اٹھ کر اس کے برابر بیٹھ گئی۔ سالار نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اب خانہ کعبہ کے دروازے پر نظر جمائے ہوئے تھا۔

امامہ بھی خانہ کعبہ کو دیکھنے لگی۔ وہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے اس خوش الحان آواز کو سنتی رہی جو اس کے شوہر کی تھی۔ فبای الاء ربکما تکذبان۔

اور تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

نو سال پہلے ہاشم مبین نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا تھا۔

"ساری دنیا کی ذلت اور رسوائی، بدنامی اور بھوک تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

انہوں نے اس کے چہرے پر ایک اور تھپڑ مارا۔

"تمہارے جیسی لڑکیوں کو اللہ ذلیل و خوار کرتا ہے۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑتا۔"

امامہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ایک وقت آئے گا جب تم دوبارہ ہماری طرف لوٹو گی۔ منت سماجت کرو گی۔ گڑگڑاؤ گی۔ تب ہم تمہیں دھتکار دیں گے۔ تب تم چیخ چیخ کر اپنے منہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگو گی۔ کہو گی کہ میں غلط تھی۔"

امامہ اشک بار آنکھوں سے مسکرائی۔

"میری خواہش ہے بابا!۔" اس نے زیر لب کہا۔ "کہ زندگی میں ایک بار میں آپ کے سامنے آؤں اور آپ کو بتادوں کہ دیکھ لیجئے، میرے چہرے پر کوئی ذلت، کوئی رسوائی نہیں ہے۔ میرے اللہ اور میرے پیغمبر ﷺ نے میری حفاظت کی۔ مجھے دنیا کے لئے تماشا نہیں بنایا، نہ دنیا میں بنایا ہے نہ ہی آخرت میں میں کسی رسوائی کا سامنا کروں گی اور میں آج اگر یہاں موجود ہوں تو صرف اس لئے کیونکہ میں سیدھے راستے پر ہوں اور یہاں بیٹھ کر میں ایک بار پھر اقرار کرتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ان کے بعد کوئی پیغمبر آیا ہے نہ ہی کبھی آئے گا۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ وہی پیر کامل ہیں۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ ان سے کامل ترین انسان دوسرا کوئی نہیں۔ ان کی نسل میں بھی کوئی ان کے برابر آیا ہے نہ ہی کبھی آئے گا۔ اور میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے آنے والی زندگی میں بھی کبھی اپنے ساتھ شرک کروائے نہ ہی مجھے آخری پیغمبر محمد ﷺ کے برابر کسی کو لا کھڑا کرنے کی جرات ہو۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ زندگی بھر مجھے سیدھے راستے پر رکھے۔ بے شک میں اس کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلا سکتی۔"

سالار نے سورۃ رحمٰن کی تلاوت ختم کرلی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لئے رکا پھر سجدے میں چلا گیا۔ سجدے سے اٹھنے کے بعد وہ کھڑا ہوتے ہوئے رک گیا۔ امامہ آنکھیں بند کئے دونوں

ہاتھ پھیلائے دعا کر رہی تھی۔ وہ اس کی دعا ختم ہونے کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ امامہ نے دعا ختم کی۔

سالار نے اٹھنا چاہا، وہ اٹھ نہیں سکا۔ امامہ نے بہت نرمی کے ساتھ اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ جو لوگ کہتے ہیں نا کہ جس سے محبت ہوئی وہ نہیں ملا۔ ایسا پتا ہے کیوں ہوتا ہے؟"

رات کے اس پچھلے پہر نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے وہ بھیگی آنکھوں اور مسکراتے چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"محبت میں صدق نہ ہو تو محبت نہیں ملتی۔ نو سال پہلے میں نے جب جلال سے محبت کی تو پورے صدق کے ساتھ کی۔ دعائیں، وظیفے، منتیں، کیا تھا جو میں نے نہیں کر چھوڑا مگر وہ مجھے نہیں ملا۔"

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ سالار کا ہاتھ اس کے ہاتھ کی نرم گرفت میں اس کے گھٹنے پر دھرا تھا۔

"پتا ہے کیوں؟ کیونکہ اس وقت تم بھی مجھ سے محبت کرنے لگے تھے اور تمہاری محبت میں میری محبت سے زیادہ صدق تھا۔"

سالار نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔اس کی ٹھوڑی سے ٹپکنے والے آنسو اب اس کے ہاتھ پر گر رہے تھے۔سالار نے دوبارہ امامہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"مجھے اب لگتا ہے کہ اللہ نے مجھے بہت پیار سے بنایا تھا۔وہ مجھے کسی ایسے شخص کو سونپنے پر تیار نہیں تھا جو میری ناقدری کرتا، مجھے ضائع کرتا اور جلال، وہ میرے ساتھ یہی سب کچھ کرتا۔وہ میری قدر کبھی نہ کرتا۔نو سال میں اللہ نے مجھے ہر حقیقت بتا دی۔ہر شخص کا اندر اور باہر دکھا دیا اور پھر اس نے مجھے سالار سکندر کو سونپا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم وہ شخص ہو جس کی محبت میں صدق ہے۔تمہارے علاوہ اور کون تھا جو مجھے یہاں لے کر آتا۔تم نے ٹھیک کہا تھا تم نے مجھ سے پاک محبت کی تھی۔"

وہ بے حس و حرکت اسے دیکھ رہا تھا۔وہ اب اس کے ہاتھ کو نرمی سے چومتے ہوئے باری باری اپنی آنکھوں سے لگا رہی تھی۔

"مجھے تم سے کتنی محبت ہو گی، میں نہیں جانتی۔دل پر میرا اختیار نہیں ہے مگر میں جتنی زندگی تمہارے ساتھ گزاروں گی تمہاری وفادار اور فرمانبردار رہوں گی۔یہ میرے اختیار میں ہے۔میں زندگی کے ہر مشکل مرحلے، ہر آزمائش میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔میں اچھے دنوں میں تمہاری زندگی میں آئی ہوں۔میں برے دنوں میں بھی تمہیں اکیلا نہیں

چھوڑوں گی۔"اس نے جتنی نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اسی نرمی سے چھوڑ دیا۔وہ اب سر جھکائے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو صاف کر رہی تھی۔

سالار کچھ کہے بغیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔وہ خانہ کعبہ کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔بلاشبہ اسے زمین پر اتاری جانے والی صالح اور بہترین عورتوں میں سے ایک بخش دی گئی تھی۔وہ عورت جس کے لئے نو سال اس نے ہر وقت اور ہر جگہ دعا کی تھی۔

کیا سالار سکندر کے لئے نعمتوں کی کوئی حد رہ گئی تھی اور اب جب وہ عورت اس کے ساتھ تھی تو اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کیسی بھاری ذمہ داری اپنے لئے لے بیٹھا تھا۔اسے اس عورت کا کفیل بنا دیا گیا تھا جو نیکی اور پارسائی میں اس سے کہیں آگے تھی۔

امامہ اٹھ کھڑی ہوئی۔سالار نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ تھام کر وہاں سے جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔اسے اس عورت کی حفاظت سونپ دی گئی تھی، جس نے اپنے اختیار کی زندگی کو اس کی طرح کسی آلائش اور غلاظت میں نہیں ڈبویا، جس نے اپنی تمام جسمانی اور جذباتی کمزوریوں کے باوجود اپنی روح اور جسم کو اس کی طرف نفس کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔اس کا ہاتھ تھامے قدم بڑھاتے ہوئے اسے زندگی میں پہلی بار پارسائی اور تقویٰ کا مطلب سمجھ میں آرہا تھا۔وہ اس سے چند قدم پیچھے تھی۔وہ حرم پاک میں بیٹھے اور چلتے لوگوں کی قطاروں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔

وہ اپنی پوری زندگی کو جیسے فلم کی کسی اسکرین پر چلتا دیکھ رہا تھا اور اسے بے تحاشا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ گناہوں کی ایک لمبی فہرست کے باوجود اس نے صرف اللہ کا کرم دیکھا تھا اور اس کے باوجود اس وقت کوئی اس سے زیادہ اللہ کے غضب سے خوف نہیں کھا رہا تھا۔ وہ شخص جس کا آئی کیو لیول 150 تھا اور جو فوٹو گرافک میموری رکھتا تھا نو سال میں جان گیا تھا کہ ان دونوں چیزوں کے ساتھ بھی زندگی کے بہت سارے مقامات پر انسان کسی اندھے کی طرح ٹھوکر کھا کر گر سکتا تھا۔ وہ بھی گرا تھا بہت بار۔۔۔۔۔ بہت مقامات پر۔۔۔۔۔ تب اس کا آئی کیو لیول اس کے کام آیا تھا نہ اس کی فوٹو گرافک میموری۔

ساتھ چلتی ہوئی لڑکی وہ دونوں چیزیں نہیں رکھتی تھی۔ اس کی مٹھی میں ہدایت کا ایک ننھا سا جگنو تھا اور وہ اس جگنو سے اڈتی روشنی کے سہارے زندگی کے ہر گھپ اندھیرے سے کوئی ٹھوکر کھائے بغیر گزر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ختم شد